خواتین کے لیے صاف ستھرا تفریحی ادب
ماہنامہ
آنچل
کراچی
قیمت = 60/ روپے

نومبر 2014ء کے شمارے کی ایک جھلک

قلندر ذات: یہ کہانی ایک ایسے مرد آہن کی ہے جو ذات کا قلندر تھا۔ اس نے ان لوگوں کو اپنی انگلیوں پر نچایا جو اپنے تئیں دنیا تسخیر کرنے کی دھن میں انسانیت کے دشمن بن گئے تھے۔

جگت سنگھ: تاریخ کے صفحات میں محفوظ سرزمین پنجاب کی ایسی دلگداز داستان جو کلاسک داستانوں میں شمار ہوتی ہے۔ یہ کہانی ان لوگوں کے لیے بھی فسانہ عبرت ہے جو آنے والی نسلوں کو انتقام اور دشمنی کے جذبات منتقل کرتے رہتے ہیں اور سیدھے سادھے نوجوان ''جگت سنگھ'' بن جاتے ہیں۔ ''جگت سنگھ'' کہاں سے چلا اور کہاں پہنچا' آیئے قارئین یہ جاننے کے لیے ہم بھی زیر نظر کہانی میں ''جگت سنگھ'' کے ساتھ ساتھ گاؤں کے سرسبز کھلیانوں' اونچے نیچے ٹیلوں اور پرخطر کھنڈرات کے نشیب وفراز میں سفر کرتے ہیں۔

دیدبان: صیہونی قوتیں صدیوں سے مسلم امہ کے خلاف ہر محاذ پر سرگرم ہیں۔ مسلمانوں میں جنم لینے والے فرقوں اور فسادات کے پس پشت میں بھی انہی کا ہاتھ کارفرما ہے۔ ارہاہے زیر نظر ناول انہی سازشوں کے پس منظر میں ہے۔ گو اس کے حالات وواقعات خیالی ہیں' اس کے کسی کردار وعلاقہ کا تعلق حقیقت سے نہیں ہے لیکن اس کا تھیم اور خمیر اصل واقعات سے ہی اٹھایا گیا۔

غزہ کی سسکیاں: زندگی اپنے اندر تلخیوں کے ساتھ ہزار خوب صورتیاں لیے ہوئے ہے اور اس زندگی سے جوڑے انمول رشتے جو ہمیں خوش رہنے پر اکساتے ہیں۔ مگر وہ بچی تو ابھی ان سب سے آشنا ہونا چاہتی تھی کہ پے در پے دھماکوں نے اسے گہری نیند سلادیا۔

آج ہی اپنے قریبی ہاکر سے طلب کریں

اس کے علاوہ اور بھی بہت کچھ

مدیر اعلیٰ ——— مشتاق احمد قریشی
مدیرہ ——— قیصر آرا
مدیر خصوصی ——— طاہر احمد قریشی
مدیرہ معاونین ——— جویریہ احمد
روبینہ احمد
جلد 36
شمارہ 08
نومبر 2014
ماہنامہ
آنچل
کراچی
اشتہارات اور دیگر معلومات
0300-8264242
رکن آل پاکستان نیوز پیپرز سوسائٹی
رکن کونسل آف پاکستان نیوز پیپرز ایڈیٹر
رکن چیمبر آف کامرس
aanchalpk.com
aanchalnovel.com
www.aanchalpk.com/blog
onlinemagazinepk.com/recipes
info@aanchal.com.pk
/women.magazine
/pkwomenmagazine
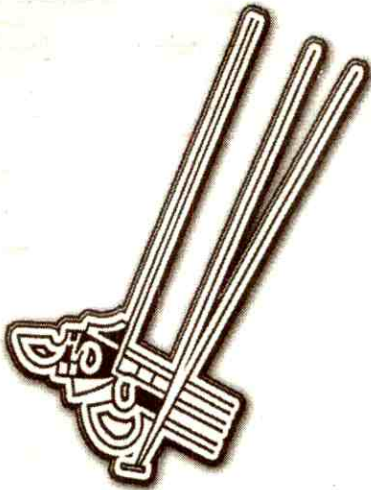
ابتدائیہ

دانش کدہ

فرحانہ ناز ملک

سلسلہ وار ناول

مکمل ناول

ناولٹ

افسانے

پبلشر: مشتاق احمد قریشی پرنٹر، جمیل حسن، ابن حسن پرنٹنگ پریس

ہاکی اسٹیڈیم کراچی؛ دفتر کا پتا: 7 فرید چیمبرز، عبداللہ ہارون روڈ کراچی۔ 74400

سرورق: ایشا نور...... آرائش: روز بیوٹی پارلر...... عکاسی: موسیٰ رضا

مستقل سلسلے

خط وکتابت کا پتا: ماہنامہ آنچل پوسٹ بکس نمبر 75 کراچی 74200 فون نمبرز 021-35620771/2
فیکس 021-35620773 یکے از مطبوعات نئے افق پبلی کیشنز ای میل info@aanchal.com.pk

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "پچھلی امتوں میں سے ایک شخص کے پاس فرشتہ روح قبض کرنے آیا پھر مرنے کے بعد اس سے پوچھا گیا کہ کیا تم نے کوئی بھلائی کا عمل کیا ہے؟ اس نے کہا کہ مجھے معلوم نہیں اس سے پھر کہا گیا کہ غور کرکے بتاؤ اس نے کہا کہ اس کے سوا مجھے اپنا کوئی نیک عمل معلوم نہیں کہ میں دنیا میں لوگوں کے ساتھ خرید و فروخت کرتا تھا تو حسن سلوک سے کام لیتا تھا کوئی کشادہ حال ہوتا تو اسے مہلت دے دیتا اور کوئی تنگ دست ہوتا تو اسے بالکل ہی معاف کردیتا اس پر اللہ نے اسے جنت میں داخل کردیا۔" (بخاری و مسلم)

سرگوشیاں

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

نومبر ۲۰۱۴ء کا آنچل حاضر مطالعہ ہے۔

آپ سے بات کرنے کو تو بہت کچھ سوچا تھا لیکن ہماری ہر دل عزیز لکھاری، بہن فرح ناز ملک اپنی والدہ، بہن، بھائی اور بیٹے کے ساتھ سفر کررہی تھیں کہ اچانک حادثے سے دوچار ہوکر چار افراد اللہ کو پیارے ہوگئے اور ان کا بیٹا دانیال شدید زخمی ہے اس کی حالت بھی بہت نازک ہے۔ بہنوں سے دعا کی درخواست ہے اللہ اس بچے کی حفاظت فرمائے اور اسے صحت وتندرستی عطا فرمائے اور مرحومین کو اپنی خاص جوارِ رحمت عطا فرمائے آمین۔

وطن عزیز کی فضا حسب سابق ہے دھرنوں نے اب جلسوں کا رخ اختیار کرلیا ہے وطن عزیز میں سیاسی ہلچل نے سارا نظام زندگی مفلوج کرکے رکھ دیا ہے۔ آسمانی آفات جو سیلاب کی صورت نازل ہوئی وہ کیا کم ہے کہ یہ سیاسی بازی گر اپنی ڈگڈگی بجاکر جمہورے کی جگہ جمہوروں کو نچارہے ہیں۔ ملک جو پہلے ہی حکمرانوں کی بداعمالیوں اور بدعنوانی کے باعث بیرونی قرضوں میں جکڑتا جارہا ہے اگر یوں کہا جائے کہ ہم غلامی کی زنجیر خود اپنے عمل کے ذریعے پہن رہے ہیں تو غلط نہ ہوگا۔ ہمارے تمام سیاسی اکابرین ذاتی مفادات میں اس قدر اندھے ہوگئے ہیں کہ انہیں ملک وقوم کے مفادات بھی نظر نہیں آرہے۔ وہ تو بس اپنے مفادات کے حصول کے لیے منہ کھولے آنکھیں بند کیے قرضوں کی غلامی کی گہری کھائی کی طرف اندھادھند بڑھتے ہی جارہے ہیں اللہ ہماری حفاظت فرمائے، وطن عزیز کو قائم ودائم رکھے اور ان مفاد پرستوں سے وطن عزیز کو محفوظ رکھے آمین۔

اس بار ہمارا آنچل اور بہنوں کی عدالت شائع نہیں کیا جارہا ان شاء اللہ اگلے ماہ آپ پڑھ پائیں گی۔

اس ماہ کے ستارے

☆ لکھ ہواؤں کے سنگ	بہن ڈاکٹر ہما جہانگیر ایک طویل عرصے کے بعد مکمل ناول کے ساتھ حاضر محفل ہیں۔
☆ بچھڑا کچھ اس ادا سے	اس بار بہن شازیہ مصطفیٰ محبت کا انوکھا انداز لیے حاضر ہیں۔
☆ بھوک	نازیہ کنول نازی اس بار بھی اپنے قلم کا جادو بہترین انداز میں جگارہی ہیں۔
☆ تو ہی ہے سایہ	طلعت نظامی عمدہ پیرائے میں نصیحت دے رہی ہیں۔
☆ روشنی کا سفر	شازیہ فاروق سبق آموز افسانے کے ساتھ شریکِ محفل ہیں۔
☆ تیرے آنے کا انتظار رہا	سویرا فلک ہم سب کے ساتھ محوِ انتظار ہیں۔
☆ کوئی غمگسار ہوتا	حمیرا نگاہ اپنے مخصوص انداز کے ساتھ شریک محفل ہیں۔
☆ ہائے وہ زود و پشیماں	صباء مظفر پہلی بار طنز ومزاح کا انداز لیے حاضرِ محفل ہیں۔
☆ عجب ہے محبت غضب یہ چاہت	کنیز فضہ ہاشمی پہلی بار شریک محفل ہیں اپنے ناولٹ کے ساتھ۔

اگلے ماہ تک کے لیے اللہ حافظ۔

دعا گو

قیصر آراء

حمد

تجھے ڈھونڈتا تھا میں چار سُو تری شان جل جلالہٗ
تو ملا قریب رگِ گلو تری شان جل جلالہٗ

تری یاد میں ہے کلی کلی، چمن چمن میں، ھوالعلی
تو بسا ہے پھول میں ہو بہو تری شان جل جلالہٗ

گرے قطرے ابر سے خاک پر تو یہ بولا سبزہ اٹھا کے سر
دیا غیب سے مجھے آب جُو تری شان جل جلالہٗ

تری آب لعل و گہر میں ہے ترا نور شمس و قمر میں ہے
تیری شان عمّ نوالہٗ تری شان جل جلالہٗ

ترے حکم سے جو ہوا چلی تو چٹک کے بولی کلی کلی
ہے کریم تُو، ہے رحیم تُو، تری شان جل جلالہٗ

ترا جلوہ دونوں جہاں میں ہے ترا نور کون و مکاں میں ہے
یہاں تُو ہی تُو، وہاں تو ہی تُو، تری شان جل جلالہٗ

ہے دعائے اکبر ناتواں نہ تھمے قلم نہ رکے زباں
میں لکھوں پڑھوں یہی باوضو تری شان جل جلالہٗ

اکبر وارثی

نعت

موزوں کلام میں جو ثنائے نبی ہوئی
تو ابتدا سے طبعِ روفاں منتہی ہوئی

ہر بیت میں جو وصفِ پیمبر رقم کیے
کاشانۂ سخن میں بڑی روشنی ہوئی

ظلمت رہی نہ پرتوِ حسنِ رسول سے
بیکار اے فلک شبِ مہتاب بھی ہوئی

ساقیٔ سلسبیل کے اوصاف جب پڑھے
محفل تمام مستِ مئے بے خودی ہوئی

دل کھول کر رسولؐ سے میں نے کیے سوال
ہرگز طلب میں عار نہ پیشِ سخی ہوئی

تاریک شب میں آپ نے رکھا جہاں قدم
مہتابِ نقشِ پا سے وہاں روشنی ہوئی

ہے شاہِ دیں سے کوثر و تسنیم کا کلام
یہ آبرو تمام ہے حضرت کی دی ہوئی

سالک ہے جو کہ جادۂ عشق رسول کا
جنت کی راہ اس کے لیے ہے کھلی ہوئی

آزاد اور فکر جگہ پائے گی کہاں
الفت ہے دل میں شاہِ زمن کی بھری ہوئی

مولانا ابوالکلام آزادؒ

editor_aa@aanchal.com.pk
www.facebook.com/EDITORAANCHAL

مدیرہ

ام ایمن...... منڈی بھائو الدین

پیاری ایمن! سدا مسکراؤ' آپ کا خط پڑھ کر اندازہ ہوا کہ آپ کی لگن اور شوق کا یہ عالم ہے تو ان شاء اللہ منزل بھی آپ کے قدم چومے گی۔ گڑیا آپ کی تحریر جلد ہی آنچل کے صفحات پر اپنی جگہ بنالے گی' انتظار کی گھڑیاں بے شک طویل ہوتی ہیں مگر آپ کا انتظار رائیگاں نہیں جائے گا امید کا دامن تھامے رکھیے۔

ندا علی عباس...... سوھاوہ گجر خان

ڈیئر ندا! جگ جگ جیو' شکوہ وشکایات سے بھرپور آپ کا پہلا خط موصول ہوا' اس سے پہلے ہمیں آپ کے دیگر خطوط و نگارشات موصول ہی نہیں ہوئیں تو ہم شائع کیسے کرتے؟ گڑیا آپ نے جس پتے پر اب خط بھیجا ہے آئندہ بھی اسی طرح ارسال کریں۔ اس وقت پرچہ تکمیلی مراحل میں ہے اس لیے دیگر نگارشات آئندہ کے لیے محفوظ کرلی گئی ہیں' نازیہ کنول کے لیے پیغام ارسال کردیں' لگ جائے گا۔

الفت اینڈ فائزہ عباسی
چنار' آزاد کشمیر

ڈیئر سسٹرز! جیتی رہو' کشمیر کی حسین وادیوں سے ارسال کردہ آپ کا خط 13 تاریخ کو موصول ہوا جبکہ پرچہ تکمیلی مراحل میں ہے ایسے میں آپ کی نگارشات آپ ہی بتائیں کیسے شامل کریں۔ ہر ماہ کی 8 تاریخ تک جو بھی ڈاک ہمیں موصول ہوجاتی ہے وہ ہم استعمال کرلیتے ہیں اس لیے آپ بھی تبصرہ جلدی ارسال کردیا کریں تاکہ آپ بھی بروئے آئینہ اپنا عکس دیکھ سکیں' امید ہے ناراضگی ختم ہوجائے گی۔

حمیرا قریشی...... لاہور

ڈیئر حمیرا! شاد وآباد رہو' آپ کی کہانی ہمیں موصول ہوگئی ہے ان شاء اللہ باری آنے پر پڑھ کر آپ کو جواب دیا جائے گا جہاں تک شاعری کی بات ہے تو وہ متعلقہ شعبے میں بھیج دی جاتی ہے۔ ردو قبول کا فیصلہ وہیں طے پاتا ہے اگر معیاری ہوئی تو ضرور جگہ بنالے گی۔

ہ جاوید فری...... شادمان' لاہور

پیاری بہن فریدہ! سدا خوش رہو' آپ کی جانب سے خوب صورت شعری مجموعہ "پانچواں موسم" موصول ہوا' دلی جذبات و احساسات کی بخوبی عکاسی کرتا یہ مجموعہ قبولیت کی سند اختیار کرگیا' ہماری جانب سے ڈھیروں مبارک باد۔ "لمحہ لمحہ بہار ہوجائے" ناول بھی ادب سے وابستہ افراد کے لیے خوش گوار اضافہ ثابت ہوگا' ربّ تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ آپ کا قلمی سفر یونہی کامیابی سے جاری وساری رہے' کتابی تحائف بھیجنے پر نہایت شکریہ۔

عتیقہ محمد بیگ...... سیالکوٹ

ڈیئر عتیقہ! جیتی رہو' یہ جان کر بے حد خوشی ہوئی کہ آپ کا قلمی سفر الیکٹرانک میڈیا پر بھی اپنی پہچان بنانے میں کامیاب ہوگیا ہے۔ بے شک قاری بہنوں کے لیے بھی یہ نہایت خوشی کی بات ہے۔ ادارہ آنچل بھی اس خوشی میں آپ کے ساتھ شریک ہے۔ نجی ٹی وی چینل سے آپ کا تحریر کردہ ڈرامہ "فاصلوں کے درمیان" 15 ستمبر سے شروع ہوا' ہماری جانب سے ڈھیروں مبارک باد' اللہ سبحان وتعالیٰ آپ کو کامیابی کی جانب گامزن رکھے آمین۔

طلعت نظامی...... کراچی

پیاری بہن طلعت! شاد وآباد رہو' آپ کی بہن کی شادی کا خوب صورت کارڈ موصول ہوا' دعوت نامہ بھیجنے اور اپنی خوشیوں میں ہمیں بھی یاد رکھنے کا بے حد شکریہ۔ ہماری جانب سے آپ کو اور دیگر اہلِ خانہ کو ہمشیرہ کی شادی کی بہت بہت مبارک باد قبول ہو' اللہ سبحان وتعالیٰ آپ کو ایسی بہت سی خوشیاں دیکھنا نصیب فرمائے' آمین خوش رہیں۔

ماہ رخ سیال...... سرگودھا

ڈیئر ماہ رخ! جگ جگ جیو' چاہتوں اور محبتوں سے بھرپور آپ کا خط موصول ہوا' نازیہ کنول نازی کے ناول کو پسند کرنے کا بے حد شکریہ۔ انہی سطور کے ذریعے آپ کی تعریف ان تک پہنچا رہے ہیں' نازیہ کنول نازی کو آپ کی اور ادارہ آنچل کی جانب سے سالگرہ کی ڈھیروں مبارک باد پیش کرتے ہیں' امید ہے کہ اب تشفی ہوپائے گی۔

پلوشہ گل...... کوٹ ادو

ڈیئر گل! گلوں کی طرح مہکتی رہو' آپ نے ایک ہی لفافے میں دیگر نگارشات کے ساتھ روحانی مسائل کی ڈاک بھی ارسال کردی ہے جبکہ "روحانی مسائل" اور "آپ کی صحت"

کے لیے الگ الگ لفافے استعمال کیا کریں تاکہ آپ کی ڈاک وہاں تک پہنچ جائے اس لیے آپ اور دیگر بہنیں آئندہ خیال رکھیے گا امید ہے سمجھ پائیں گی۔

علمہ شمشاد حسین...... کورنگی، کراچی

پیاری علمہ! سدا سہاگن رہو ہم آپ کو ہرگز نہیں بھولے وقتاً فوقتاً آپ کی شاعری کو آنچل کی زینت بناتے رہتے ہیں اگر آپ نے کہانی لکھ لی ہے تو ہمت کرکے ارسال بھی کردیں، معیاری ہوئی تو ضرور حوصلہ افزائی کی جائے گی۔ اللہ سبحان و تعالیٰ بہت سی خوشیاں آپ کو دیکھنا نصیب فرمائے آمین۔

کاجل شاہ...... خانیوال

ڈیئر کاجل! جگ جگ جیو کافی عرصہ بعد آپ کا خط موصول ہوا آپ سے نصف ملاقات، بہت اچھی لگی۔ آپ کی بیٹی کو ہماری جانب سے سالگرہ کی ڈھیروں مبارک باد اللہ سبحان وتعالیٰ آپ کو اپنے بچوں کی بہت سی خوشیاں دیکھنا نصیب فرمائے آمین۔

امشاج جنت...... نامعلوم

ڈیئر امشاج! سدا مسکراؤ، سات سال کے طویل عرصے کے بعد آپ نے بزم آنچل میں پہلی مرتبہ شرکت کی خوش آمدید۔ آپ جگہ کا نام لکھنا بھول گئی ہیں آئندہ خیال رکھیے گا۔ آپ کی نگارشات اور تعارف باری آنے پر لگ جائے گا۔

عائشہ سونیا صندل...... دھروڑ ھند کے

ڈیئر عائشہ! شاد و آباد رہو چاہتوں اور محبتوں سے بھرپور آپ کا خط موصول ہوا جواب بھی حاضر ہے۔ بزم آنچل میں شرکت پر خوش آمدید، تین سال کی خاموشی کو توڑ کر آپ نے اپنے جذبات و احساسات کو ہوا کے دوش ہم تک پہنچایا بے حد خوشی ہوئی آئندہ بھی شریک محفل رہیے گا۔

ارم کمال...... فیصل آباد

ڈیئر ارم! سدا سہاگن رہو سب سے پہلے تو بیٹی کی شاندار نمبروں سے کامیابی پر ڈھیروں مبارک باد۔ آپ کا کہنا بالکل بجا ہے ماؤں کو فکر بھی سب سے زیادہ ہوتی ہے اور بیٹی کی رخصتی کے وقت دل کا حال بھی عجیب ہوتا ہے، بہر حال یہی دستور دنیا ہے۔ اللہ سبحان وتعالیٰ آپ کی دعاؤں کو قبولیت کا شرف بخش دے، اشاعت پیغام کے لیے شکریہ کی ضرورت نہیں ہے، یہ آپ کا اپنا پرچہ ہے۔

یاسمین کنول...... پسرور

پیاری یاسمین! جیتی رہو، شکریہ کی قطعاً ضرورت نہیں ہے یہ آپ بہنوں کا اپنا پرچہ ہے جو آپ کی نگارشات سے ہی پایہ تکمیل تک پہنچتا ہے آپ دیگر سلسلوں میں بھی شرکت کرسکتی ہیں۔ طویل عرصہ بعد آپ سے نصف ملاقات اچھی لگی۔

نادیہ عباس دیا قریشی...... موسیٰ خیل

ڈیئر نادیہ! شاد و آباد رہو "نیرنگ خیال" میں اپنی تخلیق کردہ شاعری شائع ہوتی ہے لیکن بعض اوقات کچھ بہنیں دیگر شعراء کی شاعری بھی اپنے نام کے ساتھ ارسال کردیتی ہیں جبکہ ایسی صورت میں آپ اس شاعر کا نام اور انتخاب لکھ کر بھیجیں اور اپنی شاعری "نیرنگ خیال" کے عنوان سے بھیج دیں، امید ہے سمجھ پائیں گی۔

روبی علی...... سید والہ

پیاری روبی! جگ جگ جیو بی ایڈ کے سمسٹر میں شاندار کامیابی حاصل کرنے پر ڈھیروں مبارک باد۔ آپ کی نگارشات گاہے بگاہے شامل کرتے رہیں گے، ننھی پری کی آمد پر پھوپو جانی کو مبارک ہو خوش رہیے۔

عاصمہ عنبرین عنبر...... ڈھرنال تلہ گنگ

پیاری عاصمہ! سدا مسکراؤ، جس طرح تمام خدشات کو پس پشت ڈال کر خط ارسال کیا ہے اسی طرح کہانی بھی ارسال کردیں اگر آنچل کے معیار پر پوری اتری تو ضرور حوصلہ افزائی کی جائے گی۔ ناکامی کے خوف سے ہمت ہار دینا تو سب سے بڑی ناکامی ہے، دعاؤں کے لیے جزاک اللہ۔

ڈاکٹر ہما جہانگیر...... اسلام آباد

پیاری بہن! جیتی رہو آپ کے والد کی علالت کی خبر سن کر بے حد افسوس ہوا۔ بے شک والدین کا سایہ بہت بڑی نعمت ہے اللہ سبحان وتعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ آپ کے والدین کا مشفق سایہ تاقیامت آپ کے سر پر قائم و دائم رہے۔ قارئین سے بھی آپ کے والد کے لیے جو کہ اس وقت آئی سی یو میں ہیں دعائے صحت کی اپیل ہے۔

فاطمہ ماریہ...... فیصل آباد

ڈیئر فاطمہ! جیتی رہو کچھ سمجھ نہیں آتا کہ اس ننھے مہمان، آپ کے بھانجے کی آمد اور پھر ماں کی گود خالی رہ جانے پر کیا لکھوں؟ وہ ننھی کلی جو ابھی کھلی بھی نہ تھی مرجھا گئی۔ بے اختیار آنکھوں میں نمی آگئی، اللہ تعالیٰ اولاد کا دکھ کسی کو نہ دکھائے۔ ربّ تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ وہ آپ کی بہن اور دیگر اہل خانہ کو صبر و ہمت عطا فرمائے اور آپ کی بہن کی زندگی کو خوشیوں سے ہمکنار کردے آمین۔

عبیرہ گل...... کراچی

عزیزی عبیرہ! شاد و آباد رہو‘ آپ کی تحریر ”ازلی ادھوری کہانی“ نے منتخب شدہ کہانیوں میں اپنی جگہ بنالی ہے‘ بہت جلد آپ کی تحریر آنچل کے صفحات پر جلوہ گر ہوگی‘ اس کامیابی پر ڈھیروں مبارک باد۔ ہماری دعا ہے کہ آپ کا قلمی سفر کامیابی سے ترقی کی منازل طے کرتا رہے آمین۔

ماریہ کنول ماہی...... چك وركاں

ڈیئر ماریہ! سدا مسکراؤ‘ چاہتوں اور محبتوں سے بھرپور آپ کا خط موصول ہوا‘ شاعری کی کتاب چھپوانے کے لیے آپ آفس کے نمبر پر رابطہ کریں تمام معلومات آپ کو مل جائیں گی۔

ماہا بھٹی...... جڑانواله

ڈیئر ماہا! شاد و آباد رہو‘ پہلی مرتبہ بزم آنچل میں شرکت پر خوش آمدید آپ لکھنا چاہتی ہیں یہ تو اچھی بات ہے آپ کسی بھی موضوع پر مختصر افسانہ لکھ کر ارسال کریں۔ اگر معیاری ہوا تو ضرور حوصلہ افزائی کی جائے گی دیگر معلومات کے لیے آپ صفحہ نمبر 17 پر موجود بکس سے بھی رہنمائی حاصل کرسکتی ہیں۔

حافظه فوزیه سلیم...... چیچه وطنی

ڈیئر فوزیہ! سدا سہاگن رہو‘ سب سے پہلے تو ہماری جانب سے شادی کی ڈھیروں مبارک باد۔ اب تک یقیناً پیا دیس سدھار گئی ہوں گی‘ خوب صورت الفاظ اور برجستہ انداز میں تحریر آپ کا خط موصول ہوا‘ شعروں کی صورت جذبات کا اظہار بخوبی ہو رہا تھا۔ آپ کے کہنے کے مطابق آپ کی تحریر کو محبت سے پڑھا اور نرمی سے اپنے پاس رکھ لیا۔ ”سبز طلسماتی آنکھیں“ منتخب ہوگیا ہے‘ جس کی بھی بہت مبارک ہو۔

آمنه هاشم خان...... حضرو‘ اٹك

ڈیئر آمنہ! شاد و آباد رہو‘ آپ کی تحریر ”تیرے بن جینا مشکل“ موصول ہوئی‘ آپ کی تحریر پڑھ کر انداز ہوا کہ آپ کا انداز تحریر بہتر ہے البتہ بعض جگہوں پر کہانی پر گرفت کمزور ہے‘ آپ طوالت سے گریز کرتے مختصر افسانے پر طبع آزمائی کریں۔ اس کے لیے آپ کو وسیع مطالعہ و عمیق مشاہدے کی ضرورت ہے ان شاء اللہ مزید بہتر لکھ پائیں گی بس تھوڑی محنت کی ضرورت ہے‘ اللہ آپ کا حامی و ناصر ہو۔

ساریه چوهدری...... ڈوگه‘ گجرات

پیاری بہن ساریہ! شاد و آباد رہو‘ آپ کی تحریر ”خوشبو ہے زندگی“ پڑھ ڈالی مگر کچھ خاص تاثر قائم کرنے میں ناکام رہی۔ آپ نے موضوع کے انتخاب میں احتیاط نہیں کی‘ آپ کسی اور موضوع پر طبع آزمائی کریں‘ اتنا کہنا چاہوں گی مختصر مگر پر اثر لکھیں۔

عائشه حنا بٹ...... فیصل آباد

پیاری عائشہ! جگ جگ جیو‘ آپ کی تحریر ”تیرے وجود کے حصار“ موضوع کا چناؤ اچھا ہے لیکن انداز تحریر بعض جگہوں پر کمزور ہے‘ مزید محنت اور وسیع مطالعہ کی بنا پر آپ مزید بہتر لکھ سکتی ہیں‘ امید ہے کوشش جاری رکھیں گی۔

نصرت نظیر
ٹنڈو محمد خان‘ حیدر آباد

ڈیئر نصرت! شاد و آباد رہو‘ آپ کی جانب سے ”تو میری عاشقی ہے“ طویل ناول موصول ہوا‘ آپ کی محنت اور لگن کو سراہتے ہوئے ہم نے ناول پڑھ ڈالا لیکن کچھ خاص تاثر قائم کرنے میں ناکام رہا۔ گڑیا! ابھی آپ کا انداز تحریر بہت کمزور ہے‘ موضوع کا چناؤ نہایت حساس اور پھر بے جا طوالت کی بنا پر آپ اسے سنبھال نہیں پائیں۔ بہتر ہوتا کہ آپ ناول پر طبع آزمائی کرنے سے پہلے افسانہ لکھتیں۔ اچھا اور بہتر لکھنے کے لیے اپنا مطالعہ وسیع کیجیے دیگر بڑے رائٹرز کی تحریروں کا بغور مطالعہ کریں پھر کسی اور موضوع پر مختصر مگر جامع لکھیں‘ امید ہے اس ناکامی کو آپ کامیاب کا زینہ بنائیں گی‘ خوش رہیں۔

ارباب ندیم هاشمی
نوتهیه قریشیاں‘ گجرات

پیاری ارباب! جیتی رہو‘ آپ کی تحریر ”بسنت رنگ زندگی“ پڑھ ڈالی مگر آپ کی تحریر آنچل کے معیار پر پوری نہ اترسکی وجہ موضوع کا انتہائی فرسودہ اور انداز تحریر کا ناپختہ ہونا ہے۔ آپ کہانی پر گرفت برقرار نہ رکھ سکیں‘ کہانی کا پلاٹ بھی کافی کمزور ہے لہٰذا معذرت خواہ ہیں آپ صرف افسانہ پر طبع آزمائی کریں اور دیگر رائٹرز کی تحریروں کا بغور مطالعہ کریں۔

کائنات نور...... نامعلوم

عزیزی کائنات! سدا مسکراؤ‘ آپ کی تحریر ”تنہائی“ پڑھی موضوع اچھا ہے انداز تحریر بھی خوب ہے مگر کہانی نہایت اختصار کا شکار ہے۔ آپ نے نہایت مختصر پیرائے میں زندگی کی بہت بڑی حقیقت بیان کردی ہے۔ جس کی بناء پر تشنگی برقرار ہے آپ اسی کہانی کو از سر نو ذرا وضاحت کے ساتھ ارسال کردیں ہم منتظر رہیں گے۔

اقصیٰ عرفان...... بندر روڈ‘ سکھر

پیاری اقصیٰ! جگ جگ جیو‘ آپ کا پہلا ناول ”زندگی تم بن

ادھوری'' موصول ہوا' آپ کو آنچل پسند ہے اس لیے آپ نے قلمی سفر کا آغاز بھی یہیں سے کیا' جان کر خوشی ہوئی۔ ہم نے آپ کا ناول بغور پڑھا ابھی آپ کو بہت محنت کی ضرورت ہے' انداز تحریر اور موضوع کا چناؤ دونوں ہی کمزور ہیں۔ بہتر ہوتا کہ آپ صنف ناول پر طبع آزمائی سے پہلے مختصر افسانہ لکھتیں بہرحال کوشش جاری رکھیے دیگر رائٹرز کا بغور مطالعہ کریں' امید ہے تشفی ہو پائے گی۔

قرۃ العین سکندر...... لاہور

پیاری قرۃ العین! جگ جگ جیو' آپ کی تحریر ''ماواں ٹھنڈیاں چھاواں'' انداز تحریر بہتر ہے' آپ نے موضوع بھی اچھا اور اصلاحی چنا ہے مگر بعض جگہوں پر آپ کہانی کو سنبھال نہیں پائیں اسی بنا پر کہانی میں دلکشی کا عنصر قدرے کم ہوگیا ہے۔ آپ دیگر رائٹرز کی تحریروں کا بغور مطالعہ کریں اور اسی طرح کے موضوعات پر طبع آزمائی کریں' امید ہے کوشش جاری رکھیں گی ہم منتظر رہیں گے۔

عائشہ کنول عاشی...... میووال' گجرات

ڈیئر عائشہ! جیتی رہو' خفگی وناراضگی سے بھرپور آپ کا خط موصول ہوا ساتھ ہی آنچل سے وابستگی اور والہانہ پن کا اظہار کرتے خوشبو میں بسے پھول بھی اپنی بہار دکھلا رہے تھے۔ گڑیا آپ کا کہنا بجا ہے کہ انتظار کی گھڑیاں طویل اور تکلیف دہ ہوتی ہیں لیکن اس طرح کے کاموں میں دیر سویر تو ہو ہی جاتی ہے۔ آپ کی تحریر ''خواب سے تعبیر تک'' کا انداز تحریر کمزور ہے' آپ کی دوسری تحریر ''دن کے اجالے'' کا جواب پہلے بھی ناقابل اشاعت میں دیا جا چکا ہے آپ مختصر افسانہ لکھیں۔

عائشہ رانا...... فیصل آباد

پیاری عائشہ! سدا مسکراؤ' آپ کا خط موصول ہوا' گڑیا تعارف کے لیے آپ کو انتظار کرنا پڑے گا' آپ سے پہلے دیگر بہنوں کے تعارف بھی کثیر تعداد میں موجود ہیں' ان شاءاللہ باری آنے پر لگ جائے گا۔ آپ کی تحریریں ''فرمائش'' اور ''سرپرائز'' دونوں ہی آنچل کے معیار پر پوری نہ اتر سکیں' آپ کا انداز تحریر کافی کمزور ہے اس کے لیے آپ کو کافی محنت کی ضرورت ہے۔

دیگر بڑے رائٹرز بھی انہی مراحل سے گزر کر آج ادبی افق کے چمکتے ستارے بنے ہیں' آپ بھی اس ناکامی کی پروا کیے بغیر محنت اور کوشش جاری رکھیں۔

ناقابل اشاعت:۔

دل بے ایمان' قسمت' قربانی' تیرے بن جینا مشکل' چراغ سحر جل اٹھا' میرا رب مہرباں' عید سعید' یقین کی پل' عزت نفس' محبت کے راستے' اسلام مہکتا گلاب' خوشبو ہے زندگی' عندلیب' محبت ضروری تھی' بسنت رنگ زندگی' زندگی تم بن ادھوری' خوشیوں کے پھول' اکثریوں ہی' دعائیں کبھی رد نہیں ہوتیں' دشوار ہے منزل' محبت کے چند سکے' معتبر رشتے' تیرے وجود کے حصار میں' تیرے ہمراہی' دوبارہ دستک خوشیوں کی' تو میری عاشقی ہے' خواب سے تعبیر تک' آخر پیار کی جیت' اندھیرا اجالا' قسمت کے کھیل' تم اجنبی کیوں بنے' سرپرائز' اسی ہار میں جیت میری' ٹھکانے لگا سرمایہ' تنہائی' غلطی کسی کی' اجرت' ماواں ٹھنڈیاں چھاواں۔

مصنفین سے گزارش

☆ مسودہ صاف خوش خط لکھیں۔ حاشیہ لگائیں صفحہ کی ایک جانب اور ایک سطر چھوڑ کر لکھیں اور صفحہ نمبر ضرور لکھیں اور اس کی فوٹو کاپی کرا کر اپنے پاس رکھیں۔

☆ قسط وار ناول لکھنے کے لیے ادارہ سے اجازت حاصل کرنا لازمی ہے۔

☆ نئی لکھاری بہنیں کوشش کریں پہلے افسانہ لکھیں پھر ناول یا ناولٹ پر طبع آزمائی کریں۔

☆ فوٹو اسٹیٹ کہانی قابل قبول نہیں ہوگی۔ ادارہ نے ناقابل اشاعت تحریروں کی واپسی کا سلسلہ بند کردیا ہے۔

☆ کوئی بھی تحریر نیلی یا سیاہ روشنائی سے تحریر کریں۔

☆ مسودے کے آخری صفحہ پر اپنا مکمل نام پتا خوشخط تحریر کریں۔

☆ اپنی کہانیاں دفتر کے پتا پر رجسٹرڈ ڈاک کے ذریعے ارسال کیجیے۔ 7، فرید چیمبرز عبداللہ ہارون روڈ۔ کراچی۔

اعتذار

ماہِ اکتوبر کے شمارے میں تزئین کار کی غلطی سے نادیہ فاطمہ رضوی کی کہانی کا عنوان رشکِ حبیبہ کی کہانی کے عنوان سے تبدیل ہوگیا تھا جس کے لیے ادارہ آنچل اپنے قارئین اور دونوں لکھاری بہنوں سے معذرت خواہ ہے۔

مشتاق احمد قریشی

قرآنِ حکیم بھی اللہ تعالیٰ کی جانب سے اپنے بندوں کے لئے میزانِ عدل ہی ہے کیونکہ آخرت میں یومِ محشر جب میزان عدل گاڑ دی جائے گی تو اس میزان کی تمام تر تول اسی میزانِ حقیقی یعنی قرآن کریم کی ہدایات واحکامات کے مطابق ہوگی جن لوگوں نے دنیا کی زندگی قرآن کی ہدایات کی روشنی میں گزاری ہوگی اپنا ہر ہر قدم سوچ سمجھ کر قرآنی ہدایات کے مطابق اٹھایا ہوگا وہ ہر طرح سے محفوظ ماموں رہیں گے ان کے لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں جن نعمتوں انعامات کی خوش خبری دی ہے وہ سب پوری ہوں گی اور قرآنی آیات وہدایات قوانین واحکام کو نہ ماننے والوں کے لئے جو وعید جو سزائیں سنائی گئی ہیں وہ بھی حق ہیں سچ ہیں وہ بھی لازمی پوری ہوں گی ایسے ہی لوگوں کی ہدایت اور اطلاع کے لئے قرآن کریم بار بار جگہ جگہ انہیں پکار رہا ہے خبردار ہوشیار کر رہا ہے کہ اپنے آپ سے دشمنی نہ کرو اپنے آپ پر ظلم مت کرو تمہیں احساس ہونا چاہئے کہ تم اللہ کے بندے ہو اس کی اطاعت ورضا اس کی خوشنودی ہی میں تمہاری نجات وبخشش ہے اس کی ناراضگی تمہیں کہیں کا نہ چھوڑے گی۔ قرآن کریم کے ذریعے وہ مالک وہ آقا اپنے بندوں کو بتارہا ہے کہ تمہیں کیا کرنا ہے اور کیا نہیں کرنا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ جو بڑا ہی رحیم وکریم ہے وہ نہیں چاہتا کہ اس کے بندے خود اپنے اختیار وارادے کو غلط استعمال کرکے اپنی عاقبت خراب کرلیں اور جہنم کا ایندھن بنیں اس کا اس نے پورا پورا بندوبست واہتمام بھی کیا ہے لیکن ناسمجھ انسان کچھ سمجھتا ہی نہیں ہے کہ روزِ آخرت روزِ حساب یومِ قیامت لمحہ لمحہ تیزی سے اس کی طرف بڑھ رہا ہے عمر کی پونجی تیزی سے ختم ہورہی ہے جو کچھ کرنا ہے اسی عمر کے وقفے میں کر گزرنا ہے کیونکہ نامہ اعمال زندگی کے ساتھ ساتھ تحریر ہورہے ہیں اور زندگی ختم ہوتے ہی انہیں بھی لپیٹ دیا جائے گا اور وہی نامہ اعمال روزِ حشر میزانِ الٰہی میں تولے جائیں گے یومِ الحساب کو ان کے مطابق ہی حساب کتاب کیا جائے گا یہی نامہ اعمال ہمارے دائمی ٹھکانوں کے حصول کا ذریعہ ہوں گے۔ اعمال اچھے ہوئے تو جنت ملے اور برے ہوئے تو (جہنم) یہ خود ہمارے اعمال طے کریں گے۔ اسی لئے اللہ جل شانہ نے قرآن حکیم کو ہماری ہدایت ورہنمائی کے لئے نازل فرمایا کہ ہم تاریکی اور جہالت میں گر کر اپنے لئے خود جہنم کا بندوبست نہ کرلیں جتنی کوشش کرنا ہے اسی زمین کی زندگی میں کرنا ہے اپنی آخرت کی دائمی زندگی کا بندوبست ہمیں خود اپنے ہاتھوں اپنے اعمال افعال اور اقوال کے ذریعے کرنا ہے وقت ہے کہ تیزی سے گزرتا چلا جارہا ہے۔

روزِ محشر سارا حساب کتاب ساری تول نامہ اعمال کے مطابق ہوگی یہ نامہ اعمال روزِ محشر ہر شخص کو کس طرح اور کہاں سے ملیں گے زندگی میں یہ نامہ اعمال کہاں ہوتا ہے؟ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ ہر انسان کے گلے میں ایک کتبہ ہے جس میں اس کے عمل لکھے جاتے ہیں جب وہ شخص مرجاتا ہے تو اسے لپیٹ دیا جاتا ہے اور اسے مقامِ علیین میں محفوظ رکھا جاتا ہے۔ حشر کے روز ہوا کے ذریعے ہر کسی کو پہنچادیا جائے گا اور کہا جائے گا

کہ پڑھ اپنے اعمال نامے کو کہ آج اپنے حساب کے لئے تو خود ہی کافی ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اعمال نامے سب عرش کے نیچے (مقام علیین میں محفوظ) ہیں جب قیامت کا دن ہوگا اللہ تعالیٰ ایک قسم کی ہوا چلائیں گے جوان (آعمال ناموں) کو اڑا کر دائیں اور بائیں ہاتھوں میں پہنچا دے گی اس میں سب سے پہلے یہ لکھا ہوگا پڑھ اپنے اعمال نامے کو آج اپنے حساب لینے کے لئے تو خود کافی ہے۔

حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن ان پڑھ بھی اپنے اعمال نامے کو پڑھ سکے گا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ لوگوں کی قیامت کے دن تین قسم کی پیشیاں ہوں گی، دو پیشیاں تو جھگڑے اور معذرت کی ہوں گی اور تیسری پیشی اس وقت ہوگی جب لوگوں کے ہاتھوں میں (ان کے) نامہ اعمال اڑ کر پہنچیں گے پس کوئی اپنے دائیں ہاتھ سے لینے والا ہوگا اور کوئی اس کو بائیں ہاتھ سے لینے والا ہوگا۔

آخرت کی دلیل

اس دنیا میں انسان کی اور انسان کے لئے اس دنیا کی حیثیت وہ نہیں ہے جو دیگر مخلوقاتِ الٰہی کی ہے انسان درختوں جانوروں کی طرح نہیں ہے کہ اس کا مقصدِ تخلیق یہیں اسی دنیا میں پورا ہو جائے اور قانونِ فطرت کے مطابق ایک مدت تک اپنے حصے کا کام انجام دے کر یہیں مر کر فنا ہو جائے دنیا دیگر مخلوقات کے لئے نہ دارالعذاب ہے (جیسا کہ کلیسا سمجھتا ہے) اور نہ ہی دارالجزا ہے (جیسا کہ آواگون یعنی تناسخ کے قائل سمجھتے ہیں) نہ کوئی چراگاہ یا تفریح گاہ ہے جیسا کہ مادہ پرستوں کا خیال ہے اور نہ ہی دنیا کوئی رزم گاہ ہے جیسا کہ ڈرون اور مارکس کے پیرو سمجھتے ہیں بلکہ دنیا تو ایک امتحان گاہ ہے اور جس چیز کو ہم عمر یا زندگی سمجھتے ہیں وہ درحقیقت امتحان کا متعین وقت ہے جو انسان کو اس دنیا کی امتحان گاہ میں دیا گیا ہے۔

دنیا میں جب کسی امتحان گاہ میں جاتے ہیں تو اُس کا بھی ایک مخصوص وقت متعین ہوتا ہے۔ دو گھنٹے یا تین گھنٹے اگر ہم سورۃ السجدہ آیت ۵ اور سورۃ الحج آیت نمبر ۴۷ جن کی تشریح گزشتہ صفحات میں ہو چکی ہے کہ مطابق اللہ کا ایک دن دنیا کے ایک ہزار برس کے برابر ہے تو اس طرح ایک گھنٹہ چالیس برس کے برابر ہوگا تو انسان کی دنیا کی زندگی پر غور کیا جائے تو اسے اللہ کے دن کے زیادہ سے زیادہ ڈیڑھ، دو گھنٹے ہی نصیب ہوتے ہیں۔

دنیا کی زندگی میں جو قوتیں جو صلاحیتیں انسان کو دی گئی ہیں اور جن چیزوں پر اسے تصرف حاصل ہے اور جن جن حیثیتوں میں وہ یہاں کام کر رہا ہے اور جو تعلقات بھی اس کے دوسرے انسانوں کے درمیان ہیں وہ سب اصل میں امتحان کے بے شمار پرچے یا پرچوں کے سوالات ہیں جو انسان اپنی زندگی کی آخری سانس تک حل کرتا ہی رہتا ہے۔ دنیا کی امتحان گاہ میں دیئے گئے امتحانات کا نتیجہ دنیا میں نہیں نکلتا آخرت میں ان تمام پرچوں کی جو نامہ اعمال کی صورت ہر ایک کے ہاتھوں میں ہوں گے جانچ پڑتال کی جائے گی اور فیصلہ کیا جائے گا۔ کامیابی اور ناکامی کا سارا دارومدار اسی پر ہے کہ اس نے دنیا میں زندگی کے سوالات کا کس قدر اور کتنا درست جواب دیا ہے یا کتنا غلط جواب دیا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے جگہ جگہ قرآن حکیم میں انسان کو اس

حقیقت سے پوری طرح باخبر کیا ہے جیسا کہ سورہ الدھر میں ارشاد ہورہا ہے۔

ترجمہ:۔ بے شک ہم نے انسان کو ایک مخلوط نطفے سے پیدا کیا تاکہ اس کا امتحان لیں اور اس غرض کے لئے ہم نے اسے سننے اور دیکھنے والا بنایا' ہم نے اسے راہ دکھائی' اب وہ خواہ شکر گزار بنے یا کفر کرنے والا۔ (الدھر۔۲۔۳)

آیتِ مبارکہ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ ہم نے کس طرح ایک مرد اور ایک عورت کے مخلوط نطفے سے انسان کو پیدا کیا ہے اور اسے پوری طرح سننے والا دیکھنے والا بنایا' اسے وہ تمام قوتیں عطا کی جن کی اسے دنیا کی زندگی میں ضرورت محسوس ہوسکتی ہے۔ جس طرح کسی امتحان گاہ میں کاغذ قلم اور دیگر لوازمات کی ضرورت ہوتی ہے۔ ایسے ہی دنیا کی امتحان گاہ کے لئے انسان کو جن جن چیزوں قوتوں کی ضرورت پڑسکتی ہے ان سب سے اللہ تعالیٰ نے انسان کو آراستہ کیا' اس کی غرض وغایت بھی بتائی جارہی ہے کہ ایسا بس یونہی تفریحاً طور پر نہیں کیا گیا کیونکہ انسان کا امتحان مقصود ہے اس لئے اسے دیگر تمام مخلوقات کے مقابلے میں زیادہ بہتر اور اشرف بنایا یہی سبب ہے کہ اللہ تعالیٰ جب آخرت کی نوید سناتا ہے تو وہ بے مقصد نہیں ہے انسان کو اللہ نے پوری طرح باخبر کرکے ادراک وفہم سے آراستہ کرکے دنیا کی اس امتحان گاہ میں اتارا ہے تاکہ انسان اپنی زندگی کا وقفۂ امتحان پوری ہوش مندی سے گزارے اور اللہ کے احکام وقوانین کو سمجھتے ہوئے اپناتے ہوئے زندگی کا امتحان پورا کرے۔ روزِ آخرت یہی کچھ دیکھا جائے گا کہ کس نے کیسا پرچہ حل کیا ہے' دیئے گئے نصاب کے مطابق اپنی زندگی کا پرچہ حل کیا ہے یا ساری زندگی نصابِ الٰہی کے خلاف جوابدہی سے منہ موڑ کر گزاری ہے۔

آخرت میں یہی جانچا جائے گا کہ زندگی کے امتحانی وقفے کے لیے جو پرچے جو سوالات اسے دیئے گئے تھے انہیں کیسے حل کیا اللہ کا بندہ بن کر یا اس سے کفر وانحراف کرکے اور یہ سمجھتے ہوئے کہ آخرت میں اپنے خالق ومالک کے سامنے کوئی جوابدہی نہیں کرنی اس کی تو ساری زندگی ہی غارت ہوجائے گی۔ اس کا سارا کارنامہ زندگی ہی غلط ہوجائے گا۔ اس بات کو ہم یوں بھی سمجھ سکتے ہیں کہ ہم جب اپنی تعلیم کے سلسلے میں سارا سال جن کتابوں کو پڑھتے ہیں وہ ہمارا نصاب ہوتا ہے۔ امتحان میں سوالات اسی نصاب سے پوچھے جاتے ہیں' ہمیں جواب بھی اسی نصاب کے مطابق دینے ہوتے ہیں اپنی مرضی سے ادھر ادھر کی باتیں یا نصاب سے باہر سے کچھ تحریر نہیں کرنا ہوتا اور اگر کوئی ایسا کرتا ہے یا جواب ہی دینے کی زحمت نہیں کرتا تو وہ یقیناً ناکامیاب رہتا ہے۔ بالکل ایسے ہی اللہ نے انسانوں کو دنیا میں زندگی بسر کرنے کے لئے نصاب الٰہی عطا کردیا ہے اب اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق اور آخرت کی جواب دہی کو پیش نظر رکھ کر نصابِ الٰہی قرآن کریم کے مطابق زندگی بسر کرتا ہے تو یقیناً وہ کامیاب رہے گا یہ مضمون قرآن کریم میں کثرت سے بیان ہوا ہے۔ جس نے آخرت کی جواب دہی کو پیش نظر رکھا سمجھو وہ کامیاب ہوگیا۔ قرآن کریم میں بڑی تفصیل ووضاحت سے بیان ہوا ہے قرآن کے سوا دنیا کی کوئی اور کتاب ایسی نہیں جس میں اس حقیقت کو اتنی وضاحت سے بیان کیا گیا ہو۔

دیکھنا اور سمجھنا یہ ضروری ہے کہ انسان جسے اللہ تعالیٰ نے اشرف المخلوقات کے درجہ پر فائز فرمایا ہے اسے

ایسی بینائی ایسی سماعت عطا فرمائی ہے جو کسی اور مخلوق کو میسر نہیں ہے۔ سننا اور دیکھنا یہ قوت تو اللہ تعالیٰ نے بڑے سے بڑے جسیم اور حقیر سے حقیر دور بینی جرثومے تک کو عطا فرمائی ہے لیکن انسان کو سماعت و بصارت کے ساتھ ساتھ فہم وادراک کی علم کی قوت بھی عطا فرمائی ہے۔ انسان جن ذرائع سے علم حاصل کرتا ہے پھر اس سے نتائج اخذ کرتا ہے اور پھر فیصلوں پر پہنچتا ہے جس پر اس کی زندگی منحصر ہوتی ہے اللہ نے اس لئے ہی فرمایا ہے کہ ہم اس کا امتحان لینا چاہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل فہم وادراک کی طاقتیں اس لئے ہی دیں ہیں تاکہ وہ انسان امتحان دینے کے قابل ہوسکے۔

آزمائش اور امتحان بظاہر بڑے سخت اور خوف زدہ کردینے والے الفاظ ہیں جس سے انسان پریشان ہوجاتا ہے جبکہ حقیقت صرف اتنی ہے کہ تِل اُوٹ پہاڑ ہے۔ آئیں اسے بھی دیکھ اور سمجھ لیں کہ آخر یہ آزمائشِ دنیا یہ امتحان آخر ہے کیا اور اس سے کیسے گزرا جاسکتا ہے؟

سب سے پہلے تو اس بات کو سمجھ لینا ضروری ہے کہ اس دنیا میں انسان کی ساری آزمائش و امتحان صرف اس بات کی ہے کہ وہ حقیقتِ الٰہی کو دیکھے بغیر مانتا ہے یا نہیں اور اگر ماننے کے بعد وہ اتنی اخلاقی طاقت رکھتا ہے کہ نافرمانی کا اختیار رکھنے کے باوجود فرمابرداری اختیار کرے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے انبیاء کی بعثت اور اپنی کتب کے نزول میں یہاں تک کہ معجزات تک میں عقل کے امتحان اور اخلاقی قوت کی آزمائش کا لحاظ ضرور رکھا ہے اور کبھی حقیقت کو اس طرح بے پردہ نہیں کیا کہ انسان کو مانے بغیر کوئی چارہ ہی نہ رہے' کیونکہ اگر مالک ایسا کرتا تو پھر آزمائش بے معنی ہوکر رہ جاتی اور امتحان میں کامیابی اور ناکامی کا مفہوم ہی باقی نہ رہتا۔

ایمان لانے اطاعت و بندگی میں سر جھکانے کی قدر و قیمت اس وقت تک ہے جب تک حقیقت انسان کے حواس سے پوشیدہ ہے اگر وہ محض دلیل سے اس کو تسلیم کرکے اپنی دانشمندی' عقل و فہم سے اللہ کی اطاعت و بندگی اختیار کرتا ہے اور اپنی اخلاقی قوت کا ثبوت دیتا ہے تب ہی وہ آزمائش و امتحان کے مرحلے سے گزر سکے گا۔ ورنہ یہ اللہ کا اختیار ہے کہ وہ اپنے ایک ہی حکم سے سب کو اپنا مطیع و فرمانبردار بنالے اور سب کے سب اسی کے آگے سر تسلیم خم کرنے پر راضی ہوجائیں کیونکہ انسان کی ہستی ہی نہیں بلکہ تمام کائنات اس مالک الملک کے قبضہ قدرت میں جکڑی ہوئی ہے۔ اگر انسان کسی بھی طرح کی بے بسی کے ساتھ ایمان لائے اور اطاعت پر آمادہ ہو تو پھر اس ایمان و اطاعت کی کیا قدر و قیمت رہ جائے گی؟ جیسا کہ اللہ کی دیگر مخلوقات کے ساتھ معاملہ ہے انسانوں اور جنوں کے سوا کسی کو بھی ارادے کا اختیار نصیب نہیں ہے سب کی سب مخلوقات اللہ کی اطاعت و بندگی میں بے تکان مصروف ہیں۔ دنیا اور دنیا کی تمام چیزیں جن سے اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کو سجایا ہے درحقیقت یہ سب کی سب اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے امتحان و آزمائش کے لئے سجائی ہیں جیسا کہ سورہ الکہف میں ارشاد ہورہا ہے۔

ترجمہ:۔ واقعہ یہ ہے کہ جو کچھ سر و سامان بھی زمین پر ہے اس کو ہم نے زمین کی زینت بنایا ہے تاکہ ان لوگوں کو آزمائیں کہ ان میں کون بہتر عمل کرنے والا ہے۔ (الکہف۔ ۷)

آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ بہت دوٹوک اور واضح انداز میں بتا رہا جتا رہا ہے کہ زمین کی سطح پر جو سر و سامان تم

دیکھتے ہو اور جس کی دل فریبیوں سے انسان متاثر و محصور ہے یہ سب ایک عارضی زینت ہے جو محض انسان کی آزمائش وامتحان کے لئے سجائی گئی ہیں۔ جبکہ انسان اس سے غلط فہمی میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ یہ سب کچھ تو اس کے عیش و آرام کے لئے مہیا کی گئی چیزیں ہیں جبکہ حقیقتِ الٰہی کا اعلان اس آیت کریمہ میں کیا جارہا ہے کہ یہ سامان عیش و آرام نہیں بلکہ وسائل امتحان ہیں جن کے درمیان انسان کو رکھ کر یہ دیکھا جارہا ہے کہ کون اس سب کی اصل حقیقت کو فراموش کر کے اسے عیش و آرام کا سامان سمجھتا ہے اور کون ان سب چیزوں کو اپنی عقل وادراک کی قوت اور ارادے کے اختیار کو کام میں لا کر ان کی اصل حقیقت کو پا کر ان کے اصل مقام و مقصد کو یاد رکھ کر اطاعت و بندگی کے درست رویوں کا اظہار کرتے ہوئے سر تسلیم خم رکھتا ہے یہی اصل امتحان ہے۔ جس سے انسان کو اس دنیا کی زندگی سے گزرنا ہے۔

ترجمہ:۔ یقیناً اس میں بڑی بڑی نشانیاں ہیں اور آزمائش تو ہم کر کے ہی رہتے ہیں۔ (المومنون۔۳۰)

آیت مبارکہ میں بھی اللہ جل شانہ کا وہی دوٹوک انداز ہے کہ ''آزمائش تو ہمیں کرنا ہی ہے'' اللہ تبارک وتعالیٰ کسی بھی قوم کو اپنی اس زمین کی بے شمار چیزوں پر اقتدار عطا کر کے یونہی نہیں چھوڑ دیتا۔ بلکہ اس کی آزمائش کرتا ہے، دیکھتا ہے کہ وہ اپنے اقتدار کو کس طرح استعمال کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تو ہر ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے وہ پوری طرح باخبر اور گرفت کرنے والا ہے۔ اللہ ہر طرح سے اپنے بندوں کو آزماتا ہے مال دے کر بھی، ان سے مال چھین کر بھی۔ انہیں اولاد دے کر بھی ان کی اولاد چھین کر بھی، انہیں قوت و اقتدار دے کر بھی اور سب کچھ چھین کر قلاش و مفلس بنا کر بھی، وہ قادرِ مطلق ہے اس کی گرفت سے کوئی کسی طرح بچ نہیں سکتا وہ ہر ہر طرح سے آزمائش کرتا ہے کہ بندہ کس قدر اور کس طرح اس کا شکر گزار بن کر رہتا ہے یا نہیں رہتا۔ انسان کو اللہ تعالیٰ نے دنیا میں امتحان کے لئے پیدا کیا ہے۔ دنیا کی زندگی کی مدت اسے امتحان کے لئے ملی ہے جوں جوں وقت گزر رہا ہے ویسے ویسے امتحان کا وقت کم ہوتا جارہا ہے۔ اور موت امتحان کے خاتمے کا اعلان ہے۔ امتحان کے لئے انسان کو عمل کا موقع دیا گیا ہے اس امتحان کے لئے انسان کو تمام ضروری ذرائع اور قوتیں بھی دی گئیں ہیں جن سے وہ علم حاصل کرتا ہے اور نتائج اخذ کرتا ہے اسی لئے شکر اور بھلائی اور کفر اور برائی کے راستے بھی انسان کو الگ الگ سمجھا دیئے گئے ہیں۔ امتحان میں جیسا کسی کا عمل ہوگا ویسا ہی اس کا نتیجہ یعنی جزا یا سزا ملے گی۔

(جاری ہے)

♥

آسماں تیری لحد پہ ......

ادارہ

زندگی بہت مختصر سی ہے اور اس زندگی میں انسان بہت کچھ کرنا چاہتا ہے خوشی اور غم کا مقابلہ کرتے ہوئے وہ ایک منزل کو پانا چاہتا ہے جہاں اس کے دوست ہوں اس سے محبت کرنے والے ہزاروں لوگ ہوں جو ہر پل اس سے ملنا چاہتے ہوں اور اس جستجو میں انسان ایک خاص دوست بناتا ہے قلم اس سے دل کے دکھ درد کو آشنا کرتا ہوا قارئین کو اپنا ہمراز بنا کر اپنی مطلوبہ منزل کی طرف بڑھنے لگتا ہے لیکن اس مختصر سی زندگی کی تلخیوں سے نظریں چراتا وہ ہر بات کو پس منظر میں ڈال دیتا ہے کہ آنے والا وقت اسے کس بھنور سے سامنا کروائے گا اور اس بھنور سے وہ نکل بھی پائے گا یا نہیں وہ تو بس اپنے دوستوں اور قارئین کو زندگی کی حقیقت سے نکال کر خواب نگری کی سیر کرواتا ہے اور پھر وقت کے اور اپنے عزیزوں کے ساتھ اپنی مداح کو بھی افسردہ کر جاتا ہے۔

قارئین و قلم کار بہنوں کی ہر دلعزیز مصنفہ "فرحانہ ناز ملک" داعی اجل کو لبیک کہتے اس دنیا سے رخصت ہوگئی ہیں یہ کربناک خبر جب نظر سے گزری تو کتنے ہی پل بے یقینی کے عالم میں گزر گئے۔ دل اس سفاک و تلخ حقیقت کو قبول کرنے پر آمادہ نہ ہوا لیکن یہی حقیقت ہے کہ دنیا فانی ہے۔ اس سانحہ پُر ملال پر ادارہ آنچل تہہ دل سے رب کے حضور دعا گو ہے کہ رب تعالیٰ ان کی مغفرت کرے انہیں جنت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے آمین۔ بے شک ان کی کمی ایک عظیم دکھ ہے ایک ایسی ہستی جس نے اپنے قلم سے محبت کے دیپ جلائے اسے ہمیشہ کے لیے وداع کرنا بہت حوصلہ کا کام ہے۔ قارئین سے دعائے مغفرت کے ملتمس ہیں رب تعالیٰ تمام مرحومین کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام نصیب فرمائے اور ان کے لخت جگر نورِ نظر کو صحت و تندرستی عطا فرمائے۔ پسماندگان کو صبر و استقامت اور مشکل کی اس گھڑی میں حوصلہ و ہمت عطا فرمائے آمین۔

وہ صبح کا بے نوا ستارا وہ ہم نفس ہم سفر ہمارا
سدا رہے اس کا نام پیارا سنا ہے کل رات وہ مرگیا

نگہت عبداللہ

جب سے فرحانہ ملک کی ناگہانی وفات کا سنا ہے میں حیران اور گم صم بیٹھی ہوں کہ زندگی کا سفر اتنی جلد تمام کیسے ہوگیا ابھی تو انہیں بہت کچھ کرنا تھا بہت کچھ لکھنا تھا جانے وہ اپنے ساتھ کیا کیا لے گئی ہم منتظر ہیں اور ہم منتظر رہیں گے ان کا بدل تو نہیں ہوسکتا اللہ تعالیٰ انہیں اپنے جوار رحمت خاص میں جگہ عطا فرمائے آمین۔

عالیہ بخاری

فرحانہ کا اس طرح چلے جانا میرے لیے اتنا بڑا ذاتی دکھ ہے کہ جس کے اظہار کے لیے الفاظ ہی نہیں ہیں۔ دن رات میں اس کے کتنے ہی میسج اس کے ساتھ رہنے کا یقین دلاتے تھے۔ آج صبح 8:55 پر آخری میسج آیا تھا اس کا اس وقت اس کے بارے میں بات کرنے کی ہمت بھی نہیں ہورہی۔ اللہ اس کے درجات بلند کرے۔ آمین

اقبال بانو

آہ...... فرحانہ تم کہاں ہو، آج نہ تمہارا صبح میسج آیا نہ گڈ نائٹ کہا تم نے؟ کیا اب ہمیشہ انتظار کرنا ہوگا تمہارے میسج کا فون پر تمہاری خوبصورت ہنسی کا۔ مہکتی باتوں کا آئی مس یو۔ فرحانہ اس بار تمہارے ناول کی قسط پڑھ کر کس فون پر رائے دوں تم کہتی تھیں آپی اگر آپ نے ناول کی قسط نہ پڑھی تو میں ناراض ہوجاؤں گی۔ فرحانہ میں ناول کی قسط پڑھتی رہی تم پھر بھی نہیں ایسا نہیں کرنا تھا ایسی پیاری دوست اللہ تمہارے درجات بلند کرے، آمین۔

نازیہ کنول نازی

دھڑکنیں کب کی ہو چکی خاموش
دل تو بس عادتاً دھڑکتا ہے

اگر مجھ سے یہ کہا جاتا کہ فرحانہ ناز ملک کی زندگی پر کچھ لکھیں تو میں لفظوں کے ڈھیر لگا دیتی اپنی قلم کاری کی ساری صلاحیتیں بروئے کار لاکر اس پری کی زندگی کے ایک ایک پہلو پر روشنی ڈالتی مگر وقت کی ستم ظریفی دیکھیے مجھ سے فرحانہ کی زندگی پر نہیں ناگہانی موت پر لکھنے کو کہا جارہا ہے کوئی مجھے بتائے جب لفظ گونگے ہوجائیں...... احساسات منجمد ہوجائیں سوچ کے سارے دروازوں پر اذیت کے قفل لگ جائیں تو کوئی بھی لکھاری بھلا قلم کی مزدوری کرسکتا ہے؟ نہیں...... لہذا فرحانہ کے لیے درد کا سمندر دل میں چھپائے بس اتنا ہی کہوں گی۔

چاند تنہا بھٹکتا رہا فلک پر
اور تارے بھی تھک کر سبھی سو گئے

تم کہاں کھو گئے؟ ہم تیرے غم سے دامن چھڑا نہ سکے حوصلے درد کے آزما نہ سکے چل دیے روٹھ کر تم تو سب سے کہیں، ہم تیرے دکھ سے دامن بچا نہ سکے نظر خالی ہوئی دل ویراں ہوگیے ستم کہاں کھو گئے محفلیں ہوگئی ہیں ویراں کس قدر کتنی آنکھیں ہیں پُرنم تمہیں کیا خبر چاند تاروں کے تم

تو مہماں ہوگئے تم کہاں کھو گئے؟ سونی سونی فضائیں ہیں تیرے بنا کتنی پُرنم ہوائیں ہیں تیرے بنا دکھ بھلانے سے بھی تیرا جاتا نہیں صبر آتا نہیں، چین آتا نہیں نیند ابدی میری جان کیوں سوگئیں تم کہاں سوگئیں؟

اس پری کے نام جو عین عالم شباب میں خاک اوڑھ کر سوگئی

وہ زندگی سے ہاتھ چھڑا کر چلی گئی

اپنے پرائے سب کو رلا کر چلی گئی

وہ جس کے مسکرانے سے کلیوں پہ روپ تھا

اس مہ جبیں کا پیارا سراپا بھی خوب تھا

تھا حسن بے مثال تو اخلاق بے نظیر

معصومیت بھی چہرے پہ لگتی تھی کوئی ہیر

اپنا دیوانہ سب کو بنا کر چلی گئی

وہ زندگی سے ہاتھ چھڑا کر چلی گئی

آہوں نہیں دعاؤں میں رکھنا ہے اس کو یاد

جب تک ہے زندگی رہے گی دل میں وہ آباد

ہر اک جہاں میں اے خدا رکھنا تو اس کو شاد

ظالم ہے کتنی موت بتا کر چلی گئی

وہ زندگی سے ہاتھ چھڑا کر چلی گئی

صائمہ اکرم چوہدری

''اُسے جانے کی جلدی تھی''

کل اس کی آنکھ نے کیا زندہ گفتگو کی تھی

گماں بھی نہ تھا، یہ شخص بچھڑنے والا ہے

''یار دانیال نے میٹرک میں 927 نمبر لیے ہیں، کچھ کم نہیں ہیں؟'' فرحانہ ناز ملک نے پچیس جولائی کو اپنے مخصوص میٹھے سرائیکی لہجے میں بتایا۔ ''کچھ خدا کا خوف کرو فری، یہ کم نمبر ہیں کیا؟'' میں نے دانی کی حمایت میں بیان جاری کیا تو وہ فوراً خوش ہوگئی۔ ''سنو، میں نے لاہور میں گھر لے لیا ہے، کچھ شفٹنگ کے مسائل ہیں، اس لیے کنفیوژ ہوں۔'' اُس نے ایک اور مسئلہ بتایا۔ ''ایسا کرو استخارہ کرلو۔'' میں نے اپنی سمجھ کے مطابق مشورہ دیا۔ ''میں دانی کو ڈی جی خان سے لاہور اکیلے اسٹڈی کے لیے نہیں بھیجنا چاہتی۔'' اُس کا فکر مند لہجہ میرے ذہن میں گونجا۔ ''ہرگز مت بھیجنا، یہ عمر بہت خطرناک ہوتی ہے، بچوں کو اپنی نظروں کے سامنے رکھنا چاہیے۔'' میں نے اُسے خبردار کیا۔ ''ہاں سوچ رہی ہوں ایف ایس سی یہیں کروالوں، کرن کی ہاؤس جاب ختم ہوگئی ہے تب تک اُس کی بھی لاہور میں جاب ہوجائے گی، پھر شفٹ ہوجائیں گے۔'' وہ فیصلہ کرکے اب پُرسکون تھی۔ فرحانہ ناز ملک سے میرا دس بارہ سال پرانا تعلق ہے۔ وہ میری دوست تھی۔ اُس کے لیے لفظ ''تھی'' لکھتے ہوئے دل ایک لمحے کو کانپا اور قلم اٹھاتے ہی یادیں کسی ضدی بچے کی طرح دامن تھام کر بیٹھ گئیں۔ سمجھ نہیں آرہا کیا لکھوں اور کیا چھوڑ دوں۔ گیارہ اکتوبر 2014 کی وہ ظالم شام تھی، جب میں نے عید کی چھٹیوں کے بعد اسلام آباد میں قدم رکھا تو پہلی دفعہ مجھے مارگلہ کی پہاڑیوں پر اترتی شام میں کسی گہری اداسی کی جھلک محسوس ہوئی۔ میں نے خود کو مصروف کرنے کے لیے اپنے نئے ڈرامے کی اگلی قسط پر کام شروع کیا، لیکن دل ایک دم اچاٹ ہوگیا، ٹی وی چلایا تو خلیل صاحب کے ڈرامے ''صدقے تمہارے'' نے توجہ کھینچ لی، اسی وقت سیل فون پر سائرہ غلام نبی کی کال آگئی۔ میں نے ڈرتے ڈرتے اٹینڈ کی، مجھے یقین تھا سائرہ سیریل کی اگلی قسط کا پوچھے گی، جس پر کام ابھی رہتا تھا۔ ''صائمہ کیا کررہی ہو؟'' سائرہ نے ذرا محتاط سے انداز میں دریافت کیا۔ ''یار صدقے تمہارے'' دیکھ رہی ہوں۔'' میں نے بے دھیانی میں جواب دیا۔ ''فرحانہ کا پتا چلا؟'' اُس نے اب اور زیادہ محتاط انداز اپنایا۔ ''کیا؟'' میں نے بے پروائی سے کہا۔ ''اُس کی روڈ ایکسیڈنٹ میں ڈیتھ ہوگئی۔ فیس بک پر خبر لگی ہوئی ہے۔'' سائرہ کی آواز سے ایک لمحے کو ماہ و سال کی گردشیں تھم سی گئیں۔ ''نہیں نہیں یار، ابھی صبح تو اس کا ''گڈ مارننگ'' کا میسج آیا ہے، ایسے کیسے ہوسکتا ہے، فیس بک پر کسی نے ہوائی اڑا دی ہوگی۔'' میں نے سائرہ سے زیادہ خود کو تسلی دیتے ہوئے جواب دیا۔ سائرہ کو خدا حافظ کہہ کر فوراً فرحانہ کا نمبر ملایا تو وہ ناٹ رسپونڈنگ جارہا تھا، فوراً اُس کے میاں کو کال کی اور اس لمحے دل کی بے ربط دھڑکنیں کچھ انہونی کا احساس دلا رہی تھیں۔ ''بھائی فرحانہ کہاں ہے؟'' میں نے فرحانہ کے میاں کی آواز سنتے ہی بے تابی سے پوچھا۔ ''اس کی آج دوپہر روڈ ایکسیڈنٹ میں ڈیتھ ہوگئی، اس کی والدہ ایک بہن اور بھائی بھی ساتھ تھے۔ سب کا رات نو بجے جنازہ ہے۔'' فرحانہ کے میاں کی افسردہ آواز نے میرے جسم سے روح کھینچ لی۔ ایسا لگتا تھا جیسے کسی نے پگھلا ہوا سیسہ کانوں میں ڈال دیا ہو۔ ''اور بچے؟'' میرے منہ سے بے اختیار پھسلا۔ ''ان کو میں نے گھر روک لیا تھا، بس دانیال ساتھ تھا۔'' انہوں نے بمشکل صدمے سے بولتے ہوئے کہا۔ میری تو جیسے قوت گویائی سلب ہوگئی، میں نے پاگلوں کی طرح اپنا سیل فون اٹھایا، ہمیشہ کی طرح آج بھی اُس کا گڈ مارننگ کا میسج موجود تھا لیکن ان لفظوں میں مجھے پہلی دفعہ زندگی کی دھڑکنیں محسوس نہیں ہوئیں۔ میرا دل و دماغ مفلوج سا ہوگیا ذہن اس چیز کو قبول کرنے

کوتیار ہی نہیں تھا اس کی کھنکتی آواز، خوشگوار لہجہ، سادہ طبیعت اور دوستانہ مزاج، ایک ایک چیز حافظے پر نقش ہے۔ فیس بک اوپن کی تو ہر طرف ایک ہی دل دہلا دینے والی خبر تھی۔ اُس کے اکاؤنٹ میں حیفہ، عبداللہ اور دانیال کی تصویریں ابھی تک لگی ہوئی تھیں۔ یہ تینوں بچوں میں اس کی جان تھی۔ فرحانہ ناز ملک سے میری اُس وقت قلمی دوستی ہوئی جب ہم دونوں بچوں کے میگزین "پھول" میں لکھا کرتے تھے، میں دسویں کلاس کی اسٹوڈنٹ تھی اور وہ اس وقت میری ہی ایج فیلو تھی لیکن شادی شدہ، یہ چیز مجھے ہضم نہیں ہوئی تو اُس نے فوراً ثبوت کے طور پر اپنی اور بچوں کی تصویریں بھجوادیں جو کسی اسٹوڈیو کی تھیں دراز قد، بڑی بڑی سحر انگیز خوبصورت آنکھوں والی لڑکی مجھے پہلی ہی نظر میں اچھی لگی "تم نے شادی اتنی جلدی کیوں کرلی؟" میں نے حیرت سے ایک دن پوچھا۔ "بس یار، کچھ امی ابو کو جلدی تھی اور کچھ میاں جی کو مجھ سے پیار تھا۔" اُس نے شرارت بھرے لہجے میں جواب دیا وہ اپنی ازدواجی زندگی سے بہت خوش تھی اور اکثر اپنی ساس کی بہت تعریفیں کرتی تھی۔ "میری ساس نے آج تک مجھے روٹی بنانے نہیں دی، میری تو موجیں ہی موجیں ہیں۔ سب کچھ پکا پکایا مل جاتا ہے۔" ایک دن اُس نے فون پر بات کرتے ہوئے بتایا۔ "شرم کرو، اپنے میاں کی والدہ سے خدمتیں کروائی ہو۔" میں نے اُسے چھیڑا۔ "یار دنیا میں بہت کم خوش قسمت بہوئیں ہوتی ہیں جن کی ساسیں اتنی اچھی ہوں میرا شمار ان چند بہوؤں میں ہوتا ہے۔" اُس نے ہنستے ہوئے بتایا، شادی کے بہت سالوں کے بعد جب اس نے علیحدہ گھر لیا تو کچھ افسردہ تھی۔ میں یونیورسٹی گئی، اُس کے بعد شادی ہوگئی لیکن فرحانہ کے ساتھ میرا تعلق ہمیشہ قائم رہا، اکثر ہم لوگ گھنٹوں لمبی لمبی باتیں کرتے وہ بہت محنتی لڑکی تھی اور زندگی میں کچھ کرنا چاہتی تھی شادی شدہ ہونے کے باوجود اُس نے میٹرک کے بعد کی ساری ایجوکیشن حاصل کی، ایف اے، بی اے اور ایم اے کے دوران جب بھی اُسے گائیڈ لائن کی ضرورت پڑتی وہ مجھ سے ہی مشورہ کرتی، اُسے ایم اے اردو کرنے کا بھی میں نے ہی مشورہ دیا جب بھی گورنمنٹ جابز کا پتا چلتا تو میں فوراً اُسے بتاتی اور وہ جلدی سے اپلائی کردیتی اُسے اپنا کیریئر بنانے کی دھن تھی۔ بہت سادہ مزاج کی اور دوسروں پر اعتبار کرنے والی لڑکی تھی۔ کالج میں اُس کی ہوسٹل وارڈن کی جاب ہوئی تو دو تین دن بعد ہی چھوڑ کر واپس آگئی کہ بچوں کے بغیر نہیں رہ سکتی۔ میں نے خوب اُسے چھیڑا۔ ایک دن میں کچھ رنجیدہ تھی تو اُس نے مجھے کہا، لو اتنی سی بات سے پریشان ہوگئیں، میں تمہیں بتاتی ہوں میرے ساتھ کیا کیا ہوچکا ہے اس کے بعد اُس نے اپنی زندگی کے کچھ تلخ واقعات مجھے بتائے اور میں ہکا بکا رہ گئی، مجھے یقین ہی نہیں آرہا تھا، وہ اپنی بے دھیانی اور سادگی میں مجھے حیران کرتی جارہی تھی۔ "مائی گاڈ فری، مجھے یقین نہیں آرہا، اتنا کچھ ہوچکا ہے۔" میں نے تعجب انگیز انداز سے کہا۔ "اب اس پر ناول مت لکھ دینا، میں نے ابھی اپنی ٹانگوں کا بیمہ نہیں کروایا۔" اُس نے بے پروائی سے ہنستے ہوئے کہا جب میرے میاں کی کراچی سے اسلام آباد پوسٹنگ ہوئی تو اُس نے فوراً مجھے فون کرکے کہا۔ "صائمہ اسلام آباد بڑا خونی شہر ہے ذرا دھیان سے رہنا۔" میں نے حیرت سے اس کی وضاحت مانگی تو اُس نے افسردگی سے کہا۔ "یاد نہیں پہلے پروین شاکر اور پھر شاز یہ چوہدری کو اسی شہر کی سڑکیں نگل گئیں۔" "ارے میرے میاں اتنے خوش قسمت نہیں بے فکر رہو۔" میں نے ہنستے ہوئے اسے تسلی دی فرحانہ کے ساتھ تعلق کی ڈور مضبوط ہوتی گئی لیکن درمیان میں کچھ عرصہ ایسا آیا مجھے محسوس ہوا جیسے وہ کچھ خفا خفا سی ہے۔ میں نے ایک دفعہ پوچھا تو کہنے لگی۔ "تمہاری اور میری دوستی اتنی پرانی تھی، لیکن تم ہمیشہ آمنہ ریاض" کو مجھ پر ترجیح دیتی ہو، تمہیں اُس سے زیادہ محبت ہے۔ میں اُس کے بچگانہ شکوے پر ہنس پڑی، اُسے کافی تسلی دی لیکن وہ مطمئن نہیں ہو پارہی تھی، اُس کے بعد جب میرا ایکسیڈنٹ ہوا اور اُسے فیس بک سے اطلاع ملی تو فوراً رابطہ کیا اور ناراض انداز سے کہا۔ "تم ایک ڈرائیور رکھو فوراً، کوئی ضرورت نہیں خود ڈرائیونگ کرنے کی اسلام آباد کی سڑکوں پر مجھے اعتبار نہیں۔" میں اُس کی فکرمندی پر ہنستی رہی۔ ایک دفعہ فیس بک پر اُس نے اپنے اسٹیٹس میں ایک شعر لکھا، جس پر کسی فین نے مذاق میں لکھ دیا کہ فرحانہ آپ کا ذوق تو ٹرکوں اور رکشوں والا ہے، میں نے بھی اُسی پوسٹ پر شرارت سے لکھ دیا کہ فرحانہ ذرا سوچو، یہ کیا کہہ رہا ہے؟ فرحانہ اس بات کو ٹھیک ٹھاک مائنڈ کرگئی میں نے بہت مشکل سے اُسے منایا تھا۔ اُس کے بعد وہ اکثر دانیال اور حیفہ کی اسٹڈی کے سلسلے میں مصروف رہتی میرا ناول دیمک زدہ محبت شائع ہوا تو اُس پر ہر مہینے اُس کا تبصرہ آجاتا تھا اور جب کرن ڈائجسٹ میں اس کا سلسلے وار ناول شروع ہوا تو وہ کچھ ہی عرصے کے بعد بہت اپ سیٹ سی رہنے لگی، ایک دن بات ہوئی تو اُس نے کہا "میں شام آرزو" کو جلد از جلد ختم کرنا چاہتی ہوں اس لیے اُس کی اگلی قسطیں لکھ کر اپنے پاس رکھ رہی ہوں، آہستہ آہستہ ریحانہ کو بھجوادوں گی "تم 'شام آرزو' کو اتنی جلدی کیوں ختم کرنا چاہتی ہو؟" میں نے حیرانگی سے پوچھا تو اُس کے جواب نے مجھے حیران کردیا وہ اب الیکٹرانک میڈیا کے لیے لکھنا چاہتی تھی۔ اُسے ہر کام کی جلدی تھی، شاید اُسے خبر ہوگئی تھی کہ اُس کے پاس وقت کم ہے۔ تم نے "محبت اب نہیں ہوگی" کا اسکرپٹ لکھ لیا اور مجھے بتایا تک نہیں۔" اُس کا ناراض لہجہ ایک دفعہ پھر میری سماعتوں سے ٹکرایا۔ وہ ایسی ہی تھی چھوٹی چھوٹی باتوں پر خفا ہونے والی اور بہت جلد مان جانے والی، دل کی سادہ اور پرخلوص لڑکی۔ "اب تم مجھے فوراً ون لائنر اور پہلی قسط بھیجو، میں تمہارا اسٹائل دیکھنا چاہتی ہوں، سائرہ غلام نبی بہت تعریف کرتی ہے تمہاری۔" ایک دن اُس کا میسج آیا تو میں نے دونوں چیزیں اُسے میل کردیں۔ وہ اُس دن اپنے تایا کے گھر تھی جو شاید حج پر جارہے تھے اور اُس نے مجھے کہا کہ میں گھر جاکر میل اوپن کرتی ہوں، پتا نہیں اُس نے وہ ای میل اوپن کی یا نہیں، بڑی عید سے ایک ہفتہ پہلے اُس سے بات ہوئی، لیکن ان دنوں اس کی باتیں بس اسکرپٹ رائٹنگ کے اردگرد ہی گھومتی تھیں۔ "میں کس پروڈکشن ہاؤس کو اپنا ون لائنر بھیجوں؟ کتنے صفحات کا لکھوں؟ یار مجھے فہد مصطفیٰ اور اعجاز اسلم کے ای میل ایڈریس بھیجو۔" ایسا لگتا تھا جیسے اُس کے اندر کوئی بے چین روح گھس گئی ہو وہ بہت کم عرصے میں بہت سے کام نبٹا لینا چاہتی ہو۔ "صائمہ میری بیٹی میں بڑا ایٹی ٹیوڈ ہے لیکن اُس پر سجتا ہے۔" ایک دن فون پر بات کرتے ہوئے اُس نے ہنستے ہوئے مجھے بتایا۔ اُس کے لہجے میں اپنے بچوں کے لیے ہمیشہ محبت چھلکتی تھی۔ ایک دفعہ اس کا سب سے چھوٹا بیٹا عبداللہ بیمار ہوگیا تو وہ بہت پریشان ہوگئی میں نے کافی تسلی دی اُس کے بعد کرن ایم بی بی ایس کرکے واپس آگئی تو اُس کے رشتے کے

لیے اکثر پریشان رہتی تھی۔ کئی دفعہ باتوں میں ذکر کرتی، اپنے میاں کا ذکر کرتے ہوئے اُس کے لہجے میں بڑی بے ساختہ محبت اُمڈ آتی۔ وہ اکثر کہتی تھی، میں اپنے میاں کی بہت لاڈلی بیگم ہوں اپنے والد صاحب سے اُسے بے تحاشا محبت تھی۔ اپنی بہن کرن، شبانہ اور بھائی خاور، اور شاہد کا اکثر ذکر کرتی۔ وہ سادہ مزاج کی لڑکی تھی، ہر کسی کی باتوں کا اعتبار کر لیتی، کچھ دن پہلے اُس کو اپنی ایک رائٹر دوست کا پتا چلا کہ وہ بھی اسکرپٹ لکھ رہی ہے تو فوراً مجھ سے گلہ کیا کہ دیکھو ویسے میری فرینڈ بنتی ہے لیکن مجھ سے ذکر تک نہیں کیا، میں اکثر اُسے کہتی تھی، فری تم بہت جلد بدگمان ہو جاتی ہو اور جلد بدگمان ہو جانے والے لوگ دوسروں کے لیے بڑا امتحان ثابت ہوتے ہیں۔ وہ حد درجہ حساس تھی، کسی اپنے کے لہجے کی ہلکی سی تبدیلی اُسے گھنٹوں پریشان رکھتی تھی۔ اُس کی سب سے بڑی خوبی اُس کی سب کے لیے اپنائیت اور خلوص تھا۔ ہم لوگ گھنٹوں بے شمار باتیں کیے جاتے دنیا جہاں کی چیزیں ڈسکس کی جاتیں۔ پچھلے دنوں میں کچھ بزی تھی اُس کے میسجز کا ریپلائی نہیں کر سکی تو اُس نے مجھے دو ستمبر کو ایک شعر بھیجا۔

مصلحت ہوگی کوئی مجھ کو بھلا دینے میں
ورنہ احباب کو معلوم ہے میں زندہ ہوں

میں نے اُس سے فوراً رابطہ کیا۔ میرے ڈرامے کی ایک قسط دیکھ کر اس نے مجھے میسج کیا۔ ”محکمہ واپڈا والوں کی مہربانی سے آج تمہارا ڈرامہ دیکھا، بہت اپنا اپنا لگا، اس میں تمہارے قلم کی واضح جھلک موجود ہے۔“ میں نے اُسے کہا، تم بھی میدان میں اتر آؤ تو اُس نے جلدی سے جواب دیا، ان شاء اللہ جلد خوش خبری دوں گی۔ ہم دونوں کے درمیان بہت خوب صورت ریلیشن تھا، وہ مجھ سے خفا ہوتی تو دائیں بائیں سے خبر مل جاتی اور مجھے کسی بات کا غصہ ہوتا تو میں بھی کسی نہ کسی ذریعے اُس تک اپنا میسج پہنچا دیتی ایک دوسرے کا نام ڈائجسٹ میں دیکھ کر دونوں کو کوئی جن چڑھ جاتا اور جو تحریر پندرہ دن میں لکھنی ہوتی وہ دو دن میں لکھی جاتی۔ وہ عالیہ بخاری اور عمیرہ احمد سے بہت امپریس تھی۔ عالیہ آپی کی بہت تعریفیں کرتی، نایاب کا بھائی جن دنوں قید میں تھا، اکثر اُس کے لیے دعا کرنے کا کہتی ”تم زیادہ مت لکھا کرو مجھے ٹینشن ہونے لگتی ہے۔“ جن دنوں میرا ناول دیمک زدہ محبت چھپ رہا تھا اُس نے مجھے شوخ لہجے میں کہا تو میں ہنسنے لگی۔ ہم دونوں نے تقریباً اکٹھے لکھنا شروع کیا، ایک ڈائجسٹ میں ہم دونوں کے اکٹھے سلسلے وار ناولٹ شائع ہوئے تو خوب ایک دوسرے کی تعریفوں کے پل باندھے جاتے، وہ اکثر دوسروں کی ہلکی سی تنقید سے بھی اپ سیٹ ہو جاتی تھی۔ اُس کو اپنی تحریر کے مسترد کیے جانے سے بہت خوف آتا تھا۔ اس کا اظہار اکثر کرتی تھی، میں حیران ہوتی تھی وہ گھر اور بچوں کی ذمے داریوں سے کیسے ٹائم نکال کر لکھ لیتی ہے۔ کرن میں اپنے شائع ہونے والے ناول ”شام آرزو“ کے بعد کچھ الجھی الجھی سی تھی، اُس کو جلد از جلد سمیٹنا چاہتی تھی لیکن افسوس اس کی یہ خواہش پوری نہیں ہو سکی۔ مجھے اسلام آباد کی سڑکوں سے ڈرانے والی خود انڈس ہائی وے پر خاموشی سے اپنے ابدی سفر پر چلی گئی۔ سوچتی ہوں شادی میں شرکت کے لیے جاتے ہوئے اُس نے خوب ہار سنگھار کیا ہوگا، جیولری کا تو اُسے بہت شوق تھا۔ وہ بھی پہنی ہوگی، میک اپ بھی کیا ہوگا۔ کتنی پیاری لگ رہی ہوگی۔ نجانے موت اتنی بے رحم کیوں ہوتی ہے، اتنے خوب صورت چہروں کو نگلتے ہوئے اُسے ترس کیوں نہیں آتا۔ اُس کا گھر، اُس کا کمرہ، اُس کی وہ فائل جس میں اُس کی ڈھیروں ادھوری کہانیاں رکھی ہیں، ان سب چیزوں کو فرحانہ کی لاڈلی حیفہ نے کیسے سمیٹا ہوگا، عبداللہ کو تو ماں کی بہت عادت تھی، اُس کو کس نے سنبھالا ہوگا، ساس اور شوہر کی لاڈلی کے دل میں کتنے ارمان اور کتنے خواب تھے جو اُس کے ساتھ ہی دفن ہو گئے۔ اکیلے رہنے سے اُسے خوف آتا تھا اس لیے جاتے جاتے ساتھ میں اپنی والدہ، بہن ڈاکٹر مہرانساء (کرن) اور بھائی خاور کو لے گئی اُس کے والد کے دل پر کیا قیامت ٹوٹی ہوگی؟ اُس کے میاں سے جب بھی بات ہوئی ان کی صدمے سے بھرپور آواز سن کر کچھ بھی پوچھنے کی ہمت نہیں ہوئی۔ اُس کا لاڈلہ بیٹا دانیال نشتر اسپتال ملتان میں زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا ہے اللہ اُسے زندگی اور صحت دے۔ اُس کی والدہ، بہن اور بھائی کو جنت الفردوس میں جگہ دے، آمین۔ آخر میں فرحانہ سے اتنا ہی کہنا ہے یار تم تو مجھ سے مقابلہ کر کے لکھا کرتی تھیں اتنے سال ایک دوسرے کو دیکھ کر ہم ہمت پکڑتے تھے۔ اب بتاؤ راستے میں انگلی چھڑا کر کیوں چلی گئیں؟ تم تو میدان چھوڑنے والوں میں سے نہیں تھیں پھر اتنی بڑی چیٹنگ کیوں کی؟ تمہیں ذرا بھی ترس نہیں آیا۔ اٹھارہ انیس سال کی رفاقت میں ایسے کرتا ہے کوئی؟ ایسے چھوڑ کر جاتے ہیں بھلا......؟

راحت وفا

فرحانہ ناز بہن کی حادثاتی موت پر بہت دلی صدمہ ہوا...... موت برحق ہے لیکن اس طرح کی افسوسناک موت نے ذہنی و دلی رنج پہنچایا...... مرحومہ کی وفات سے ان کے قارئین کو گہرا دکھ ہونا یقینی امر ہے۔ مرحومہ نے اپنی تحریروں کے ذریعے خواتین کے دلوں میں پسندیدگی کا مقام حاصل کیا ان کی تحریروں کو قارئین بہنیں تا دیر فراموش نہیں کر سکیں گی...... اللہ تعالیٰ محترمہ فرحانہ ناز صاحبہ اور ان کی والدہ بہن اور بھائی کو اپنی جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے اور لواحقین کو صبر جمیل عطا فرمائے، آمین۔

اقرا صغیر احمد

السلام علیکم! ساتھی رائٹر فرحانہ ناز ملک کی حادثاتی موت کا سن کر بہت افسوس ہوا۔ زندگی کی یہی حقیقت ہے انسان پل بھر میں حال سے ماضی بن جاتا۔ دعا کرتی ہوں ستر ماؤں سے زیادہ اپنے بندوں سے پیار کرنے والا رب ان کی قبر کو جنت کا باغ بنا دے اللہ پاک ان کے گھر والوں کو صبر جمیل عطا کرے آمین ثم آمین۔

سمیرا شریف طور

بچھڑا کچھ اس ادا سے کہ رت ہی بدل گئی

اک شخص سارے شہر کو ویران کر گیا

فرحانہ کی ڈیتھ کی خبر ایسی تھی کہ جس نے نہ صرف ان کے حلقہ احباب میں موجود ہر دل کو غم سے نڈھال اور بوجھل کر دیا بلکہ ہر آنکھ نم ہے اور کوئی بھی اس بات پر یقین کرنے کو تیار ہی نہیں کہ اتنا پیارا، ہنستا مسکراتا وجود یوں اچانک ہمیں اس طرح چھوڑ کر جا سکتا ہے یقین ہی نہیں آتا۔ جس لمحے سے ان کی موت کی خبر سنی ایسے لگ رہا ہے کہ جیسے دنیا میں کوئی بہت بڑی کمی آ گئی ہے۔ ہم سے ہمارا بہت اپنا بہت ہی پیارا چھن گیا ہے بے شک وہ ہماری اپنی ہی تو تھیں ہمارا اور ان کا لفظوں کا تعلق تھا۔ احساسات اور جذبات کا رشتہ تھا اور قلم کا رشتہ تھا میرا فرحانہ سے پہلے صرف ایک قاری کا تعلق تھا اور پھر فیس بک جوائن کرنے پر ان سے دوستی کا بھی میری جب بھی فرحانہ سے بات ہوئی میں نے ان کو بہت ہی ملنسار اور محبت کرنے والی ہستی پایا اپنے بچوں سے بہت محبت کرتی تھیں اکثر بچوں کی تصاویر دیکھ کر مجھے خوشی ہوتی تھی اور جب اچانک ان کی موت کی خبر دیکھی تو سب سے پہلے یہی خیال آیا کہ ان کے بچوں کا کیا حال ہوگا میں امی کو بار بار بچوں کی تصاویر دکھا رہی تھی اور میری آنکھیں آنسوؤں سے بھری ہوئی تھیں فرحانہ کے متعلق جو بھی لکھوں وہ کم ہے بس یہی کہوں گی کہ اللہ ان کو اپنے پاس بلند مقام عطا کرے آمین۔ اور ان کے بیٹے کو صحتِ کاملہ عطا کرے، آمین۔

فاخرہ گل

کبھی کبھار ایسا ہوتا ہے کہ آپ کی ذات پر اترنے والے دکھ کی چاپ بڑے نامحسوس طریقے سے آہستہ آہستہ روح پر اثر انداز ہوتے ہوئے ایک ایسی سمت سفر کرتی محسوس ہوتی ہے جہاں سمجھ بوجھ کام نہیں کرتی خواہ مخواہ کی اداسی یوں لپیٹ میں لیتی ہے گویا زبان گویائی سے تو بھی آشنا بھی ہی نہیں، نہ ذہن میں کوئی سوچ اترتی ہے نہ زبان سے الفاظ ادا کرنے کو جی چاہتا ہے ایسی ہی کیفیت گیارہ اکتوبر کی دوپہر سے مجھ پر طاری تھی عجیب سی بے چینی، بے سکونی اور بے کلی تھی کہ نہ تو کسی کام میں دل لگ رہا تھا اور نہ ہی کسی سے بات کرنے کو دل چاہ رہا تھا ای وی آن کروں، کسی دوست سے یا گھر پر امی سے فون پر بات کی جائے یا کچھ لکھ لوں لیکن نہیں میں اس دن کچھ بھی تو کرنا نہیں چاہ رہی تھی۔ سو ہاتھ میں موبائل لیے صوفے پر بیٹھ کر باہر موسلا دھار ہوتی بارش بادلوں کی گھن گرج کو کھڑکی سے دیکھنے لگی۔ لیکن بجلی کی شدید چمک کے باعث پردہ آگے کر کے بے دلی سے ہاتھ میں لیے موبائل پر فیس بک پر نظر دوڑانے ہی والی تھی کہ سب سے اوپر موجود صائمہ اکرم کے اسٹیٹس نے گویا میرے جسم سے جان ہی نکال دی۔ سر سے لے کر پاؤں تک سرد اور بے جان جسم کے ساتھ میری آنکھیں بس اسی سطر پر رکی تھی جہاں ہماری بہت پیاری، ہنستی مسکراتی، زندہ دل اور خوب صورت رائٹر دوست فرحانہ کے ہم کو چھوڑ جانے کی اطلاع تھی اطلاع کیا تھی ہر لفظ نوحہ کناں تھا چند لمحے تو جیسے میری سوچنے سمجھنے کی حس نے کام کرنا ہی چھوڑ دیا تھا سانس تک بحال نہیں ہو پا رہی تھی کس سے کنفرم کروں، ایک دفعہ ہو سکتا ہے یہ جھوٹ ہو، صائمہ کو کسی نے غلط خبر دی ہو فوراً میں نے اسی موبائل سے صائمہ اکرم کو فون کیا اور نہ چاہتے ہوئے بھی مجھے سننا پڑا کہ ہاں یہ سچ ہے کہ فرحانہ اب اس دنیا میں نہیں۔ آہ..... لفظ ہیں کہ کہیں چھپ سے گئے ہیں سانس ہے کہ رواں ہوتی ہی نہیں اور دل اب تک اس بات کو ماننے کو تیار نہیں ہو پا رہا کہ کیا فرحانہ بھی یوں ایک دم چھوڑ کر جا سکتی ہے اتنی جلدی؟ یوں اچانک ایک دم؟

حسن دیکھے نہ کسی کی یہ جوانی دیکھے
کتنی بے رحم الٰہی قضا ہوتی ہے
اچھے لوگوں کو چھپتی ہے موت
کتنی مردم شناس ہوتی ہے

ایسا نہیں ہے کہ میری فرحانہ سے بہت پرانی دوستی تھی ماہنامہ پاکیزہ کے توسط سے قلمی تعارف اور جان پہچان تو تھی لیکن ہمارا پہلا براہ راست رابطہ بھی فیس بک ہی کے ذریعے ہوا جب فرحانہ نے مجھے ریکوئسٹ بھیجی اور ساتھ ہی میسج اور میسج کی پہلی ہی لائن دیکھیں۔ ''اوئے فاخرہ کی بچی، یہ تم ہی ہو ناں فاخرہ گل؟ اس کا یہ بے تکلفانہ اور دوستانہ انداز خود میرے مزاج جیسا تھا سو ایک دوسرے کی طرف ایسے بڑھے کہ لگا ہم تو جانے کب سے دوست ہیں یہی نہیں ابھی پاکستان جانا ہوا اور میں نے فرحانہ سے بات کرنے کے لیے اس کا نمبر لیا اور اپنا نمبر بھی دیا۔ اور پہلی ہی دفعہ بات چیت اتنی طویل دلچسپ اور یادگار ہوئی کہ اس وقت بھی میرے کانوں میں اس کی آواز، الفاظ اور انداز گونج رہے ہیں۔ میرا ناول ''وہی ایک لمحہ زیست کا'' آنچل میں پڑھنے کا اس نے خود مجھے بتا دیا اور ساتھ یہ بھی کہ وہ بہت جلد آنچل میں لکھنے کا ارادہ رکھتی ہے اور اس سلسلے میں وہ ایک دھماکہ دار انٹری دے گی۔ لیکن کیا خبر تھی کہ آنچل میں ہم اس کے کسی ناول کے بجائے خود اسے ڈسکس کر رہے ہوں گے اس کی بڑی بڑی غلافی آنکھوں میں چھپے خواب تعبیر پائے بنا ہی ٹوٹ جائیں گے کسے پتا تھا۔ اس کے پیارے پیارے اور معصوم بچے یاد آتے ہیں تو دل کے اندر گھٹن انتہا کو پہنچتی معلوم ہوتی ہے اور پھر اس کے شفیق والد صاحب جن کا حوالہ اس کی گفتگو میں اکثر ہوتا اور جنہیں ایک ہی وقت میں دکھ سکھ کی ساتھی اپنی اہلیہ قابل اور لائق بیٹے دو قابل فخر بیٹیوں سے جدائی کا صدمہ اٹھانا پڑا۔ ان کے اہل خانہ کے لیے بہت سی دعائیں ہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں اپنی خاص رحمت سے صبر عطا فرمائے آمین۔ الحمدللہ ایک رائٹر کی حیثیت سے کسی بھی موضوع پر لکھنا میرے لیے مشکل نہیں لیکن فرحانہ کے متعلق کچھ بھی لکھتے ہوئے مجھے اپنے جملوں میں بے ربطگی کا احساس ہو رہا ہے کیونکہ ابھی تک میں ذہنی طور پر خود کو سنبھال نہیں پائی ہوں۔ نجی زندگی اس قدر ڈسٹرب ہے کہ کسی کام میں دل نہیں لگ رہا ہر وقت آنکھوں کے سامنے فرحانہ ہے اس کی زندگی اور پھر سفر آخرت...... اور پھر اس بات کا بھی مجھے احساس ہے کہ تعزیتی الفاظ کہنا اور وہ بھی ایسے الفاظ جن سے تمام تر الفاظ ہیچ ہیں۔ وہ الفاظ جو میرے احساسات کی ترجمانی کر سکیں شاید نا پید

ہیں فرحانہ نے جاتے جاتے وقت کا بے اعتبار ہونا یاد تو دلا یا لیکن اس طرح کہ اس کا نام آتے ہی آنکھیں بھیگنے لگتی ہیں۔ خدا فرحانہ اس کی والدہ، بھائی اور بہن کی مغفرت فرما کر انہیں جنت الفردوس کے اعلیٰ ترین درجوں میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی نصیب فرماتے ہوئے انہی کی نسبت سے دنیا میں موجود سب عزیز رشتوں کے لیے زندگی آسان فرمادے آمین۔ آپ سب سے بھی کم از کم تین مرتبہ قل شریف پڑھ کر دعائے مغفرت کی درخواست ہے اور یہ بھی سچ ہے کہ گیارہ مئی کو شازیہ چوہدری اور گیارہ اکتوبر کو فرحانہ کے یوں اچانک چلے جانے سے ہمارے قلم قبیلے میں پڑنے والا خلا کبھی پورا نہیں ہو پائے گا۔

گل کی دعا ہے اس کو جتنی عزت یہاں ملی
اس سے بڑھ کر اس سے اونچا درجہ وہاں ملے

عفت سحر طاہر

فرحانہ ناز ملک میں اسے اتنا ہی جانتی ہوں کہ میرے گھر آنے والے ڈائجسٹ میں اس کا ناول آ رہا ہے یا پھر میرے ٹائم لائن پر ایک طرف فرحانہ کا نام بڑی شان کے ساتھ جگمگا رہا ہے۔ لیکن اس کی اچانک موت کی خبر نے شاکڈ کر دیا۔ ابھی چند دن پہلے اس نے اپنے بیٹے کی تصویر فیس بک پر لگائی تھی اس کا بیٹا بالکل میرے ریان جیسا ہے اللہ اسے اپنی امان میں رکھے مجھے یقین نہیں آ رہا ایک ہی گھر کے چار افراد یوں لقمہ اجل بن گئے کہ زندگی پاس کھڑی ہاتھ ملتی رہ گئی فرحانہ تم نے تو شازیہ چوہدری کی یاد دلا دی۔ بچھڑا کچھ اس ادا سے کہ رت ہی بدل گئی۔ اک شخص سارے شہر کو ویران کر گیا۔ اللہ ان کے اہل خانہ کو صبر عطا فرمائے اور ان کی قبر کو جنت کے باغوں میں سے ایک باغ بنا دے، آمین ثم آمین۔ اللہ حافظ

نزہت جبیں ضیاء

السلام علیکم! بعض وقت ہماری زندگی میں کوئی حادثہ اتنا غیر متوقع اور شاکڈ ہوتا ہے کہ دل و دماغ ہوش و حواس کچھ بھی قابو میں نہیں رہتا۔ ذہن ماننے سے انکار کر دیتا ہے دل کہتا ہے کہ ایسا نہیں ہو سکتا۔ بالکل ایسا ہی میرے ساتھ ہوا جب مجھے فرحانہ کے انتقال کی خبر ملی۔ نہیں ایسا کیسے ہو سکتا ہے صبح تو میسج آیا تھا اس کا۔ میرا ذہن اس روح فرساں خبر کی حقیقت ماننے کو تیار ہی نہیں تھا کہ ہنستی مسکراتی پیاری سی دوست یونہی چلی گئی مگر اللہ تعالیٰ نے اس کی زندگی اتنی ہی لکھی تھی اور وہ لوگ کبھی نہیں مرتے جو اپنی اچھی یادوں باتوں کے ساتھ ہمیشہ دلوں میں زندہ رہتے ہیں تب میرے ذہن میں خیال آیا اور میں نے سوچا کہ کیوں نہ ہم سب رائٹرز مل کر اس کے ساتھ گزری ہوئی اچھی یادیں شیئر کریں یہ سوچ کر میں نے "آنچل" ڈائجسٹ والوں سے رابطہ کیا کہ میں چاہتی ہوں کہ آپ فرحانہ کے لیے ہمارے جذبات کو اپنے ڈائجسٹ میں جگہ دیں۔ طاہر بھائی بھی ہمارے دکھ میں برابر کے شریک ہیں انہوں نے کہا کہ ضرور آپ رائٹرز سے کہیں میں نے سب سے پہلے سیما اور پھر دیگر ڈائجسٹ رائٹر سے اور کافی بہنوں سے رابطہ ہوتا چلا گیا۔ جب یہ روح فرساں خبر سنی کسی صورت یقین نہ آیا مگر جب تصدیق ہوئی تو بے تحاشہ رونا آیا کہ ابھی تو اس کا میسج آیا تھا۔ ایسا کیسے ہو گیا؟ میں کیا لکھوں اس کے لیے جو بہت اچھی اور لونگ دوست تھی۔ مجھے کہتی تھی آپ سے بات کر کے بہت اچھا لگتا ہے آپ میری آئیڈیل ہو میں اپنی بیٹی کی شادی بھی آپ کی طرح جلد کر کے نانی بننا چاہتی ہوں۔ میں اسے دعائیں دیتی مگر پچھلے مہینے میری طبیعت خراب ہوئی اسے پتا لگا تو دو، تین بار کال کی۔ کاش مجھے پتا ہوتا کہ اس کی آواز آخری بار سن رہی ہوں تو میں دیر تک سنتی رہتی یقین نہیں آتا کہ وہ پیاری دوست ہمیں چھوڑ کر جا چکی ہے۔ فون دیکھتی ہوں تو آنکھیں بھر آتی ہیں نا اس کی شاعری ہیں کوئی نا گڈ مارننگ میسج مگر یہ تو اٹل حقیقت ہے۔ جو اچھے لوگ ہوتے ہیں وہ کیونکر چھوڑ جاتے ہیں۔ بہت دشوار ہوتا ہے کہ انہیں کیسے بھلائیں ہم اب ہم سوائے اس کے لیے دعاؤں کے کچھ نہیں کر سکتے اس لیے میں نے اپنے طور پر اس کے لیے قرآن خوانی بھی اپنے گھر پر کرانے کا ارادہ کیا ہے اور اس سلسلے میں پہلے سیما کو بتایا اس نے بھی ساتھ دینے کا یقین دلایا اور کچھ رائٹر بہنوں نے بھی آنے کا وعدہ کیا ہے جزاک اللہ۔ کیوں کہ اب یہی ہماری دوست کے کام آئے گا اور اسی طرح ہم اس سے اپنی محبت کا اظہار کر سکتے ہیں آپ تمام دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ فرحانہ کی مغفرت فرمائے اس کے درجات بلند کرے اس کے تمام گناہوں کو معاف فرمائے اس کے لیے بقا اور نیکی کے راستے ہموار کرے اور ہم اس کے لیے جو کچھ پڑھیں جو دعا مانگیں اللہ تعالیٰ ان سب کو اپنی بارگاہ میں شرف قبولیت عطا کرے اور اس کے بیٹے کو جلد از جلد صحت عطا کرے آمین۔

طلعت نظامی

فرحانہ سے میرا ظاہری طور پر کوئی تعلق نہیں تھا پر جب ان کے بچھڑنے کی خبر مجھ تک پہنچی تو یوں ہی لگا جیسے کونجوں کی ڈار سے ایک کونج کہیں رستے میں کھو گئی۔ ایک رائٹر کا دوسری رائٹر سے کوئی تعلق ہو نہ ہو قلبی اور روحانی تعلق ضرور ہوتا ہے شاید اسی وجہ سے ان کے ایکسیڈنٹ کی خبر سن کر دل و دماغ سناٹے کی زد میں آ گئے تھے اور اکٹھے اتنے افراد کا اس سانحہ کا شکار ہو جانا وجود کو بھی ہلا گیا۔ مشعیت ایزدی کی مصلحت اور لوح محفوظ پر سبت نصیب کو کوئی نہیں بدل سکا ہے نا سمجھ سکا ہے بس دعا ہے جو اپنے پیاروں کے لیے ان کی راہ میں ہم کھڑے ہو جاتے ہیں کہ اللہ مرحومین کی قبروں کو جنت کے باغوں میں سے ایک باغ بنائے ان سب کی مغفرت کرے اور ان کے لواحقین کو صبر جمیل عطا فرمائے آمین۔

سباس گل

قلم کو اس کے لکھے پر اور ہمیں اس کی دوستی پر ہمیشہ ناز رہے گا۔ فری نے عیدی بھیجی تھی ہمیں بہت پیار سے اس کے پاکیزہ جذبوں کے بیل بوٹوں سے سجا سفید رنگ کا سوٹ اب اس کی یاد اور نشانی کے طور پر ہمارے پاس محفوظ رہے گا اسے موت نے گلے لگا لیا یوں اچانک کہ زندگی خود

بھی حیران و بے یقین رہ گئی۔ موت وہ شفاف حقیقت ہے جو اپنا آپ منوا کر ہی رہتی ہے۔ فرحانہ ناز ملک ایک عمدہ لکھاری، ایک دوست، پر خلوص اور پیاری، بہن اس دارفانی میں نہیں رہی۔ ایک خوفناک حادثہ فرحانہ کو اپنے پیاروں سے اپنے پڑھنے والوں سے ایک جھٹکے میں دور کر گیا وہ بھی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے دل کے دکھ اور آنکھوں کے آنسو اس دردناک سانحے پر اظہار کے لیے لفظ ڈھونڈنا بھی چاہیں تو لفظ نہیں مل پاتے۔ بس ایک سوال ذہن کے کسی گوشے میں بلک رہا ہے فری کیا تم اس سوال کا جواب دو گی۔ تم نے چند روز پہلے کہا تھا کہ صبا بہت دنوں سے ہماری گپ شپ نہیں ہوئی میں بہت مصروف ہوں بس ذرا فرصت مل جائے پھر ہم فون پر بہت ساری باتیں کریں گے تو میری پیاری دوست فری میں منتظر ہوں تمہاری فون کال کی کب فون کر رہی ہو مجھے؟ پلیز جواب دو نا فری۔ ان آنسوؤں کے لیے کوئی حرف تسلی ہے کیا؟ آہ...... فرحانہ ناز

اس اچانک حادثے کا غم رہے گا عمر بھر
ختم کب ہوگی یہ اشکوں کی کہانی موت پر
تاقیامت ناز کی یاد ہے اور اشک ہیں
اشک کیا روک پائیں گے اس ناگہانی موت پر

غزالہ عزیز

السلام علیکم، ہمارے قلم قبیلے کی ہر دلعزیز رائٹر اب ہم میں نہیں رہیں۔ یہ خبر پڑھ کر دل دکھ سے بھر گیا یہ عمران کی اتنی جلد دنیا سے رخصت ہونے کی نا تھی مگر اللہ کی رضا کے آگے ہم سب بے بس ہیں۔ اللہ پاک مرحومہ کی مغفرت اور درجات بلند فرمائے، آمین۔ قلم قبیلے سے تعلق کی وجہ سے ہم رائٹرز کا رشتہ اخلاص بہت مضبوط ہوتا ہے۔ فرحانہ ناز ایک اچھی رائٹر ہی نہیں ایک اچھی پر خلوص انسان ہونے کے ساتھ اپنے تمام رشتوں میں ایک محبت کرنے والی ہستی بھی تھیں علم وادب کی محفل میں جہاں ان کی کمی کو ہمیشہ یاد رکھا جائے گا وہیں ان کے پیاروں کی زندگی میں ان کی ذات کا خلا ہمیشہ آنکھ نم رکھے گا اللہ پاک مرحومہ کے عزیزوں اور لواحقین کو صبر جمیل عطا فرمائے آمین۔

سیما بنت عاصم

وہ کوئی دوست تھا اچھے دنوں کا
جو پچھلی رات سے یاد آ رہا ہے

میری ہر صبح کا آغاز ایک اچھے عالمانہ میسج سے ہوتا، کبھی کبھی وہ بہت اچھے شعر اور چٹ پٹے کرارے لطیفے بھی سینڈ کرتی۔ جن میں اگر کمی آتی تو میں اسے پکارتی کہاں گم ہو چٹ پٹی؟ وہ ہنس کر کوئی جواز دیتی ایک بار میں نے اسے بتایا کہ مجھے جن دوستوں کے ریگولر ایس ایم ایس کی عادت ہے وہ اگر گم ہو جائیں تو مجھے فکر ہو جاتی ہے۔ یہ فرحانہ تھی جس نے جانے کہاں سے مجھے ڈھونڈا تھا میری اس کی واقفیت ایک دو سال کی ہی ہے مگر لگتا ہے کہ بہت پرانی بات ہے۔ 11 اکتوبر کا دن تھا جب صبح سے نہ کوئی ایس ایم ایس آیا نہ ریپلائی اور مغرب سے کچھ پہلے یہ اندوہناک خبر ملی مجھے بالکل یقین نہ آیا پلیز کنفرم کریں میں نے ایک دو جگہ میسج کیے کوئی تو کہہ دے کہ یہ خبر غلط ہے کوئی غلطی ہوئی ہے مگر کچھ ہی دیر میں کنفرم ہو گیا اور ہر جگہ سے یہی خبر آنی لگی تو موبائل سائلنٹ کر دیا۔ اسی دن تو سوچا تھا فرحانہ سے کہوں گی کسی دن چیٹ پر بھی بات کرو کاش میں بھی اس کی آواز ہی سن پاتی۔ فاصلے بھی کیا چیز ہوتے ہیں وہ ایک بار پھر گم ہو گئے ہیں مگر میں ایس ایم ایس کروں تو ریپلائی کیسے آئے گا۔

صدف آصف

فرحانہ ناز ملک...... ہم میں نہیں رہیں...... آج پہلی بار ہم کچھ لکھتے ہوئے عجیب دکھ کا شکار ہوئے، کیا لکھیں اور کیا نہ لکھیں؟ واقعی زندگی میں کچھ لمحے ایسے بھی ہوتے ہیں جب قلم ہاتھ میں ہو، صفحہ سامنے ہو، ذہن میں الفاظ بھی موجود ہوں مگر لکھنے کی سکت، طاقت اور جذبہ موجود نہ رہے۔ ہم بھی ایسی ہی کیفیت کا شکار ہیں۔ ”سنو فرحانہ اب اس دنیا میں نہ رہی۔“ ہماری دوست اور ساتھی رائٹر حیا بخاری نے جب ہمیں یہ اندوہناک خبر سنائی تو کافی دیر تک تو کچھ سمجھ میں ہی نہیں آیا۔ وہ یہ خبر دے کر خاموش ہو گئیں مگر ہم نے ان پر سوالات کی بوچھاڑ کر دی۔ ”کون سی فرحانہ؟“ یقین نہیں آرہا تھا کہ بات ہماری بہت پیاری ساتھی مصنفہ فرحانہ ناز ملک کی ہو رہی ہے یا شاید یقین کرنے پر دل مائل ہی نہ تھا۔ اسی لیے دوبارہ پوچھا جب بات کی تصدیق ہو گئی تو جیسے ایک لمحے کو دل بند ہونے لگا یہ کیسی ناگہانی ہوئی کہ ایک ہی دن ایک گھر میں اتنی اموات آنکھیں بھر آئیں دکھ کی ناقابل بیان کیفیت طاری ہوئی کچھ لوگوں کے ساتھ خون کا رشتہ نہ ہوتے ہوئے بھی اپنائیت کا ایسا رشتہ جڑ جاتا ہے جو کبھی ختم نہیں ہو سکتا آج فرحانہ ناز ملک جیسی بہترین مصنفہ، دوست اور سب سے بڑھ کر بہترین انسان کے دنیا سے چلے جانے پر کتنی آنکھیں پرنم ہوئیں تو اس رشتے کی اہمیت کا اندازہ ہوا لکھنے والے اپنی تحریروں کے ذریعے زندہ رہتے ہیں فرحانہ ناز ملک بھی اپنے اچھے اخلاق اور بہترین انداز تحریر کی وجہ سے ہمیشہ زندہ رہیں گی۔ ہماری دعاؤں میں ہمارے دلوں میں اور اپنی کتابوں میں لکھے گئے لفظوں کی بدولت۔ دنیائے فانی سے سب کو چلے جانا ہے۔

آگاہ اپنی موت سے کوئی بشر نہیں
سامان سو برس کا ہے پل کی خبر نہیں

نادیہ جہانگیر خان

میرے قلم میں بہت دم ہے، بہت جوش ہے لکھنے پر آئے تو لکھتا چلا جاتا ہے۔ حرف حرف لفظ لفظ اور پھر جملے پر جملہ۔ لیکن آج جب میں

نے قلم تھاما ہے لکھنے بیٹھی ہوں تو قلم لکھنے پر ہی نہیں آ رہا ہے سیاہی ہے مگر پھر بھی یہ چلنے سے معذور ہے کہ اسے جس کے لیے لکھنا ہے وہ اب اس دنیا میں نہیں ہے میرے قلم کو میرے لکھنے کو سراہنے والی میری عزیز از جان دوست فرحانہ مجھے ہی کیا اپنے تمام چاہنے والوں کو روتا چھوڑ گئی ہے۔ اچانک میسیج آیا دیکھا ہماراؤ کا میسیج تھا۔ "نادیہ فرحانہ کی ڈیتھ ہوگئی ہے۔" میں جہاں تھی وہیں رہ گئی۔ پھر سدرہ سحر کا ایسا ہی ٹیکس ملا اور ساتھ ہی فصیحہ آصف کا بھی یہ خبر تھی یا ایٹم بم جو میرے سر پر گرا اور میرے اندر کو لہولہان کر گیا۔ ابھی عید کے دن ہی تو میری اس سے بات ہوئی ہے، ابھی کل ہی تو ہم میسیج چیٹنگ کر رہے تھے اور اس نے مجھے اپنی اور بچوں کی تازہ تصویریں ایم ایم ایس کی تھیں۔ کیسے ہوسکتا ہے یہ بھلا؟ مجھے یقین آ کر نہیں دے رہا تھا کہ کیسے یہ ہوگیا۔ ابھی تو اسے میرے گھر آنا تھا مجھ سے ملنا تھا۔ میں نیا گھر بنا رہی تھی اور اس کے مکمل ہونے کے بعد اسے میرے گھر آنا تھا جبھی تو وہ روز پوچھتی۔ "کام کہاں تک پہنچا نادو؟" "یار نادی لگتا ہے تجھے مجھ سے ملنے کی جلدی نہیں جو تم اس کچھوے کی رفتار سے گھر بنوا رہی ہو۔" اور میں اسے دعا کرنے کا کہتی۔ نہیں جانتی تھی کہ میرا گھر مکمل ہونے سے پہلے ہی وہ دو ہاتھ اس دنیا سے اٹھ جائیں گے۔ فرحانہ یہ کیا ہوگیا میری بہن ابھی تو تمہیں بہت سارے کام کرنا تھے بہت سے خوابوں کو پورا کرنا تھا۔ ایک جانی پہچانی مصنفہ اور اعلیٰ پائے کی رائٹرز بننے کے علاوہ اسے پڑھنے کے ساتھ ساتھ لیکچرار بننے کا بہت شوق تھا جبھی تو اس نے ایگزام بھی دیے تھے مگر ہائے قسمت، فرحانہ کو گود میں اٹھائے بچے بہت اچھے لگتے تھے اسے اب بھی ایک اور بچے کی خواہش تھی اکثر مجھے کہتی تھی۔ "نادو تم مجھ پر بازی لے گئی ہو تمہارے 4 بچے ہوگئے اور میرے ابھی 3 ہیں۔ میرا اور تمہارا مقابلہ ہے اب دیکھنا اب میں بھی تیاری کرلوں گی۔" اور یہ خواب بس خواب ہی رہا اور وہ ایسا سوئی کہ دوبارہ جاگ کر نہیں دی۔ حالانکہ کہ ابھی اسے اپنے بچوں کو پڑھا لکھا کر بڑے بڑے عہدوں پر فائز کرنا تھا ان کی شادیاں کرنا تھیں اور پھر ساس بن کر دکھانا تھا کہ ساسیں اپنے بہوؤں سے جیلس ہوتی کیوں ہیں۔ لیکن یہ بھی ہے کہ اسے اپنے خاندان کے مردوں کی محبت سے خوف آتا تھا کہ وہ سب مرد اپنی بیویوں سے جان چھڑکنے کی حد تک محبت کرتے ہیں اور اسے لگتا تھا کہ اس کے بیٹے بھی اپنے ابا، چچا پر نہ چلے جائیں۔ میں اکثر اسے چھیڑتی کہ تمہارے بیٹے بھی اپنے باپ دادا کی طرح زن مرید بنیں گے اور تب تمہارے اپنی بہوؤں سے خوب جھگڑے ہوں گے۔ کیا پتا تھا کہ وہ اپنے بچوں کی شادیاں تو کیا بچوں کو بڑا ہوتا ہوا بھی نہ دیکھ پائے گی۔ فرحانہ کی موت کا سوچتی ہوں تو اپنی بہن صوبیہ یاد آجاتی ہے۔ جو ایسے ہی بھری جوانی میں چپ چاپ اس دنیا سے چلی گئی اور پلٹ کر خبر تک نہ لی آہ...... فرحانہ اب تم کس دنیا کی باسی ہوگئی ہو۔ چاہ کر بھی تمہیں ڈھونڈ نہ پائیں گے ہم۔ سب پڑھنے والوں سے گزارش ہے کہ فرحانہ اور اس کے ساتھ حادثہ کا شکار ہونے والے اس کے بھائی، بہن اور ماں کے لیے دعائے مغفرت کریں اور ساتھ میری بہن صوبیہ کے لیے بھی دعا کیجیے گا۔ اللہ پاک ان سب کو جنت الفردوس میں اعلیٰ درجات سے نوازے۔ کروٹ کروٹ چین وسکون نصیب فرمائے اور قبر کشادہ کرے آمین۔ آہ...... فرحانہ تم اس دنیا سے تو چلی گئی مگر ہمارے دلوں اور دعاؤں میں ہمیشہ زندگی رہوگی۔ ان شاء اللہ۔

نازیہ جمال

11 اکتوبر کے دن میں بہت خوش تھی۔ ہاتھوں پر مہندی لگائی، ناخنوں پر گلاب رنگ دیا۔ کلائیوں میں چوڑیاں چڑھائیں۔ آخر یہ سب کیوں نہ کرتے، کیوں نہ سجتے، کیوں نہ سنورتے؟ آج میری پیاری بہن "شازیہ جمال نیر" کی مہندی کا فنکشن تھا۔ اگلے دن پیا سنگ رخصتی۔ خوشیاں برس رہی تھی۔ اچانک فضا نے دم سادھ لیا۔ جنوب سے آتی ہوا نے سسکی بھری تو سب ایک ساتھ چونک گئے۔ اللہ خیر یہ فرحت لوگ اب تک نہیں پہنچے۔ امی نے کس قدر سہم کر کہا پھر ایک فون کال اور سورہ اسرافیل پھونک دیا۔ ہر فرد کھڑے کھڑے زندہ درگور ہوگیا۔ مشک رنگ مہندی کا رنگ سیاہ پڑ گیا۔ چہرے ایک دم سفید۔ یہ پل بھر میں ہم کیا سے کیا ہوگئے۔ میں اپنی خالہ زاد بہن فرحانہ ناز ملک کو ہمیشہ ایک ہی روپ میں دیکھتی آئی ہوں۔ شوخ، چنچل، زندگی سے بھرپور، بے حد خوب صورت مگر اب یہ میں کیا دیکھ رہی تھی۔ خون میں لت پت بے جان لاش کے پور پور خون کے دھارے بن رہے تھے۔ ایک نہیں دو نہیں پورے چار بے جان جسم۔ یا خدا میری پیاری باجی، بے بے مجھے ہمیشہ کے لیے چھوڑ کر چلی گئیں۔ فرحانہ ناز میری خالہ زاد بہن تھیں وہ ہماری بہن کی شادی میں آ رہی تھیں کہ ان کا ایکسیڈنٹ ہوگیا۔

سیدہ تہمینہ زہرہ

موت کا ذکر آنسو اور تکلیف کا باعث ہی بنتا ہے اگرچہ ہم روز کسی نہ کسی دکھ اور تکلیف کا سامنا کرتے ہیں لیکن موت ایک ایسی حقیقت ہے جسے قبول کرنا سب سے بڑھ کر تکلیف دہ ہے۔ فرحانہ ناز ملک صاحبہ کی وفات کی خبر بھی ایسی ہی ایک ناقابل برداشت حقیقت کی طرح سامنے آئی اگرچہ میں کبھی فرحانہ ناز ملک صاحبہ سے ملی نہیں مگر میں ان کو ان کے لفظوں سے پہچانتی ہوں ان کے خوبصورت دل اور خوبصورت کردار کی جھلک میں واضح طور پر ان کے لکھے کرداروں کے اندر دیکھتی رہی ہوں جب ان کی وفات کی خبر پتا چلی تو ایک لمحے کے لیے دل مانا ہی نہیں کہ اس قدر زندہ اور خوب صورت لفظوں کی تخلیق کار اب اس دنیا میں نہیں اور نہ ہی اب کبھی ان کے روشن الفاظ سے میں مستفید ہوسکوں گی۔ میرے دل میں ان کے لکھے ہر لفظ کی بے پناہ قدر ہے۔ میری نظر سے سب سے پہلے ان کی کہانی "ساحل ساحل زندگی" گزری میں اس کے ایک ایک لفظ میں کئی دن تک کھوئی رہی اس قدر خوب صورت الفاظ کی بنت کاری کوئی عام انسان کر ہی نہیں سکتا اس کے بعد گلاب لمحوں کی زد میں اور گھڑیاں ملن کی میں نے ایک ہی نشست میں پڑھ ڈالے اور آج ان دلکش الفاظ کی مالکہ ہم میں نہیں اگرچہ دل یہ حقیقت ماننے کو تیار نہیں مگر میرا دل کہتا ہے وہ اپنی کہانیوں کے ذریعے ہمیشہ ہمارے دلوں میں زندہ رہیں گی۔ اللہ ان کے درجات بلند کرے ایسی عظیم ہستیاں صدیوں میں ہی جنم لیتی ہیں۔ اللہ ان کے گھر والوں کو صبر کی توفیق دے، آمین۔

سمیرا غزل صدیقی

اردو ادب کا کو وہ تاریخی اور طویل سفر جس کی جدوجہد میں مایا ناز مصنفین نے اپنی کوششوں ومحنت سے رنگ ڈالا یوں دیکھتے ہی دیکھتے یہ سفر آگے بڑھتا گیا کامیابی کی جانب لوگ بڑھتے گئے اور قافلہ بنتا گیا اور اسی قافلے کا ایک حسین چراغ آج بجھ گیا سلمیٰ کنول اور فرحت آپا کی وفات کے بعد فرحانہ ناز کی وفات بے شک جدید اردو ادب کا ایک بہت بڑا نقصان ہے۔ جس کا ازالہ ممکن نہیں اللہ مرحومہ کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے اور ان کی تحریروں کو تا قیامت لوگوں کے لیے ہدایت کا ذریعہ بنا دے آمین۔

سیدہ زوباریہ

مقدور ہو تو خاک سے پوچھوں اے نسیم
تو نے وہ گنج ہے گراں مایاں کیا کیے

ایک اور ابھرتا ہوا چاند ڈوب گیا۔ ایک بادِ نسیم کا سبک رو تازہ جھونکا موت کے بادِ سموم کی زد میں آ گیا۔ دکھ بہت بڑا ہے اور الفاظ بے حد ناتواں کہ لفظ درد کا مداوا نہیں، نا ہی زخم کا مرہم ہیں بس ایک خوش گمانی سی ہوتی ہے کہ شاید ہم نے دکھ بانٹ لیا۔ خدائے بزرگ و برتر محترمہ فرحانہ ناز کو اپنی جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے اور ان کے لواحقین کو صبرِ جمیل عطا فرمائے آمین۔

سعدیہ رئیس

فرحانہ کے لیے کیا لکھوں اس کے اور میرے تحریری رشتہ میں ایسا قلبی وابستگی ہے کہ جب یہ خبر سنی تو بے حد صدمہ ہوا اگرچہ کبھی اس سے ملی نہیں مگر اس کی مسکراتی تصویر نظروں کے سامنے گھوم کے درد کو بڑھاتی رہی جو کسی ڈائجسٹ میں چھپی تھی۔ اللہ ان کے درجات بلند فرمائے اور ان کے اہل خانہ کو صبر عطا فرمائے آمین۔

سدرہ صدیقی

وہ زندگی سے زندگی تھیں، چاہے جتنی بھی ٹینشن ہو ان کی زندگی میں وہ سب سے ہنس کر ملتی تھیں وہ ایک بہت اچھی انسان تھیں زندہ دل تھیں اللہ انہی کامیابی دے اس دوسرے جہاں کے سفر میں آمین۔

سویرا فلک

السلام علیکم فرحانہ کو میں ذاتی طور پر نہیں جانتی تھی مگر بطور ایک ہی فیلڈ سے تعلق ہونے کے باعث تمام رائٹرز فیملی ممبرز کی طرح محسوس ہوتی ہیں اس کی ناگہانی اور جواں جہاں موت سے مجھے بھی شدید دھچکہ لگا اور مجھے یہ خیال آتا رہا کہ جس زندگی کے لوازمات پورے کرنے کے لیے ہم نڈھال ہوئے جاتے ہیں وہ کیسے یکایک ہمیں دغا دے جاتی ہے۔ اللہ اس کو جوارِ رحمت میں جگہ دے اور اس کے اہل خانہ کو صبر عطا کرے، آمین۔

عابدہ سبین

فرحانہ ناز سے یوں تو کبھی ملاقات نہ ہو پائی مگر ان کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ اکثر ان کی تحریر پڑھی ان کا طرزِ تحریر بہت عمدہ تھا۔ حقیقت پر مبنی موزوں الفاظ کا با کمال استعمال ان کا خاصہ تھا آج جب ان کی ڈیتھ کی خبر پڑھی تو بہت گہرا دکھ ہوا اللہ پاک ان کی مغفرت فرمائے ان کی کمی ہمیشہ محسوس ہوتی رہے گی۔ وہ میری دوست تھیں۔ نائس عورت اور اچھی رائٹر بھی قلم قبیلے کا عظیم نقصان اور قلم کے رشتے سے گہرا رشتہ تھا۔ میری نظر سے ان کی تحریر گزری ابھی انہیں بہت آگے جانا تھا۔ مگر رب کی رضا کے سامنے کس کا بس چلتا ہے اور فیس بک پر اندوہناک واقعہ کا پڑھ کر جیسے کوئی اپنا بچھڑ گیا بے شک قلم کا رشتہ بھی ایک عظیم رشتہ ہے ہم قریب نہ ہو کہ بھی جڑے ہوتے ہیں۔

فرح اسلم قریشی

فرحانہ ناز ملک ایک با صلاحیت اور منفرد لکھاری جن کی تحریروں میں زندگی گنگناتی تھی۔ جن کے لفظوں میں جینے کی امنگ خوابوں کا جہاں روشن تھا آج زندگی سے دور لفظوں کو تشنا چھوڑ کر خوابوں کو پیاری آنکھوں میں سموئے ہمیشہ کے لیے ہم سے جدا ہو گئیں۔ اللہ ہمیں اور لواحقین کو فرحانہ کی جدائی کا غم برداشت کرنے کی ہمت عطا فرمائے اور فرحانہ کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے آمین۔

فصیحہ آصف خان

آج فرحانہ ناز ہمارے درمیان موجود نہیں حادثہ میں اس کی والدہ، بھائی اور بہن بھی خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ بہت بڑا دل دہلا دینے والا سانحہ ہے۔ فرحانہ کی باتیں اس کی مسکراتی آواز اس کی جاندار تحریریں سب اس کی یادیں ہیں اور نا تھمنے والے آنسو۔ اللہ ان سب مرحومین کو جنت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور لواحقین کو صبرِ جمیل عطا فرمائے آمین۔

سلمیٰ غزل

فرحانہ ناز ملک کی شہادت دنیائے ادب میں ایک عظیم سانحہ ہے۔ اللہ ان کی مغفرت کرے اور ان کو جنت الفردوس میں جگہ دے۔ اللہ ان کے بیٹے کو سلامت رکھے آمین

نوشین اقبال نوشی

سمجھ نہیں آ رہا کیا لکھوں، کیسے اس کے دکھ کا اظہار لفظوں میں کروں جو فرحانہ کی اچانک ناگہانی موت کی خبر سن کر ہوا۔ دل صدمے سے پھٹنے

کو ہے اور یقین نہیں آرہا یہ کیا ہو گیا وہ میری بہت اچھی دوست تھی بہت پیار کرنے والی۔ مجھے ہمیشہ وہ اچھی لڑکی اور پیاری لڑکی کہہ کر بلایا کرتی تھی کبھی میسج نہ کروں تو کہتی اچھی لڑکی تم مجھے بھولتی جارہی ہو اکثر کال پر ہماری بات ہوتی تو کہتی ہم دونوں میں ایک چیز مشترک ہے، ہم دونوں کی آنکھیں ایک جیسی ہیں اور تب میں مسکرا کر اس کو کہتی تھی تم اپنی آنکھوں کی تعریف کروانا چاہ رہی ہو نا اور پھر ہم دونوں کے قہقہے اور ہنسی ہوتی تھی۔ پر اب وہ خوبصورت آنکھیں کبھی نہ کھلنے کے لیے بند ہو گئی ہیں۔ اس کی کھنکتی شوخ آواز اب بھی میری سماعتوں میں محفوظ ہے۔ جس دن یہ المناک خبر سننے کو ملی اس سے ایک دن پہلے بھی ہماری بات ہوئی تھی اور صبح اس کا مارننگ میسج بھی آیا تھا 9 بجے کے قریب وہ اب بھی میرے فون میں ہے اس کا آخری میسج میں بہت شاکڈ ہوں ابھی تک آنکھوں سے آنسو کا سیلاب ہے جو امڈتا چلا آرہا ہے فرحانہ یار ہم تو ابھی شازیہ چوہدری اور صوبیہ جہانگیر کی اچانک موت کے صدمے سے باہر نہیں آسکے تھے کہ تم بھی یوں چلی گئیں کبھی یہ خلا پر نہیں ہو سکے گا تم سب کی یادیں ہمیشہ کے لیے ذہن و دل میں محفوظ رہیں گی۔ اللہ بلند درجات عطا کرے آمین۔ ایک رائٹر کا رشتہ اس کے صرف قلم کاغذ اور تحریر سے نہیں بلکہ اس کے قارئین سے جڑ جاتا ہے اسی طرح جب ہم کسی رائٹر کی تحریر پڑھتے ہیں اس کے انداز بیان سے لطف اندوز ہوتے ہیں خود بخود اس رائٹر کے لیے دل سے تعریف اور بے اختیار واہ نکل جاتا ہے اور رائٹر کی یہی خوشی ہوتی ہے کہ اس کے پڑھنے والے اس کی تحریر سے خوش ہو جائیں۔ فرحانہ ناز ملک کے بارے میں زیادہ تو نہیں جانتی لیکن اتنا ضرور کہوں گی کہ بچھڑ جائیں بھی تو کیا، گم نام ہو جائیں تو بھی کیا نایاب تو ہو جائیں گے ہم ایک دن۔

رشك حبيبه

ڈھونڈو گے اگر ملکوں ملکوں ملنے کے نہیں نایاب ہیں ہم
تعبیر ہے جس کی حسرت و غم ہم نفسوں وہ خواب ہیں ہم

میں کبھی فرحانہ سے بذات خود مل نہیں پائی نہ کبھی اس سے براہ راست مخاطب ہونے کا شرف حاصل ہوا مجھے لیکن پھر بھی یوں لگتا ہے جیسا کوئی بہت اپنا بہت قریبی جدا ہو گیا ہے۔ میں کیا لکھوں کیا بتاؤں، ان کے لواحقین کو صبر کی تلقین کس منہ سے کروں۔ میں ذاتی طور پر نامانوس، انجان ہونے کے باوجود میں خود ان کی ناگہانی موت پر دم بخود غم زدہ ہوں تو وہ جو ان کے اہل خانہ ہیں ان کی حالت کا اندازہ کرنا بہت مشکل تو نہیں۔ اللہ پاک ہم سب پر رحم فرمائے غم دینے والا اور اسی غم کا مداوا کرنے والی ذات اسی کی ہے۔ مرحومہ فرحانہ بہن کے انتقال پر میں ان کے اہل خانہ اور عزیز و اقارب کے غم میں برابر کی شریک ہوں اللہ تعالیٰ مرحومہ فرحانہ بہن کو اپنے جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے آمین۔

مسز نگهت غفار

آہ..... ناز پیاری سی ہستی قیامت تک یاد رہے گی۔ اللہ تعالیٰ مرحومہ کو اپنے دربار میں اعلیٰ درجات سے نوازے آمین۔

نازيه عباسی (ميرب عباسی)

تجھ کو کس پھول کا کفن دیں ہم تو جدا ایسے موسموں میں ہوا جب درختوں کے ہاتھ خالی ہیں کل 11 اکتوبر ہم سے ہماری پیاری آپی فرحانہ ناز ملک ہمیشہ کے لئے بچھڑ گئیں ابھی بھی یقین نہیں آتا وہ زندگی سے بھرپور ہنس مکھ سی آپی اب نہیں رہی کچھ دن پہلے ہی تو ان سے بات ہوئی تھی۔ تب مجھے نہیں پتا تھا کہ میں ان سے زندگی میں آخری بار بات کر رہی ہوں۔ دل نہ کرتا ان کے لئے "تھیں" کا لفظ استعمال کروں آپی آپ ہمیشہ ہمارے دلوں میں زندہ رہے گی، اللہ فرحانہ آپی کو ان کی امی بہنیں اور بھائی کو جنت نصیب کرے آپی کے زخمی ہونے والے بیٹے دانیال کو صحت دے اللہ فرحانہ آپی کے گھر والوں اور ان کے تینوں بچوں دانیال، اقصیٰ اور عبداللہ کو صبر عطا کرے، آمین۔

امبرین بٹ

کچھ لوگوں سے ہمیں عمر بھر ملنے کا اتفاق نہیں ہوتا لیکن وہ ہمارے بہت ہی قریب رہتے ہیں اور جب ان کی زندگی کے بارے میں کوئی بھی خبر ملتی ہے تو بہت عجیب سا احساس ہوتا ہے۔ ایسے میں کوئی پوچھے کہ تمہیں کیا ہوا۔ تمہارا کیا رشتہ تھا تو کچھ سمجھ نہیں آتا کیا کہا جائے لفظوں کا رشتہ بھی بہت عجیب ہوتا ہے یوں جیسے دل کا دل سے ہو۔ فرحانہ ناز کا اور میرا لفظوں کا رشتہ ہے لوگ کہتے ہیں ڈائجسٹ پڑھنے سے خرابی آتی ہے میں نے پڑھی ہے اور بہت پڑھی ہیں یہ جتنے بھی رائٹر ہیں نا ان لوگوں نے مجھے خود آگہی دی ہے۔ اور آج یہ خبر ملی تو کچھ لمحات تک یہ بھی نہ جان پائی کہ میری دھڑکن کا اور میرا ساتھ ہے بھی یا نہیں۔ فرحانہ آپ ہمیشہ ساتھ ہیں کیونکہ سنا ہے بندہ مرتا تب ہے جب وہ دل سے اتر جائے اور آپ تو ہمارے دل میں ہیں ہمیشہ کے لیے۔

سحرش فاطمه

ایک رائٹر کا رشتہ صرف اس کے قلم کاغذ اور تحریر سے نہیں ہوتا بلکہ اس کے قارئین سے جڑ جاتا ہے۔ اسی طرح جب ہم کسی رائٹر کی تحریر پڑھتے ہیں اس کے انداز بیان سے لطف اندوز ہوتے ہیں خود بخود اس رائٹر کے لیے دل سے تعریف اور بے اختیار واہ نکل جاتا ہے اور رائٹر کی یہی کوشش ہوتی کہ اس کے پڑھنے والے اس کی تحریر سے خوش ہو جائیں۔ فرحانہ ناز ملک کے بارے میں زیادہ تو نہیں جانتی لیکن اتنا ضرور کہوں گی:۔

بچھڑ جائیں بھی تو کیا گمنام ہو جائیں تو بھی کیا
نایاب تو ہو جائیں گے ہم ایک دن

لگے ہواؤں کے سنگ
ڈاکٹر ہما جہانگیر

مجھے تمہاری جدائی کا کوئی رنج نہیں
میرے خیال کی دنیا میں میرے پاس ہو تم
یہ تم نے ٹھیک کہا ہے' مجھے ملا نہ کرو
مگر مجھے یہ بتا دو کہ کیوں اداس ہو تم

رات کا سفر...... گنگناتی تنہائی، پرسکون ہولے ہولے ڈوبتی ابھرتی لہروں کے سنگ تھرکتی، ناچتی چاند کی کرنیں...... عجیب مستی سی تھی ان میں۔ چاند کی ٹھنڈک، نرم ڈھلتی رات کا گداز اور کچھ بولتی، کچھ سنتی خاموشی......

سکون کا احساس اس کی رگ و پے میں سرائیت کررہا تھا۔ اس نے ٹھوڑی گھٹنوں پر رکھ کر بازو ان کے گرد لپیٹ لیے۔ چاند دھیرے دھیرے اپنی دودھیا روشنی سے ہر چیز کو جگمگا رہا تھا۔

دور کہیں ٹمٹماتی روشنیوں کا عکس جھیل کے پانی میں نظر آرہا تھا۔ ایک تاروں بھرا آسمان سر پر تھا تو دوسرا جھیل پہ اتر آیا تھا۔ عانیہ نے دھیرے سے پلکیں موند کے یہ منظر اپنی نگاہوں میں قید کرلیا۔

"زندگی کتنی خوب صورت اور مکمل ہے۔ پیار محبت اور خوبصورتی میں گندھی ہوئی یہ حسین خاموش سی زندگی۔"

کلر کہار کی یہ جھیل جو اس کی خوب صورت کالج کے لان سے نظر آتی تھی اس کو بہت پسند تھی۔ کالج کے پیچھے بنے لان کا یہ چھپا ہوا گوشہ، اس پر بنا سیمنٹ کا یہ بینچ عانیہ کی پسندیدہ جگہ تھی۔ جاڑوں کی سرد راتیں ہوں یا گرمی کی گرم شامیں یا آتے جاتے خزاں یا بہار کا موسم رات یہاں اکیلے بیٹھ کر گھٹنوں پر سکون احساس اپنے اندر سموتا اس کا بہترین مشغلہ تھا۔

"عانیہ......" امی کی آواز پر اس نے مڑ کر دروازے کی جانب دیکھا۔

"اندر آجاؤ اب۔ کافی دیر ہوگئی ہے۔"

"آرہی ہوں۔" مگر حقیقت تو یہ تھی کہ اگر امی آواز نہ دیتیں تو شاید ایک دو گھنٹے وہ مزید وہاں بیٹھی رہتی۔ اسے پتا ہی نہ چلا تھا مگر ہوا کافی خنک ہوگئی تھی۔

"اتنی رات تک کیوں وہاں بیٹھی رہتی ہو؟" سائرہ بیگم نے اس کے گالوں کو چھوتے ہوئے پوچھا تو وہ مسکرادی۔

"ذرا اپنے ہاتھ پاؤں چیک کرو۔ کتنے سرد ہورہے ہیں۔" انہوں نے عانیہ کے نیلے پڑتے ہاتھ اپنے گرم ہاتھوں میں لیے اور ہاتھ میں پکڑی شال اس کے کندھوں کے گرد لپیٹ دی۔

"امی! یہ گرمیوں کا موسم ہے بس ذرا سی ٹھنڈ آج ہی ہوئی ہے۔ آپ بھی نا بس۔ یونہی پریشان ہوجاتی ہیں۔"

"تم پریشان جو کرتی ہو۔ پچھلے دنوں رات بھر جاگ کر پڑھائی کی۔ ذرا جو آرام کیا ہو۔ یہ امتحان تو توبہ۔ اس تو تم کو نچوڑ کر رکھ دیا ہے۔ اتنا سا منہ نکل آیا ہے میری بچی کا۔ بس بہت ہوگئی یہ پڑھائی۔ اب میں تم کو مکمل آرام کرواؤں گی۔ سن لیا تم نے۔ کتنی کمزور ہوگئی ہو۔"

"امی ذرا آپ خود کو دیکھیں اور پھر مجھے۔" عانیہ نے مسکراتے ہوئے سائرہ بیگم کے نازک سراپا پر نگاہ ڈالی۔ کہیں سے بھی تو اس کی ماں نہیں لگتی تھیں۔

"آج آپ جلدی واپس آگئیں۔" اس نے شال اچھی طرح لپیٹ کر قدم اندر کی طرف بڑھائے۔

"ہاں آج کپڑے کے تھان آئے تھے۔ ان کا تمام حساب کتاب کرنا تھا۔ خیر رات تو پھر بھی ہو ہی گئی آتے آتے۔"

سائرہ بیگم کا کلر کہار میں ایک چھوٹا سا بوتیک تھا۔ یہ ان دونوں کی کل آمدنی کا ذریعہ تھا۔ سائرہ بیگم کا تمام وقت فیشن ڈیزائننگ اور اس چھوٹے سے بزنس کو چلانے میں ہی صرف ہوجاتا تھا۔ وہ تو چاہتی تھیں کہ عانیہ بھی ان کی مدد کرے تاکہ دونوں زیادہ وقت اکٹھے گزار پائیں مگر عانیہ کو فیشن سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ البتہ اس نے حال ہی میں MBA کا امتحان دیا تھا۔ وہ ماں کا ہاتھ اس طرح سے بٹانا چاہتی تھی۔

کچھ ہی دن پہلے ہی تو وہ گھر واپس آئی تھی۔ امتحانوں کی بڑی تھکان تھی۔ بس اب تو اس کا موڈ مزے سے گھر میں رہ کر آرام کرنے کا اور اپنے شہر میں انجوائے کرنا تھا۔

''امی ٹی وی کا ریموٹ کہاں ہے؟'' اندر لاؤنج میں آ کر اس نے ادھر ادھر دیکھ کر پوچھا۔

''پتا نہیں۔''

''سنو عانیہ...... آج تم اسکول گئی تھیں ملائکہ کے؟'' جانے کیا تھا ان کی آواز میں۔ عانیہ اپنی تلاش روک کر ان کی طرف متوجہ ہوئی۔ ان کی پشت عانیہ کی طرف تھی سو وہ ان کے چہرے کے تاثرات دیکھ نہ پائی۔

''وہم ہوگا میرا ورنہ امی کو کیا پریشانی ہو سکتی ہے جو وہ مجھ سے شیئر نہ کر پائیں۔'' اس نے سر جھٹک کر سوچا۔ مگر کچھ تھا ضرور ان کی آواز میں۔ شاید ملائکہ کو کوئی پرابلم تھا۔

ملائکہ عانیہ کے بچپن کی دوست تھی۔ اس نے یہاں ذہنی طور پر معذور بچوں کے لیے اسکول کھولا تھا۔ جب سے امتحانات ختم ہوئے تھے اور وہ واپس آئی تھی ملائکہ نے اسے بھی اپنے اسکول بلوا کر مدد لینی شروع کر دی تھی۔ وہ بھی کبھی کبھار چلی جاتی تھی مگر امی نے اس سے پہلے کبھی اس کی بابت نہیں پوچھا تھا۔ بلکہ ان کو عانیہ کا وہاں جانا ایک آنکھ نہ بھاتا تھا۔

''آج نہیں گئی تھیں وہاں۔'' امی کے سوال پر وہ چونک گئی تھی۔

''نہیں امی۔ آج موڈ نہیں تھا۔ مگر آپ کیوں پوچھ رہی ہیں؟ ملائکہ نے کچھ کہا ہے۔'' بالآخر اس کو ریموٹ مل ہی گیا تھا۔ اس نے ٹی وی آن کر دیا۔

''کیوں موڈ نہیں تھا۔ اور یہ ٹی وی بند کرو میں بات کر رہی ہوں۔'' وہ ذرا اونچی آواز میں بولیں۔ عانیہ نے حیران ہو کر ماں کو دیکھا جو ہنوز پشت اس کی جانب کیے کھڑی تھیں۔ عانیہ نے ٹی وی بند کیا اور اٹھ کر ماں کے قریب آ گئی۔

''امی...... کیا بات ہے۔'' اس نے ماں کو کندھوں سے پکڑ کر ان کا رخ اپنی طرف کیا۔

''ویسے ہی پوچھ رہی ہوں کہ کیوں نہیں گئیں۔ طبیعت تو ٹھیک تھی۔ سارا دن کیا کیا۔ کسی کا فون وغیرہ تو نہیں آیا''۔ عانیہ پزل سی ہوگئی۔

''امی...... کیا بات ہے صاف کہیں نا۔''

''بھئی تم نظر نہیں آئیں تو میں نے پوچھ لیا۔'' عانیہ سے نظریں چراتی وہ اس کے پاس سے ہٹ گئیں۔

''نظر تو میں روز ہی نہیں آتی امی۔ آپ سارا دن بوتیک پر ہوتی ہیں......'' اس نے ہنس کر کہا ماں نے اسے پیار سے گھورا۔

''دراصل امی آج طبیعت ذرا سست تھی۔ سوچا سارا دن ریسٹ کروں گی۔ اس لیے گئی ہی نہیں۔'' وہ صوفے پر آ بیٹھی۔

''میں تم کو مکمل وقت کبھی نہیں دے پائی۔ عانیہ تم کیا جانو مجھے کبھی کبھی کتنا افسوس ہوتا ہے اس بات کا مگر میں مجبور تھی اور اپنی زندگی گزارنے کے لیے پیسے کی ضرورت تھی اور اس کے پیچھے بھاگتے بھاگتے عمر ریت کی طرح انگلیوں سے پھسلتی چلی گئی۔'' ماں کے چہرے پر چھائی پشیمانی عانیہ کو دکھ دے رہی تھی۔

''ایسے کیوں سمجھتی ہیں آپ۔ اتنی یاسیت بھری باتیں آج کیوں امی۔ مجھے تو آپ سے کوئی گلہ وشکوہ نہیں۔ ارے آپ تو بیسٹ مما ہیں وقت کی کمی رہی تو کیا ہوا پیار میں تو کوئی کمی نہیں پائی نا میں نے۔ آپ سے ملی یہ زندگی تو بہت خوب صورت ہے امی۔ آپ نے تو مجھے زندگی سے پیار کرنا سکھایا ہے۔ پھر یہ پچھتاوا کیوں؟'' وہ سائرہ بیگم سے لپٹ گئی۔

''کبھی سوچتی ہوں کاش تم بھی اپنے باپ کے پاس رہ گئی ہوتی تو شاید آج دنیا کی ہر آسائش تم کو میسر ہوتی۔'' سائرہ بیگم کے جملے پر وہ تڑپ کر ان سے علیحدہ ہوئی۔

''آپ نے سوچا بھی کیسے یہ! کون سا باپ کیسا باپ۔ باپ کیا ہوتا ہے میں جانتی ہوں نہ ہی جاننا چاہتی ہوں۔''

''مگر بہن......'' سائرہ بیگم کچھ کہنے ہی والی تھیں کہ عانیہ نے ان کو ہاتھ اٹھا کر روک دیا۔

''میرے لیے ماں باپ، بہن بھائی سب کچھ آپ ہیں امی...... صرف آپ...... مجھے آپ کے علاوہ کسی رشتے کی ضرورت نہیں ہیں۔'' اس کی آواز رندھ گئی۔

''ہیں......! کیا میری بھی ضرورت نہیں؟ اتنا غلط بیان دینے کی اجازت محترمہ آپ کو کس نے دی۔''

اندر آتی ملائکہ کی آواز پر دونوں نے چونک کر دروازے کو دیکھا۔ وہ دروازے کے بیچ و بیچ کھڑی عانیہ کو گھور رہی تھی۔ آنسو پونچھتی عانیہ دوڑ کر اس سے لپٹ گئی۔

''تم دونوں کے بغیر میری زندگی ادھوری ہے......

خوش؟'' ملائکہ ہنس دی۔

''ہوں......اب ٹھیک ہے۔ چلو جلدی سے بتاؤ آج اسکول کیوں نہیں آئیں۔''

عانیہ نے حیرت سے اسے دیکھا۔ وہی سوال اب ملائکہ کر رہی تھی۔ کچھ تھا ضرور وہ دونوں کچھ گھبرا رہی تھیں۔

''اچھا تم امی کے ساتھ بیٹھو میں کافی بنا کر لاتی ہوں۔''

عانیہ نے ماحول بدلا اور اُٹھ کر کچن کی طرف چل دی۔

''کچھ بات ہوئی۔'' عانیہ کے باہر نکلتے ہی ملائکہ نے سرگوشی میں سائرہ بیگم سے پوچھا۔ انہوں نے نفی میں سر ہلا دیا۔

''بات کرنے کی ہمت نہیں ہو رہی...... ہے نا؟'' وہ اثبات میں سر ہلا کر رہ گئیں۔

''چلیں میں کوشش کرتی ہوں۔'' وہ اُٹھ گئی۔ کچن میں کام کرتی عانیہ دھانی کاٹن کے سادہ شلوار قمیص میں بہت ہی معصوم لگ رہی تھی۔

ملائکہ نے اُس کا مکمل جائزہ لیا۔ اگرچہ وہ آنٹی کی طرح نازک اندام نہیں تھی مگر پھر بھی اس کا لانبا قد، سڈول سراپا اور خوب صورت بال اس کو کچھ علیحدہ ہی بنا دیتے تھے۔ آنکھوں میں کچھ تو تھا کہ بہت حسین نہ ہونے کے باوجود نظر ایک بار تو اس پر پڑ کے ٹھٹک سی جاتی۔ وہ اندر بڑھ آئی۔

''ارے تم کیوں آ گئیں؟ امی تمہاری کمپنی انجوائے کرتی ہیں اور آج تو وہ کچھ اداس اور پریشان بھی لگ رہی ہیں۔ تم چل کر بیٹھو ان کے پاس میں لا رہی ہوں کافی بن گئی ہے۔''

آہٹ محسوس کر کے عانیہ نے کچن کاؤنٹر پر بیٹھتی ملائکہ پر نظر ڈالی اور جلدی جلدی کافی مگ میں انڈیلنے لگی۔

''اچھا اب بیٹھو نہیں۔ چلو جلدی سے یہ سموسوں کی پلیٹ اُٹھاؤ اور میرے پیچھے چلی آؤ۔'' ملائکہ اب بھی اسے خاموشی سے دیکھ رہی تھی۔

''چلو اب آ جاؤ جلدی سے۔ کافی ٹھنڈی ہو جائے تو مزا کھو دیتی ہے۔'' عانیہ لاؤنج کی طرف چل دی۔ ملائکہ کو بھی چار و ناچار اس کے پیچھے آنا پڑا۔

''سنو کہیں سیر کا پروگرام کیوں نہیں بنا لیتیں۔ چھٹیاں گھر میں ہی گزار دو گی۔''

''کیوں؟ ابھی تو آئی ہوں۔'' عانیہ نے اس کو دیکھا۔

''ہاں مگر دیکھو نا ہم سب چھٹیوں میں کہیں نا کہیں جاتے ہیں۔ مگر تم بس پنڈی اور پھر کلر کہار۔ ان دو شہروں کے علاوہ بھی ہے ہمارا ملک۔ ذرا باہر نکلو۔ گھومو پھرو ہمارا ملک بہت خوب صورت ہے۔'' دونوں لاؤنج میں آ گئی تھیں۔ ملائکہ نے ڈیک اونچی آواز میں آن کیا۔ وہ میوزک کی دیوانی تھی۔ عانیہ نے ٹرے سینٹر ٹیبل پر رکھ دی۔ خود بے پروائی سے پاس ہی فلور کشن پر بیٹھ گئی۔ سائرہ بیگم کمرے سے چلی گئی تھیں۔

''بتاؤ نا......''

''بھئی مجھے تمام حسن اس خوب صورت وادی میں ہی مل جاتا ہے تو پھر اس کی تلاش میں ادھر اُدھر کیوں بھٹکوں۔'' وہ بے پروائی سے بولی۔

''اور محترمہ یہ میوزک کی آواز آہستہ کریں۔ رات کافی ہو چکی ہے۔ لوگ سو رہے ہوں گے۔ کیا تمام محلے کو سنانا ہے یہ میوزک۔'' عانیہ کو اس کی یہ عادت سخت زہر لگتی تھی۔

''کوئی نہیں جا رہی آواز باہر۔ تم خوامخواہ ہی کانشس ہو جاتی ہو۔ ویسے بھی گیارہ ہی بجے ہیں۔ کوئی آدھی رات کا وقت نہیں۔''

کال بیل کی آواز پر دونوں نے ایک دوسرے کو سوالیہ نگاہوں سے دیکھا۔

''کون ہو سکتا ہے اس وقت؟'' ملائکہ نے اونچی آواز میں کہا عانیہ نے لاعلمی میں کندھے اُچکائے۔

''بہرحال تم ہی اُٹھ کر دیکھو میرا تو کوئی موڈ نہیں اُٹھنے کا۔'' عانیہ کی سستی پر وہ بڑبڑاتی باہر کی طرف چل دی۔ اسے فکر تھی امی نے ملازم نہ بھیج دیا ہو اسے واپس بلوانے کے لیے۔

''السلام علیکم۔'' دروازہ کھولتے ہی یاسر کی آواز پر ملائکہ کا منہ بن گیا۔ وہ آنکھیں نیچی کیے کھڑا تھا۔

''آنٹی جی ہیں؟'' اس کی خاموشی پر یاسر نے سوال کیا۔

''مجھ سے کہہ رہے ہیں آپ؟'' اس نے ایک اچٹتی نگاہ یاسر پر ڈالی۔

''مجھے عانیہ یا آنٹی سے بات کرنی ہے۔'' اس نے ایک لاتعلق اُچٹتی سی نظر اس کے خوب صورت نازک سراپا پر ڈالی۔ چست سرخ لباس، گلے میں بے پروائی سے پڑا دوپٹہ اور اس کا سجا سنورا سراپا۔ یاسر کو ذرا پسند نہ تھا۔

''کیوں جی۔ آپ کو ان سے کیا کام ہے؟'' وہ مزید پھیل کر راستا روکے کھڑی ہو گئی۔ یاسر خاموش ہو گیا۔ وہ یک

ٹک اسے گھور رہا تھا۔ ملائکہ کو گھبراہٹ سی ہوئی۔

"ہنہ سڑیل، مغرور بدتمیز۔ جانے اپنے آپ کو کیا سمجھتا ہے۔" اس نے جز بز ہوتے ہوئے سوچا۔ "مسئلہ کیا ہے بھئی آپ کا...... کیوں آئے ہیں؟ کچھ کہیں گے کہ یوں ہی خاموش کھڑے گھورتے رہیں گے۔ جو کہنا ہے مجھ سے کہیں آنٹی سوگئی ہیں۔" وہ اس لمبی ملاقات سے اکتا گئی تھی۔

"آپ کے گھر سے اٹھتا میوزک کا بے ہنگم شور تمام محلے کے آرام میں خلل ڈال رہا ہے۔ پلیز آواز آہستہ کرلیں۔" وہ سنجیدگی سے بولا۔ چند لمحے پہلے کہے عانیہ کے جملے اسے یاد آگئے۔ وہ شرمندہ ہوکر الٹا جھگڑ پڑی۔

"تو پھر ہم کیا کریں۔ ہمیں تو میوزک اونچی آواز میں ہی اچھا لگتا ہے۔" اس نے شان بے نیازی سے کہا تو یاسر تپ ہی گیا۔

"یہ شریف لوگوں کے سونے کا وقت ہے۔" وہ تلخی سے بولا جانے کیوں اس لڑکی کو دیکھ کر یاسر کو غصہ آجاتا تھا۔

"ہیں! مطلب کیا ہے آپ کا؟ ہم کیا غنڈے بدمعاش ہیں۔ آپ کہنا کیا چاہتے ہیں اور ویسے بھی ہمارا اپنا گھر ہے۔ جو دل کرے گا وہی کریں گے۔" یاسر کو آگ ہی لگ گئی۔ کچھ کہنے کو لب کھولے ہی تھے کہ ملائکہ کے پیچھے کھڑی عانیہ پر اس کی نظر پڑ گئی جو باہر آگئی تھی۔

"پلیز عانیہ سی ڈی پلیئر کی آواز آہستہ کردیں امی کی طبیعت خراب ہے۔ وہ کافی ڈسٹرب ہورہی ہیں گانوں کی آواز سے۔" عانیہ کو دیکھ کر اس نے سکھ کا سانس لیا۔ ورنہ یہ پاگل لڑکی تو اس کا دماغ خراب کردیتی۔

"جی میں ابھی کردیتی ہوں۔" اس نے یاسر کو گھورتی ملائکہ کو پیچھے دھکیلا اور یاسر کو تسلی دی۔

"تھینکس۔" وہ کہہ کے مڑ گیا۔

"اگر مجھ سے بھی اتنی تمیز سے بات کرلیتا تو کیا زبان جل جاتی کھڑوس کی۔" ملائکہ نے دھڑ سے دروازہ بند کیا۔ یاسر اس کو ہمیشہ ایسے ہی ٹریٹ کرتا تھا اور اگرچہ ملائکہ نے بہت کوشش کی کہ وہ اس سے فرینڈلی ہوجائے مگر یاسر تو اس کو دیکھ کر ہی موڈ آف کرلیتا تھا۔ اب تو وہ خود ہی اس کو اتنا زچ کرتی تھی کہ ہمیشہ لڑائی ہوجاتی تھی۔

"اتنا تو سویٹ ہے۔ تم کم تنگ کرتی ہو اس بے چارے کو۔" عانیہ اس کو کھینچ کر واپس اندر لے آئی تھی۔

"جی بہت ہی سویٹ۔ دیکھا نہیں کتنا شہد ٹپک رہا تھا زبان سے مجھ سے بات کرتے ہوئے۔ لگتا تھا مسٹر کونین کی گولی کھا کر مجھ سے بات کرتے ہیں۔" اس کا غصہ ٹھنڈا ہی نہیں ہو رہا تھا۔

"تو کیوں بحث کرتی ہو تم۔" عانیہ کافی پی چکی تھی۔

"ہاں بس میں ہی بری ہوں۔ وہ تو بہت "سویٹ" ہے نا!" وہ اب مکمل طور پر عانیہ سے ناراض ہو بیٹھی تھی۔

یہ تینوں بچپن سے ہی دوست تھے مگر جوں جوں بڑے ہوتے گئے ملائکہ کی اور یاسر کی لڑائیاں بڑھتی ہی چلی گئیں اور اب تو یہ عالم تھا کہ دونوں ایک جگہ اکھٹے رہ ہی نہیں سکتے تھے۔

......☆☆☆......

"بھیا!"

"جی؟"

"میں اکیلی بور ہوگئی ہوں۔"

"پتا ہے۔"

"تو کچھ کرونا۔"

"اچھا۔"

صائم نے ایک اچٹتی نگاہ تابی پر ڈالی۔

سبز، گلابی نیلے، پیلے دھاری دار بالوں کو بے پروائی سے ہٹاتی، ٹیبل پر بیٹھی زور زور سے ٹانگیں ہلاتی وہ اس کے حواسوں پر سوار تھی۔

"یہ بالوں کو کیا کرلیا ہے؟" وہ آئے دن بدلتے تابندہ کے حلیوں سے حیران ہوتا رہتا تھا۔

"فیشن۔" اس نے بڑی ادا سے اپنے رنگ برنگے بالوں کو جھٹکا دیا۔

"تم بات بدلنے کی کوشش نہ کرو کیونکہ محنت رائیگاں جائے گی۔ میرا مسئلہ حل کرو۔" اب اس کا موڈ آف ہو چلا تھا۔

"کیا مسئلہ ہے تمہارا؟" اس نے کپڑے دوبارہ پیک کرنے شروع کردیے۔

"مجھے بھی ساتھ لے چلو۔" وہ آرام سے بولی۔ صائم کے ہاتھ اچانک رک گئے۔

"امپاسبل، تم کیا کرو گی میرے ساتھ جاکر۔ میں بزنس کے سلسلے میں جارہا ہوں۔ عیاشی کرنے نہیں۔"

"بس مجھے نہیں پتا۔ میں بھی ساتھ جاؤں گی!!" وہ منہ

بسورنے لگی۔

"تابی پلیز تنگ نہ کرو۔" وہ اپنی ضروری فائل چیک کرنے لگا۔ یہ کانٹریکٹ اس کے لیے بہت اہم تھا۔

"میں جاؤں گی...... میں جاؤں گی۔" وہ زور زور سے چلانے لگی۔

"تابی! چلو بھاگو یہاں سے۔ جاؤ کوئی کارٹون وغیرہ دیکھو۔ میں اس وقت بہت ضروری کام کررہا ہوں۔ ایک بھی فائل رہ گئی تو مشکل ہوجائے گی۔" وہ مسلسل فائلوں میں سر گھسائے ہوئے تھا۔

"کارٹون......!" ایک لمحے کو تابی کو آگ لگ گئی۔

"میں بچی نہیں ہوں۔" وہ چڑ اٹھی۔

"بھاگو...... یہاں سے۔"

"بھیا میں بڑی ہوگئی ہوں آپ کو تنگ نہیں کروں گی پلیز مجھے لے چلیں۔" اس کو اپنی پیکنگ میں مصروف دیکھ کر وہ اداسی سے بڑبڑائی۔

"ہرگز نہیں۔" اس نے اپنی شیونگ کِٹ بیگ میں رکھی۔

وہاں کیا کروگی اور تم کو وہاں سنبھالے گا کون؟"

"اچھا بس تو پھر میں ڈیڈ کے پاس جارہی ہوں آپ کی شادی کرنے۔" تابی نے دھمکی دی مگر صائم نے اسے اگنور کردیا۔

"بھیا......!" وہ زور سے چیخی۔

"آؤٹ۔" وہ اس سے بھی اونچی آواز میں بولا۔ صائم کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوچکا تھا پھر اُس نے ہاتھ پکڑ کر اسے باہر نکالا اور دروازہ زور سے بند کردیا۔

"جاؤں گی تو میں ضرور۔" اس نے دروازے کا پٹ کھولا سر اندر کیا اور زور سے بولی۔

اس کے ڈھیٹ ہونے پر صائم کو ہنسی آگئی۔ شاید صائم اور ڈیڈ نے مل کر اسے بگاڑ دیا تھا۔

"جی نہیں No Way!" اس نے جلدی سے ہنسی دبائی اور سنجیدہ شکل بنانے کی کوشش کی۔

"میں......" صائم نے اس کا سر باہر دھکیل کر دروازہ لاک کردیا۔ تابی کا جملہ بیچ میں ہی رہ گیا۔ وہ غصے سے پیر پٹختی ڈیڈ کے پاس چل دی۔

......☆☆☆......

فون کی بیل مسلسل بج رہی تھی۔

"ملائکہ......" اس نے فون کو گھورتے ہوئے ملائکہ کو آواز دی۔

"بھئی اُٹھاؤ نا فون۔" وہ جلدی جلدی کاغذات سمیٹتی ملائکہ سے بولی جو مسلسل فون کو اگنور کررہی تھی۔

"مجھے کلاس میں جانے کی جلدی ہے۔ جو کوئی بھی ہے پھر کرے گا۔ میرے پاس ابھی وقت نہیں ہے بات کرنے کا۔" وہ بجتے فون کو اگنور کرکے کلاس لینے چل دی۔ فون بند ہوچکا تھا۔

عانیہ ابھی اسکول آئی تھی۔ کل امی اور ملائکہ نے اس کو اتنا زچ کیا تھا کہ آج وہ ہی آگئی۔

"اس وقت تو اس کی کوئی کلاس نہیں ہوتی۔" عانیہ نے سوچا اور اپنے اکاؤنٹ کے پیپر نکالنے لگی۔

فون پھر بجنا شروع ہوگیا تھا۔ عانیہ کو فون اُٹھانے سے سخت کوفت تھی مگر یہ معذور بچوں کا اسکول تھا۔ شاید ان میں سے کسی کے والدین کا فون ہو۔ اس نے چاروناچار ریسیور اُٹھالیا۔

"ہیلو......" دوسری طرف سے مردانہ بارُعب آواز میں کوئی بولا تھا۔

"ملائکہ اسکول فور ہینڈی کیپ چلڈرن...... کس سے بات کرنا چاہیں گے؟" اُس نے اسکول کا نام لینے کے بعد پوچھا۔

"مس عانیہ زمان ہیں؟" اپنا نام کسی اجنبی مرد کے مُنہ سے سُن کر وہ حیران رہ گئی۔ اس نے آواز پہچاننے کی کوشش کی مگر یہ آواز تو اس کے لیے بالکل نامانوس تھی۔

"جی بول رہی ہوں...... آپ کون؟" وہ سوچوں سے نکل آئی۔

"میں صفدر زمان بول رہا ہوں کراچی سے۔" اُس نے دھڑکتے دل کے ساتھ پھر پوچھا۔

"جی کیا نام بتایا آپ نے؟"

"صفدر زمان۔" دوسری طرف ایک گونا اطمینان تھا لہجے میں۔

صفدر زمان...... عانیہ کو اپنی سماعت پر شبہ ہونے لگا۔ نام تھا کہ ایک دھماکہ اس کے حواس گم ہونے لگے۔ اس نام کو تو اس نے اپنی زندگی میں شاذ ونادر ہی سُنا تھا۔ سیکنڈ کے

ہزاروں حصے میں قید سوچوں نے اس کے دماغ میں طوفان برپا کردیا تھا۔ اُس نے اپنے آپ کو سنبھالا۔
میں بھی کتنی پاگل ہوں۔ جانے کون شخص بول رہا ہے۔ بھلا صفدر زمان اُسے کیوں فون کرے گا اور دُنیا میں صرف ایک شخص تو نہیں ہے نا جس کا یہ نام ہو۔ میں نے بھی جانے کیا کیا سوچ ڈالا۔ وہ فون کی طرف متوجہ ہوئی۔
"جی میں بات کررہی ہوں۔" اگرچہ وہ اپنے آپ پر قابو پاچکی تھی پھر بھی آواز میں لرزش تھی۔
"شاید تم مجھے پہچانتی نہیں۔ میں تمہارا باپ بول رہا ہوں صفدر زمان۔" پُر اعتماد آواز اُس کے کانوں تک پہنچی۔ عانیہ کو اپنا سر چکراتا ہوا محسوس ہوا۔ اس نے جلدی سے میز کا کونا تھام کر اپنے آپ کو سنبھالا۔
"میرا باپ مرچکا ہے۔" وہ یخ بستہ لہجے میں بولی۔
"زندہ انسان کو مرا ہوا کہہ دینے سے وہ مر نہیں جاتا۔ تمہارے کہنے اور سمجھنے سے میرے اور تمہارے مابین یہ رشتہ ختم ہونا ناممکن ہے۔" عام سے لہجے میں اس شخص نے عانیہ کی بات کس قدر آرام سے رد کی تھی۔
"اچھا......؟" زمانے بھر کی تلخی اور طنز تھا اس ایک لفظ میں جو عانیہ کے لبوں سے نکلا تھا۔
"میں تو یہ امید کررہا تھا کہ تم مجھ جیسی ہوگی۔ ایک پریکٹیکل لڑکی۔ مگر باتوں سے یوں محسوس ہورہا ہے تم بھی اپنی ماں کی طرح خوابوں کی دنیا میں رہنے والی ایک جذباتی لڑکی ہو۔"
"میری ماں کو اس گفتگو سے باہر ہی رکھیں۔ میں اجنبی لوگوں کو خود پر یا اپنی ماں پر کمنٹس کرنے کی اجازت نہیں دیتی۔" عانیہ کو غصہ آ گیا۔
"عانیہ خود کو پُرسکون رکھو غصے میں آنے کی ضرورت نہیں۔" صفدر زمان نے کہا۔
"آپ سے میں مزید گفتگو کرنا ہی نہیں چاہتی مسٹر صفدر زمان۔ اگر اس تمام بات چیت کا کوئی مقصد ہے تو بتا دیں ورنہ آپ میرا وقت ضائع کررہے ہیں۔"
"میں چاہتا ہوں کہ تم کچھ عرصہ میرے پاس آ کر رہو۔ میرا بھی حق ہے تم پہ۔" صفدر زمان کی بات اس کے دماغ کو جھنجھنا گئی۔
حق......؟ کون سا حق مسٹر صفدر زمان۔ کس حق کی بات کررہے ہیں؟ وہ جو آپ برسوں پہلے کھو چکے ہیں؟ آپ کا مجھ سے تعلق ہی کیا ہے؟" وہ چیخ اُٹھی۔
"عانیہ! تم اب بچی نہیں ہو۔ بات سمجھنے کے قابل ہوگئی ہو۔"
"اور کس نے بنایا مجھے اس قابل۔ بتایئے کس نے؟" وہ غصے کو کنٹرول کرکے بولی۔
"دیکھو عانیہ تم کو یہ گلے شکوے زیب نہیں دیتے۔ تم صفدر زمان کی بیٹی ہو۔ اس ملک کے مشہور بزنس مین کی بیٹی۔"
"ہرگز نہیں۔ مجھے اپنی بیٹی مت کہیں۔ میں سائرہ بیگم کی بیٹی ہوں۔ خبردار جو مجھ سے کوئی بھی رشتہ ناتا جوڑنے کی کوشش کی۔" عانیہ نے غصے کو قابو میں کرنے کی کوشش کی۔
"عانیہ! میں ریکویسٹ کررہا ہوں۔" اب کے اُن کی آواز مدھم ہوگئی تھی۔ عانیہ نے ایک لمبا سانس بھر کے اپنے اندر عود کر آنے والی تلخی کو کم کرنے کی کوشش کی۔ اتنے ماہ و سال اس شخص کے وجود سے بھی ناواقف رہی تھی اور اب اچانک وہ اس کی زندگی میں بڑے دھڑلے سے چلا آیا تھا۔ وہ شدید ذہنی اور جذباتی کشمکش کا شکار تھی۔ ذہن مفلوج سا ہورہا تھا۔ کتنے بے رحم تھے یہ لمحات۔ جب جب اس کو زندگی میں باپ کی ضرورت محسوس ہوئی تو اس نے اس جگہ کو خالی پایا اور اب یوں اچانک...... وہ انجانے احساس کی قید میں تھی۔ جیسے دماغ مفلوج ہوکر رہ گیا ہو۔ یہ سب کچھ اتنا غیر متوقع تھا کہ وہ بُری طرح اُلجھ گئی تھی۔
"سُنو عانیہ میری فون کال کی شاید تم کو کوئی اطلاع نہیں تھی اس لیے تم سرپرائز ہوئی ہو۔" وہ اب دوبارہ اپنے نارمل پُراعتماد انداز میں بول رہے تھے۔
"اطلاع......؟" وہ ہولے سے بولی۔
"تمھاری امی نے نہیں بتایا تم کو؟" صفدر زمان نے پوچھا۔
"وہ ویسی کی ویسی ہی رہی اتنے سال بعد بھی۔ غیر ذمہ دار! بہرحال میں نے سائرہ سے بات کی تھی اور تمہارے لیے ٹکٹ بھی بھجوا دیا ہے۔" وہ اسے تفصیل بتا رہے تھے۔ وہ بھونچکی رہ گئی۔ سائرہ بیگم نے اس سے بات تک نہیں کی ورنہ وہ اس وقت اس شخص کو منہ توڑ جواب دے رہی ہوتی۔ اپنی ماں کے بارے میں وہ کسی سے ایک لفظ بھی سُننے کی روادار نہ

تھی خصوصاً اس شخص سے۔

"سُنیئے مسٹر صفدر، آپ کو چند باتیں صاف صاف بتانا چاہتی ہوں کیونکہ یہ شاید ہماری پہلی اور آخری گفتگو ہو۔ آپ نے میرے بارے میں جتنے بھی اندازے لگائے وہ کافی حد تک درست ہیں۔ مجھے شدید افسوس ہے کہ میں اپنے باپ پر ہوں۔ اپنی ماں کی طرح خوابوں میں رہنے والی معصوم لڑکی ہرگز نہیں۔ اس دُنیا کے داؤ پیچ میں نے زندگی کے اول ایام میں ہی سیکھ لیے تھے۔ امی سے آپ کی کیا بات ہوئی میں نہیں جانتی لیکن آپ کے لیے بس اتنا ہی کافی ہے کہ آپ یہ جان لیں میں عانیہ ہوں سائرہ نہیں جو بائیس سال بعد بھی آپ کی باتوں میں آجاؤں گی۔ ہماری زندگی میں نہ تو آپ کی کوئی ضرورت ہے اور نہ ہی جگہ۔ آپ مجھے سوچنے کا کیا وقت دیں گے۔ میں آپ کو ابھی جواب دے دیتی ہوں میں کبھی بھی آپ کی شکل نہیں دیکھنا چاہتی نہ آج اور نہ ہی کبھی مستقبل میں سمجھے آپ۔" اس نے ریسیور زور سے کریڈل پر پٹخ دیا۔ کمرے میں عجیب سی خاموشی چھا گئی تھی۔ ایسے جیسے ایک بڑا طوفان گزرنے کے بعد تباہ شدہ جگہ پر پھیلی خاموشی ہوتی ہے۔ پس منظر میں اُبھرتی بچوں کی پڑھائی کی آوازیں اُسے واپس کھینچ لائیں۔ اس نے اپنے اردگرد دیکھا۔ سب کچھ ویسے کا ویسا ہی تھا۔ وہ تھک کر کرسی پر گر گئی۔ اس کے بدن میں جیسے برسوں کی تھکن عود کر آئی تھی۔ انگلیاں دھیرے دھیرے کنپٹیوں کو دبانے لگیں۔

اس شخص کو اس نے تمام زندگی اپنا مجرم پایا، اس سے نفرت کی، اس کے وجود تک سے انکاری تھی وہ اور آج؟ امی نے اس کو بتایا تک نہیں۔ وہ ایک دم اُٹھ بیٹھی۔ کیا امی اور ملائکہ دونوں اس میں شامل تھیں؟ کل کی تمام بے ربط پوچھ گچھ، ملائکہ کی سیر پر جانے کی تمہید...... اُسے سب کچھ یاد آنے لگا۔ پل بھر میں تنہائی کا احساس دُگنا ہوگیا۔ وہ دیر تک خالی خالی نگاہوں سے خلاؤں میں گھورتی رہی۔

......☆☆☆......

"ڈیڈ...... بھیا کب آئیں گے؟" سی ڈی پلیئر کی آواز اتنی اونچی تھی کہ تابی کی اونچی آواز بھی اندر داخل ہوتے سیٹھ مظاہر کو بمشکل ہی سُنائی دی۔ انہوں نے نہایت اطمینان سے آکر اسے آف کیا۔

"اب کہو کیا پوچھ رہی تھیں۔" ایک جائزہ لیتی نگاہ انہوں نے اپنی لاڈلی بیٹی پر ڈالی۔ بڑی مشکل سے تو وہ اس کے ان رنگ برنگے بالوں کے عادی ہوئے تھے اور اب ایسا بے ہنگم اور فضول لباس۔ وہ حیران رہ گئے۔

"ڈیڈ...... بھیا؟" اس نے سیٹھ مظاہر کی آنکھوں کے آگے ہاتھ لہرایا۔ وہ چونک گئے۔

"صائم...... کیا ہوا میرے بیٹے کو؟" انہوں نے پوچھا۔ صائم کا نام سُنتے ہی ان کی آنکھوں میں فخر لہرانے لگتا تھا۔

"بھلا مجھے کیا پتا۔ میں تو خود آپ سے پوچھ رہی ہوں۔" تابی چڑ گئی۔

"تابندہ! آہستہ بات کیا کرو۔ یہ طریقہ نہیں بڑوں سے بات کرنے کا۔" انہوں نے ہلکی سی سرزنش کرنی چاہی۔

"اوہ ڈیڈ پلیز...... نو لیکچر...... میں اس وقت بہت بُرے موڈ میں ہوں۔"

"تابندہ تم......"

"اوہ ڈیڈ فار گاڈ سیک یہ تابندہ نہ بُلایا کریں مجھے اتنا بور سا نام ہے مغلوں کے زمانے کا۔ تابی پلیز...... ورنہ آپ تو میرا امیج ہی خراب کردیں گے۔ ویسے بھی بھیا مجھے تابی ہی کہہ کر بلاتے ہیں۔" اس نے ہاتھ اُٹھا کر سیٹھ مظاہر کو ٹوکا۔

"دیکھو تابندہ...... میں آج تم سے چند ضروری باتیں کرنا چاہتا ہوں۔ اچھا ہوا تم نے خود ہی بات شروع کردی۔ میں تو کب سے موقع ڈھونڈ رہا تھا۔" سیٹھ مظاہر جانتے تھے کہ ان سب کی وجہ سے تابندہ اس قدر منہ پھٹ اور گستاخ ہوگئی تھی۔ ماں تو پیدا ہوتے ہی وفات پاگئی تھی۔ بھائی اور باپ کے پاس وقت ہی نہیں تھا کہ اس کو کچھ سکھاتے۔

"ڈیڈ اب شاید اس کو اس کے حلیے اور حرکتوں پر ایک لمبا لیکچر دیں......" وہ سوچنے لگی۔

فون کی بیل پر سیٹھ مظاہر نے چونک کر اپنی جیب سے موبائل نکالا۔

"ہاں بولو۔" وہ غور سے سُن رہے تھے۔

"کیا......؟ تو تم نے شیئرز اب تک بیچے کیوں نہیں تھے۔ کب عقل آئے گی تم لوگوں کو۔" وہ غصے سے بولتے کمرے سے باہر نکل گئے۔ اب ان کا رخ کمپیوٹر کی طرف تھا۔ ایسے میں وہ تابی کو یکسر فراموش کر بیٹھے تھے جو ان سے لیکچر سننے کو تیار بیٹھی تھی۔

"کاش ڈیڈ آپ کے پاس کبھی تو ٹائم ہوتا میرے لیے۔

چاہے وہ نصیحت کرنے کے لیے ہی ہو۔" اُس نے خالی جگہ کو دیکھا جہاں چند پہلے لمحے ڈیڈ کھڑے تھے۔ آنکھوں میں آئی نمی اُس نے ہاتھوں کی پشت سے رگڑ کر صاف کی اور کندھے اُچکا کر میوزک کی آواز مزید اونچی کردی۔

......☆☆☆......

چھوٹا سا سفری بیگ اُس نے الماری پر سے اُتار کر زور سے بیڈ پر پٹخا۔

"آج تک ہر بات آپ ہی کی مانی گئی ہے اس گھر میں۔" اس نے کپڑے بیڈ پر رکھے۔

"میں تو جیسے انسان ہوں ہی نہیں۔" اس نے ماں کی پشت کو گھورا۔

"میری کوئی مرضی تو جیسے ہے ہی نہیں۔" وہ مسلسل بڑبڑا رہی تھی۔ سائرہ بیگم نے اس کو پھر اگنور کیا۔

"امی میری سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ آخر اس شخص میں ایسا کیا ہے جو آپ اس سے ملتے ہی یا اس کی بات سنتے ہی زندگی کے اتنے سالوں کا کرب بھول جاتی ہیں۔ آخر آپ کی عقل پر پردہ کیوں پڑ جاتا ہے؟ کیا جادو کردیتا ہے وہ آپ پر؟" سائرہ بیگم خاموشی سے کپڑے نکالتی رہیں۔ چہرہ بالکل بے تاثر تھا۔

"اتنے سال بعد بھی وہ انسان آپ کو کٹھ پتلی کی طرح نچا رہا ہے اور آپ......اُفوہ امی! آپ مجھے پاگل کررہی ہیں۔" ماں کی مسلسل خاموشی اس کو اور غصہ دلا رہی تھی۔

"ہاں یہ والے کپڑے کافی اچھے ہیں۔ مگر جو تم نے رکھے ہیں وہ میں نکال دوں گی۔ توبہ لڑکی کیسے بے ڈھنگے کپڑے بنائے ہوئے ہیں۔ کوئی رنگ خوب صورت نہیں۔ بھلا کراچی جیسے شہر میں یہ صوفیانہ لباس۔ یہ سب کیسے چلے گا۔ پتا ہے جب میں وہاں تھی تو اُس وقت وہ ہی پاکستان کا سب سے ترقی یافتہ شہر تھا اور اب تو......" ہاتھ میں عانیہ کا گلابی سوٹ تھامے اُن کی نگاہیں خلاؤں میں گھورنے لگیں۔ شاید ماضی کے دھندلے مناظر کھوج رہی تھیں۔

"میرے کپڑے بالکل ٹھیک ہیں۔" عانیہ نے اُن کے ہاتھ سے اپنا سوٹ نہایت بدتمیزی سے کھینچ کر اپنے بیگ میں پھینکا۔ سائرہ نے پروانہ کی۔

"عانیہ کچھ نئے کپڑے تیار رکھے ہیں۔ یوں کرو تم وہ لے جاؤ۔" ملائکہ اندر آئی تو یہ جملہ اس کے کانوں میں پڑا۔

"شکر ہے ملائکہ تم آگئیں ذرا اب مدد کرو میری۔ اس لڑکی نے تو مجھے پریشان کردیا ہے۔"

"امی پلیز......بس کریں۔ میں جیسی ہوں ویسی ہی رہوں گی۔ مجھے کوئی ضرورت نہیں جھوٹا امپریشن جمانے کی ان لوگوں پہ۔" وہ تلخ ہورہی تھی۔

"یہ سوٹ کیسا رہے گا؟" سائرہ بیگم کی آنکھوں میں نمی اترنے لگی تھی۔ مگر عانیہ دیکھ نہ پائی۔

"امی......!" وہ بیڈ پر ہی بیٹھ گئی۔

"اگر آپ نے قسم نہ دی ہوتی اور مجبور نہ کیا ہوتا تو میں کبھی ان لوگوں کی شکل تک نہ دیکھتی۔ چہ جاں کہ ان کے درمیان رہنا تو دور کی بات ہے۔" اس کے لہجے میں ذرا بھی لچک نہ تھی۔ ملائکہ نے حیرت سے عانیہ کو دیکھا۔ وہ تو بہت گداز دل رکھنے والی لڑکی تھی۔

"تم اپنے باپ اور بہن سے ملنے جاؤ گی عانیہ۔" سائرہ بیگم نے کہا۔

"وہ شخص......مت کہیں اس کو میرا باپ۔ مرگیا وہ میرے لیے۔" عانیہ چلا اُٹھی۔

"وہ زندہ ہے اور تمہارا باپ ہے اور تاحیات رہے گا۔ اس سچائی کو کوئی نہیں جھٹلا سکتا۔ اپنے لہجے کو درست کرو۔ میں نے تم کو کبھی نفرت کرنا نہیں سکھایا پھر کہاں سے آگیا یہ سب تم میں؟" وہ دُکھ سے اپنی معصوم سی بیٹی کو دیکھ رہی تھیں۔

"زندگی نے سکھایا ہے امی۔ میں آپ کی طرح اتنا ظرف نہیں رکھتی کہ اتنا بڑا دھوکا کھا کر بھی اس شخص کو معاف کردوں۔ جس نے آپ کے جذبوں کو یوں پامال کیا۔ آپ سے آپ کی تمام خواہشات چھین لیں اور تو اور اولاد تک آپ کی نا رہنے دی۔ اُف امی آپ کیسے اس شخص کا نام تک برداشت کرسکتی ہیں؟" عانیہ کی سمجھ سے بالاتر تھا۔ سائرہ بیگم اور ملائکہ دونوں اس کے پاس آ بیٹھیں۔

"تالی کبھی ایک ہاتھ سے نہیں بجتی عانیہ۔ میں چاہوں تو تم کو خوب بھڑکا سکتی ہوں۔ اپنی مظلومیت کی داستان سُنانا میرے لیے مشکل نہیں مگر سچ تو یہ ہے کہ میں بہت نوعمر اور ضدی تھی۔ اس چھوٹے سے شہر کو ہمیشہ میں نے گھٹیا سمجھا۔ میں یہاں سے نکل جانا چاہتی تھی۔ تمہارے نانا یہاں کے بینک کے منیجر تھے۔ مڈل کلاس سے مجھے نفرت تھی اور صفدر یہاں اپنے دوستوں کے ساتھ سیر کے لیے آئے تھے۔ ابا

سے ان کے والد نے یہاں بینک کے ریسٹ ہاؤس میں بکنگ کروائی تھی۔ وہ جیسے ماضی کی پرتیں کھولتی چلی گئیں۔ دونوں لڑکیاں غور سے ان کو دیکھ رہی تھیں۔ وہ بے خودی کے عالم میں دور خلاؤں میں گھور رہی تھیں۔

......☆☆☆......

"مجھے نہیں رہنا یہاں! یہ بھی کوئی شہر ہے چھوٹا اور دقیانوسی۔" سائرہ کب سے اپنی ماں کا سر کھا رہی تھی۔

"کیا مصیبت ہے سائرہ۔ کیوں تنگ کر رہی ہو۔ تمہارے ابا آنے والے ہوں گے۔ کراچی کے کسی سیٹھ کا بیٹا اور ان کا دوست ساتھ ہیں۔ کھانا جلدی جلدی گرم کرلوں تو چاول دم دوں۔" ماما جلدی جلدی ہانڈی میں چمچہ چلا رہی تھیں۔

"وہ ہمارے گھر کیوں آرہا ہے۔ جائے کسی ہوٹل میں رہے۔ ہم نوکر لگے ہیں ان کے۔" سائرہ نے سلاد میں سے کھیرا اٹھایا۔

"اوہ......" ماما نے اس کے سر پر ہلکی سی چپت لگائی۔

"مدد تو کرتی نہیں اور الٹا ساری ڈیکوریشن خراب کر رہی ہو سلاد کی۔" انہوں نے جلدی سے پلاؤ کے لیے پیاز سرخ کی۔

"چلو جلدی سے رانی کو بلالو۔ یہ سارے برتن اب دھو کر کچن صاف کرے۔" ماما کو جلدی ہو رہی تھی۔

"آپ میری بات نہ سنتا۔ بس ہر وقت دوسروں کا خیال۔ آخر یہ ہے کون؟"

"بینک کے وائس پریذیڈنٹ کا فون آیا تھا ان کے پاس کہ ان کے کسی دوست کا بیٹا ہے۔ کراچی سے اپنے دوستوں کے ساتھ آرہا ہے۔ بینک نے ریسٹ ہاؤس میں بندوبست کردیا ہے مگر آج کھانے کا وہاں بندوبست نہیں تھا۔" انہوں نے چاول دم پر رکھے۔

"چلو اب جا کر تم بھی چینج کرلو۔" وہ کچن سے نکل آئیں۔ رانی اب کچن صاف کر رہی تھی۔

"میں کیوں؟ مجھے نہیں آنا کسی کے سامنے۔ میں بس اپنے کمرے میں کھالوں گی۔" وہ بھی ماں کے ساتھ باہر آگئی۔

"چلو یہ بھی ٹھیک ہے۔"

"ماما......وہ میری بات......؟" سائرہ کو اپنی بات نامکمل رہنے کا افسوس تھا۔

"دیکھو سائرہ فیشن ڈیزائننگ کا کورس کرنے کا یہ مطلب نہیں کہ تم بوتیک کھول لو۔ تمہارے ابا اس طرح کے کاموں کے سخت خلاف ہیں۔"

"تو وہ تو ہر چیز کے خلاف ہیں۔ پھر پڑھایا ہی کیوں تھا؟" سائرہ چڑ گئی۔ ہر روز ہی یہ بحث ہوتی تھی۔

"اچھا نا۔ بعد میں بات کریں گے۔" ماما اپنے کمرے میں چلی گئیں۔

......☆☆☆......

"رانی......او رانی کی بچی......یہ کرسی ادھر کر ذرا۔" سائرہ درخت کی کافی اونچی شاخ تک پہنچ گئی تھی۔ امرود بس اس کی پہنچ کے قریب ہی تھا۔

"ہائے سائرہ بی بی آپ پھر درخت پر چڑھ گئیں۔ صاب جی نے دیکھ لیا تو بہت ڈانٹ پڑے گی۔" رانی کا دل ہول گیا۔ اس کو تو اونچائی سے ویسے ہی خوف آتا تھا۔ اور یہ درخت تو پچھلے لان کے بالکل آخر میں لگا تھا جہاں پہاڑی ختم ہوتی تھی اور کلر کہار کی جھیل نظر آتی تھی۔ سائرہ نے ڈوبتے سورج کا عکس پانی میں دیکھا تو کھوسی گئی۔ خوب صورت رنگوں کا حسین امتزاج اس کے من کو چھو گیا۔ دل میں ایک مدھر سا سُر چھڑ گیا تھا......

"سائرہ بی بی!" رانی کی آواز پر وہ چونک گئی اور ایسے میں اس کا پیر درخت کی ڈال سے پھسل گیا۔

"ہائے اللہ۔" وہ دھڑام سے زمین پر گری۔ ایک لمحے کو تو خوفناک درد کی لہر اس کے پیر سے اٹھ کر پوری ٹانگ میں سرائیت کرگئی۔ درد سے اس کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ رانی کا تو دل ہی بند ہوگیا۔

"ہائے بی بی......آپ ٹھیک تو ہیں' ہائے مولا گھر پر کوئی بھی نہیں۔" وہ گھبرا گئی تھی سائرہ درد سے کراہ رہی تھی۔

"بی بی آپ ذرا حوصلہ کرو میں بھاگ کر ہمسائے سے کسی کو بلا کر لاتی ہوں۔"

"اُف اللہ جی۔" سائرہ کا درد بڑھتا جا رہا تھا۔ ٹخنہ سوج گیا تھا۔

"میں کچھ مدد کرسکتا ہوں۔" سائرہ نے چہرہ اٹھا کر اوپر دیکھا۔ درد کی شدت سے کراہتی ہونٹوں کو کاٹتی یہ لڑکی صفدر زمان کو مبہوت کرگئی۔ اتنا مکمل حسن' وہ حیران رہ گیا۔ خوب

صورتی اس کی کمزوری تھی۔

"پلیز کسی ڈاکٹر کو بلوادیں۔ مجھے بہت تکلیف ہے۔" یہ کون تھا؟ اندر کیسے آ گیا اس سے سائرہ کو کوئی غرض نہیں تھی فی الحال اس کو تو یہ شخص فرشتہ لگ رہا تھا۔ وہ چونک گیا۔

"جی میں صفدر ہوں۔" وہ اب اس کے پاس بیٹھ کر اس کے پاؤں کو چیک کر رہا تھا۔

"ہائے۔" اس نے کچھ اس طرح پاؤں کو ہلایا کہ سائرہ کی چیخ نکل گئی۔

"اوہ...... لگتا ہے موچ آئی ہے۔ مگر شکر ہے کہ کوئی ہڈی ٹوٹی ہوئی نہیں لگ رہی۔" وہ پیچھے ہٹا۔

"آپ ڈاکٹر ہیں؟" اس کو چڑ ہوئی۔ بجائے مدد کرنے کے وہ خود ہی علاج کرنے لگا تھا۔

"نہیں مگر میرا کافی تجربہ ہے ان باتوں میں۔" سائرہ کو لگا کہ کافی پراؤڈ اور اوور کانفیڈنٹ تھا یہ لڑکا۔

"چلیں آپ کو ڈاکٹر کے پاس لے چلتا ہوں۔ ایکسرے بھی کروالیں گے۔" اس کو اٹھانے میں مدد کرنے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ لمحہ بھر کو سائرہ جھجکی مگر درد کی شدت نے اسے ہاتھ تھامنے پر مجبور کر دیا تھا۔

"بی بی میں باجی کو بلا لائی ہوں۔" وہ لنگڑاتی ہوئی اس شخص کی مدد سے اندر آئی ہی تھی کہ کمرے میں رانی داخل ہوئی۔ اس کے پیچھے ماما کا چہرہ دیکھ کر سائرہ کی جان میں جان آئی۔

"السلام علیکم آنٹی۔"

"ارے صفدر بیٹا آپ؟" ماما سائرہ کو سہارا دے کر صوفے پر بٹھاتے ہوئے صفدر کو دیکھنے لگیں۔

"جی آنٹی! وہ میں انکل سے ملنے آیا تھا۔ کافی دیر کھڑا رہا پھر مجھے ان کے کراہنے کی آواز آئی تو میں پچھلے لان میں چلا آیا اور ان کو اس حالت میں پایا۔" صفدر نے جلدی سے اپنے بغیر اجازت اندر آنے کی وجہ بیان کی۔ جانتا تھا یہ چھوٹے شہروں کے لوگ ان باتوں کو بہت اہمیت دیتے ہیں۔ اور سائرہ کا حسن اس کو بھا گیا تھا۔ وہ اب ان لوگوں کی خفگی افورڈ نہیں کر سکتا تھا۔ بس ایک لمحے میں اُس نے اس حسین لڑکی کو اپنانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ اتنا مکمل حسن صرف اس کی جاگیر ہونی چاہیے تھی۔

اتنا امیر، ہینڈسم اور اپنے ماں باپ کا اکلوتا وارث اور یہ مڈل کلاس فیملی۔ انکار کا کوئی جواز صفدر کو نظر نہیں آیا۔ ایک سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں اس نے یہ تمام باتیں سوچ لی تھیں۔ اس کو ایسی ہی بیوی کی ضرورت تھی جو اس کے گھر کی چار دیواری میں رہتی۔ جو اس کے اشاروں پر ناچتی اور بلا چوں چرا اس کے طریقۂ زندگی سے کمپرومائز کر لیتی۔

"آپ تو ہمارے لیے فرشتہ ثابت ہوئے۔" ماما نے سائرہ کے دل کی بات کہہ دی۔

"آنٹی میرے خیال میں ان کو ڈاکٹر کے پاس لے جانا چاہیے۔" صفدر نے فکرمندانہ لہجے میں کہا۔

"ہاں بالکل۔" رانی اب سائرہ کے پاؤں میں چپل پہنا رہی تھی......

......☆☆☆......

صفدر کا ٹرپ طویل ہوتا چلا گیا۔ اس کے پیرنٹس حیران تھے کہ وہ جو چند ہی دن میں بڑے سے بڑے شہر میں بور ہو جاتا تھا اس چھوٹے سے بیک ورڈ شہر میں کیسے اتنے دن رہ گیا تھا اور پھر اس کی واپسی سائرہ کے ساتھ ہوئی۔

نئی نویلی دلہن کے روپ میں کھڑی سائرہ کو دیکھ کر مسز زمان حیران رہ گئیں۔

"تمہاری عقل تو ٹھکانے ہے یہ کیا پاگل پن کیا تم نے۔" وہ غصہ سے کھول رہی تھیں۔ ڈیڈ کا بھی سخت موڈ آف تھا۔

"ارے مما آپ تو خوامخواہ ناراض ہو رہی ہیں۔ ہم یہاں سارے فنکشنز کر لیں گے۔ ابھی تو صرف نکاح ہوا ہے۔ میں اس فضول شہر میں دوبارہ نہیں جا سکتا تھا اور آئی وانٹڈ ہر ٹو بی مائی وائف۔" صفدر کے لہجے کی اکتاہٹ مسز زمان کی جیت بن گئی تھی۔

صفدر سائرہ کے حسن کو حاصل کر کے جیسے اُس کو بھول ہی گیا۔ ہر گزرتا دن اس کو سائرہ سے دور لے جاتا۔

"کبھی کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ دو انسان ہزار جتن کے باوجود اکٹھے نہیں رہ پاتے۔ صفدر نے میرے حسن کو پانا چاہا اور میں نے ایک نئی زندگی چاہی تھی۔ ہماری زندگی کی بنیاد ہی غلط جذبوں پر شروع ہوئی مگر چل نہ پائی۔"

"عانیہ گھٹ گھٹ کر جینے اور روز مرنے سے بہتر تھا کہ ہم علیحدہ ہو جاتے۔ تم ابھی زندگی کے اس لمحے کو چھو نہیں پائیں نا جس میں عورت روپ بدل کر ماں بنتی ہے۔ اللہ نہ

کرے کہ تم کبھی ایسے دوراہے پر کھڑی ہو جہاں ایک ماں اپنے جگر کے دو ٹکڑوں میں سے ایک کو اپنانے پر مجبور ہو جاتی ہے۔ وہ لمحہ میرے دل کا ناسور بن چکا ہے۔ وہ لمحہ جب میں اپنے جگر کے ایک حصے کو اپنے آپ سے جدا کر کے صرف تم کو سینے سے لگائے وہاں سے نکلی تھی۔ میں مجبور تھی عانیہ۔ صفدر کی والدہ مجھے پل پل مرنے پر مجبور کر دیتی تھیں۔ صفدر کو میری رتی بھر پرواہ نہ تھی۔ میں اس سونے کے پنجرے میں قید ہو کر رہ گئی تھی۔ اس عالی شان بنگلے کی چار دیواری میرے لیے جیل بن گئی تھی۔ مجھے لگا کہ میں اگر مزید وہاں رہتی تو وہ شخص اور اس کے گھر والے میری ذات کو توڑ پھوڑ ڈالتے۔ تمہاری پیدائش پر میری ساس نے مجھے دھکے دے کر نکال باہر کرنے کی دھمکی دی۔ تب میں نے تم دونوں کو سینے سے لگا کر وہ گھر چھوڑنا چاہا مگر اس شخص نے مجھ سے یہ حق بھی چھین لیا۔ صفدر زرمین کے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔ اور میں اس گھر میں ایک لمحہ مزید گزارنے کو تیار نہ تھی۔ اس کو تمہارے وجود سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ اس نے زرمین کو مجھ سے جدا کر دیا۔ زرمین تین سال کی تھی۔ وہ اپنے باپ سے بہت مانوس تھی۔ سو میں تم کو سینے سے لگائے وہ گھر ہمیشہ کے لیے چھوڑ آئی۔ یہ سوچے بنا کہ زرمین کا کیا ہوگا۔ وہ بن ماں کے کیسے پلے بڑھے گی۔ عانیہ! میں بھی اس گناہ میں برابر کی شریک ہوں۔ مگر میں مجبور تھی، بہت مجبور تھی۔ تم سب سمجھنے سے قاصر ہوگی۔ میرے خود غرض وجود سے نفرت ہو رہی ہوگی مگر میرا یقین کرو کہ اُس دن سے آج تک میں لمحہ بہ لمحہ مرتی رہی ہوں۔ ہر پل مجھے زرمین کی یاد تڑپاتی رہی ہے۔ اس گھر کے در مجھ پر کبھی نہ کھلے اور سچ تو یہ ہے کہ ان تمام باتوں کے باوجود میں نے اس گھر میں کبھی واپس نہ جانا چاہا۔ زرمین کی محرومی، اس کی ماممتا مجھ پر ادھار ہے عانیہ۔'' آنسو ان کے گالوں پر بہہ رہے تھے۔

''امی......!'' عانیہ کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں لے لیا ہو۔ اپنی ماں کو اتنا بے بس، اتنا دُکھی اُس نے کبھی نہ دیکھا تھا۔ اُس کی ماں نے کتنا دُکھ اپنے سینے میں چھپا رکھا تھا۔ اک گھٹن کا احساس اُسے اپنے چاروں اطراف محسوس ہوا۔

''امی......وہ لوگ......وہاں......'' عانیہ ہچکچا کر بولی۔

سائرہ بیگم اب بھی رو رہی تھیں۔ ملائکہ بھی بُری طرح پریشان ہو رہی تھی۔ یہ صورت حال اس کے لیے بھی بہت عجیب تھی۔

''تم وہاں جاؤ گی تو محسوس کرو گی کہ وہ لوگ اتنے بُرے نہیں۔ بس میں اور وہ مختلف تھے۔ خصوصاً تمہاری بڑی دادی۔ تمہارے لیے تو وہ اپنے دل کے دروازے وا کیے بیٹھے ہوں گے۔ میری قسمت میں ہی گھر گرہستی نہ تھی۔ اس گھر کے آنگن میں میری کوئی جگہ نہ تھی عانیہ۔'' بیٹی کا سر اپنے دامن میں چھپائے وہ پھر رو پڑی تھیں۔

''امی...... مجھے روک لیں امی۔ میں نہیں جانا چاہتی۔'' ان دیکھے لوگوں میں جانے کا خوف اس کی آواز سے ہویدا تھا۔

''بس صرف ایک بار میری جان......میرے لیے ایک بار...... کچھ ہی ہفتوں کی تو بات ہے۔ صفدر زمان نے مجھ سے وعدہ کیا ہے تمہارے کچھ ہفتوں کے بدلے زرمین کے کچھ ہفتے میرے ساتھ۔ میں زرمین سے مل سکوں گی...... اس پر اپنی ممتا لٹا سکوں گی...... میرے دل میں ٹھنڈک پڑ جائے گی۔'' کتنے ارمان، کتنی خواہش چھپی تھی ان کے لہجے میں کہ عانیہ کچھ کہہ ہی نہ پائی۔ بس اپنی ماں کی آغوش میں سر چھپائے بیٹھی رہی۔ مگر یہ خیال اس کے ذہن میں بار بار گردش کر رہا تھا کہ ایک اور بہن بھی تھی جو اس آغوش کی حقدار تھی۔ ماں سے الگ ہو کر وہ اُٹھ بیٹھی تھی۔ سائرہ بیگم کی پُراُمید نگاہیں اس کے چہرے کا طواف کرنے لگیں۔ اس کے چہرے پر پھیلے تفکر، تناؤ اور نفرت کے ملے جلے تاثرات سے نظریں چُرا کر وہ کمرے سے نکل گئیں۔ اب عانیہ اور ملائکہ کمرے میں تھیں۔

''آخر تم اتنی تلخ کیوں ہو رہی ہو۔ وہ تمہارے فادر ہیں۔ تمہاری بہن اور رشتہ دار ہیں۔ اتنی پریشانی کی کیا بات ہے اور ویسے بھی......'' ملائکہ کے لبوں پر ایک شریر سی مسکراہٹ اُبھری......

''ویسے بھی وہ لوگ اتنے امیر ہیں اور کچھ نہ ہوا تو کم از کم وہاں کسی ہینڈسم اور بے حد امیر بندے سے ملنے کے چانسز کافی زیادہ ہو جائیں گے۔ ارے میں تو کہتی ہوں بھلے ہینڈسم بھی نا ہو۔ صرف بے حد امیر ہو تو بھی چلے گا۔'' ملائکہ نے اسے چھیڑا۔

''بکومت......تم ہر چیز کو مذاق بنا لیتی ہو۔ تم کیا جانو ملائکہ...... زندگی کے یہ گزرے سال...... باپ سے

محرومی...... ایک عجیب سا خلا ہے جو اس طرح پُر نہیں ہوسکتا۔ میں کیا کروں کچھ سمجھ نہیں آتا...... ایک طرف یہ سب ہے اور دوسری طرف امی کا دُکھ...... میں کیا کروں۔" وہ گالوں پر لڑھکتے آنسو سختی سے پونچھ کر اُٹھ گئی۔

سائرہ بیگم کی بات اس نے آج تک نہ ٹالی تھی اور پھر شاید دل کے کسی کونے میں اس بے حس باپ کو دیکھنے کی انجانی سی تمنا بھی تھی۔ سفری بیگ تیار کر کے وہ پنڈی کے سفر کے بارے میں سوچنے لگی۔ وہاں سے آگے کراچی کا ٹکٹ صفدر زمان نے بھجوادیا تھا۔

......☆☆☆......

کلر کہار کی نسبت خنک موسم سے یکسر مختلف گرم ہوا، پیچھے کی طرف بھاگتے مناظر، تیز رفتار ٹریفک اور خوب صورت شاہراہ فیصل...... سب کچھ کتنا اجنبی اور انجان سا لگ رہا تھا۔ اُس نے باہر کے مناظر سے نظر ہٹا کر ماہرانہ انداز میں گاڑی چلاتے شوفر کو دیکھا۔

"اتنی مصروف زندگی سے چند لمحے بھی نہ نکال پائے مسٹر صفدر زمان کہ برسوں بعد ملنے والی بیٹی کے لیے ہی آجاتے۔" اس نے تلخی سے سوچا اور دوبارہ کھڑکی سے باہر کے گزرتے مناظر پر نگاہیں جمادیں۔

انجان راستوں سے گزرتے ہوئے شوفر نے گاڑی وسیع وعریض رقبے پر پھیلے ایک محل نما بنگلے کے سامنے لا کھڑی کی۔ باوردی چوکیدار نے بھاگ کر آہنی گیٹ کھولا۔ گاڑی پورچ میں آکر رُک گئی تھی۔

عانیہ نے ایک تجسس بھری نظر اپنے چاروں اطراف دوڑائی۔ دور دور تک ملازمین کے علاوہ اور کوئی شخص نظر نہیں آرہا تھا۔ ہر سو عجیب سی خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ نفیس لان اور خوب صورت روش سے سجا یہ گھر مکینوں سے خالی محسوس ہورہا تھا۔ اس کا استقبال کرنے کے لیے کوئی بھی موجود نہ تھا۔ شوفر دروازہ کھولے اس کے اترنے کا انتظار کررہا تھا۔

"اوہ...... سوری۔" وہ شرمندہ ہوکر جلدی سے اُتر آئی۔ شوفر ڈگی میں سے سامان نکلنے لگا۔ دو بڑے بڑے بیگ تھے جو امی کے پُرزور اصرار پر وہ ساتھ لائی تھی۔ جانے امی نے کیا کیا بھر دیا تھا۔ کافی سارے ڈریس تو امی نے خاص زرمین کے لیے بھجوائے تھے۔ عانیہ نے تو بیگ دیکھنے کی تکلیف تک نہ کی تھی اور یہ آخری چند دن تو اُس نے اپنی پل پل منتشر ہوتی سوچوں کو اکٹھا کرنے میں صرف کردیے تھے۔

اس کی پیکنگ تو بعد میں امی اور ملائکہ نے خود کی تھی۔ وہ سوچوں کو جھٹک کر آگے بڑھی۔ گھر کا شاید کوئی ملازم تھا جو دروازہ کھولے کھڑا تھا۔ سامان اندر جاچکا تھا۔ عانیہ نے یہ سب حیرت سے دیکھا اور اندر کی جانب چل دی۔ باہر کی تیز روشنیوں کے بعد راہداری میں اندھیرا سا محسوس ہورہا تھا۔ وہ بس اندازے سے ہی ملازم کے پیچھے پیچھے چلتی رہی۔

"بشیر...... بی بی کو ادھر لاؤنج میں ہی لے آؤ۔" تحکمانہ مدھم آواز سامنے کے کمرے سے آئی تھی شاید۔

"یس میڈم!" وہ لوگ مڑ کے اب ایک بڑے ہال نما کمرے میں آگئے۔ اے سی کی ٹھنڈک دبیز پردے اس کمرے کے ماحول کو بھی گمبھیر سا بنارہے تھے۔ ایک سرد سی لہر اس کے وجود میں سرائیت کرگئی۔ جھرجھری لے کر وہ دروازے پر ہی رُک گئی۔

"اندر آؤ رُک کیوں گئیں۔" ملائم آواز نے اس کے قدم کچھ اور آگے بڑھانے میں مدد کی۔ آنکھیں اب اس ہلکے سے اندھیرے سے مانوس ہوگئی تھیں۔

لاؤنج ٹیوب لائٹ کی دودھیا روشنی سے منور تھا۔ صوفے پر بیٹھی خاتون عانیہ کو دیکھ کر آہستہ سے اُٹھیں اور دھیرے دھیرے اس کے مدمقابل کھڑی ہوگئیں۔ عانیہ ان کے گریس سے امپریس ہوئی۔

لامبا قد، فربہی مائل جسم اور روشن چہرے پر پڑی چند نمایاں جھریاں ان کی عمر رسیدگی کا کچھ کچھ پتا دے رہی تھیں ورنہ آن بان اور انداز تو ایسا تھا کہ جیسے گزرا وقت ان کا کچھ بھی بگاڑنے سے قاصر رہا تھا۔ عانیہ کی نگاہوں میں اپنی امی کا چہرہ گھوم گیا تھا۔ ان خاتون کے برعکس زندگی کی مشکلات کا سامنا کرتے کرتے وہ کتنی کمزور ہوچکی تھیں، مگر یہ خاتون......

"ہونہہ ان لوگوں پر بڑھاپا کیوں کر حاوی ہوسکتا ہے۔ دولت کی ریل پیل، زندگی کی آسائش، آرام دہ روٹین ان لوگوں کو سدا بہار ہی تو رکھے گی نا۔" اُس نے تلخی سے سوچا۔

"مجھے بے جی کہتے ہیں اور تم ہو بہو مجھ پر ہو۔" آواز میں کچھ کچھ حیرانی کا عنصر بھی شامل تھا۔ دھیمی گداز آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی تو اس نے اپنے خیالات سے چونک کر ان کو دیکھا۔

"اتنے سالوں بعد تم سے ملنا نصیب ہوا۔ اپنی بے.جی کے گلے نہیں لگوگی کیا؟" انہوں نے خود ہی آگے بڑھ کر اُسے پیار سے گلے لگالیا۔ گرم آغوش میں اُسے سائرہ بیگم کا لمس یاد آ گیا۔ بالکل ایسا ہی سکون ملا تھا۔ عانیہ کو اپنے دل کے گرد جمی برف پگھلتی ہوئی محسوس ہوئی تھی۔ مگر ان لوگوں کے لیے تو اس کا دل ایک گلیشیر کی مانند تھا۔ کتنا ہی پگھل جاتا تب بھی ویسے کا ویسے ہی رہنا تھا۔ بہر حال بے.جی کے سینے سے لگی عانیہ کو پہلی بار اس اجنبی شہر میں اپنا آپ محفوظ لگا۔

"میں تمہارے والد صفدر زمان کی دادی ہوں۔ سب مجھے بے.جی کہتے ہیں۔" وہ بولیں تو عانیہ نے ان کو ایک بار پھر حیرت سے دیکھا۔ کہیں سے بھی وہ اتنی بڑی نہیں لگ رہی تھیں۔

"دوپہر میں تمہارے پاپا اور زرمین دونوں گھر آئیں گے۔ سب مل کر دوپہر کا کھانا کھائیں گے ٹھیک ہے؟" وہ کہہ رہی تھیں۔

"تب تک تم اپنے کمرے میں جا کر ریسٹ کرو اور فریش ہو جاؤ۔" انہوں نے پیار سے اپنے آپ سے الگ کیا۔

"تو وہ کیا گھر پر نہیں ہیں؟"

"اس گھر کے مکین اپنی اپنی زندگی گزارتے ہیں۔ کسی کے پاس بھی کسی دوسرے کے لیے وقت نہیں ہوتا۔" بے.جی کی آواز میں ویرانی در آئی تھی۔ عانیہ نے فکر مندی سے اُن کو دیکھا۔

"تم پریشان نہ ہو۔ تمہارے لیے سب کو وقت نکالنا پڑے گا۔ ان سب کو اتنے سارے گزرے ہوئے سالوں کا بھی تو حساب دینا ہے۔ چلو اب جاؤ شاباش۔ اپنا کمرا بھی دیکھ لو۔" انہوں نے ملازم کو بلا کر اُس کے ساتھ کر دیا۔

"سنو۔" وہ جانے لگی تو بے.جی کی آواز نے اس کے قدم روک لیے۔

"جی۔" عانیہ نے مڑ کر بے.جی کی طرف سوالیہ نگاہوں سے دیکھا۔ بے.جی اس کے قریب چلی آئیں۔ اُنہوں نے اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں تھام کر اس کی پیشانی چوم لی۔

☆☆☆......

وہ کب سے اُٹھی ہوئی تھی۔ فجر کی نماز کے بعد اُسے نیند ہی نہیں آئی تھی۔ دروازہ کھول کر اس نے باہر جھانکا۔ ہر طرف ہو کا عالم تھا۔ خیر ابھی کافی صبح تھی پھر یہ امیر لوگوں کا گھر تھا۔ اتنی صبح کوئی کیوں اُٹھتا۔ ان کے تو شاید ملازم بھی اب تک سو رہے تھے۔ رات ڈنر بھی کافی دیر تک چلتا رہا تھا۔ خالی خموش راہ داری پر ایک نظر ڈال کر وہ واپس پلٹ آئی۔ رات کے ڈنر کا منظر اس کے ذہن میں دوبارہ تازہ ہو گیا تھا۔ توبہ کتنے اہتمام سے سب تیار ہو کر کھانے کی ٹیبل پر بیٹھے تھے۔ وہ تو کمرے میں جا کر مسلسل حیرت کا شکار ہی رہی تھی۔ اپنے بیگ ڈھونڈے جو پہلے ہی خالی کر دیے گئے تھے۔ تمام کپڑے شاید کسی ملازم نے الماری میں سیٹ کر دیے تھے۔ نفاست سے سجا ہوا کمرا کسی کے بہت باذوق ہونے کا دعویٰ کر رہا تھا۔

کتنا فرق تھا کراچی اور کلر کہار میں۔ وہاں تو ہلکی ہلکی خنکی شروع ہو چکی تھی اور یہاں بے تحاشا گرمی۔ یہاں کا تو موسم بھی یہاں کے لوگوں کی طرح عجیب تھا۔" اس نے سوچا اور ہاتھوں سے کپڑوں کی شکنیں سیدھی کرتی وہ کمرے سے باہر آ گئی۔ بالوں کو بھی اس نے یونہی جوڑے کی شکل میں لپیٹ لیا تھا۔ لمبی راہ داری میں رُک کر اس نے سمت کا تعین کیا اور کھانے کے کمرے کی طرف چل دی۔ کمرے میں داخل ہوتے ہوئے اُسے لمحے بھر کو خجالت سی محسوس ہوئی۔ اندر سے ہلکی ہلکی گفتگو کی آواز آ رہی تھی۔ اس کے اندر قدم رکھتے ہی کمرے میں خاموشی چھا گئی۔ وہ جھجک کر وہیں رُک گئی۔

شکن زدہ کپڑوں میں ملبوس، کنفیوز ہوتی مخروطی انگلیاں مروڑتی لڑکی پر صائم نے ایک گہری نگاہ ڈالی۔ اُس نے کتنی کوشش کی تھی کہ اس کھانے میں شریک ہونے سے بچ جائے مگر انکل صفدر کے بے حد اصرار پر اُسے آنا ہی پڑا تھا۔

اس کو بہت آکورڈ لگ رہا تھا کہ برسوں بعد انکل صفدر کی بیٹی آئی تھی اور وہ غیر شخص ان کے ساتھ کھانے میں شامل تھا مگر کیا کرتا۔ اس کو چند بزنس کی فائل ڈسکس کرنا تھیں جو کہ اس کے لیے بے حد ضروری تھیں۔ یہی وجہ تھی کہ جب انکل صفدر نے اسے بتایا تھا اپنی بیٹی کی آمد کا اور اسے بھی مدعو کر لیا تو ناچاہنے کے باوجود اُسے آنا پڑا۔ اب اس لڑکی کو دیکھ کر صائم کو حیرت ہو رہی تھی۔ وہ اس کی توقعات کے بالکل برعکس تھی۔ میک اپ سے بے نیاز چہرہ، سادہ سا پنک سوٹ جوڑے میں سمیٹے ہوئے بال...... وہ کہیں سے بھی صفدر زمان کی بیٹی اور زرمین کی بہن نہیں لگ رہی تھی۔

"آؤ نا رک کیوں گئیں۔" بے.جی کی محبت بھری آواز پر

عانیہ نے قدم ان کی طرف بڑھائے۔ اپنے سراپا کا جائزہ لیتی مختلف نگاہیں اُسے کنفیوز کر رہی تھیں۔

''سفر کیسا رہا۔ امید ہے کوئی پریشانی نہیں ہوئی ہوگی؟'' صفدر زمان کے مخاطب کرنے پر اُس نے پہلی بار اپنے باپ کا مکمل جائزہ لیا۔

تندرست و توانا، دراز قد، بارعب شخصیت کے مالک صفدر زمان کو دیکھ کر لگتا ہی نہیں تھا کہ وہ دو جوان بیٹیوں کے باپ ہیں۔ اس نے باپ کے چہرے پر متلاشی نظریں دوڑائیں۔ بچھڑی بیٹی سے ملن کا اشتیاق، اولاد سے اُمڈتا پیار، بیتے دنوں کی نارسائی کا ملال عانیہ نے ان کی آنکھوں میں یہ سب ڈھونڈا مگر وہ تو ہر جذبے سے خالی تھیں۔ بس ایک عام سی نگاہ تھی جو عانیہ کی طرف سوالیہ انداز میں دیکھ رہی تھی۔

عانیہ کی آنکھوں میں نااُمیدی کا مبہم سا تاثر اُبھر کر معدوم ہوگیا۔ ہونٹوں پر طنزیہ مسکراہٹ لہرا گئی۔

''جی نہیں کوئی پرابلم نہیں ہوئی...... تھینکس۔'' اس نے بڑے فارمل طریقے سے جواب دیا۔

صائم بغور اس لڑکی کو دیکھ رہا تھا۔ انکل صفدر کا رویہ بھی اس سے پوشیدہ نہ تھا۔ وہ جانتا تھا کہ ان کی بیٹی طویل جُدائی کے بعد آج پہلی بار ان کے گھر آئی ہے اور وہ بھی انکل صفدر کے بے حد اصرار پر اس کے باوجود کوئی بھی اس کے استقبال کے لیے صبح اُسے ائرپورٹ لینے نہیں گیا اور اس وقت بھی یہ سب یوں پوز کر رہے تھے جیسے ہر رات کی طرح یہ بھی کوئی عام سی رات ہے۔ اس قدر بے نیازی کا مظاہرہ صائم کو کافی عجیب سا لگ رہا تھا۔

اپنے اُوپر کسی کی نگاہیں محسوس کر کے عانیہ نے اس کی جانب دیکھا۔ وہ اُسے دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔ عانیہ نے سوالیہ نگاہوں سے بے.جی کو دیکھا جو صفدر زمان کی بے نیازی کے مظاہرہ پر اب تک کڑھ رہی تھیں۔

''ارے صائم سے تو عانیہ کا تعارف کروایا ہی نہیں۔'' بے جی نے صائم کی موجودگی کا فائدہ اُٹھا کر ماحول کو کچھ خوشگوار کرنے کی کوشش کی۔

''عانیہ یہ صائم ہے۔ صفدر کے بڑے عزیز دوست کا بیٹا اور اب صفدر کا بزنس پارٹنر بھی اور یہ ہماری چھوٹی پوتی ہے عانیہ۔'' بے جی نے باقاعدہ تعارف کروایا۔

''السلام علیکم۔'' عانیہ نے رسمی سا سلام کر کے لاتعلقی سے نظریں پھیر لیں۔ باپ کا رویہ تو اسے نظر آ ہی رہا تھا اور بہن جس کے لیے وہ اتنی دور سے آئی تھی وہ سرے سے یہاں موجود ہی نہ تھی۔

''بے.جی...... وہ زرمین؟''

''آج اس کی کوئی پارٹی تھی۔ اصل میں تمہاری آمد سے پہلے ہی وہ جانے کی حامی بھر چکی تھی سو وہاں جانا پڑا۔ خیر فکر نہ کرو ان شاءاللہ کل اس سے بھی ملاقات ہو جائے گی۔ تم اپنا دل چھوٹا نہ کرنا۔''

''بے جی بے چاری کس کس کی وضاحت دیں گی۔'' عانیہ نے طنز سے سوچا۔ اس نے باپ کی جانب دیکھا۔ وہ اب صائم سے کچھ بزنس کی باتیں کرنے میں مشغول تھے۔

''کتنے اصرار پر میں ان سب کے درمیان آئی ہوں اور یہ......'' عانیہ نے سوچا۔

''یہ ہے میری حیثیت ان لوگوں کی نظر میں۔ سالوں بعد ملنے والی بیٹی کے لیے ان کے پاس چند لمحے بھی نہیں تھے۔'' اچانک رات کتنی اداس ہوگئی تھی۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اُسی وقت اُٹھ کر وہاں سے بھاگ جاتی۔

کھانے کی میز پر بے.جی مسلسل اُسے اصرار کر کے کھلا رہی تھیں مگر اُس سے کچھ کھایا نہ گیا۔ چند ہی لقمے زہر مار کر کے وہ تھکن کا بہانہ کر کے اُٹھ گئی۔ نکلتے نکلتے اس کی نظر اُس انجان شخص پر پڑی۔ جس کی نظریں مسلسل اُسے جانچتی ہوئی لگ رہی تھیں۔ اب بھی وہ کافی دیر سے جاگی ہوئی تھی۔ اُس نے جلدی سے سادہ سا سوٹ نکالا اور بدل کر کمرے سے باہر نکل آئی۔

دن کافی چڑھ آیا تھا۔ باہر لگا بڑا سا وال کلاک صبح کے سات بجا رہا تھا۔ لان کی فضا گلاب کی خوشبو سے معطر تھی۔ چند قدم چل کر وہ گیٹ تک آ گئی۔ گھر کے ساتھ ساتھ جوگنگ ٹریک دیکھ کر اُس کے قدم اس طرف بڑھ گئے۔

یہ ایریا بڑے بڑے خوب صورت بنگلوں اور حسین لان پر مشتمل تھی۔ ہوا میں ہلکی سی نمی کا احساس تھا۔ وہ آہستہ آہستہ ٹہلتی ہوئی چاروں طرف کے نظارے دیکھ رہی تھی یک لخت اس کی نگاہ اُن بزرگ پر پڑی۔ وہ شاید تکلیف میں تھے۔

عانیہ دوڑ کر ان کے پاس پہنچ گئی۔

''آپ ٹھیک تو ہیں۔'' اس نے بزرگ کو بازو سے تھام لیا۔ وہ اب چونک کر اُسے دیکھ رہے تھے مگر انہوں نے عانیہ کا

سہارا نہیں لیا۔

"پلیز انکل آپ میرا سہارا لے کر چلیں۔ میں آپ کے پڑوس میں ہی رہتی ہوں۔ تھوڑی ہمت کریں۔" بزرگ نے نفی میں سر ہلایا۔ بے چارے شاید تکلیف کی شدت سے بول نہیں پا رہے تھے۔ ان کے ماتھے پر پسینے کے قطرے چمک اُٹھے تھے۔ انداز میں عجیب سی ہچکچاہٹ تھی۔

میں ٹھیک ہوں۔"

"ارے! کوئی ٹھیک نہیں ہیں آپ۔ اچھا آئیں میں آپ کو آپ کے گھر چھوڑ دیتی ہوں۔ کتنا دور ہوگا آپ کا گھر یہاں سے؟" عانیہ مسلسل سوال کر رہی تھی۔

"بس یہ میرے ہی گھر کا گیٹ ہے۔ میں ٹھیک ہوں۔" وہ شرمندہ سا بولے۔

"آیئے نا پلیز۔ میں آپ کو اندر تک چھوڑ آتی ہوں۔" اس نے زبردستی ان کا ہاتھ پکڑا اور اندر آئی۔

"ڈیڈ!" کال بیل پر ایک لڑکی اندر سے باہر آ کر چلائی۔ اتنی زوردار چیخ پر عانیہ کانپ گئی۔ اس نے حیرت سے لڑکی کو دیکھا۔ رنگ برنگے بال، سیولیس شرٹ اور جینز میں ملبوس وہ کوئی چودہ پندرہ سال کی لڑکی تھی۔ شکل سے تو بزرگ کی پوتی یا نواسی لگ رہی تھی۔

"واہ ڈیڈ۔ اس عمر میں بھی...... ہی ہی ہی......" وہ ہنس پڑی۔

"تابی!" بزرگ نے پیار بھری سرزنش کی۔ وہ اب عانیہ کا ہاتھ چھوڑ چکے تھے۔ وہ دونوں خوب صورت روش پر چلتے چلتے چند سیڑھیاں چڑھ کر ایک خوب صورت ٹیرس میں آ گئے تھے۔

بڑی سی رنگ برنگی چھتری تلے رکھی کرسیوں میں سے ایک پر وہ بزرگ جیسے گر سے گئے۔ عانیہ اب وہاں پریشان سی کھڑی تھی۔ آنے کو تو وہ ان کے ساتھ آ گئی تھی مگر یہ سب اس کی سمجھ سے بالاتر تھا۔

"مجھے تابی کہتے ہیں اور آپ؟" شوخ سی لڑکی نے اس کے اردگرد گھوم کر اس کا تفصیلی جائزہ لیا اور پوچھا۔

"میں عانیہ ہوں۔ آپ کے ساتھ والے گھر میں چند دنوں کے لیے آئی ہوں۔" اس نے اپنا تعارف کروایا۔

"اوہ اچھا اچھا۔ انکل صفدر کی نئی والی بیٹی ہوں گی یقیناً آپ......" تابی پھر چیخی۔ عانیہ ڈر ہی تو گئی۔

"آپ بہت سویٹ سی بیٹی ہو۔" سیٹھ مظاہر کو عانیہ پر ترس آ گیا۔ وہ اس کی پریشانی بھانپ گئے تھے۔ اصل میں تابندہ میں واک سے واپس آیا تو باہر کے پھول دیکھنے رک گیا۔ انجانے میں میرا پیر مالی کے لگائے ہوئے نئی پھولوں کی پنیری پر پڑ گیا۔ مجھے کافی افسوس ہوا کہ کہیں پھول خراب نہ ہو گئے ہوں۔ یہی جھکا میں چیک کر رہا تھا کہ عانیہ بیٹی کی مجھ پر نگاہ پڑی۔ شاید میرے چہرے پر اتنے تکلیف دہ تاثر تھے کہ یہ سمجھیں کہ میں بیمار ہوں۔" سیٹھ مظاہر نے عانیہ سے ملاقات کی تفصیل بیان کی۔

"اور آپ نے موقع سے فائدہ اُٹھا کر جھٹ ان کا ہاتھ تھام لیا۔" تابی ہنس دی۔

"مس عانیہ ذرا میرے ڈیڈ سے بچ کر رہیے گا۔ کافی دل پھینک ہیں یہ۔" تابی کے بیان پر عانیہ کا مُنہ کھلا رہ گیا۔ کس طرح کی گفتگو تھی یہ۔ اس نے حیرت سے سوچا۔

"تابی! کم بولا کرو۔ چلو ناشتے کا انتظام کرواؤ۔ عانیہ ہماری مہمان ہے اس وقت۔" سیٹھ مظاہر نے تابندہ کو ہلکے سے جھڑکا اور ساتھ ہی عانیہ کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"نہیں پلیز انکل۔ اس کی کوئی ضرورت نہیں اصل میں میں گھر پہ کسی کو بتائے بغیر نکل آئی تھی۔ وہاں سب پریشان ہو رہے ہوں گے۔" عانیہ کی بات پر تابی نے ایک بے ہنگم سا قہقہہ لگایا۔

"جناب اس وقت تو آپ کے علاوہ اور کوئی بھی پریشان نہیں ہوگا۔ یہاں بارہ ایک بجے سے پہلے کوئی نہیں اُٹھتا۔" تابی مزے سے ٹیرس کی ریلنگ پر بیٹھ کر پیر جھلا رہی تھی۔ عانیہ نے دونوں باپ بیٹی کو غور سے دیکھا۔ اُسے تو اب تک جتنے بھی لوگ ملے تھے سب ابنارمل ہی لگ رہے تھے۔

"ڈیڈ میرا مشورہ مانیں تو آپ عانیہ کو ناشتے پر روکنے کی پوری کوشش کریں۔ اس طرح شاید ہمارا بھی بھلا ہو جائے۔ ہمارا کک آج چھٹی پر ہے۔" عانیہ کو یہ سب بہت عجیب لگ رہا تھا۔ لڑکی کچھ زیادہ ہی بگڑی ہوئی تھی۔ جو مُنہ میں آتا بولتی جا رہی تھی۔

"میرا خیال ہے کہ میں اب چلتی ہوں۔" عانیہ کھڑی ہو گئی۔

"تم شاید بُرا مان گئی ہو۔ یہ تابی تو یوں ہی اوٹ پٹانگ بولے جاتی ہے۔ مگر یہ بات اس نے صحیح کہی کہ صفدر کے گھر

میں سب ابھی سو رہے ہوں گے۔ بے جی فجر کی نماز کے بعد پھر سو جاتی ہیں۔ تم ناشتا ہمارے ساتھ کرلو۔ پھر چلی جانا۔ ہمیں خوشی ہوگی۔'' عانیہ نے انکل کی طرف دیکھا۔

''مگر......''

''اگر مگر کو چھوڑو اب میں کہہ رہا ہوں تو تم بات مان لو۔'' سیٹھ مظاہر نے بڑی اپنائیت سے کہا تو عانیہ نے تذبذب سے ان کو دیکھا۔

''ایسے کیا سوچ میں پڑی ہیں۔'' تابی نے اس کو سوچتے دیکھا تو کہا۔

''ہماری طرف سے تو آج سے دوستی پکی...... آپ ذرا بیک ورڈ سی لگتی ہیں مگر ہمیں اچھی لگی ہیں اور اگر ہمیں مزے دار سا ناشتا بنا دیں گی تو اور بھی اچھا لگے گا۔'' تابی اُس کے معصوم نکھرے نکھرے سراپا کا تنقیدی جائزہ لیتے ہوئے بڑے بزرگانہ طریقے سے بولی تو عانیہ کو ہنسی آ گئی۔

اگر یہ اجنبی تھے تو اس گھر میں کون سا اُس کی جان پہچان کے لوگ تھے۔ وہ بھی تو اُتنے ہی اجنبی تھے۔ یہ لوگ کم از کم اس سے پیار سے بات تو کر رہے تھے۔ اس کی موجودگی کے طلب گار تھے۔ عانیہ یک دم ہی ہلکی پھلکی سی ہوگئی۔ ایک لطیف سی مسکراہٹ اس کے لبوں کو چھوگئی۔

''اب ذرا کچن بھی دکھا دو۔ مگر یاد رہے کہ ناشتا صرف اس کو ملے گا جو ناشتا بنانے میں مدد کرے گا۔'' عانیہ نے شرارتی نگاہوں سے سیٹھ مظاہر کو دیکھا جو بڑے مزے سے نیم دراز ہو کر اپنا اخبار اُٹھا رہے تھے۔ شاید ناشتے کے منتظر تھے۔ اپنے آپ پر نگاہیں محسوس کر کے وہ چونک گئے۔

''اس میں ہمیں بھی شامل ہوں؟'' انہوں نے اپنی طرف اشارہ کیا۔

''ہوں......'' عانیہ کھلکھلا کر ہنس دی۔ وہ کتنے حیرت زدہ تھے۔ اس نے ان کے سوال پر اثبات میں سر ہلا دیا۔

''اچھا بھئی۔'' وہ بھی ناچار اُٹھ کھڑے ہوئے۔

''چلیں تابندہ۔'' وہ بیٹی کی طرف دیکھ کر بولے۔

''یا اللہ! سوچتی ہوں نام ہی بدل ڈالوں۔'' تابی چڑ سی گئی۔ عانیہ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر ریلنگ سے اتار لیا۔

صائم ان سب کو دیکھ کر ٹھٹک گیا۔ یہ لڑکی یہاں کیا کر رہی تھی۔ عانیہ کو اتنی صبح اپنے گھر میں دیکھ کر اُسے حیرت ہوئی۔ بالوں میں انگلیوں سے کنگھی کرتا وہ ان کی جانب بڑھ آیا۔

''لو جی بھیا بھی آ گئے۔ آج تو کمال ہی ہو گیا ہے۔ چلو خیر جتنے زیادہ لوگ اُتنا کم کام سب کے حصے آئے گا۔'' تابی صائم کو دیکھ کر چہکی۔ عانیہ نے آنے والے شخص کو حیرت سے دیکھا۔

''ہیلو۔'' صائم تابی کو نظر انداز کر کے عانیہ سے مخاطب ہوا تھا۔

''السلام علیکم۔'' عانیہ اب کچھ نروس تھی۔ کیا یہ اس کا گھر تھا جو اس نے سوچا۔ اب اس کے انداز میں پہلے والی بے ساختگی نہ تھی۔

''چلیں عانیہ۔'' تابی کو بھوک بہت لگتی تھی۔

''وہ اصل میں۔'' عانیہ متذبذب سی کھڑی تھی۔

''پلیز بھیا کی وجہ سے ناشتہ نہ کینسل کر دینا۔'' تابی نے دوہائی دی۔

''سچ اگر بھیا کو ناشتا چاہیے ہوا تو وہ بھی مدد کریں گے۔ آئی پرامس۔ پلیز عانیہ۔''

کوکنگ رینج کے پاس کھڑی عانیہ کچن کا جائزہ لے رہی تھی۔ ڈیڈ میز پر بیٹھے تھے اور تابی ادھر سے ادھر پھر رہی تھی۔ صائم کے ذہن پر چھائی چند لمحے پہلے والی پژمردگی پل بھر میں غائب ہوگئی۔

......☆☆☆......

گھر میں قدم رکھتے ہی عانیہ کی چند گھنٹے پہلے والی خوشگوار کیفیت یک دم ہی ختم ہوگئی۔ جانے کیوں یہ گھر ہمہ وقت ایک عجیب سی خاموشی میں ڈوبا رہتا تھا۔ اُس نے ایک لمبا سانس بھر کر اپنے کمرے کا رُخ کیا پھر کچھ سوچ کر وہ لاؤنج کی طرف مڑ گئی۔

''کہاں سے آ رہی ہو اتنی صبح؟'' بھاری تحکمانہ آواز پر اس نے مڑ کے دیکھا۔ صوفے پر بیٹھے صفدر زمان کو اندھیرے سے مانوس آنکھیں دیکھ نہ پائی تھیں۔

''السلام علیکم۔'' وہ اندر بڑھ آئی۔

''تم نے جواب نہیں دیا۔'' انہوں نے اس کے سلام کو یکسر نظر انداز کر دیا تھا۔

''ویسے تو میں آپ کے کسی بھی سوال کا جواب دینے کی مجاز نہیں مگر چونکہ اس وقت آپ کے گھر میں مہمان ہوں اس لیے بتا رہی ہوں۔'' وہ آرام سے بیٹھ گئی۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

"آپ کے ساتھ والے گھر میں تھی اور اس وقت صبح کے دس بج چکے ہیں۔ آپ امیر لوگ شاید اس کو جلدی سمجھتے ہوں گے مگر میرے حساب سے صبح ہوئے کافی دیر ہوچکی ہے۔" اس نے جتاتی ہوئی نظر گھڑی پر ڈال کر باپ کو دیکھا لہجہ اکھڑ پن سے لبریز تھا۔

"یہ کون سا طریقہ ہے باپ سے بات کرنے کا؟ یہی تمیز سکھائی ہے تمہاری ماں نے۔" صفدر صاحب اس کی بدتمیزی کو خوب محسوس کررہے تھے۔

"کچھ ایسا ہی سوال میں آپ سے بھی کرسکتی ہوں۔" وہ اب کی دفعہ انتہائی بدتمیزی سے بولی۔

"عانیہ!" صفدر زمان غصے سے کھڑے ہوگئے۔

"یہ سب کیا ہے صفدر؟" کمرے میں داخل ہوتی بے جی نے عانیہ کو غصے سے کمرے سے جاتے دیکھا۔

"بے جی یہ لڑکی کچھ زیادہ ہی بدماغ لگتی ہے۔ اس کی ماں نے کافی سر پر چڑھا رکھا ہے۔ مجھے نہیں لگتا کہ گھی سیدھی انگلیوں سے نکلے۔" صفدر زمان کچھ سوچتے ہوئے بولے۔

"تم بہت جلد بازی سے کام لے رہے ہو صفدر۔ کچھ دن لڑکی کو یہاں رہنے دو۔ اس کو اپنے آپ سے قریب کرو۔ اتنا عرصہ وہ تم سے نفرت کرتی رہی ہے۔ اس کے دل میں جگہ بناؤ۔ ان چند گھنٹوں میں اب تک ایسا کیا کیا ہے ہم نے کہ وہ ہمارے لیے اپنے دل میں رکھی کدورت دور کرے۔ ائرپورٹ تک تو کوئی لینے نہیں گیا بے چاری کو۔" بے جی نے الٹا صفدر زمان کو ہی الزام دیا۔

"لگتا ہے ایک فون سائرہ بیگم کو پھر کرنا پڑے گا۔ یہ لڑکی یوں نہیں مانے گی۔" وہ شاطرانہ انداز میں مسکرائے۔ بے جی نے متاسفانہ نگاہ ان پر ڈالی۔

"دیکھو صفدر مجھے تمہارے اس بے ہودہ پلان سے پہلے ہی اختلاف ہے۔ وہ ہمارا خون ہے۔ تمہاری سگی بیٹی ہے۔ تم نے میرے سمجھانے کے باوجود اپنی من مانی کی اور اس کو بلا لیا۔ پہلے تم نے زرمین کو اپنی بساط پر پیادہ بنایا اور جب اس نے صریحاً انکار کردیا تو تم کو عانیہ کا خیال آ گیا۔ دولت کی ہوس رشتوں کا تقدس پامال کردیتی ہے۔ اپنی ان گھناؤنی چالوں کو ختم کردو۔" انہوں نے صفدر کو سمجھانا چاہا۔

"بے جی آپ اس معاملے سے دور ہی رہیں اور ہاں ایک لفظ بھی عانیہ کو پتا نہ چلے اس گفتگو کا۔" وہ اُٹھ کر کمرے سے نکل گئے۔ بے جی ہلتا پردہ دیکھ رہی تھیں۔ بوڑھی آنکھیں پُرنم اور بے بس تھیں۔

......☆☆☆......

فون واپس کریڈل پر رکھتے ہوئے سائرہ بیگم کی آنکھوں سے چند آنسو لڑھک کر گالوں پر آ گئے۔ کتنا کٹھور تھا یہ شخص جسے میں نے اپنا تن من سب کچھ سونپ دیا تھا اور اس شخص نے آج ایک بار پھر اس کی ممتا کے ذریعے اس کو بلیک میل کرنا چاہا تھا۔ پہلے عانیہ کے ذریعہ اور آج زرمین کے ذریعے۔

"ایک تو میں اس عانیہ سے تنگ ہوں۔ پتا نہیں اب کیا کردیا ہے اس لڑکی نے۔ بالکل باپ پر گئی ہے۔ ایک دن ہی تو ہوا ہے اس کو گئے اور صفدر کا غصے بھرا فون آ گیا ہے۔" سائرہ بیگم پریشان ہوگئی تھیں۔ وہ اپنی زرمین سے ملنے کو بے تاب تھیں۔

صفدر زمان کی آمریت سے تو وہ خوب واقف تھیں۔ وہ شخص عانیہ پر بھی حکمرانی کرنا چاہتا تھا۔ مگر عانیہ میں اُس شخص کا ہی خون تھا۔

"کیا کروں میرے مولا۔" وہ سر ٹیبل پر ٹیک کر بے بسی سے رودیں۔

"ارے آنٹی جی خیر تو ہے..... کیا ہوا۔" یاسر کی آواز پر سائرہ نے چونک کر سر اُٹھایا۔ یاسر متعدد بار گھنٹی بجانے کے بعد اندر چلا آیا تھا۔

"عانیہ تو ٹھیک ہے نا۔" آنٹی کو یوں فون کے پاس سر رکھے روتے دیکھ کر وہ گھبرا گیا۔

"ہاں..... سب خیریت ہے۔" سائرہ بیگم نے جلدی سے آنسو پونچھے۔

"آپ ادھر آئیے..... یہاں بیٹھیں۔" یاسر نے ان کو دونوں کندھوں سے تھاما اور سہارا دے کر صوفے کے پاس لے آیا۔

"اب بتائیں کیا بات ہے؟" وہ خود بھی تسلی سے ان کے پاس بیٹھ گیا۔

"بس یاسر عانیہ کے بغیر دل اُداس ہوگیا تھا۔"

یاسر نے ان پر ایک گہری نظر ڈالی۔ آنٹی کا چہرہ، اُن کی آنکھیں ان کے جھوٹ کا ساتھ نہیں دے رہی تھیں۔ سائرہ نے نظریں چُرالیں۔

"میں آپ کا بیٹا نہیں ہوں مگر تمام زندگی عانیہ کے ساتھ گزری...... آج آپ نے غیریت برت کے احساس دلایا کہ ہوں تو میں غیر ہی نا۔" وہ خفا خفا سا سائرہ بیگم کو کسی ننھے بچے کی مانند لگا۔

"کس نے کہا کہ تم میرے بیٹے نہیں ہو؟" انہوں نے پیار سے یاسر کو دیکھا۔

"دکھ تو شیئر کرتی نہیں اور بیٹا کہتی ہیں۔" یاسر نے گلہ کیا۔

دل کا درد ہولے ہولے الفاظ بن کر لبوں سے بہنے لگا۔ یاسر ہکا بکا سُن رہا تھا۔ صفدر زمان اُسے انتہائی شاطر اور کائیاں آدمی نظر آرہا تھا۔

"یاسر وہ چاہتا ہے کہ میں عانیہ کو اس رشتے کے لیے مجبور کروں۔ وہ کوئی بزنس ڈیل کررہا ہے اس گھرانے کے ساتھ۔ شاید زرمین نے اس پلان میں حصہ لینے سے انکار کردیا ہے تو اب وہ عانیہ کو استعمال کرنا چاہتا ہے اگرچہ یہ بات اب تک عانیہ کو معلوم نہیں ہے۔ جب صفدر نے عانیہ کو بُلایا تو میرے دل کو نا جانے کیوں یہ خوشی ہوئی کہ چلو دیر سے ہی سہی صفدر کے دل میں اپنی بچھڑی بیٹی کے لیے پیار جاگ اُٹھا ہے مگر یہاں تو معاملہ ہی کچھ اور ہے۔ یہ تو دولت کا لین دین ہورہا ہے جس میں میری بیٹی کی بازی لگائی جارہی ہے اور اگر میں عانیہ کو مجبور نہیں کروں گی کہ وہ صفدر کی ہر بات سے اتفاق کرے تو وہ مجھے کبھی بھی زرمین کی شکل تک نہیں دیکھنے دے گا۔ پہلے ہی ساری عمر دل پر پتھر رکھے رکھا۔ کوئی اُمید نہیں تھی تو کوئی آس بھی نہیں بندھی تھی مگر اب ایک دفعہ ملنے کی لگن دل میں آئی اور اُمید کی کرن روشن ہوئی کہ میں اپنی بچی سے مل پاؤں گی تو اس نے یہ وار کردیا......" سائرہ بیگم پھوٹ پھوٹ کر رو دیں۔

"ایک تو مجھے سمجھ نہیں آتی کہ آپ نے صفدر زمان کو اتنی جُرات ہی کیسے دی کہ وہ آپ کی زندگی میں یوں مداخلت کرے۔" یاسر کو غصہ آ گیا۔ عانیہ اُسے سگی بہنوں کی طرح عزیز تھی۔ وہ غصے سے کمرے میں ٹہلنے لگا۔

"یہ سب آپ کا قصور ہے۔ یوں گھٹ گھٹ کے رونے کی ضرورت نہیں وہ ماشاءاللہ بالغ ہیں دونوں اچھے بُرے کی تمیز رکھتی ہیں۔ آپ کو ان سے صاف بات کرنی چاہیے تھی۔ حد ہوگئی ہے۔" پریشانی میں وہ کچھ زیادہ ہی بول گیا تھا۔ ایسے میں اندر آتی ملائکہ اندر کا منظر دیکھ کر گھبرا گئی۔

"ہیں...... ہیں یعنی کہ آپ کی اب اتنی ہمت ہوگئی۔ ہم سے بڑھتے بڑھتے اب آپ کی بدمزاجی آنٹی تک پہنچ گئی ہے۔"

"چپ کریں آپ ملائکہ!" یاسر نے جھنجھلا کر اس دخل اندازی پر ملائکہ کو جھڑکا۔

"ایک تو یہ محترمہ ہر معاملے میں دخل اندازی ضروری سمجھتی ہیں۔" تیز تیز بولتی ملائکہ کو اس نے ناگواری سے دیکھا مگر وہ نظر لحہ بھر کو ملائکہ کے سراپا میں اُلجھ سی گئی۔ ہلکے پیلے رنگ کے سوٹ میں ریشمی بالوں کو غصے سے جھٹکتی وہ بہت نکھری نکھری سی لگ رہی تھی۔ شاید ابھی نہا کر آئی تھی۔ چہرہ میک اپ سے یکسر مبرا تھا۔ گلابی رنگت اور شربتی آنکھوں میں نمی لیے وہ آنٹی کا سر سینے سے لگائے بیٹھی تھی۔ یاسر کی نگاہوں کا زاویہ بدلا۔

"یہ خود کس لیے رو رہی ہیں محترمہ۔" اُسے ملائکہ کی معصومیت پر ہنسی آ گئی۔

"آخر آپ اتنا چیختے کیوں ہیں۔ ہم کو ڈرا کر آپ کو کیا خوشی ملتی ہے۔ پتا بھی ہے آنٹی عانیہ کے لیے کتنی اداس ہیں اور ایک آپ ہیں کہ......" وہ بھیگے بھیگے لہجے میں یاسر سے لڑ رہی تھی۔

یاسر نے ہونق ہو کر اس عجیب وغریب الزام پر حیرت سے اُسے دیکھا۔ سائرہ بیگم روتے روتے ہنس پڑیں۔

"چل ہٹ پاگل۔ بھلا یاسر مجھے کیوں رُلائے گا۔ بے وقوف خود بھی رونے بیٹھ گئی ہے۔" انہوں نے پیار سے ملائکہ کے گال خُشک کیے۔

"یاسر بے چارہ تو مجھے تسلی دے رہا تھا۔ رونا تو شاید عانیہ کے لیے اداسی کی وجہ سے تھا۔" سائرہ بیگم نے وضاحت کی۔

"لو بھلا اب مجھے کیا پتا۔ کبھی یوں بھی کوئی تسلی دیتا ہے؟ بالکل لگ رہا تھا جیسے ڈانٹ رہے ہوں۔" ملائکہ شرمندہ سی ہوگئی۔

"بس اب خاموش، یوں ہی بولتی چلی جارہی ہیں۔" یاسر اُس کی معصومیت کے حصار سے نکلنے کی کوشش میں اونچی آواز میں بولا۔ یہ شوخ سی، شرمندہ سی، تھوڑی روئی روئی سی لڑکی اُسے اپنے حصار میں باندھتی چلی گئی۔

"آنٹی آپ عانیہ کو فون کریں اور اسے تمام سچویشن سے

آگاہ کردیں۔" اس نے ملائکہ کو یکسر نظر انداز کر کے سائرہ بیگم سے کہا۔

"مگر وہ نہیں سمجھے گی یاسر۔ وہ بہت ضدی لڑکی ہے۔" سائرہ بیگم عانیہ کو جانتی تھیں۔

"آپ اس سے بات تو کر کے دیکھیں۔ میرے خیال میں تو آپ اُس کو واپس بُلا لیں۔ زرمین اب بچی نہیں کہ آپ اس سے مل نہ پائیں۔ اگر وہ آپ سے ملنا چاہتی ہے تو دنیا کی کوئی طاقت اُس کو روک نہیں سکتی۔" یاسر نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

"اور اگر صفدر نے اُسے مجھ سے متنفر کر دیا تو؟" سائرہ بیگم کا دھڑ کا لبوں پر آ گیا۔

"وہ اگر اس شخص نے کرنا ہوتا تو اب تک کر چکا ہوتا۔ آنٹی اس وقت آپ صرف عانیہ کے بارے میں سوچیں۔ عانیہ کو اس گھناؤنے ماحول سے نکالیں۔"

سائرہ بیگم نے جلدی سے کال ملائی۔ وہ عانیہ کو کھونا نہیں چاہتی تھیں۔ اس پر کسی قسم کی آنچ آئے یہ ان کو گوارا نہ تھا۔

صفدر زمان کا پلان سُن کر عانیہ دم بخود رہ گئی۔ یہ تو کسی بازارِ حُسن میں دھندا کرنے والے شخص سے بھی ابتر تھا۔ وہ کم از کم کھل کر یہ کام کرتے تھے اور صفدر زمان جو اس سماج میں شرافت کا علمبردار تھا اصل میں کتنا نیچ تھا۔ دولت کی خاطر اپنی بیٹی کی پاک دامنی داؤ پر لگانے کو تیار تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ عانیہ صائم کو اپنے حُسن، اپنی محبت کے دام میں پھنسا لے۔ وہ صائم کو ہر صورت میں اپنا داماد بنانا چاہتا تھا۔ چاہے اس کے لیے اُس کو اپنی بیٹی کی شرم وحیاء، اس کی عصمت کو ہی داؤ پر کیوں نہ لگانا پڑے۔ یہ سب باتیں سائرہ بیگم اُسے فون پر بتا رہی تھیں۔ اس نے ایک نظر اپنے نام نہاد باپ پر ڈالی جو لاؤنج میں اخبار پھیلائے شہہ سرخیاں دیکھ رہا تھا۔

"تو یہ تھا اصل مقصد اتنی محبت کے پیچھے۔ اس لیے بُلائی گئی تھی وہ یہاں۔ جب زرمین نے انکار کر دیا تو یہ بھولی بسری اولاد یاد آ گئی۔" عانیہ نے ایک حقارت بھری نگاہ سامنے کھڑے شخص پر ڈالی جو اس کا نام نہاد باپ تھا۔

نفرت کی ایک شدید لہر اُس کے بدن میں دوڑ گئی۔ اپنے آپ کو عانیہ کی نگاہوں میں محسوس کر کے صفدر نے نگاہ اُٹھا کر اُسے دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں لہراتی نفرت سے وہ بخوبی واقف تھا۔

"ہائی سوسائٹی کے رموز سیکھو تم۔ صائم اگر تم میں انٹرسٹڈ ہو جائے تو ہمارا فائدہ ہے۔ تم نہیں ہو گی تو کوئی اور ہو گی جو اُسے پھانس لے گی۔" وہ اخبار لے کر میز پر رکھتے ہوئے بولے۔

"آپ کو اندازہ بھی ہے کہ آپ مجھ سے کیا بات کر رہے ہیں؟" عانیہ نے سرد لہجے میں اُن سے پوچھا۔

"دیکھو عانیہ تمہارا کام اتنا ہے کہ تم اسے اتنا الو کر لو کہ وہ تمہارے کہنے پر بنا کوئی جانچ پڑتال کیے مجھے یہ نیا کنٹریکٹ دلوا دے۔ میرے بزنس کے لیے یہ بہت ضروری ہے۔ اس دوران اگر تم دونوں حد سے بڑھ بھی جاؤ تو ہماری سوسائٹی میں یہ معیوب بات نہیں سمجھی جاتی۔ ویسے اگر تم اپنی ماں جیسی ہی پس ماندہ ذہنیت کی ہو تو میں کوشش کروں گا کہ تمہاری شادی صائم سے ہو جائے اور اگر ایسا ہو گیا تو تمہارے وارے نیارے ہو جائیں گے۔ خود بھی عیاشی کرنا اور ہم کو بھی کروانا۔" صفدر زمان نے مکروہ مسکراہٹ سے اُسے کہا۔

"یہ عیاشی زرمین بھی تو کروا سکتی ہے۔" عانیہ نے ایک چبھتی نگاہ صفدر زمان پر ڈالتے ہوئے طنزیہ انداز میں پوچھا۔

وہ بے وقوف لڑکی صائم میں انٹرسٹڈ نہیں۔ ساری زندگی دولت کی فراوانی دیکھی ہے اس لیے اس کو اس دولت میں کوئی اٹریکشن نظر نہیں آتی۔ مجھے اس وقت صائم کو ہر حال میں شیشے میں اتارنا ہے۔ میں اس سے بہت دفعہ بات کر چکا ہوں مگر دیانت داری کا جو بھوت اس پر سوار ہوتا ہے وہ میرے ہر کام میں رخنہ ڈال رہا ہے۔

"زرمین نے انکار کیا تو آپ نے مجھے قربانی کا بکرا بنانے کو سوچا۔ مگر مسٹر صفدر آپ نے یہ کیسے سوچ لیا کہ آپ کی اس گھناؤنی اسکیم میں میں شامل ہو جاؤں گی۔" وہ طنزیہ مسکراتی ہوئی بولی۔

"تم کو یہ کرنا ہوگا۔ ورنہ تم خوب جانتی ہو کہ میں تمہاری ماں اور زرمین کی تاحیات ملاقات نہ ہونے دوں گا۔" وہ غصے سے کھڑے ہو گئے۔

"نہ ملنے دیں۔ ویسے آپ نے امی سے وعدہ کیا تھا کہ آپ زرمین کو واپسی پر میرے ساتھ بھیجیں گے۔ مگر آپ سے مل کر کسی بھی وعدے کے ایفاء ہونے کا مجھے کوئی یقین نہیں۔ بہر حال زرمین بالغ ہے اور خود بھی مل سکتی ہے۔"

"زرمین کو بہت امیرانہ زندگی کی عادت ہے اور اتنا پیسہ

اور دولت اُس کو اس گھر کے علاوہ کہیں میسر نہ ہوگا۔ اگر وہ ذرا بھی میری مرضی کے خلاف ادھر سے ادھر ہوئی تو نا صرف میں اُس کو عاق کردوں گا بلکہ میں تم دونوں کی ماں کو بھی غائب کروادوں گا۔" صفدر زمان کے لہجے میں سفاکی اُتر آئی تھی۔

عانیہ کی روح تک ایک سرد لہر اتر گئی۔ یہ شخص دولت کے حصول کے لیے کچھ بھی کرسکتا ہے۔ اُس نے خوف سے سوچا زرمین اور اس کی زندگی سے تو شاید عانیہ کو اتنا سروکار نہ ہوتا مگر اپنی ماں کی جان کو خطرہ میں نہیں ڈال سکتی تھی اور اب تو وہ ان سے بہت دور اس درندے کی دسترس میں مکمل طور پر تھی۔ اس پل وہ اپنے آپ کو بہت بے بس محسوس کررہی تھی۔

"آپ اپنی اولاد کو بلیک میل کررہے ہیں! کس چیز کی کمی ہے آپ کو اور کتنی دولت کی حرص ہے؟ پلیز آپ میرے والد ہیں۔ یہ سب کس لیے؟" وہ منت پر اُتر آئی تھی۔

"زیادہ لیکچر دینے کی ضرورت نہیں۔ چاہو تو آج ہی واپس جاسکتی ہو اور چاہو تو میری بات مان سکتی ہو۔ صورت حال تمہارے سامنے ہے۔ اگر یہ ڈیل تم کو منظور ہے تو میرا کام ہوتے ہی تم دونوں بہنیں اپنی ماں کے پاس جاسکتی ہو ورنہ نتائج تو میں بتا ہی چکا ہوں۔ یہ کانٹریکٹ ہی سمجھ لو۔ اس کا تمہارے اور میرے علاوہ کسی کو علم نہ ہوگا اور یہ بھی سوچو کہ ہوسکتا ہے صائم صرف تم سے افیئر ہی نہ چلائے بلکہ تم سے شادی پہ رضامند ہوجائے۔ تم اس کو دُنیا کے سامنے بے نقاب کرنے کی دھمکی دے کر شادی کے لیے مجبور بھی کرسکتی ہو۔ عقل مندی سے کام لو تو کیا نہیں ہوسکتا۔" صفدر زمان کی غلیظ باتیں عانیہ کے تن بدن میں آگ لگارہی تھیں۔ اس نے شدید نفرت سے صفدر زمان کو دیکھا۔ مگر یہ موقع اظہار کا نہ تھا۔ اب اُس کو عقل سے کام لینا تھا۔ اس کی ماں نے تمام زندگی گھٹ گھٹ کر اپنی مامتا کو مار کر عانیہ کو پالا تھا۔ اب وقت تھا کہ وہ امی کے لیے کچھ کرے۔ اُس نے اپنے چہرے کو ہر جذبے سے عاری کرکے صفدر زمان کو دیکھا۔

"چونکہ فلرٹ کرنا اور امیر لڑکوں کو اپنی محبت کے جال میں پھنسانا میری تربیت میں شامل نہیں اس لیے ضروری نہیں آپ کے مقصد میں کامیابی ہو۔" صفدر زمان نے اُس کے طنز کو آسانی سے نظر انداز کردیا۔

"صائم کی نگاہوں میں میں نے تمہارے لیے پسندیدگی کی جھلک دیکھی ہے۔ تم اس کو اپنی طرف بڑھنے کا خوب موقع دو باقی کام خود بخود ہوجائے گا۔ اپنی ماں کو فون کرکے تسلی دے دو کہ یہاں سب کچھ ٹھیک ہے۔ یہ بات ہم دونوں کے درمیان رہنی چاہیے۔" عانیہ اک نگاہِ غلط ڈالے بنا کمرے سے نکل آئی۔ اپنے کمرے میں آتے ہی اُس نے سائرہ بیگم کو فوراً فون کیا۔ جانتی تھی کہ ماں سخت پریشان ہوگی۔

"ہیلو……" فون سائرہ بیگم نے ہی اُٹھایا تھا۔ اُن کی آواز ٹھنڈی پھوار کی طرح عانیہ کے حواسوں پر پڑی۔

"امی……" جانے کتنی بے بسی تھی اس کی آواز میں۔

"عانیہ……میری جان تم ٹھیک تو ہو؟" سائرہ بیگم تڑپ اُٹھی تھیں۔ ان کو عانیہ سے یہ سب باتیں کرنی ہی نہیں چاہیے تھیں۔ وہ پچھتا رہی تھیں۔

"جی امی۔ بالکل ٹھیک ہوں۔" اُس نے جلدی سے اپنی بھرائی ہوئی آواز پر قابو پایا۔ عانیہ ان کو مزید تکلیف نہیں دے سکتی تھی۔

"عانیہ تم واپس چلی آؤ۔ اس شخص کے ارادے گھناؤنے ہیں۔ تم نہیں جانتیں اس شخص کو۔" عانیہ حیران رہ گئی۔ سائرہ بیگم نے مجبور کیا تھا یہاں آنے پہ اور اب……اپنی ماں کی مامتا پر اس کا دل بھر آیا۔ اپنے دل پر ایک بار پھر پتھر رکھ سکتی تھیں مگر اپنی اولاد پر آنچ نہ آنے دینا چاہتی تھیں۔ زندگی ایک بار پھر ان کو عانیہ کے لیے قربانی دینے پر مجبور کررہی تھی۔

مگر اب عانیہ نے فیصلہ کرلیا تھا۔ سائرہ بیگم زرمین سے ضرور ملیں گی اور اپنی حُرمت اور عصمت کی حفاظت کرنا عانیہ خوب جانتی تھی۔ اب صرف اُسے اپنے اصولوں سے جنگ کرنی تھی۔ اپنے آپ سے لڑنا تھا۔ ایک شخص کو اپنے دام میں پھنسانا تھا۔ اپنی ماں کے لیے وہ یہ بھی کر گزرے گی۔ عانیہ نے صائم کے بارے میں سوچا۔ اس وقت وہ انتہائی خودغرض ہورہی تھی۔ اسے یہ سب لوگ اپنی ماں کے گناہ گار نظر آرہے تھے۔ اُس نے خدا حافظ کہہ فون رکھ دیا۔

……☆☆☆……

"شام کے سائے اب بڑھ کر رات میں تبدیل ہوگئے تھے۔ کتنے ہی دن ہوگئے تھے اسے آئے ہوئے۔ اگرچہ دن کافی گرم تھا مگر شام سے ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ اُس نے کھڑکی سے جھانک کر لان میں ڈیکوریشن کرتے لوگوں کو دیکھا۔ کتنے ہی ویٹر اور ملازم خوب صورت پھولوں سے لان

کی سجاوٹ کررہے تھے قمقموں کی روشنی باڑ کو رنگین بنارہی تھی۔ یہ سب اُس کے لیے تھا۔ عانیہ زمان کے لیے۔

صفدر زمان کی چھوٹی بیٹی کے لیے جو برسوں بعد اُن کے گھر آئی تھی۔ ناجانے کتنے لوگوں کو بلاوا بھیجا گیا تھا۔ عانیہ نے ایک طنزیہ نگاہ باہر کام کرتے لوگوں پہ ڈالی۔

"ارے بے وقوفو یہ سب ایک دھوکا ہے، فراڈ ہے۔ کسی کی دولت حاصل کرنے کا پہلا ہتھکنڈا ہے اور مس عانیہ زمان ایک جال ہے جواس کو پھانسنے کے لیے استعمال ہوگا۔" اُس نے کھڑکی سے ہٹ کراپنے وجود کو آئینے میں دیکھا۔

"تُف ہے مجھ پر۔ اپنے مقصد کے لیے میں اتنی نیچ حرکت کا ارتکاب کرنے جارہی ہوں۔" خوب صورت کالے لباس میں مقید سراپے کو اس نے نفرت سے دیکھا۔ جب ہی دروازے پر ہونے والی دستک نے اُسے اپنے شوریدہ خیالات سے چونکادیا۔

"کون؟" اُس نے جلدی سے بالوں میں کنگھی کی۔

"وہ...... میں اندر آجاؤں" ۔ زرمین کی ہچکچاتی ہوئی آواز پر عانیہ کا ہاتھ ہوا میں ہی رُک گیا۔

"آئیں نا پلیز۔" اُس نے جلدی سے برش ڈریسنگ ٹیبل پر رکھا۔ زرمین آہستہ سے کمرے میں داخل ہوئی۔ برسوں کے فاصلے دونوں کے درمیان تھے۔

"اتنے دن سے ہم مل رہے ہیں مگر تم کچھ اُکھڑی اُکھڑی ہو۔ شاید اب بھی گلہ ہوگا کہ جس دن تم آئیں میں استقبال کے لیے موجود نہ تھی۔" زرمین کے لہجے میں شرمندگی تھی۔ آج پہلی بار اُس نے عانیہ کی آمد والے دن کا ذکر چھیڑا تھا۔

"نہیں...... ایسا کچھ بھی نہیں۔ میرے اور آپ لوگوں کے ماحول میں خاصا فرق ہے۔ ایڈجسٹ ہونے میں کچھ ٹائم لگے گا۔ کچھ پاپا سے بھی آج بات ہوئی تھی بس اس کے متعلق بھی سوچ رہی تھی۔" صفدر زمان کے لیے پاپا کا لفظ اُس کے گلے میں اٹک سا رہا تھا مگر اب یہ اداکاری ضروری ہوچکی تھی۔ زرمین نے اُسے چونک کر دیکھا۔

"کیا کہا ہے پاپا نے تم سے۔"

"ارے ایک بات تو بتائیں۔ یہ میرا ڈریس رات کے فنکشن کے لیے ٹھیک ہے۔" شاید وہ ابھی اس ٹاپک پہ بات نہیں کرنا چاہ رہی تھی۔ تبھی اُس نے موضوع بدل دیا۔

"بہت خوب صورت ہے۔" اس نے عانیہ کے لباس کو توصیفی نگاہوں سے دیکھا۔ شیفون کا کالا لباس نفیس چاندی کے ہلکے سے کام سے آراستہ تھا۔

"تم شاید تیار ہورہی تھیں۔" اس نے اندازہ لگایا۔

"بس ہوچکی۔"

"ارے چہرہ کتنا سادہ ہے۔ اس لباس کے ساتھ میک اپ ضروری ہے۔ آؤ ادھر۔" اس نے عانیہ کو زبردستی سامنے بٹھالیا۔ بڑی مہارت سے اُس کے ہاتھ عانیہ کے چہرے کو مزید نکھارنے لگے۔

"مجھے تو یہ ڈیزائن وغیرہ کچھ سمجھ نہیں آتا۔ میں تو کپڑوں کے معاملے میں بالکل اناڑی ہوں۔" عانیہ اُسے بتارہی تھی۔ زرمین کے ہاتھ لمحہ بھر کو تھم گئے۔

"کیا میں تمہاری امی جیسی ہوں۔" یاسیت بھرے لہجے نے عانیہ کو بھی افسردہ کردیا۔

"ہماری امی جیسی زرمین۔" عانیہ نے مسکرا کر بڑی اپنائیت سے بہن کا ہاتھ تھام لیا۔

"ہماری امی......" زرمین خلاؤں میں گھورتی ہوئی زیرلب بڑبڑائی۔

"کیا وہ مجھ سے ملنا پسند کریں گی عانیہ۔ مجھے یاد کیا انہوں نے کبھی؟ کیا میرے بارے میں سوچتی تھیں وہ؟" کتنی حسرت تھی زرمین کی آنکھوں میں۔ ماں کی محبت سے تشنہ یہ لڑکی کتنی غریب تھی اتنی امیر ہوکر بھی۔ صفدر زمان کا جال اُس کے گرد تنگ ہوتا جارہا تھا۔ اور وہ اس میں بے بس پرندے کی طرح پھڑ پھڑا کررہ گئی۔

"زرمین خود ان سے مل لینا۔ اپنی آنکھوں سے دیکھنا کہ امی تمام عمر تمہارے لیے تڑپتی ہی رہی ہیں۔"

"کیا ہم کبھی مل پائیں گے عانیہ۔" صفدر زمان کا سوچ کرہی زرمین کانپ گئی۔ صائم والے پلان پر وہ اب تک اس سے سیدھے مُنہ بات نہیں کررہے تھے۔ اس لیے بھی کہ زرمین نے صاف کہہ دیا تھا کہ اگر انہوں نے عانیہ کو مجبور کیا تو وہ صائم کو سب سچ سچ بتادے گی۔ جب عانیہ نے پاپا کی باتوں کا ذکر کیا تو زرمین کو شک ہوا مگر شاید پاپا نے اپنا ارادہ تبدیل کردیا تھا۔

"ارے کیوں نہیں۔ ہم دونوں ساتھ جائیں گے نا کلر کہار۔"

''مگر پاپا؟ وہ کبھی نہیں مانیں گے۔ عانیہ تم ان کو ابھی جانتی نہیں۔ وہ اپنے ارادوں کے بہت پکے ہیں......'' زرمین کے چہرے پر پریشانی کی پرچھائیاں تھیں۔

''تم امی سے ضرور ملوگی یہ میرا وعدہ ہے اور پاپا آخر میرے بھی تو پاپا ہیں۔ فکر نہ کرو۔ بس اب جلدی سے میرا میک اپ کرکے مجھے خوب صورت بنادو۔'' عانیہ نے بات کو اب مذاق کا رنگ دے دیا تھا۔

''تم کیا جانو میرے کیا مقاصد ہیں زرمین''۔ عانیہ بس سوچ کر رہ گئی اور اب جب کہ پارٹی عروج پر تھی تو وہ بوکھلائی بوکھلائی سی ہر ایک سے مل رہی تھی۔ رات گہری ہوتی جارہی تھی۔ سیٹھ مظاہر اور تابی آچکے تھے۔ مگر وہ نہیں آیا جس کا عانیہ کو بے صبری سے انتظار تھا۔

''دیکھیں عانیہ میں نے آج شلوار قمیص پہنا ہوا ہے تاکہ آپ کو میری وجہ سے شرمندگی نہ ہو۔'' تابی کی آواز نے اُسے خیالوں سے کھینچا۔

''تم واقعی بہت پیاری لگ رہی ہو۔ ویسے محترمہ اس ڈریس میں بھی آپ کا منفرد انداز ہے۔'' تابی کی بڑی گھیر دار شلوار پر مختصر سی سلیولیس قمیص اُسے الگ ہی دکھا رہی تھی۔

''بھئی اب اپنا اسٹائل بھی تو رکھنا ہے نا۔ یہ شلوار سوٹ پہن لیا ہے آج کے لیے اتنا ہی کافی ہے۔'' وہ مُنہ بسور کے بولی۔ کتنا سوچا تھا کہ عانیہ کو امپریس کرے گی۔ اُسے عانیہ بہت اچھی لگی تھی۔

''تم تو خفا ہوگئیں۔ میں نے تو تعریف ہی کی تھی۔'' عانیہ ہولے سے ہنس دی۔

''بہت پیاری لگ رہی ہو۔'' اس کے کہنے پہ تابی کِھل اُٹھی۔

''سُنو تابی کچھ پتہ ہے کہ سب مہمان آگئے کہ نہیں۔'' اب کیسے پوچھتی کہ صائم نے آنا تھا کہ نہیں۔

''بھائی کو کوئی کام پڑ گیا تھا۔ بس آتے ہی ہوں گے، البتہ اگر آپ اپنے ڈیڈ کے مہمانوں کا مجھ سے پوچھ رہی ہیں تو بھلا مجھے کیا پتا انہوں نے کس کس کو انوائٹ کیا ہے؟ میں تو خود گیسٹ ہوں نا۔'' اُس نے شرارت سے عانیہ کی بات پکڑی۔ عانیہ کھسیا گئی۔

''میں نے ان کے بارے میں کب پوچھا۔''

''کن کے بارے میں؟'' تابی اُس کو شاید تنگ کرنے کے مُوڈ میں تھی۔

''مار کھاؤ گی مجھ سے۔'' دونوں ہنس پڑیں۔

خنکی ہوا میں کچھ بڑھ گئی تھی۔ شیفون کا سوٹ اُسے سردی کا احساس دِلا رہا تھا۔ اُس نے بازو اپنے گرد لپیٹ کر سردی دور کرنے کی کوشش کی۔ یک دم کندھوں پر کسی کے کوٹ کی گرمی کا احساس اس کو محسوس ہوا۔ مردانہ پرفیوم کی مہک اس کو اپنے حصار میں لینے لگی۔ اب وہ گرم کوٹ اب اس کو حدت بخش رہا تھا۔ اُس نے گھبرا کر مڑ کر دیکھا۔ وہ گہری نظروں سے اُس کو ہی دیکھ رہا تھا۔ عانیہ پزل سی ہوگئی۔ جس کا ساری شام سے انتظار تھا اُسے یوں اپنے قریب پا کر وہ گھبرا گئی۔ اتنی خنکی کے باوجود اُس کے ہاتھوں میں پسینہ آگیا۔

''پلیز اس کی ضرورت نہیں...... یہ آپ...... آپ لے لیں۔''

''سردی بہت ہے۔'' وہ تقریباً سرگوشی میں بولا۔ اس کی نگاہوں سے وہ گھبرا رہی تھی۔ کنفیوژ ہوکر اُس نے خشک ہوتے لبوں کو زبان سے تر کیا۔

صائم کی نگاہیں اس کی جھیل سی آنکھوں سے پھسل کر اُس کے عنابی لبوں پر آٹھہری تھیں۔ ایک خاموشی تھی جو اس کے لبوں پر تھی۔ اپنے چہرے پر ٹکی نگاہیں عانیہ کو پریشان کررہی تھیں۔ ایسے میں وہ پاپا کی ہدایت یکسر فراموش کرچکی تھی۔

''آپ کا کوٹ۔'' صائم کی خاموش تکتی نگاہوں سے بچنے کے لیے اُس نے کوٹ اُتار کر اُس کی جانب بڑھایا۔ اب اس کے دودھیا بازو صائم کی نگاہوں کی زد میں تھے۔ عانیہ ہولے ہولے کانپ رہی تھی۔ وہ عجب بے خودی کے عالم میں اُسے تک رہا تھا۔

''صائم صاحب۔'' بہت ہولے سے اُس نے صائم کو پکارا۔

''مجھ سے زیادہ آپ کو اس کی ضرورت ہے۔'' صائم نے دھیرے سے کوٹ پھر اس کے کندھوں پر ڈال دیا۔ ایک بار پھر وہ اس کے وجود کی لپیٹ میں تھی۔ دھڑکنوں میں اک ارتعاش برپا تھا۔ یہ سب کیا تھا؟ یہ تو پاپا کی اسکیم کا حصہ نہ تھا۔ اُس نے حیرت سے ایک نگاہ اپنے سامنے کھڑے اس وجیہہ شخص پر ڈالی اور صائم جو صرف تجسس کے مارے اس پارٹی میں آیا تھا اب کسی سحر زدہ شخص کی مانند کھڑا تھا۔

.......☆☆☆.......

"یہ کیا ہے جو میں محسوس کر رہا ہوں؟ میں تو اس لڑکی کو جانتا تک نہیں۔ ان ساعتوں سے پہلے اُس نے عانیہ کے بارے میں سوچا تک نہ تھا سوائے انکل صفدر کی بیٹی کی حیثیت سے اور اب یوں اچانک...... اس روشن رات میں کیسے اسے مسمرائز کر رہی تھی۔ صائم کے سارے وجود میں ہلچل مچا رہی تھی۔ جیسے کوئی انجانا طوفان اُسے دھیرے دھیرے اپنی زد میں لے رہا ہو۔ وہ نا چاہتے ہوئے بھی اس طوفان میں گھرتا چلا جا رہا ہو۔ صائم نے اپنی بے خودی پر خود کو سرزنش کی۔ یہ اس ہائی سوسائٹی کا حصہ نہیں تھی۔ یہ تو کلر کہار کی رہنے والی معصوم سی لڑکی تھی۔"

"آج کی یہ حسین شام تو آپ کے نام سجائی گئی ہے۔ پھر یوں اس کونے میں تنہا کھڑے ہونے کا مقصد؟ انکل اور زرمین کو آپ کا خیال رکھنا چاہئے تھا۔" اُس نے عانیہ اور اپنے درمیان تھوڑا فاصلہ بڑھا کر مسکرا کر کہا۔

"جی...... وہ پاپا...... زرمین...... وہ اصل میں تابی ابھی میرے پاس ہی تھی۔" بوکھلاہٹ میں بے ربط سے جملے اس کے مُنہ سے نکلے۔

"اب ہم اتنے بھی اجنبی نہیں کہ آپ مجھ سے بات کرتے ہوئے یوں گھبرا جائیں۔ اس دن کتنے دھڑلے سے آپ نے مجھ سے کچن میں کام کروایا تھا۔ بھول گئیں وہ آملیٹ؟" عانیہ مسکرا دی۔ ماحول تھوڑا ہلکا پھلکا سا ہو گیا تھا۔

"بھولی نہیں۔ یاد ہے مجھے۔ آج اتنے سارے لوگ دیکھ کر شاید کنفیوژ ہو رہی ہوں۔"

"بڑی خوب صورت کنفیوژن ہے۔" صائم نے دھیرے سے سرگوشی کی۔

"جی......!" عانیہ اس کی گہری نگاہوں سے مزید کنفیوژ ہوئی۔

"آپ آج بہت......"

"ارے بھیا؟ تم آ گئے۔" تابی کی آواز پر صائم کا جملہ ادھورا رہ گیا۔

"تم تو کہہ رہے تھے کہ نہیں آؤ گے۔ کیا ڈیڈ سے ڈر گئے؟ آخر تمہارا اور ان کا مقابلہ سخت ہے۔ عانیہ کو ڈیڈ بہت پسند ہیں۔" تابی کی باتیں صائم کو سخت ناگوار گزریں۔

"فضول باتیں کرنے سے ہزار دفعہ منع کیا ہے تم کو۔" اُس نے تابی کو جھڑکا۔

"ہاں منع تو کیا تھا پر تم تو جانتے ہو میں ذرا کم ہی کسی کی بات مانتی ہوں۔" وہ مزے سے اپنے بالوں کو جھٹک کر بولی، اُسے ذرا جو بھائی کی بات کی پروا ہو اور تب صائم کی نظر اس کے کپڑوں پر پڑی۔

"تابی......! تم اور شلوار قمیص؟" اسے یقین نہ آیا۔ آج تک اُس نے اپنی بہن کو جینز یا ایسے ہی کسی اوٹ پٹانگ لباس میں دیکھا تھا۔

"پلیز بھیا اب مذاق نہ اڑانا۔ پہلے ہی میری ریپوٹیشن خطرے میں ہے۔ ویسے یہ سب ان محترمہ کی وجہ سے ہے۔ ان کو امپریس کرنے کے لیے پہنا تھا۔" وہ صائم سے لڑ ہی تو پڑی۔

"ارے بھیا کی جان...... میری بہنا تو بہت کیوٹ اور پیاری لگ رہی ہے۔ ساری پارٹی میں سب سے زیادہ خوب صورت لگ رہی ہو۔" صائم کو اپنی ننھی منی سی بہن پر ٹوٹ کر پیار آیا۔ وہ عانیہ کی ذرا سی محبت پا کر سب کچھ کرنے کو تیار ہو گئی تھی۔

"سچ بھیا؟ کیا واقعی میں اچھی لگ رہی ہوں۔" بھائی کی محبت لٹاتی نگاہیں تابی کو سرشار کر گئیں۔

"اوہ بھیا! تھینک یو...... تھینک یو سو مچ، میں ابھی زرمین آپی کو بتا کر آتی ہوں۔ یہ ڈریس انہوں نے میرے لیے ڈیزائن کیا تھا۔" وہ جلدی سے بھائی کے گال پر بوسہ دے کر لان کے درمیان بھاگی۔

"کتنا پیار تھا ان دونوں میں۔" اس نے رشک سے سوچا۔

رشتے کا سوتیلا پن بھی ان کے پیار میں کڑواہٹ نہ گھول پایا تھا۔ وہ بھیگی سی مسکراہٹ سے صائم کو دیکھے گئی۔ اس شخص کا یہ روپ اس کے لیے نیا تھا۔

"یوں نہ دیکھیں۔ کوئی غلطی ہو گئی تو قصور آپ کی نگاہوں کا ہوگا۔" صائم نے گویا اُسے تنبیہ کی۔

"عانیہ گھبرا کر ادھر ادھر دیکھنے لگی۔

"ارے بھئی آپ تو بڑی جلدی گھبرا جاتی ہیں۔" مجھے تابی بہت پیاری ہے۔ مگر اس کی اوٹ پٹانگ حرکتوں پر مجھے کبھی کبھی اس کو قتل کر دینے کا دل کرتا ہے۔" صائم کچھ اس طرح بولا کہ عانیہ کو ہنسی آ گئی۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

اس کے گال میں پڑتا ایک ننھا سا ڈمپل صائم کو اپنی طرف متوجہ کرگیا۔

"مسکراتی ہوئی بہت خوب صورت لگتی ہیں آپ۔" اُس نے جھک کر اُس کے کان میں سرگوشی کی۔

"ساتھ رہنے کا وعدہ کریں تو چند دوست احباب سے آپ کا تعارف کروادوں۔" صائم کے ذومعنی جملے نے عانیہ کو شرم سے سرخ کردیا۔

"جی......" اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ صائم مسکرا اُٹھا۔

اور عانیہ......اس کے قدم سے قدم ملا کر چلتے ہوئے صفدر زمان کے پلان کو یکسر فراموش کرچکی تھی۔ اور پھر رات کے اس آخری پہر جب تمام مہمانوں سے فارغ ہوکر وہ تھکی تھکی سی لباس تبدیل کرکے بستر پر گری تو چھم سے اُس کی تصویر عانیہ کے تصور میں اُبھر آئی۔ اُس نے مسکراتے ہوئے کسلمندی سے کروٹ بدلی اور ٹھوڑی بازوؤں پر رکھ کر لیٹ گئی۔ صائم کو سوچنا کتنا اچھا لگ رہا تھا۔ لب خود بخود مسکرانے لگے اور تب اس کو صفدر زمان کی ہدایت یاد آگئی۔

"کتنی بے وقوف تھی۔ یہ تو ایک کھیل تھا جو اس کو کھیلنا تھا۔ ایک ڈرامہ تھا جس کی وہ اداکارہ تھی۔ وہ تو فریبی اور دھوکے باز تھی۔ اس پاکیزہ محبت کا اس کو کوئی حق نہ تھا۔ اس کو فلرٹ کرنے کی ہدایت تھی۔ نہ کہ خود اس کی محبت میں گرفتار ہونا۔" وہ سوچوں کے بھنور میں ڈوبنے اُبھرنے لگی۔ کیسی بے بسی کا عالم تھا۔

"امی......!" وہ تکیے پر سر رکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رودی۔

......☆☆☆......

"تم اپنا اور میرا دونوں کا وقت ضائع کررہی ہو۔" ناگواری صفدر زمان کے لہجے سے عیاں تھی۔

"تم جتنی دیر کروگی تمہاری ماں اُتنی ہی دیر اپنی بیٹی کی جدائی میں تڑپے گی۔"

"وہ......میں......" عانیہ کے جملہ مکمل کرنے سے پہلے ہی بے جی کمرے میں داخل ہوئیں۔ عانیہ انہیں دیکھ کر خاموش ہوگئی۔ اس قدر مکروہ پلان کسی اور کو پتا چلے یہ عانیہ کے لیے ناقابلِ برداشت تھا۔

"کیا راز و نیاز ہورہے ہیں باپ بیٹی میں۔"

"بس بے جی میں عانیہ سے کہہ رہا تھا گھر بیٹھ کے وقت ضائع کررہی ہے۔ ذرا گھومے پھرے۔" صفدر زمان کی چالاکی پر عانیہ حیران رہ گئی۔

"اتنی بڑی پارٹی میں کوئی دوست نہیں بنی ہماری بچی کی؟" بے جی نے محبت سے عانیہ کو اپنے ساتھ لگایا۔

"میں بھی یہ ہی کہہ رہا تھا بے جی۔" صفدر زمان کا لہجہ پل میں بدل گیا تھا۔ "دیکھیں نا میں کتنی کوشش کررہا ہوں کہ ہم سب میں گھل مل جائے مگر اس کو پروا ہی نہیں۔" باپ کی مکارانہ گفتگو سے عانیہ کے تن بدن میں چنگاریاں سی بھڑک اُٹھیں مگر وہ نظریں جھکائے خاموش بیٹھی رہی۔

فون کی بیل نے یک دم خاموشی میں ارتعاش پیدا کیا۔ صفدر زمان نے فون اُٹھالیا تھا۔

"ارے بھئی بس تمہارا ہی ذکر کررہے تھے۔" ان کا چہرہ یک دم کِھل اُٹھا تھا۔ صائم کا جو تھا۔

"یار تم تو بالکل ہی غائب ہوگئے ہو۔ اس دن شام کو ڈنر پر بھی بس جیسے حاضری ہی لگوانے آئے تھے۔"

"بس انکل کچھ نئے کنٹریکٹ سائن کیے تھے۔ ان میں بزی ہوگیا تھا۔ اللہ کا شکر ہے اب کافی کام ہوگیا ہے تو چند دن فرصت ہے۔" صائم مسکرا کر بولا۔ کتنے دن سے وہ فون کرنے کی سوچ رہا تھا۔

"ماشاء اللہ...... برخوردار یہ بڑی اچھی بات ہے۔ بزنس تو ہم نے بھی اپنے زمانے میں کیا تھا مگر تم تو ہم سے بھی بازی لے گئے۔" صفدر زمان کی باچھیں کِھلی پڑ رہی تھیں۔ عانیہ ٹینس ہورہی تھی۔ بے جی بھی عانیہ سے نگاہیں چرا رہی تھیں۔

"ہاں ہاں......ضرور بات کرو۔ عانیہ میرے سامنے ہی بیٹھی ہے۔" اُن کی شکل پر عیارانہ سی خوشی تھی۔

"لو فون پکڑو۔" عانیہ کو اپنی جگہ جمے بیٹھے دیکھ کر صفدر زمان نے اُسے گھورا۔ ایسے مواقع روز روز کب آتے تھے۔ اپنی مڈل کلاس ذہنیت سے یہ لڑکی ان کا بھی کام خراب کرے گی۔ انہوں نے فون عانیہ کی طرف بڑھایا۔

عانیہ نے ایک چور نظر بے جی پر ڈالی جو یا تو انجان بن رہی تھیں یا پھر متوجہ ہی نہ تھیں۔ مگر ان کے سامنے کسی غیر لڑکے سے بات کرتے ہوئے عانیہ جھجک رہی تھی۔ صفدر زمان اب بھی فون اس کی طرف بڑھائے ہوئے تھے۔ چاروناچار اُس کو اُٹھنا ہی پڑا۔

"ہیلو......" اس کے گلے سے پھنسی ہوئی سی آواز نکلی۔ صفدر زمان نے اُسے بُری طرح گھورا تو اس نے جلدی سے حلق صاف کیا۔

"عانیہ؟" بھاری آواز کا سحر فون کی تاروں سے شاید اس تک پہنچ رہا تھا۔ پل بھر کو وہ کمرے میں موجود ہر شخص کو بھول گئی۔

"کون ہے بھئی؟" زرمین نے اشارے سے پوچھا تو وہ یک لخت ہوش میں آ گئی۔

"صائم!" وہ دھیرے سے بولی۔

"او......!" زرمین نے شرارت سے مُنہ گول کر کے او کہا اور چائے لے کر بے جی کے پاس ہی بیٹھ گئی۔

"آپ کے مُنہ سے اپنا نام بے حد بھلا محسوس ہوا۔" صائم کی آواز اس کے کانوں میں اُبھری۔

"جی وہ صائم صاحب......میں تو زرمین کو بتا رہی تھی۔" وہ رُک رُک کر بولی۔ تمام نگاہیں اس پر مرکوز تھیں۔ وہ بے حد گھبرا رہی تھی۔

"صاحب! صائم ہی کہیں اتنا تکلف بھی ٹھیک نہیں۔ میں تو آپ کو مس عانیہ ہرگز نہیں بولوں گا۔" وہ دھیرے سے ہنس کر بولا۔

"مگر......؟"

"بھئی دوستی کی ہے آپ سے تو بے تکلفی تو ہوگی نا۔" وہ کہہ رہا تھا۔

"دوستی؟" عانیہ پھر حیران ہوئی۔

"بھئی اس رات دوستی ہوگئی تھی نا؟ یا اس رشتے کو کچھ اور نام دے دوں۔" صائم نے اُسے چھیڑا۔

"عانیہ؟ آئی ہوپ میں نے آپ کو ڈسٹرب نہیں کیا۔ آپ کچھ بول نہیں رہیں۔" صائم شرمندہ سا ہو گیا۔

اُس دن کے بعد کب دونوں کی بات ہوئی تھی اور اب اچانک یوں اُس نے فون کر ڈالا تھا۔ یہ ان عام لڑکیوں کی طرح نہیں تھی۔ اُس کو خیال کرنا چاہیے تھا۔ صائم نے اپنے آپ کو ملامت کی۔

"آپ کو بُرا لگا یوں کال کرنا؟" عانیہ کی طرف سے خاموشی اس کو مزید شرمندہ کر رہی تھی۔

"ارے نہیں......ایسا کچھ نہیں ہے مجھے کیوں بُرا لگے گا بھلا؟" صفدر زمان کی منتظر نگاہیں اپنے وجود پر اُسے چبھتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔ مچھلی خود جال میں پھنس رہی تھی اور وہ پھر بھی جھجک رہی تھی۔ عانیہ نے طنزیہ سوچا۔ اُس نے تمام تر توجہ صائم کی طرف مرکوز کر دی۔

"آپ کچھ کہہ رہے تھے؟"

"ہوں......کیا آج میرے ساتھ شام گزاریں گی؟" اُس نے گھبرے لہجے میں پوچھا۔

"جی......وہ میں......پاپا سے پوچھ کر بتاتی ہوں۔" اس کی گھبرائی ہوئی آواز پر صائم کو بے حد پیار آیا۔ کتنی معصوم تھی۔

"ضرور پوچھ لیں۔"

"پاپا؟" جواب تو وہ جانتی تھی مگر ایک مبہم سی اُمید تھی کہ شاید باپ اپنی بیٹی کو ایک غیر مرد کے ساتھ جانے کی اجازت نہ دے۔ مگر یہ اس کی خام خیالی تھی۔ انہوں نے تو بڑی خوشی سے اجازت دی تھی۔

......☆☆☆......

ڈھلتی شام کے سائے ہر چیز کو اپنے حصار میں لے رہے تھے۔ جھٹ پٹے کے اس وقت وہ انکل مظاہر کے گھر قدم رکھ رہی تھی۔ اُس کو تیار ہونے میں زرمین نے مدد کی تھی۔ امی کا ڈیزائن کیا ہوا سُرخ لباس زرمین کو بہت اچھا لگا تھا۔ عانیہ نے بہت کہا کہ وہ اتنے گہرے رنگ نہیں پہنتی مگر زرمین کو یہ شفون کا سوٹ بہت پسند آ گیا تھا۔ اُس نے عانیہ کی ایک نہ سنی اور پھر واقعی زرمین کے ماہر ہاتھوں سے اس کا حسن کسی چاند کی مانند چمک رہا تھا۔ آئینہ میں اپنا عکس دیکھ کر پل بھر کو عانیہ بھی حیران رہ گئی تھی۔

"واؤ......!" تابی کی آواز پر عانیہ چونکی۔

"عانیہ یہ بڑی غلط بات ہے۔ میرے گھر کے مرد حضرات کے دل کافی کمزور ہیں۔ اتنے حسن کو برداشت نہ کر پائیں گے۔" وہ اس کے اردگرد گھوم کر اس کا مکمل جائزہ لیتے ہوئے بولی۔

"کیا اوور ہوگئی ہوں۔ بہت زیادہ لگ رہا ہے نا؟ میں نے کہا بھی تھا زرمین کو مگر اس نے میری سنی ہی نہیں۔" عانیہ نے پریشان ہو کر اپنے بالوں اور لباس کو چھوا۔

"ہرگز بھی نہیں۔" انکل کی آواز پر دونوں نے ان کی طرف دیکھا۔

"بہت پیاری لگ رہی ہے ہماری بیٹی۔ چلو اب اندر آ جاؤ ورنہ یہ لڑکی تم کو یوں ہی پریشان کرے گی۔" انکل کی

بات پر عانیہ کو کچھ تسلی ہوئی۔ اس گھر کی چار دیواری میں اس کو وہ تحفظ محسوس ہوتا تھا جو وہ اپنے گھر میں نہ پا سکتی تھی۔

"عانیہ تم کو اگر صائم کے ساتھ باہر جانے پر اعتراض ہے تو مجھ سے کھل کر کہو۔ ہمارے بچے مشرقیت کی قدر نہیں جانتے اور اس میں بھی ہمارا ہی قصور ہے لیکن تم اس ماحول سے مختلف ہو۔ میں تمہاری جھجک کو سمجھتا ہوں۔" ان چند الفاظ نے اس کے دل کو تشکر سے لبریز کر دیا تھا۔ وہ غیر ہو کر اس کی حیا اور مشرقیت کے محافظ بن رہے تھے اور اس کا اپنا باپ..... اس کا پور اُمنہ کڑواہٹ سے بھر گیا۔

"ڈیڈ....." صائم کی آواز پر دونوں نے اندر آتے صائم کی طرف دیکھا۔ سروقد کالے گھنے بال ترتیب سے جمے تھے پھر بھی ایک شریر لٹ بار بار اس کی کشادہ پیشانی کو چھو رہی تھی۔ لبوں پر پھیلتی دھیمی مسکراہٹ اور آنکھوں میں لرزتی چاہ اس کے چہرے کو اور وجیہہ بنا رہی تھی۔ عانیہ کی نظریں جھک گئیں مگر صائم..... وہ تو بس اک ٹک اُسے تکے جا رہا تھا۔ جس کے تصور سے وہ ایک لمحہ کو بھی پیچھا نہ چھڑا پایا تھا اور دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر فون کر بیٹھا تھا وہ اب اس کے سامنے تھی۔ جھکے جھکے نین، چہرے پر لرزتی پلکوں کی جھالر تلے چھپ گئے تھے۔ وہ اس شرمائے سہمے روپ میں کھو سا گیا۔

"بھیا.....!" تابی زور سے صائم کے کان میں چیخی۔

"کسی کو گھور کر دیکھنا بیڈ مینرز ہوتے ہیں۔" اُس کی چیخ پر صائم بُری طرح خجل سا ہو گیا۔ عانیہ سُرخ پڑ گئی۔

"ارے عانیہ! آپ تو بلش کر رہی ہیں۔ میں نے آج تک کسی لڑکی کو بلش کرتے نہیں دیکھا آپ کو پتا ہے میں بھیا کے کافی افیئر دیکھ چکی ہوں۔" اس نے مزے سے سُرخ پڑتی عانیہ پر تبصرہ کیا۔

"تابی! اِٹس ٹو مچ۔" صائم نے ہنس کر اُسے چپت لگائی۔

"عانیہ چلیں؟ اس سے پہلے کہ یہ لڑکی مزید میرے پول کھولے اور میرا امپریشن خراب کرے۔" وہ ہنس کر بولا۔

"چلیں..... کیا ہم نے کہیں جانا تھا؟" وہ حیران ہوئی۔ اُس کے ساتھ اکیلے جانے کا تو اس کو خیال بھی نہیں آیا تھا۔ لمحہ بھر کو تو من میں آیا انکار کر دے مگر پھر صفدر زمان کی آنکھیں یاد آ گئیں اور وہ کچھ بول ہی نہ پائی۔

"تو آپ کا کیا خیال تھا؟ بھیا آپ کو ڈیٹ پر اپنے گھر لائیں گے؟" تابی کی ہنسی چھوٹ پڑی۔ "کتنی انوسینٹ ہیں آپ عانیہ۔" وہ مزے سے اُسے بلش ہوتا ہوا دیکھ رہی تھی۔

"چلیں عانیہ؟" صائم نے بہن کو بالکل نظر انداز کر دیا۔ وہ انکل کی طرف دیکھنے لگی۔

"ڈیڈ؟" صائم عانیہ کی نگاہوں کا مطلب سمجھ گیا تھا۔ آج تک اُس نے باپ سے کم ہی اپنے کسی ذاتی کام میں اجازت لی تھی۔ آج عانیہ کی وجہ سے وہ خوشی سے باپ سے جانے کی اجازت مانگ رہا تھا۔ کتنا بدل گیا تھا وہ ان چند دنوں میں..... صرف ایک لڑکی کی وجہ سے۔

"اگر عانیہ کم فرٹیبل محسوس کرتی ہے تو ضرور جاؤ۔ اچھا ہے کچھ تفریح ہو جائے گی۔" مظاہر انکل کے کہنے پر وہ دونوں باہر نکل آئے۔ سمندر کے کنارے جیٹی سے خوب صورت لانچ میں قدم رکھتے ہوئے وہ ہلکا سا ڈگمگائی تو صائم نے دھیرے مگر مضبوطی سے اس کا بازو تھام کر اُسے سہارا دیا۔ ایک کرنٹ سا تھا جو عانیہ کے وجود میں دوڑ گیا تھا۔ وہ ہولے ہولے اس کے ہاتھ کا سہارا لیے لانچ میں اتر آئی۔ وہ پہلی دفعہ سمندر دیکھ رہی تھی۔

صائم خود ہی لانچ چلا رہا تھا۔ سبک رفتار لانچ میں آتی تیز ہوا بار بار عانیہ کے بالوں کو بے ترتیب کر رہی تھی۔ اُس نے انگلی سے بال گالوں سے ہٹائے۔ صائم کی نگاہیں اس پر ٹک گئی تھیں۔ سمندر کے وسط میں اُس نے لانچ روک دی تو عانیہ چونک اُٹھی۔

"آپ چائے لیں گی کہ کولڈ ڈرنک؟"

"چائے..... کولڈ ڈرنک..... یہاں؟"

"جی میرے ملازموں نے سب انتظام کر دیا تھا۔ دیکھتے ہیں کیا کیا ہے؟" صائم نے سیٹ کے پاس پڑی پکنک باسکٹ میں جھانکا۔

"چائے ٹھیک ہے۔" وہ ہولے سے بولی۔ صائم نے قدم اس کی جانب بڑھا دیے۔ چند قدم کا فاصلہ سیکنڈ میں طے کیا تھا۔ وہ اس کے بے حد نزدیک کھڑا تھا۔ ڈھلتی شام کے سائے اب رات کی چادر تلے آ گئے تھے۔ شاید چودھویں کا چاند تھا جو آسمان کے وسط میں پوری آب و تاب کے ساتھ چمک رہا تھا۔

اس کی دودھیا چاندنی عانیہ کے چہرے کا احاطہ کیے ہوئے تھی۔ صائم بے خودی میں اُس کے چہرے کے قریب جھک آیا۔

وہ اُسے بغور دیکھ رہی تھی۔ صائم نے اُس کی آنکھوں میں اپنا عکس تلاش کرنا چاہا اور جانے کیوں عانیہ کی پلکیں لرز کے جھک گئیں۔ دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ اُس نے نروس ہو کر اُڑتے بالوں کو کان کے پیچھے کرنے کے لیے ہاتھ بلند کیا مگر اُس سے پہلے صائم اُس کی اُڑتی لٹوں کو دھیرے سے اُس کے کان کے پیچھے کر چکا تھا۔ گرم ہاتھوں کا ہلکا سا لمس اُس کے چہرے کو تپش دے گیا۔ ایک ہلچل تھی جو اُس کے وجود میں مچی ہوئی تھی۔ صائم کی قربت کی گرمی اس کے وجود کو جلا رہی تھی۔ وہ گھبرا کر اُٹھ کھڑی ہوئی اور جلدی سے لانچ کے دوسرے کنارے سے جا لگی۔ چائے کا کپ اپنے ہاتھ میں دیکھ کر صائم مسکرا دیا مگر اپنے اور عانیہ کے درمیان حائل فاصلہ یوں ہی برقرار رہنے دیا۔ وہ اب اُس کی جانب پشت کیے کھڑی تھی۔ عانیہ کا من کس قدر بے چین تھا۔ آخر سب کیا تھا؟ یہ سب یوں تو نہیں ہونا تھا۔ وہ تو پاپا کی سوچی سمجھی اسکیم کے تحت آئی تھی پھر یہ سب جذبے کہاں سے اُبھر آئے تھے۔ وہ کس محبت کی وادی میں قدم رکھنے جا رہی تھی؟ کون سے سمندر کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوبنے کی خواہش مند ہو رہی تھی...... کیا تھا یہ سب...... کیوں ہو رہا تھا؟

اُس نے گھبرا کر اپنے اردگرد کے ماحول میں سکون تلاش کرنا چاہا۔ حدِ نگاہ تک پھیلے وسیع اور گہرے سمندر کی لہروں پہ ناچتی روشنی اسے اپنے گلگت کے گھر کی چھوٹی سی جھیل کی یاد دلا گئیں۔ کتنا اپنا اپنا سا لگا تھا یہ منظر۔

ایک اداس اور معصوم سی مسکراہٹ اس کے عنابی لبوں پر رقص کرنے لگی۔ ایسے میں وہ صائم کی تمام تر توجہ کا مرکز تھی۔ وہ بنا کسی آہٹ کے، اُس کے پاس چلا آیا۔ عانیہ نے اُس کے وجود سے بکھرتی پرفیوم سے اُس کی موجودگی محسوس کر لی تھی مگر اُس کی طرف دیکھنے کی ہمت نہیں ہوئی اُس کا ہولے ہولے کانپتا وجود صائم کی نگاہوں کے حصار میں تھا۔ عانیہ حیران سی تھی۔

''کیا تھا اس شخص کی قربت میں کہ وہ ہر چیز بھول جاتی ہے۔'' اُس کی سانسوں کا زیر و بم صائم بخوبی سن سکتا تھا۔ اُس نے بہت آہستگی سے عانیہ کا جھکا چہرہ انگلی سے اُوپر کیا۔

''کیا ہم کو محبت ہوگئی ہے عانیہ؟'' ایک خوب صورت سرگوشی عانیہ کے کانوں سے ٹکرائی۔ چہرہ اب تک اس کی انگلی کو محسوس کر رہا تھا۔ عانیہ کی سانس حلق میں اٹکی۔ اُس نے پلکوں کی باڑ اُٹھا کر صائم کی آنکھوں میں دیکھا۔ کتنا سحر تھا اس کی آنکھوں میں۔ عانیہ مسمرائز سی ہوگئی۔ عنابی لب تھرتھرا رہے تھے۔ صائم کی نگاہ اُس کی آنکھوں سے پھسل کر اُس کے لبوں پر آٹھہری۔ صائم نے اپنی انگلی اُس کے لبوں کے گداز کو چھونے کے لیے بڑھائی۔ وہ گھبرا کر ایک قدم پیچھے ہٹی۔ صائم نے مسکرا کر ہاتھ کھینچ لیا۔ عانیہ کے ہاتھ ٹھنڈے ہو رہے تھے۔ پریشانی سے انگلیاں مروڑتی یہ معصوم سی لڑکی اس کے من میں اُترتی چلی گئی۔

صائم نے خود ہی اُس کا ہاتھ دبا کر چھوڑا اور اپنے جذبات کی شدت پر قابو پانے کے لیے اُس نے اپنا رُخ موڑا۔ نگاہ جوبن پر چمکتے چاند پر گاڑ دی تھی۔ وہ دونوں اپنی اپنی جگہ خاموش تھے۔ وقت کتنا بیت گیا وہ جان ہی نہ پائے۔ عانیہ اس کی مضبوط پشت دیکھ رہی تھی، اُس نے اپنی سانس بحال کرنے کی کوشش کی۔ اپنے سانسوں کے زیر و بم میں اُسے لہروں کا شور سُنائی دے رہا تھا۔ یہ کیسا جذبہ تھا جو اس کے دل میں اتنی قوت سے سر اُبھار رہا تھا۔ وہ ان اَن کہے جذبوں کی یورش سے گھبرا اُٹھی۔

کیا یوں بھی پیار ہو جاتا ہے...... پل بھر میں...... وہ کچھ سمجھنے سے قاصر تھی۔

''کیا ہم کو محبت ہوگئی ہے؟'' صائم کا جملہ اُس کے کانوں میں بازگشت کر رہا تھا۔ اُس نے پھر صائم کی جانب دیکھا۔ وہ اب بھی اس سے رُخ موڑے کھڑا تھا۔ چہرے کا آدھا حصہ عانیہ کی نگاہوں میں تھا۔ سچے جذبے اُس کے چہرے کو الوہی نور بخش رہے تھے۔ عانیہ کو یک لخت اپنا پلان یاد آیا اُس کو اپنا آپ بے حد پستی میں گرا ہوا محسوس ہوا۔

''اگر مجھے محبت ہے بھی تو میرا مقصد اتنا گھناؤنا بنا دیا گیا ہے کہ میں اب یہ پیار کرنے کی جرأت بھی نہیں کر سکتی۔''

''واپس چلیں؟'' اُس نے گھبرا کر صائم کو پکارا۔

صائم نے پلٹ کر ایک گہری نگاہ اس کے سراپا پہ ڈالی۔ اُس کی آنکھوں سے چھلکتا پیار اُس کو شرمندہ کر گیا۔ وہ اس مخلص شخص کو پیار کی آڑ لے کر ایک گندے جال میں پھنسانا چاہتی تھی۔ وہ جو اس کو پا لینے کی قوت رکھنے کے باوجود اس سے اتنا دور کھڑا تھا۔ نہیں...... وہ کسی بھی قیمت پر اس کو دھوکا نہیں دے سکتی تھی۔

''واپس چلیں؟'' اس کی آواز میں کپکپاہٹ تھی۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

"چند پل کو ٹھہر جاؤ عانیہ۔" جانے کیا تھا اس لڑکی میں کہ وہ چند دنوں میں ہی اس سے دوری کا تصور بھی نہیں کر پا رہا تھا۔

"نہ جانے یہ پل پھر ہماری زندگی میں آئیں نہ آئیں۔ میں ان ساعتوں کو یوں ہی کیسے ضائع کردوں۔ آج میں تم سے بہت کچھ کہنا چاہتا ہوں۔" وہ ہنوز اُسے ہی دیکھے جارہی تھی۔

"یہ تو نہیں کہتا کہ تم سے پہلے میری زندگی میں کوئی لڑکی نہیں آئی۔ ہاں یہ ضرور وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ مجھے پیار کبھی نہیں ہوا۔ تم سے ملا تو ایک انجانا سا احساس ہوا اور تم کو پا لینے کی خواہش بار بار من میں اُٹھتی ہے۔ مجھے معلوم ہے یہ سب تم کو عجیب لگے گا۔ چند دنوں کی ملاقات اور میں تم سے پیار کا دعوا کررہا ہوں۔ اگر یہ پیار نہیں تو کیا ہے؟ مجھے کچھ بھی معلوم نہیں۔ بس اتنا جانتا ہوں کہ ہر پل تم کو سوچا ہے میں نے ان چند دنوں میں۔ تم کو سب سے چھپا کر ہر مشکل ہر پریشانی سے دور رکھنا چاہتا ہوں۔ تمہارے ساتھ عمر گزارنا چاہتا ہوں۔" صائم بول رہا تھا اور عانیہ مسمرائز سی سن رہی تھی۔

"اُس دن تم کو اپنے گھر میں دیکھا تو ہمیشہ تمہارا وجود وہاں دیکھنے کی خواہش دل میں جاگ اُٹھی۔ تمہارے وجود نے ہم تینوں کو دوبارہ ایک پیار کی ڈور میں باندھ دیا تھا۔ اس دن ہم سب بڑے عرصے کے بعد یوں محبت بھرے ماحول میں اکٹھے ہوئے تھے۔ عانیہ میں تمہارا یہ پیار، یہ حسن سب سمیٹ لینا چاہتا ہوں۔ میں لالچی ہوگیا ہوں شاید۔ تمہارے پیار کا لالچی۔" اس کی جذبات سے بھری آواز عانیہ کا دل چیر کر رکھ گئی۔ اُس کے معصوم، پاکیزہ جذبات کے آگے اسے اپنی چاہت ایک غلیظ گھناؤنی چال لگ رہی تھی۔ وہ بُری طرح گھبرا گئی۔

"پلیز صائم...... واپس چلیں نا...... دیکھیں رات کتنی ہوگئی ہے۔ ہم دونوں یوں اکیلے...... ٹھیک نہیں لگتا اور پاپا بھی بے حد خفا ہوں گے۔" ایسے میں اُس کی زبان اس جھوٹ پر لڑکھڑا سی گئی۔

"ہاں...... ہاں...... بس چلتے ہیں۔" صائم نے اُس کی گھبراہٹ کو محسوس کیا تو جلدی سے اپنے آپ کو سنبھالا۔ صفدر زمان کو وہ اچھی طرح جانتا تھا۔ اُن کو ہائی سوسائٹی کے تمام کھیل اور پینترے آتے تھے۔ البتہ عانیہ کوئی تیز طرار الٹرا ماڈرن لڑکی نہ تھی۔ اُس کا سُرخ چہرہ اور آنکھوں میں گھبراہٹ اس کی حالت کا پتا دے رہی تھیں۔

"اپنے جذبات پر مجھے قابو رکھنا ہوگا۔" اُس نے اپنے آپ کو سرزنش کی۔ وہ اس حیا کے پیکر کو کبھی بھی پریشان نہیں دیکھنا چاہتا تھا۔

صائم نے ایک پیار بھری نگاہ اس کے معصوم چہرے پر ڈالی اور واپسی کے لیے انجن اسٹارٹ کردیا۔

......☆☆☆......

فون کے اردگرد منڈلاتے صائم کو تابی معنی خیز نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔ بھائی کی بے چینی پراُسے حیرت کے ساتھ ساتھ ہنسی بھی آرہی تھی۔ یہ اس کا ہی بھائی تھا نا صائم؟ وہ شخص جس نے عورت کو ہمیشہ وقتی تفریح سمجھا اور آج وہ شخص جس کی مردانہ وجاہت پر اُس کی دولت اور اسٹیٹس پر ہزاروں اُمرا کی بیٹیاں مرتی تھیں وہ شخص آج ایک چھوٹے سے شہر کی ایک معصوم سویٹ سی لڑکی سے ہار گیا تھا۔ اس کا دیوانہ ہوگیا اور وہ بھی اتنی تھوڑی سی مدت میں۔ تابی سوچے جارہی تھی۔

"عانیہ سے پہلے ہم عورت ذات کے مقدس وجود سے بے بہرہ تھے۔ ہم دونوں کی مائیں ہی ہمارا معیار تھیں۔ مگر عانیہ...... وہ ان دونوں عورتوں سے مختلف ہے۔ اس کا پیار اس کی معصومیت ہم سب کو سنبھال لے گی۔ ہم سب کو یکجا کردے گی۔ یہ مکان نہیں گھر بن جائے گا۔" تابی شاید زندگی میں پہلی بار اس طرز سے سوچ رہی تھی۔ اُس کو خود پر بھی حیرت ہورہی تھی۔

"بھیا یہ تم فون کے گرد منڈلا کیوں رہے ہو؟" وہ ٹی وی کا ریموٹ ہاتھ میں لے کر چینل بدلتے بولی۔

"تم اپنے کام سے کام رکھو۔ ہر معاملے میں دخل دینا ضروری نہیں۔" صائم اسے کھانے کو دوڑا۔ وہ اس شام کے بعد کئی دفعہ عانیہ سے اکیلے میں ملا تھا۔ اگرچہ وہ ہمیشہ اس کے ساتھ چلی آتی تھی۔ اس کی آنکھوں میں صائم نے اپنے لیے پسندیدگی بھی دیکھی تھی مگر پھر بھی ایک عجیب سا احساس صائم کو ہمیشہ تنگ کرتا تھا جیسے یہ سب وہ محسوس کرنا نہیں چاہتی۔ کیا تھا جو اُسے صائم کی طرف بڑھنے سے روک رہا تھا۔ وہ سمجھنے سے قاصر تھا۔ صفدر زمان کی ان کو پوری اجازت حاصل تھی اور اس کے

ڈیڈ کا تو بس نہیں چلتا تھا کہ جتنی جلدی ہو سکے عانیہ کو اپنی بہو بنالیں۔ مگر عانیہ کا گریز اُس کی سمجھ سے باہر تھا۔ اُس نے پریشانی سے اپنے بالوں میں انگلیاں پھیریں۔

"ویسے بھیا عانیہ کو جلد اپنالو مجھے تو خیر وہ بھابی کے روپ میں بہت پسند ہے۔" اُس کے سب گھر والے بے چین تھے کہ کب عانیہ اُن کے گھر کو محبت سے بھر دے۔ وہ ہولے سے مسکرا دیا۔

"میں اس سے جلد ہی دوٹوک بات کروں گا۔" اُس نے کہا۔

......☆☆☆......

"اس ڈرامے کو کافی دن گزر گئے ہیں میرے خیال میں اب ہمیں مچھلی پکڑنے میں زیادہ وقت نہیں ہوگی۔" صفدر زمان کے سطحی جملے نے عانیہ کو کوفت میں مبتلا کر دیا تھا۔

"تمھارا کیا خیال ہے؟ مجھے تو لگتا ہے کہ وہ پوری طرح تمہاری محبت کے فریب میں پھنس چکا ہے۔ یوں کرو کچھ بہانہ کر کے اس دفعہ جب تم اس کے ساتھ جاؤ تو رات اس کے پاس ہی رُک جانا۔" صفدر زمان کی بات پر عانیہ نے بُری طرح چونک کر باپ کو دیکھا۔

"پاپا......!" وہ چیخ ہی اُٹھی تھی۔

"آپ کو ذرا بھی اندازہ ہے آپ کیا کہہ رہے ہیں؟" اُس کو یقین نہیں آرہا تھا کہ یہ شخص اس کا باپ ہے۔ وہ تو کوئی بازاری آدمی لگ رہا تھا۔ عانیہ کو اس سے بہت کراہیت آئی۔ مگر کیا کرتی ماں کی سسکیاں کانوں میں گونجنے لگتی تھیں۔ جب جب اس نے اس دھوکے کی دُنیا سے بھاگنے کا سوچا ماں کے دل کا ناسور ان کی سسکیاں عانیہ کے قدم روک دیتی تھیں۔

"ایک تو میں تمہاری اس مڈل کلاس ذہنیت سے تنگ ہوں۔ میں نے یہ کب کہا کہ تم کچھ غلط کرو۔ بس رات کی تو بات ہے۔ بس پھر اس کو شادی کرنی ہی پڑے گی اور شادی نہ بھی کرے تو ہم اُس سے بہت کچھ ڈیمانڈ کر سکتے ہیں۔"

"وہ پاگل ہے جو بنا کسی وجہ کے بلیک میل ہوگا۔" اُس نے دل میں سوچا۔

عانیہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ کوئی باپ اپنی بیٹی سے اس قسم کی گری ہوئی گفتگو بھی کر سکتا تھا۔ وہ اُٹھ کر کمرے سے باہر آ گئی۔

......☆☆☆......

"تم اب بھی اس دو ٹکے کے لڑکے سے مل رہی ہو۔" کھانے کی ٹیبل پر صفدر زمان کی آواز نے سب کو ان کی طرف متوجہ کر دیا۔ زرمین ہنوز سر جھکائے کھانا کھاتی رہی۔

"زرمین میں تم سے بات کر رہا ہوں۔"

"جی مجھے معلوم ہے۔" وہ کھانے میں مگن ہی رہی۔

"تو کیا جواز ہے تمہارے پاس؟"

"مجھے کسی سے ملنے یا دوستی کرنے کے لیے جواز کی ضرورت نہیں۔"

"ضرورت ہے۔ جس ٹھاٹھ باٹ کی تم عادی ہو جانتی ہو نا پل بھر میں تم سے چھینا جا سکتا ہے؟" صفدر زمان کی آواز میں دھمکی تھی۔

"پاپا پلیز وہ مجھے پسند ہے۔" زرمین اب کچھ پریشان سی نظر آرہی تھی۔ عانیہ نے اُس کو غور سے دیکھا۔

"کیا زرمین پیسے کے پیچھے اپنے پیار کو چھوڑ سکتی تھی؟" اُس نے حیرت سے سوچا۔

"زرمین یہ سب پہلے بھی ہو چکا ہے۔ تم نے صائم کو نہ اپنا کر بڑی غلطی کی مگر میں نے تم کو معاف کر دیا۔ اب یہ بے وقوفی میں ہرگز برداشت نہیں کروں گا۔"

"پاپا وہ ڈاکٹر ہے۔" زرمین نے ہلکا سا احتجاج کیا۔

"ہاں ہے......ایک فضول سے کلینک کا چھوٹا سا ڈاکٹر۔ وہ ہماری برابری نہیں کر سکتا۔ اگر تم چاہتی ہو کہ مزید آسائشیں تم سے چھین نہ لی جائیں تو اُس لڑکے سے پیچھا چھڑاؤ ورنہ نا صرف میں تمہارا دماغ ٹھکانے لگا دوں گا بلکہ اس لڑکے کا مستقبل بھی خراب ہو جائے گا۔" صفدر زمان دھمکی دے کر اٹھ گئے۔ عانیہ ہکا بکا یہ سب دیکھ رہی تھی۔ بے جی اُٹھ کر زرمین کے پاس آئیں اور اس کا سر سینے سے لگا لیا۔

"آخر آپ یہ کیوں برداشت کر رہی ہیں زرمین۔" عانیہ سے رہا نہ گیا تھا۔

"تم پاپا کو نہیں جانتیں عانیہ۔" وہ روتی ہوئی کمرے سے بھاگ گئی۔

"اگر یہ اپنا پیار چھوڑ سکتی ہے تو امی سے کیسے ملے گی صفدر زمان کی مرضی کے خلاف۔" عانیہ نے دُکھ سے سوچا۔

"مجھے جلد سے جلد صائم کو اس فریب کے جال میں پھنسانا پڑے گا۔" تلخی اور رنج سے اس کا حلق تک کڑوا ہو گیا۔

وہ بھی ادھورا کھانا چھوڑ کر اُٹھ گئی۔ اب اُس کو صفدر زمان کے اشاروں پر ناچنا تھا۔

......☆☆☆......

''تم فوراً واپس چلی آؤ'' سائرہ بیگم نے پھر اپنا حکم دُہرایا۔ آج ہفتہ ہو چلا تھا وہ روزانہ عانیہ کو واپس بلاتی تھیں۔ آج تو انہوں نے فیصلہ کرلیا تھا کہ اُس کو واپس آنے پر مجبور کر کے رہیں گی۔

''بس امی چند دن اور کام تقریباً پورا ہو چکا ہے۔'' عانیہ کی صائم سے ملاقاتیں بڑھتی جارہی تھیں۔

''عانیہ! کیا کررہی ہو تم۔ میں نے تمہاری تربیت ایسی ہرگز نہ کی تھی۔''

''امی! کیا آپ کو مجھ پر اعتماد ہے؟ آپ کی بیٹی ایسا کچھ نہیں کرے گی جس سے اُس کی عزت پر آنچ آئے۔''

''وہ تو ٹھیک ہے عانیہ مگر تم خود کو ہرٹ کرلو گی میری جان۔''

''بس امی کچھ دن کی بات ہے۔ میں اور زرمین اکٹھے واپس آئیں گے۔'' عانیہ نے مزید بات کیے بغیر فون رکھ دیا۔

......☆☆☆......

موبائل اسکرین پر عانیہ کا نام دیکھ کر صائم کے لبوں پر خوب صورت سی مسکراہٹ دوڑ گئی۔

''یہ کیوں مسکرایا جارہا ہے اکیلے اکیلے؟'' تابی آج کل اس کے سر پر سوار رہتی تھی صائم نے اس کو نظر انداز کر کے پشت اس کی طرف کرلی۔

''ہیلو'' عانیہ کی مدھم سی آواز صائم کو نقرئی گھنٹیوں کی طرح محسوس ہوئی۔ پھر اپنے ان عجیب سے شاعرانہ خیالات پر اُسے ہنسی آگئی۔

''کیسی ہیں آپ۔'' وہ خوب صورت بھاری آواز میں پوچھ رہا تھا۔ عانیہ کا دل اُس کی آواز پر زور سے دھڑکا۔ ڈھیروں شرم اُس کے چہرے پر لالی بن کر بکھر گئی مگر اُس کو شرم سے نہیں بے حیائی سے کام لینا تھا۔

''آپ یاد آرہے تھے۔'' بمشکل الفاظ اُس کے مُنہ سے نکلے۔ اُس کا دل کیا کہ وہ شرم سے مرجائے مگر یہ سب اُسے کرنا تھا۔

''زہے نصیب!'' صائم کو یقین نہیں آیا کہ یہ عانیہ ہی ہے۔ اتنے ڈھیر سارے لمحے ساتھ گزارنے کے باوجود وہ آج تک خاموش ہی رہی تھی۔ صائم ہی بولتا تھا اور وہ حیا سے سُرخ ہوتا چہرہ لیے سنتی رہتی تھی۔ بہت دفعہ صائم اس کی حالت دیکھ کر گفتگو کا رُخ عام باتوں کی طرف موڑ دیتا تھا۔ آج کا یہ لہجہ اُس کے لیے نیا تھا۔ وہ اُٹھ کر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

......☆☆☆......

''آپ نے پاپا کی بات کیوں مانی؟'' عانیہ کی آواز پر خیالوں میں ڈوبی زرمین نے چونک کر اُسے دیکھا۔ عانیہ کو اس پر ترس آرہا تھا۔

''میں بے بس ہوں۔''

''کیا چاہیے آپ کو جس کے لیے آپ اپنی چاہت اپنا پیار تک چھوڑنے کو تیار ہیں؟'' عانیہ کو زرمین کی خودغرضی پر غصہ آرہا تھا۔

''تم نہیں سمجھوگی عانیہ۔ بات کچھ ملنے نہ ملنے کی نہیں ہے۔ بس یوں سمجھ لو کہ میں جن آسائشوں میں پلی بڑھی ہوں ان کو نہیں چھوڑ سکتی۔''

''اگر امی کے پاس جانے کے لیے یہ سب چھوڑنا پڑا تو؟'' عانیہ اپنا خدشہ زبان پر لے ہی آئی۔

''کیا وہ مجھ سے ملنا پسند کریں گی عانیہ؟'' الٹا زرمین نے اُس سے سوال کر ڈالا۔ بے یقینی کے سائے اُس کی آنکھوں میں لرز رہے تھے۔ بچپن کی محرومی اس کی ہچکچاہٹ سے ظاہر تھی۔ جانے صفدر زمان نے زرمین کو تمام عمر ماں کے خلاف کیا کیا بھڑکایا ہوگا۔

''زرمین امی تم سے ملنے کے لیے تمام عمر تڑپتی رہی ہیں۔'' عانیہ نے دل سے اُسے یقین دہانی کرانا چاہی۔ زرمین خاموش آنسو بہاتی رہی لیکن زرمین نے اس کے سوال کا جواب نہیں دیا تھا کہ وہ اپنی ماں کے لیے یہ آسائش چھوڑ سکتی ہے یا نہیں؟ اور جواب تو اس کے گریز سے ہی ظاہر ہوگیا تھا۔

''تو کیا میرے پاس کوئی راہ نہیں کہ میں صائم کو جسے میں نے ٹوٹ کر چاہا ہے دھوکا دیے بنا زرمین کو امی سے ملوا دوں۔'' عانیہ نے پریشانی سے لب دانتوں تلے کچلے۔

......☆☆☆......

''آنٹی آخر آپ اتنی پریشان کیوں ہیں۔ عانیہ آپ کی

بیٹی ہے۔ آپ کو اس پر مکمل اعتماد ہونا چاہیے۔" یاسر کب سے سائرہ آنٹی کو سمجھا رہا تھا۔

"مجھے عانیہ پر کوئی شبہ نہیں مگر وہ ایک جذباتی لڑکی ہے۔ تمام زندگی اُسے میری فکر رہی ہے اور میں صفدر کو بھی بہت اچھی طرح جانتی ہوں۔ وہ ایک مکار انسان ہے۔ وہ عانیہ کی اس کمزوری کا فائدہ اُٹھا رہا ہے۔ میں جانتی ہوں کہ زرمین کو گلے لگانے کی تمنا میری زندگی کی سب سے بڑی تمنا ہے مگر اپنی خوشی کے لیے میں عانیہ کی قربانی نہیں دے سکتی۔" سائرہ سخت پریشان تھیں۔ ان چند ماہ میں وہ عانیہ کو متعدد بار یہ باور کروانے کی کوشش کر چکی تھیں مگر وہ تو جیسے قسم کھائے بیٹھی تھی کہ واپس آئے گی تو زرمین کو ساتھ لے کر ہی آئے گی۔

"یاسر! مجھے آئے دن صفدر کے دھمکی بھرے فون آتے رہتے ہیں کہ اگر میں نے عانیہ کو اس پلان پر عمل کرنے کے لیے مجبور نہ کیا تو وہ ہم سب کو تباہ کر دے گا۔" سائرہ بیگم اس روز روز کی ٹینشن سے تنگ آ گئی تھیں۔ اندر آتی ملائکہ کی نظر یاسر پر پڑتے ہی اس کا موڈ آف ہو گیا۔

"آنٹی چائے لیں۔" اُس نے یاسر کو مکمل نظر انداز کرتے سائرہ بیگم کے ہاتھ میں چائے کی پیالی تھما دی۔ ہلکے فیروزی شلوار سوٹ پر چُنا ہوا دوپٹہ لیے وہ بے حد کیوٹ لگ رہی تھی۔ یاسر نے دلچسپی سے اُسے دیکھا۔

"کیا ہے؟" وہ پھاڑ کھانے والے انداز میں یاسر سے بولی۔

"چائے کا تو بہانہ ہے ورنہ آپ ہماری باتیں سُننے آئی ہیں نا؟" یاسر کو جانے کیا سوجھی جو اُسے چھیڑ بیٹھا تھا۔ سائرہ بیگم نے بھی حیرت سے یاسر کو دیکھا۔

"کیا! آپ کیا سمجھتے ہیں اپنے آپ کو؟ کوئی گلفام ہیں کیا؟" ملائکہ کے تلووں سے لگی سر پر بجھی۔ یاسر لبوں پر آئی ہنسی کو دبا گیا۔

"یہ تم کو کیا سوجھی؟" سائرہ بیگم پریشانی میں بھی ہنس پڑیں۔

"چلیں کم از کم آپ کے ہونٹوں پر تو ہنسی آئی۔" یاسر مسکرا کر بولا۔

"چلو جاؤ اب اس کا موڈ صحیح کرو خوامخواہ اُس کو ناراض کر دیا۔" سائرہ بیگم نے مسکرا کر یاسر کو سرزنش کی۔

وہ لاؤنج میں مُنہ پھلائے میگزین دیکھ رہی تھی۔ شاید اُس کے جانے کا انتظار کر رہی تھی۔ وہ خاموشی سے اُس کے پاس جا کر بیٹھ گیا۔

"آپ......؟" ملائکہ نے حیرت سے یاسر کو دیکھا۔ موڈ مزید آف ہو گیا تھا۔

"چلو چائے پیتے ہیں۔" یاسر نے اس کے ہاتھ سے میگزین لیا۔

"کوئی ضرورت نہیں مجھے آپ کے ساتھ چائے پینے کی۔" اُس نے میگزین واپس اُٹھایا اور پڑھنے کی ایکٹنگ کرنے لگی۔ یاسر نے ہاتھ بڑھا کر میگزین دوبارہ پکڑنے کی کوشش کی۔

"نہ کریں!" وہ غصے سے بولی۔

"الٹا پکڑا ہوا ہے۔ میں سیدھا کر رہا تھا تاکہ پڑھنے میں زیادہ دقت نہ ہو۔" لبوں میں مسکراہٹ دبا کر وہ مزے سے بولا۔

"آپ...... آپ مجھ پر ہنس رہے ہیں؟" کھسیا کر اُس نے میگزین میز پر دے مارا۔

"اب آپ مجھ پر الزام لگائیں گے کہ میں آپ کو اپنی طرف متوجہ کرنا چاہتی ہوں۔ مجھے آپ کی قربت درکار ہے۔ مگر مسٹر یاسر غور سے سُن لیں میں تو......" یاسر نے تیز تیز بولتی ملائکہ کا ہاتھ دھیرے سے تھام لیا تو اس کی بولتی بند ہو گئی۔ دل یک بارگی زور سے دھڑکا۔

"تم کو نہیں پر مجھے تو درکار ہے۔"

"جی......؟" وہ غصے میں کھڑی ہو گئی۔ اُس نے تیزی سے اُٹھتی ملائکہ کی کلائی تھام لی مگر ملائکہ کو یاسر کے اس جملے پر اور غصہ آ گیا تھا۔

"ہاتھ چھوڑیں میرا۔" ملائکہ نے یاسر کو گھورا۔

"پلیز ملائکہ ناراض مت ہو میرا مقصد تم کو ہرٹ کرنا ہرگز نہ تھا۔" یاسر نے ہولے سے اس کا ہاتھ چھوڑا کچھ تھا اس کے لہجے میں۔ ملائکہ نے ایک کھوجتی نگاہ اُس کے چہرے پر ڈالی۔

پانیوں سے بھرے نینوں میں یاسر جیسے ڈوب سا گیا۔ عجیب تھا نا...... کہ جس لڑکی کو بچپن سے دیکھتا آیا اس سے چڑتا تھا جانے کون سے پل میں بالکل اپنی اپنی لگنے لگی تھی۔ وہ اُسے دیکھے جا رہی تھی۔

"یوں دیکھو گی تو ان آنکھوں میں ڈوب جاؤں گا۔" وہ

مسکرا کر بولا تو ملائکہ کی حیرت دوگنی ہوگئی۔ اب تو اُسے یقین ہو چلا تھا کہ ہونا ہو یاسر اُس کا مذاق اُڑا رہا۔

"بہت ہوگیا یاسر! میں اتنی بے وقوف نہیں کہ آپ کی ان عجیب وغریب باتوں کو سچ سمجھ لوں۔" وہ تیزی سے بولی۔

"ویسے تم بھی صحیح ہو، مجھے تو خود حیرت ہورہی ہے۔ تم کافی بدتمیز، رُوڈ اور پاگل لڑکی ہو۔" یاسر نے اب کے رعب سے اس کا ہاتھ پکڑ کر دوبارہ بٹھا دیا۔ وہ بھی چپ سی ہوگئی۔ وہ جب بھی یوں رُعب جماتا تھا ملائکہ کی بولتی بند ہوجایا کرتی تھی۔

"میں جانتا ہوں یہ سب اچانک ہوا ہے اور سچ پوچھو تو میں خود اب تک حیرت میں ہوں۔ تم جو مجھے بچپن سے تنگ کرتی آئی ہو...... کیسے یوں میرے حواسوں پر چھا گئی؟ آج تو مجھ سے برداشت ہی نہیں ہوا کہ تم مجھ سے ناراض رہو، ان آنکھوں میں آنسو اور وہ بھی میری وجہ سے؟ نہیں ملائکہ مجھے بتاؤ یہ سب کیا ہے؟ میں کیا کروں۔" اور ملائکہ وہ سب حیرت سے سُن رہی تھی۔ کتنا پیار تھا یاسر کے لہجے میں۔ کیسے نہ اعتبار کرتی۔

ساری زندگی اس شخص کو دل میں چاہا تھا اُس نے مگر وہ ہمیشہ بے رُخی سے پیش آتا تھا۔ ہمیشہ اس کو ہرٹ کردیتا تھا اور ردِعمل میں وہ بھی اُسے خوب تنگ کرتی تھی مگر آج...... ایک خوب صورت سی مسکراہٹ اس کے لبوں پر دوڑ گئی۔

"تم نے جواب نہیں دیا ملائکہ میں کیا کروں؟" یاسر اُس کی مسکراہٹ دیکھ چکا تھا۔

"اپنے دماغ کا علاج کروائیں۔" وہ سُرخ پڑتا چہرہ لیے ہنستی ہوئی کلائی چھڑا کر بھاگ گئی۔

......☆☆☆......

مردانہ پرفیوم کی مہک تمام کمرے میں پھیل گئی۔ سیٹھ مظاہر اور تابی نے چونک کر لاؤنج کے دروازے کی جانب دیکھا۔ صائم اپنی تمام تر وجاہت سمیت تیار کھڑا تھا۔

"کہیں جارہے ہو۔" سیٹھ مظاہر نے پوچھا۔

"جی...... ذرا عانیہ سے ملنے جارہا ہوں۔" عجلت میں جواب دیتا وہ کمرے سے نکل گیا۔

عانیہ باہر لان میں ہی بیٹھی نظر آگئی تھی۔ وہ جانے کن سوچوں میں گم تھی۔ چہرے پر تناؤ سا تھا۔

"ہیلو۔" اُس کی بھاری آواز پر عانیہ نے چونک کر اُسے دیکھا۔ چہرہ یک دم سُرخ پڑ گیا۔

"عانیہ ایسی کون سی سوچیں ہیں جو تم کو پریشان کررہی ہیں۔" وہ بہت پیار سے پوچھنے لگا۔

اب کیا بتاتی کہ صفدر زمان نے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ اگر ایک دو دن تک صائم کی طرف سے رشتہ نہ آیا تو اچھا نہ ہوگا۔ وہ اپنی محبت کھری ہونے کے باوجود اُس سے دولت کی ڈیمانڈ کرنے پر مجبور تھی۔ اور یہ اس سے ہو ہی نہیں رہا تھا۔ ورنہ صائم تو اس کے ایک اشارے کا منتظر تھا۔ آج اُسے کچھ کرنا ہی تھا۔

"سنو...... کہیں باہر چلتے ہیں۔"

"کہاں......؟" اس نے غائب دماغی سے پوچھا۔

"جہاں چند لمحے آرام سے بات ہوسکے۔" صائم بولا۔

"چلیں۔" اس نے بھی تو آج صائم سے بات کرنے کا فیصلہ کرلیا تھا۔

"عانیہ کیا ناراض ہو۔" اُس کے تاثرات اور سنجیدگی صائم کو اپ سیٹ کررہی تھی۔

"ایسی تو کوئی بات نہیں۔" گاڑی میں بیٹھ کر اُس نے جواب دیا۔

ساحلِ سمندر پر آکر یوں صائم کے سنگ دھیرے دھیرے پاؤں سے ٹکراتی لہروں کا احساس کتنا اچھا لگ رہا تھا۔ کاش یہ لمحے ٹھہر جاتے۔ ہمیشہ کے لیے۔ دل نے انہونی خواہش کی۔

اپنے ہاتھ پر مردانہ گرفت محسوس کرکے اُس نے اپنی توجہ صائم کی جانب کی۔ چہرے پر یک دم لالی لہرا گئی۔

"گلابی پڑتی تم بہت کیوٹ لگتی ہو۔" صائم نے اُس پر نگاہیں جمادیں۔

"کس دُنیا سے آئی ہو تم عانیہ؟" وہ جیسے خود کلامی کررہا تھا۔ عانیہ نے اُس سے نظریں چُرالیں۔

"تم آئی ہو تو پتا چلا کہ مشرق کی لڑکی کس کو کہتے ہیں۔ حیا کا پیکر، محبت کا ایک سمندر، اتھاہ گہرائیوں سے چاہنے والی ایک خوب صورت لڑکی۔" صائم جیسے کسی سحر میں ڈوبا بولے جارہا تھا۔ عانیہ کو اپنا دم گھٹتا محسوس ہوا۔ وہ تو آج کچھ اور ہی سوچ کر آئی تھی۔ اس نے آہستہ سے اپنا ہاتھ صائم کی گرفت سے نکالا۔

"وہاں چل کر بیٹھیں؟" اُس نے دور لگے بنچوں کی

طرف اشارہ کیا۔ پھر وہ دونوں اُس طرف بڑھ گئے۔

''عانیہ......'' صائم آج اس سے دوٹوک بات کرنا چاہ رہا تھا۔

''جی۔'' وہ جانتی تھی کہ صائم کیا کہنے والا تھا۔ کاش یہ خوشی کے پل یوں مشروط نہ ہوتے۔ کاش وہ یوں صائم کو دھوکا نہ دے رہی ہوتی۔

''میں انکل سے ملنا چاہتا ہوں تاکہ تم کو تمام زندگی کے لیے مانگ لوں۔'' وہ سنجیدگی سے بولا۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ وہ شرما جاتی مگر یہ وقت شرم وحیا کا نہ تھا۔ اس کو صائم سے صرف رشتہ ہی نہیں جوڑنا تھا بلکہ رشتہ جڑتا نہ جڑتا دولت ضرور ہتھیانی تھی۔ یہ ہی قیمت تھی اس کی ماں کی خوشی کی۔

''صائم میں بھی اب آپ سے دور نہیں رہ سکتی۔'' کتنے سپاٹ لہجے میں اُس نے کتنے خوب صورت الفاظ ادا کیے تھے۔ صائم کو عجیب سا لگا۔ مگر پھر اپنا وہم سمجھ کر ذہن سے جھٹک دیا۔ خوشی کے یہ پل وہ خراب نہیں کرنا چاہتا تھا۔

''عانیہ اب ہم یہ زندگی اکٹھی گزاریں گے۔ ہمارا رب ہمارے ساتھ ہے۔ بس میں کل ہی انکل سے بات کروں گا۔ پھر ڈیڈ باقاعدہ آئیں گے۔ اوہ عانیہ میں تم سے شدید محبت کرتا ہوں۔'' صائم کا لہجہ عانیہ کو زمین میں دفن کررہا تھا مگر وہ خود پر جبر کیے مسکراتی رہی۔ صائم اس کی حیا سے جھکی نگاہوں پر پاگل ہورہا تھا۔ گھر میں ایک نئی آفت اس کی منتظر تھی۔

ابھی وہ صائم کو اللہ حافظ کہہ کر اندر آئی ہی تھی کہ زرمین اس کے سر ہوگئی تھی۔

''تم آخر اتنی پاگل کیوں ہو؟'' وہ عانیہ پر چیخی۔

''ہیں......! یعنی سلام دُعا کا رواج ہی نہیں ہے یہاں؟'' عانیہ اپنا بیگ صوفے پہ پھینک کر گرنے کے انداز میں وہاں ہی ڈھیر ہوگئی۔ ذہن بہت اُلجھا ہوا تھا۔

''فضول لیکچر نہ دو۔ یہ پاپا کیا دوبارہ سے اُس فضول بات پر شروع ہوگئے ہیں؟

''کیا بات؟'' اس نے بے دھیانی سے پوچھا۔

''وہی کہ صائم سے میں انگیج ہو جاؤں۔'' یہ ہرگز نہیں ہوگا۔ سمجھی تم۔ بھلا یہ بھی کوئی بات ہے۔ پاپا کو صرف اپنے کانٹریکٹ حاصل کرنے کی دھن سوار ہے چاہے وہ کسی بھی طرح سے ہو۔ میں تو خیر پہلے بھی اس چیز کے خلاف تھی مگر اب تم اور صائم......'' عانیہ زرمین کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی صفدر زمان کی اسٹڈی میں پہنچ چکی تھی۔

''آپ اپنے آپ کو سمجھتے کیا ہیں؟ آپ کے لیے مذاق ہوگا مگر اپنی شرم وحیا کو داؤ پر لگا کر میں جو کچھ کررہی ہوں اس کے بعد یہ سب کس لیے۔'' وہ تقریباً چلا اُٹھی تھی۔ اس کے اعصاب چٹخنے کی حد تک کھینچ چکے تھے۔ اُس کو ایسے محسوس ہورہا تھا جیسے اس کا نروس بریک ڈاؤن ہو جائے گا۔

''کیا بکواس کررہی ہو۔'' صفدر زمان کو اس کا یوں کمرے میں آکر شور مچانا ایک آنکھ نہ بھایا تھا۔ وہ ایک بہت بڑی رشوت کا پلان بنارہے تھے۔ اپنے سیکرٹری کے ساتھ مل کر جب عانیہ یوں کمرے میں گھس آئی تھی۔

''زرمین کیا کہہ رہی ہے؟'' اس نے اپنے آپ پر کنٹرول کرتے تھوڑے مدھم لہجے میں صفدر زمان سے پوچھا۔ صفدر زمان پل بھر میں سمجھ گئے۔

''تم اس کام میں دیر لگا رہی ہو۔ مجھے ان کانٹریکٹز کی سخت ضرورت ہے اور بہت جلد۔ اگر تم سے یہ کام نہ ہوا تو زرمین کو کرنا ہوگا۔''

''کتنے مکروہ انسان ہیں آپ، معافی چاہتی ہوں کہ اپنی عصمت کا سودا کرنے میں تاخیر ہورہی ہے لیکن کیا کروں آپ کے گندے خون کے ساتھ ساتھ میرے اندر ایک شریف عورت کا خون بھی ہے۔'' اُس کو آگ لگ گئی تھی۔

''تم اچھی طرح جانتی ہوگی کہ نقصان کس کا ہوگا۔ میں اپنی باتیں دہرانے کا عادی نہیں۔'' صفدر زمان بہت پریشان تھے۔ غبن اور لوگوں کا مال ہڑپ کرنے کے جرم میں پولیس کسی بھی وقت ان کو حراست میں لے سکتی تھی۔ صائم سے یہ کانٹریکٹ لینا ان کے لیے بے حد ضروری تھے۔

''آپ کا کام ہو جائے گا۔ دھمکی میں بھی بار بار سُننے کی خواہش مند نہیں۔ زرمین کو پریشان کرنا بند کردیں۔'' وہ دروازہ زور سے بند کرتی کمرے سے نکل آئی۔ اپنے کمرے میں زرمین کو بیٹھا دیکھ کر اُس نے ایک تھکی ہوئی لمبی سانس کھینچی۔

''تو ابھی مزید اس موضوع پر گفتگو باقی ہے۔'' اس نے درد سے پھٹتے سر کو کنپٹیوں سے دبایا۔

''خبردار جو پاپا کی باتوں پہ اپنی محبت سے دست بردار ہوئیں تم پاگل ہو گیا؟ بھئی مجھے صائم میں کوئی دلچسپی نہیں اور اگر ہوتی بھی تو میری ذات اتنی ضروری نہیں کہ تم میرے لیے

قربانی دو۔"

"تم کتنی اہم ہو میں جانتی ہوں مگر یہ سب کیا کہہ رہی ہو۔" اس نے آرام سے بیڈ پر دراز ہوتے ہوئے پوچھا۔

"پاپا کہہ رہے تھے کہ اگر میں صائم میں اب بھی انٹرسٹ شو کردوں تو وہ اُس کی منگنی میرے ساتھ کروادیں گے بجائے تمہارے۔ اصل میں وہ میرے ذریعے صائم سے بزنس کے کام نکلوانا چاہتے ہیں۔ میں نے ان کو شروع میں ہی منع کردیا تھا۔ اب تم سے تو وہ یہ کروا نہیں سکتے تو پھر میرے پیچھے پڑ گئے ہیں مگر میں جانتی ہوں کہ صائم تم سے بے حد محبت کرنے لگا ہے اور تم بھی اُس سے بے انتہا پیار کرتی ہو۔ پلیز تم پاپا کی باتیں نہ سُنتا۔" زرمین کافی ڈسٹرب تھی۔

"تم سے کس نے کہا کہ میں پاپا کے ارادے جان کر اپنی محبت چھوڑ دوں گی۔ اگر تم انٹرسٹڈ ہوتی تو اور بات تھی مگر مجھے اندازہ تھا کہ تم ان کو اس نظر سے نہیں دیکھتی۔ فکر نہ کرو اگر اللہ نے چاہا تو ضرور ہم ایک ہو جائیں گے۔" یہ سب کہتے ہوئے اسے اپنا آپ کتنا دوغلا محسوس ہوا یہ عانیہ جانتی تھی۔ زرمین کا خیال تھا کہ یہ پیار کی کہانی تھی جبکہ یہ سب تو دولت کے حصول کے کھیل تھے۔

"عانیہ میں، صائم، تابی...... ہم تینوں نے کبھی کسی عورت کی، ماں کی محبت نہیں دیکھی۔ میرے پاس تو پھر بھی بے جی ہیں صائم تو اس محبت کا غلط رخ دیکھتے بڑا ہوا ہے۔ ماں کی محبت کے معاملے میں ہم دونوں ہی بڑے بدقسمت واقع ہوئے ہیں۔" زرمین کے لہجے کی حسرت اس کے چہرے سے ہویدا تھی۔

"پتا ہے عانیہ تم آئیں تو لگا جیسے ایک تازہ ہوا کا جھونکا ہمارے بوسیدہ مکان کو تازہ کر گیا۔ تم ہماری زندگی میں لالچ سے مبراء بے لوث محبت کی نوید لے کر آئی ہو۔ پلیز عانیہ ہم سے یہ محبت اب نہ چھیننا۔ صائم کو اس محبت سے دور نہ کرنا۔ وہ تم کو والہانہ چاہتا ہے اس کا مان نہ توڑنا ورنہ وہ ٹوٹ کر بکھر جائے گا اُس کو کوئی دُکھ نہ دینا۔ وہ مجھے بھائیوں کی طرح عزیز ہے عانیہ!" زرمین کی باتیں عانیہ کو چیر گئیں۔

زرمین جاچکی تھی۔ اُسے تنہا اپنے آپ سے لڑنے کے لیے چھوڑ کر۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر اپنی بے بسی پر رودی۔ سر پر ہاتھ محسوس کر کے اس نے اپنی آواز گھونٹ لی۔ دل ڈر کے مارے زور سے دھڑکا۔

"بے جی!" وہ کانپ گئی۔ کیا ان کو سب معلوم ہو گیا؟

"میری بچی۔ کیوں رو رو کر اپنی جان ہلکان کررہی ہے؟"

بے جی نے اس معصوم بچی کو اپنے شفیق سینے سے لگالیا۔

"بے جی میں اتنی محبت اتنے اعتماد کے قابل نہیں۔" وہ سسکنے لگی۔

"میں جھوٹی ہوں بے جی۔ فریبی ہوں۔ دھوکے باز ہوں، اپنی غرض کے لیے کتنے لوگوں کے اعتماد کا، پیار کا خون کررہی ہوں۔"

بے جی کو اس پر ترس آگیا۔ بے چاری نیک فطرت، پارسا بچی ان گناہ گاروں کے ہجوم میں پھنس گئی تھی اور پھر بھی اپنے آپ کو موردِ الزام ٹھہرا رہی تھی۔

"میں کیا کروں بے جی...... میں کیا کروں۔" بے بسی کا احساس عانیہ کو مار رہا تھا۔

"وہ ہی جو نیک شریف لڑکی کرتی ہے۔" بے جی کے مضبوط لہجے پر عانیہ نے سر اُٹھا کے اُن کو دیکھا۔ بھیگی بھیگی آنکھوں میں کتنے ہی سوال تھے۔

"صائم کو سب بتادو۔ دیکھو عانیہ یہ حقیقی زندگی ہے۔ وہ ایک سمجھدار لڑکا ہے۔ اُس نے دُنیا دیکھی ہے۔ تمہارے باپ کو تم سے زیادہ سمجھتا ہے۔ رہی بات زرمین کی تو وہ کوئی کمزور لڑکی نہیں ہے۔ اتنے سال ماں سے جُدا رہنے کا سبب اس کی کمزوری نہیں اس کی ماں کے پیار پر بے اعتمادی تھی۔ اب جب کہ وہ جان گئی ہے کہ اس کی ماں کتنی مجبور تھی اُسے چھوڑنے پر اور وہ زرمین کے لیے کتنی تڑپ رہی ہے تو دُنیا کی کوئی طاقت اُسے سائرہ سے ملنے سے نہیں روک سکتی۔ تمہارا باپ بھی نہیں۔ تم بے وجہ اپنی زندگی برباد نہ کرو۔ ہم سب تیرے ساتھ ہیں چندا۔" عانیہ نے تھک کر آنکھیں موند لیں۔ اُس کو کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا کہ کیا کرے۔

"چل اُٹھ اور ابھی اس کو فون کر۔" بے جی نے اُسے فون کی جانب دھکیلا۔

وہ چاروناچار نمبر ملانے لگی۔

"کیا کہوں گی...... کیسے کہوں گی؟" وہ پریشان تھی۔

"ہیلو صائم کی بھاری مردانہ آواز سے ہمیشہ کی طرح اس کا دل دھڑک اُٹھا تھا۔

"السلام علیکم۔" وہ بمشکل بولی۔

"وعلیکم السلام۔" صائم مسکرایا۔ کچھ سحر تھا عانیہ کی آواز میں

یا شاید اُس کو لگتا تھا۔
"آپ سے کچھ ضروری باتیں کرنی تھیں اگر آج یہاں زرمین کے گھر آسکیں تو؟"
"زرمین کے...... کیا آپ کا نہیں ہے یہ گھر؟" صائم کو اس کا یہ جملہ کچھ عجیب سا لگا۔
"پلیز صائم آپ آسکتے ہیں؟" جانے اُس کی آواز میں کیا تھا صائم سنجیدہ ہوگیا۔
"آج شام کو ٹھیک رہے گا...... یا کہتی ہیں تو ابھی آجاتا ہوں۔"
"نہیں ابھی نہیں شام تک آجایئے گا۔" اُسے کچھ وقت چاہئے تھا اپنے دل کو سمجھانے کو۔ آج کے بعد وہ صائم کو ہمیشہ کے لیے کھو سکتی تھی۔
"شاید وہ سب سن کر مجھے سمجھ پائیں۔ وہ مجھ سے بہت پیار کرتے ہیں۔ وہ ضرور سمجھ جائیں گے۔" دل نے پورے وثوق سے اُسے سمجھایا۔
"پاگل پن ہے یہ صرف تمہارا۔ اتنے گھناؤنے اور لالچی پلان کے تحت اسے محبت کے جال میں پھنسانا اُسے تم سے ضرور متنفر کردے گا۔" دماغ نے اُسے جھڑک دیا۔
"میں اُن کو سمجھا دوں گی نا۔ میں نے کوئی دھوکا نہیں کیا۔ سچی محبت کی ہے میں نے۔" دل نے دُھائی دی۔ دل و دماغ کی جنگ سے وہ بے چین تھی۔

......☆☆☆......

آنٹی کہاں ہیں۔" ملائکہ گرنے والے انداز میں اس کے ساتھ والے صوفے پہ بیٹھی تو یاسر نے اُسے سر اُٹھا کے دیکھا اور حیران ہی رہ گیا۔
"تم کہیں کسی تقریب میں جارہی ہو کیا؟" اُس نے اس کی تیاری پر حیرت بھری نظر ڈالی۔
"نہیں تو۔ آپ سے ملنے آئی تھی۔" وہ مزے سے یاسر کے سامنے پڑے ہوئے نمکو اُٹھا کر کھانے لگی۔
"اتنی تیار ہوکر۔" یاسر کو اس کا یوں بن ٹھن کر پھرنا عجیب سا لگتا تھا۔
ملائکہ نے اپنے کپڑوں پر نظر ڈالی۔ اُس کو تو ان کپڑوں میں کوئی اتنی خاص بات نظر نہ آرہی تھی۔ گہرے پیلے کرتے پر خوب صورت براؤن اور میرون دھاگے اور نلکیوں کا ہلکا ہلکا کام بہت خوب صورت لگ رہا تھا۔ ہاں شاید میچنگ جیولری کچھ زیادہ ہوگئی تھی۔
"اچھی نہیں لگ رہی کیا؟" اس کے چہرے پر اوس سی پڑ گئی۔ یاسر کو اس پر پیار آگیا۔
"نہیں اچھی نہیں لگ رہیں بہت خوب صورت لگ رہی ہو۔" آواز جذبات سے بھاری ہوگئی۔
"یاسر......!" ملائکہ کو یک دم ڈھیروں شرم آگئی۔
"کبھی سوچا ہی نہ تھا کہ تم کو یوں چاہوں گا۔" اس کی آواز میں اُس کی تمام تر چاہت بھری ہوئی تھی۔
"عانیہ کی کیا خیر خبر ہے۔" اس نے بات ٹالنے کے لیے موضوع بدلا۔
"کافی دن سے کوئی خبر نہیں۔ آنٹی تو پریشان تھیں۔ فون اس لیے نہیں کیا کہ وہ مسٹر صفدر سے بات نہیں کرنا چاہتیں۔ میرے خیال میں تو عانیہ ٹھیک ہی ہے۔"
"ہوں۔" یاسر نے نگاہ دوبارہ اپنے میگزین پر گاڑ دی۔
"وہ...... وہاں نا......" ملائکہ جھجکتی ہوئی بولی۔ اب تک اس نے یاسر کو صائم کے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا۔
"وہاں کیا؟" یاسر نے اُسے استفہامی نگاہوں سے دیکھا۔ ملائکہ اس کے پاس ہی بیٹھ گئی...... جو کچھ تھوڑا بہت اُسے صائم کے بارے میں اندازہ تھا عانیہ کی فیلنگز کا وہ یاسر کو تو بتانا تھا نا۔

......☆☆☆......

دروازے پہ دستک سے عانیہ گڑبڑا کر اُٹھ بیٹھی۔ اس نے اُٹھ کر جلدی سے اپنے بکھرے بال سمیٹ کر جوڑا بنایا اور دروازہ کھول دیا۔
"صائم صاحب آئے ہیں۔ آپ کا پوچھ رہے ہیں۔ میں نے ڈرائنگ روم میں بٹھا دیا ہے۔" ملازم اطلاع دے کر جاچکا تھا۔
عانیہ نے جلدی سے ایک نظر اپنے حلیے پر ڈالی۔ شکن آلودہ کپڑے اور بے ترتیب بال، شکل پر پریشانی کے آثار نمایاں تھے۔ اُس نے جلدی سے مُنہ پر چھینٹے مار کر کپڑے بدلنے کے لیے الماری کھولی۔
"ارے صائم تم کیسے آئے۔" صفدر زمان اپنی کسی فائل کو جو ان کا سیکرٹری ڈرائنگ روم میں چھوڑ گیا تھا لینے آئے تو صائم کو وہاں دیکھ کر حیران رہ گئے۔ ان کا شاطر دماغ دُگنی رفتار سے چلنے لگا تھا۔

یقیناً کچھ گڑبڑ تھی۔ ورنہ ان دو ماہ کے عرصے میں عانیہ کی اور صائم کی تمام ملاقاتیں ان کی اجازت سے ہوئی تھیں۔

''یہ لڑکی ضرور کچھ گڑبڑ کرنے جارہی ہے۔'' اُن کی چھٹی حس خطرے کا احساس دلارہی تھی۔ عانیہ قدم گھسیٹتی ڈرائنگ روم تک پہنچی تو اندر سے آتی گفتگو کی آواز پر اس کے قدم باہر ہی تھم گئے۔ ''دیکھو صائم تم میرے بیٹے کی طرح ہو اور اگرچہ میں نے عانیہ کی پرورش نہیں کی مگر پھر بھی ہے تو میری بیٹی۔'' اندر سے آتی صفدر زمان کی آواز پر عانیہ کی تمام توجہ ان کی گفتگو پر ہوگئی۔

''آخر صفدر زمان کیا بات کررہے ہیں۔'' اُس نے فکرمندی سے ہونٹ چبائے۔ وہ پہلے ہی ذہنی طور پر بہت ڈسٹرب تھی۔ اب یہ نئی مصیبت اسے اپنے ارادے پورے کرنے میں رکاوٹ ڈال رہی تھی۔

''چلو آج یہ بھی پتا چل جائے گا کہ یہ شخص کس حد تک گر سکتا ہے دولت کے لیے۔'' اُس نے تلخی سے سوچا۔

''یار میرا تو اپنا کاروبار اتنا وسیع ہے تم تو جانتے ہی ہو۔ یہ تو عانیہ کی ضد ہے کہ میں تم سے سب سے پہلے یہ معاملات طے کرلوں۔'' صفدر زمان کی زبان بڑی مہارت سے جھوٹ بول رہی تھی۔

''عانیہ کی شرط ہے یہ؟'' صائم کی آواز میں حد درجہ بے یقینی تھی۔ وہ صفدر زمان کو بھی اچھی طرح جانتا تھا۔

''مجھے بھی شرمندگی ہورہی ہے مگر دیکھو نا اس کے حالات بھی تو ایسے رہے ہیں۔ یہ سب میری وجہ سے ہوا ہے۔ عانیہ نے اتنی دولت دیکھی ہی کب ہے۔ مڈل کلاس زندگی گزارنے والی لڑکی ہے وہ اور پھر میرے اور اس کی والدہ کی بھی بالکل تمہارے اور عانیہ والی سچویشن تھی۔ وہ رشتوں کا اعتبار کھو چکی ہے۔ اس کے لیے یہ محبت وغیرہ کچھ نہیں۔ وہ بس دولت کا حصول چاہتی ہے۔'' بہت چالاک آدمی تھا صفدر زمان۔ صائم نے اُسے نفرت سے دیکھا۔

''میں یہ نہیں کہہ رہا کہ وہ تم سے شادی نہیں کرنا چاہتی۔'' صفدر زمان نے اُس کی نگاہوں کی کاٹ محسوس کرکے جلدی سے پینترا بدلا۔

صائم خاموش رہا۔ وہ اس شخص کے گرنے کی حد دیکھنا چاہتا تھا۔ ان کی حرام کی کمائی اور بزنس کے طریقوں سے تو وہ خوب واقف تھا مگر اپنے خون کو یوں بے دام کرنا اُس کے لیے عجیب بات تھی اور صائم کو عانیہ پر پورا اعتماد تھا۔ وہ اس شخص کی چال جاننا چاہتا تھا۔

باہر کھڑی عانیہ تو گنگ رہ گئی تھی۔ مزید تاخیر کیے بنا وہ جلدی سے اندر داخل ہوگئی۔

''میرے خیال میں وہ چاہتی ہے کہ تم اُس کے نام کوئی جائیداد وغیرہ کردو اور حق مہر کی رقم بھی پانچ لاکھ سے کم نہ ہو۔ ویسے تم مجھ پر بھروسہ رکھو میں اس کو سمجھاؤں گا کہ عقل سے کام لے۔ مگر کیا ہے نا کہ آجکل وہ میرا ایک کانٹریکٹ تمہارے پاس پھنسا ہوا ہے نا۔ اگر وہ سائن ہو جاتا تو میں یہ کام بے فکری سے کرتا۔''

''اوہ تو یہ چکر ہے؟'' صائم تمام بات سمجھ چکا تھا۔

''پاپا!'' عانیہ کی آواز پر دونوں نے مُڑ کر اُسے دیکھا۔ صفدر زمان کا دماغ تیزی سے چلنے لگا۔

''کہیں یہ لڑکی بنا بنایا کھیل بگاڑ نہ دے۔'' اُس نے سوچا۔

''آؤ عانیہ۔ بس تمہاری ہی باتیں ہورہی تھیں۔'' انہوں نے عانیہ کو پکارا مگر وہ صائم کے تاثرات جاننے کی کوشش میں تھی جو لگتا تھا بڑی دلچسپی سے یہ تمام باتیں سُن رہا تھا۔ عانیہ کو اس کے تاثرات عجیب سے لگے۔

''کیا اس نے ان سب باتوں پر اعتبار کرلیا؟ آخر تھا تو یہ سب سچ اور اگر بے۔جی اور زرمین کی سپورٹ نہ ہوتی تو شاید اس وقت یہ بات وہ خود صائم سے کررہی ہوتی۔'' اس نے شرمندہ ہوکر سوچا۔ صائم جو اس کو تسلی دینا چاہتا تھا اُس کے شرمندہ شرمندہ چہرے کو دیکھ کر ٹھٹک گیا۔ اس کی نگاہوں میں ناسمجھی کا عنصر اُبھرا۔

''عانیہ تمہاری امی کا فون آیا تھا۔ زرمین سے ملنے کے لیے تڑپ رہی ہیں۔ مگر تم تو جانتی ہی ہو......'' اس عیار شخص نے عانیہ کی کمزوری پر وار کیا تو وہ لمحہ بھر کو تڑپ کر رہ گئی۔

اُس نے بے۔جی کی باتوں کو دہرانے کی کوشش کی۔ یہ فیصلے کی گھڑی تھی۔ اُس نے ایک نظر اپنے باپ پر ڈالی۔

''ابھی تو زرمین اور سائرہ بیگم میں کافی بات چیت ہوگئی ہے۔ بہت پیار بڑھ گیا ہے نا دونوں میں۔ بھلا ماں کیسے رہ سکتی ہے اپنی بچھڑی ہوئی اولاد سے بات کرنے کے بعد اُس سے ملنے سے۔'' صفدر زمان بول رہے تھے۔

''خیر چھوڑو۔ عانیہ میں صائم سے تمہارے ہی بارے

میں بات کررہا تھا...... کیوں صائم؟"

"جی...... آپ کچھ عانیہ کی ڈیمانڈز بتا رہے تھے۔" اس نے عانیہ کو چھپے لفظوں میں اس کے باپ کی حرکات سے آگاہ کرنا چاہا۔

"ڈیمانڈ......؟" عانیہ کی آواز گلے میں پھنس گئی۔ چہرہ شرمندگی سے سُرخ ہوگیا۔

"وہ...... میں۔" اسے ایک دم سمجھ ہی نہیں آیا کہ کچھ کہتی۔ چند گھنٹوں پہلے تو یہ ایک بہت بڑا سچ تھا۔ وہ شکل سے ہی مجرم لگ رہی تھی۔ صائم نے تحیر بھری نگاہوں سے اپنی محبت کو دیکھا۔ وہ تو اُسے بتانا چاہ رہا تھا اُس کے باپ کے ارادوں کے متعلق مگر یہاں تو معاملہ کچھ اور ہی لگ رہا تھا۔

"عانیہ نے مجھے کس لیے بُلایا تھا آخر؟" اب اس کا ذہن مشکوک ہوتا جارہا تھا۔ آخر وہ عانیہ کو جانتا ہی کتنا تھا۔ اُس نے سوچا مگر اس کا دل یہ سب ماننے کو تیار نہ تھا۔

صفدر زمان دونوں کو دیکھ رہے تھے۔ بازی شاید ان کے حق میں جانے والی تھی۔ خوشی سے ان کی باچھیں کھلنے کو بے تاب تھیں مگر انہوں نے اپنے چہرہ کو ہر طرح کے تاثر سے پاک ہی رکھا۔

"بھئی تم عانیہ سے اگر شادی کرنا چاہتے ہو تو مجھے تو بڑی خوشی ہوگی۔ زرمین نہ سہی یہ سہی عانیہ بھی تو میری اولاد ہے۔ مگر اس سے پوچھ لو کہ شادی سے پہلے اس کی کچھ شرائط تھیں۔ کچھ دن پہلے ہی ہماری اس سلسلے میں بات ہوئی ہے۔" بہت مکار شخص تھا صفدر زمان۔

عانیہ کا دل چاہا زمین شق ہوجائے اور وہ اس میں دفن ہوجائے۔ وہ صائم سے نگاہیں نہیں ملا پارہی تھی اور صائم ابھی بھی کنفیوز نظروں سے اُسے ہی دیکھ رہا تھا۔

"آخر وہ صفدر انکل کا مُنہ کیوں نہیں بند کرتی۔ ان کے ان الزامات کا مُنہ توڑ جواب کیوں نہیں دے رہی۔" اس نے ایک سوالیہ نگاہ عانیہ پر ڈالی۔ اس کو اپنی عانیہ پر پورا یقین تھا۔

"عانیہ کیا تمہاری ان شرائط کے بارے میں چند دن پہلے انکل سے کوئی بات ہوئی ہے۔" صائم نے اس قصہ کو ختم کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ وہ چاہتا تھا کہ عانیہ صاف صاف بتا کر صفدر زمان کے جھوٹ کا پول کھول دے۔

"وہ...... صائم...... اصل میں۔" اپنی صفائی میں کہتے ہوئے وہ ہچکچائی۔ اُس کی نگاہوں میں اپنی ماں کی ترسی ہوئی ممتا کی پیاسی نگاہیں گھوم گئیں۔ وہ سوچتی ہی رہ گئی کہ کیسے اپنے آپ کو بری الزام کرے اور سچ کا لمحہ ہاتھوں سے پھسل گیا۔ صائم نے اُسے گہری نظروں سے دیکھا۔ اُس کے چہرے پر پھیلے اعتراف کے سائے اُسے خوب نظر آرہے تھے۔

"تو یہ اس اسکیم سے پوری طرح واقف تھی اور شامل تھی۔" صائم نے لمحہ بھر کو آنکھیں بند کرکے ایک لمبا سانس سینے میں بھرا اور پھر نگاہیں دونوں باپ بیٹی پر مرکوز کردیں۔

اب وہ ایک گھاگ بزنس مین تھا۔ عانیہ کی نگاہوں کے سامنے اس کی پیار لٹاتی نظریں، نفرت کی آگ برساتی نگاہوں میں بدل گئیں۔ اس نے چند لمحوں میں محبت سے نفرت تک کا سفر دیکھا۔ صائم نے بس وہ ایک لمحہ اپنے جذبات کا اس پر صرف کیا ورنہ وہ تو اُسے نفرت بھی نہیں دینے کو تیار تھا۔ اُس نے ایک قہر بھری الزام لگاتی نگاہ عانیہ پر ڈالی اور پھر اس کا چہرہ ہر طرح کے جذبات سے عاری ہوگیا۔ اب وہاں کوئی تاثر نہیں تھا۔ نا محبت کا نا نفرت کا۔ عانیہ کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں جکڑ لیا تھا۔ کتنا بڑا گناہ سرزد ہوگیا تھا اُس سے۔

"اوہ میرے خدایا! میں نے اپنے مفادات کے لیے کس کا اعتماد توڑ دیا۔ کسی کی محبت کا خون کردیا۔"

"میں قاتل ہوں۔ یہ شخص میری وجہ سے اس وقت کرب کے جانے کن مراحل سے گزر رہا ہے۔ عانیہ کے دل ودماغ میں دھماکے ہورہے تھے۔"

"نہیں...... نہیں...... میں اتنی خود غرض نہیں کہ اپنی ماں کی خوشیوں کی خاطر اس دیوتا جیسے شخص کا مان توڑ دوں۔ وہ دوبارہ کبھی عورت ذات کا اعتبار نہ کر پائے گا۔" اُس نے نفی میں سر ہلایا اور اپنی تمام تر محبت اپنی آنکھوں میں لاکر اُس نے صائم کی آنکھوں میں جھانکا۔ خاموش نگاہیں صائم سے اس کا اعتبار مانگ رہی تھیں۔ وہ سب کچھ صائم کو سمجھانے کو تیار تھی مگر ان آنکھوں میں اب کچھ نہ تھا سوائے نفرت اور بے اعتباری کے۔ صائم نے اس فریبی لڑکی کا مکمل جائزہ لیا۔ نفرت کی تیز لہر اس کے تن بدن میں دوڑ گئی۔

"صائم...... پلیز میری بات......" عانیہ کا جملہ نامکمل ہی رہ گیا۔

''بس عانیہ۔ یہاں آپ باپ بیٹی سے تھوڑی چوک ہوگئی۔ اسکیم تو کمال کی تھی۔ مگر آپ نے اپنی چال ذرا جلدی شو کردی اور یہ ایک اناڑی جواری کی نشانی ہے۔ اگرچہ جال میں مچھلی پھنس تو گئی تھی مگر آپ نے جال جلدی کاٹ دیا۔ بہرحال صرف میری معلومات کے لیے بتادیجئے کہ میری کتنی جائیداد کا حصہ آپ کے نام ہوگا۔ آپ کو حاصل کرنے کے لیے۔ شاید مجھے شادی کے جھنجھٹ میں پڑے بنا ہی آپ کو حاصل کرنے کی چاہ ہو؟'' صائم کے الفاظ عانیہ کے کانوں میں پگھلے ہوئے سیسے کی مانند اُنڈیل دیے گئے تھے۔ وہ اس بے عزتی پر تڑپ کر رہ گئی مگر صائم بھی اپنی جگہ طنز کرنے پر حق بجانب تھا۔

صائم نے ایک سرد اُچٹتی آخری نظر اس دھوکے باز لڑکی پر ڈالی اور قدم باہر کی جانب بڑھادیے۔

''صائم......!'' اس نے تڑپ کر باہر نکلتے صائم کو روکنا چاہا مگر وہ انجان بنا تیزی سے باہر نکل گیا اور عانیہ چکرا کر صوفے پر گر گئی۔

''سارا کیا کرایا مٹی میں ملادیا بے وقوف لڑکی۔ جب وہ تم سے سوال کررہا تھا بجائے اُس کو رام کرنے کے ساری بازی ہی اُلٹ دی۔'' صفدر زمان کے جملوں نے اس کے تن بدن میں آگ لگادی۔ وہ مجروح ہوکر اپنے غصہ کا اظہار بھی نہ کرپائی۔

یہ زندگی بھی کیا چیز ہے۔ وہ شخص جس نے کبھی باپ کا پیار نہ دیا۔ سر پر پدرانہ شفقت کا سائبان نہ دیا آج اس کے دیے ہوئے گھاؤ پر وہ اُف تک نہ کرپائی تھی۔

کبھی کبھی انسان کتنا مجبور ہوجاتا ہے۔ اپنوں کی محبت قربانی مانگے تو انسان کہاں انکار کرسکتا ہے بات اگر صرف اس کی اپنی ذات اور صفدر زمان کے درمیان ہوتی تو وہ کبھی بھی صفدر زمان کے اس گھناؤنے کھیل کا حصہ نہ بنتی اور آج وہ کیا کچھ نہ کرگزرتی اپنی محبت کا مان توڑنے کے بجائے مگر اپنی ماں کو کیسے تکلیف دیتی۔ وہ ماں جس نے تمام عمر اُس کے لیے وقف کردی۔ عانیہ کے لیے اس نے اپنی بڑی بیٹی سے جدائی قبول کرلی اس ماں کی خوشیوں کو کیسے داؤ پہ لگا دیتی سوچا تو یہ تھا کہ صائم کو آج سب کچھ بتادے گی مگر ماں کی محبت نے زبان پر تالے ڈال دیئے۔ شاید یہ ظالم شخص اِس خاموشی کے بدلے زرمین کو اُس کے ساتھ کلر کہار جانے دے۔ سو اس نے لب سی لیے تھے۔ دل سے اٹھتی چیخوں کا گلا دبا دیا تھا۔ آنسوؤں کی لڑی پلکوں کی باڑ توڑ کر اس کے گالوں پر بکھر رہی تھی۔

''سارا کام بگاڑ دیا تم نے۔'' صفدر زمان کو غصہ چڑھ رہا تھا۔

''تمہاری ماں......'' وہ بول رہے تھے کہ عانیہ نے ان کو بیچ میں ہی ٹوک دیا۔

''میری ماں کے ذریعے جتنا بلیک میل آپ کرسکتے تھے آپ نے کرلیا۔ اب ان کا نام اپنی گندی زبان پر نا ہی لائیں تو بہتر ہوگا۔'' وہ سپاٹ لہجے میں بولی۔

''بہرحال میں تم سے کسی بحث میں الجھنا نہیں چاہتا۔ جو کام تمہارے ذمہ لگایا گیا تھا وہ پورا نہیں ہوا سو میں نے فیصلہ کیا ہے کہ اب زرمین کا رشتہ صائم سے کردوں اور ہاں تم واپس جاسکتی ہو اور وہ بھی اکیلی۔ زرمین کو اب اس منحوس عورت سے ملنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ میں اپنی بچی کو تم مڈل کلاس لوگوں میں جانے کی اجازت نہیں دے سکتا۔ پہلے ہی تم کو بلا کر اور اپنا وقت و پیسہ تم پر برباد کرکے پچھتا رہا ہوں۔'' وہ اب بھی اپنی شکست پر تلملا رہے تھے۔ ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ عانیہ کا گلا دبادیتے۔

صائم جیسی بڑی مچھلی یوں ہاتھ سے نکل گئی کہ وہ ہاتھ ملتے ہی رہ گئے۔

''آپ ایسا نہیں کرسکتے۔'' وہ ایک جھٹکے سے اُٹھ بیٹھی۔

''آپ جو جو کہتے گئے میں کرتی گئی۔ آپ کے ہر طرح کے گرے ہوئے ہتھکنڈے میں برداشت کرتی رہی۔'' مگر وہ شخص بے تاثر کھڑا اُسے گھور رہا تھا۔

''آپ نے کبھی ایک پل کو......ایک گھڑی کو، ایک لمحے کو بھی مجھے اپنی بیٹی سمجھا؟ بتائیے مسٹر صفدر! اتنے بہت سے دنوں میں کوئی ایک ساعت بھی ایسی آئی تھی کہ جب ایک باپ نے بنا کسی لالچ، بنا کسی شرط اپنی بچھڑی ہوئی بیٹی کو باپ کا پیار دیا ہو؟ نہیں صفدر زمان صاحب کبھی نہیں......کبھی بھی نہیں۔'' اُس نے صفدر زمان کا بازو پکڑ کر اس کو جھنجھوڑ ڈالا۔

''اپنے آپ پر قابو رکھو عانیہ۔ میرے پاس ان سب جذبات کی نہ تو کوئی پروا ہے اور نا ہی مجھے کوئی ضرورت ہے۔ مجھے اب آگے پلاننگ کرنا ہوگی۔'' وہ اور ہی سوچ میں پڑ گئے تھے۔ عانیہ کا بے جان ہاتھ ان کا بازو چھوڑ کر رسا گیا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

''ایک بات میری اور بھی سُن لیں۔'' وہ سرد لہجے میں بولی۔

''آپ کے لیے میں نے جو کچھ کیا آپ کے خیال میں میں نے آپ کی محبت یا آپ کے پیار کے لیے کیا تو یہ آپ کی غلط فہمی ہے۔''

''میں جانتا ہوں تم اور تمہاری ماں ہر کام اپنے نفع نقصان کو دیکھ کر ہی کرتے ہوں۔'' صفدر زمان طنزیہ مسکرایا۔

''زرمین کی دھمکی اگر نہ ہوتی تو شاید تم کبھی آج اس گھر میں نا ہوتی۔ میں اتنا بے وقوف ہرگز نہیں مس عانیہ صفدر۔''

''تو پھر آج یہ بھی جان لیں کہ آپ آج یہ بازی ہار گئے مسٹر صفدر۔ اب تک جو کچھ ہوا آپ کی مرضی کے مطابق ہوا اور میں نے اپنی ماں کے پیار میں کیا مگر اب میں وہ کروں گی جو مجھے اپنے پیار کے لیے کرنا چاہئے تھا۔ یاد رکھنا آج سے آپ کا خسارہ شروع ہے۔'' وہ مضبوطی سے صفدر زمان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولی۔ اس کا لہجہ لحہ بھر کو ان کو خوفزدہ کر گیا۔ وہ بات مکمل کر کے ان پر ایک اُچٹتی نظر ڈال کر مضبوط قدموں سے کمرے سے باہر نکل گئی۔ صفدر زمان اس کی دھمکی کا مطلب تلاش کرتے رہ گئے۔

......☆☆☆......

ان چند دنوں میں وہ نچڑ کر رہ گئی تھی۔ سوچ سوچ کر اس کا دماغ ماؤف ہوا جا رہا تھا۔ وہ ایک لمحے کو بھی اس گھر میں رہنے کو تیار نہ تھی مگر اس باپ بیٹی کی جنگ میں جو نقصان صائم اور اس کے گھر والوں کو ہوا تھا وہ عانیہ کے دل پہ بوجھ کی طرح تھا۔ اچانک اس نے واپس جانے کا فیصلہ کر لیا۔

''میں صائم سے بات کروں گی۔ چاہے اس کی نفرت کا سامنا کرنا ہو یا اس کے ہاتھوں بے عزتی ہو۔'' وہ یوں صائم کو اذیت دے کر ہرگز نہیں جا سکتی تھی۔ وہ فیصلہ کر کے اُٹھی اور تھکے قدم ہولے ہولے اُن کے گھر کی دہلیز تک چلی آئی۔

دل پاتال کی گہرائیوں میں ڈوبتا جا رہا تھا۔ اُس نے ہمت کر کے ٹیرس کی جانب نگاہ اُٹھائی۔ وہ آخری بار صائم سے ملنے آئی تھی۔ اُس سے محبت کی بھیک مانگنے نہیں کیوں کہ وہ تو اس بھیک کے قابل بھی نہ تھی بلکہ یہ وضاحت دینے کہ اور لڑکیوں کی طرح مجبور اور بے بس نہیں تھی۔ بے وفا اور فریبی نہیں تھی۔ وہ تو اس سے التجا کرنے آئی تھی کہ خدارا عورت ذات پر اعتبار کرنا نہ چھوڑے۔ اس کی وجہ سے اپنے آپ کو اذیت میں مبتلا نہ رکھے۔ عانیہ تو التجا لے کر آئی تھی۔

''کس لیے آئی ہیں آپ؟ تابی کی آواز پر اس نے چونک کر سر اُٹھایا۔ جانے وہ کب سے کھڑی عانیہ کو دیکھ رہی تھی۔ عانیہ کچھ نہ بول پائی۔

''کیا دل نہیں بھرا اب بھی آپ کا جو کوئی اور نیا زخم دینے چلی آئی ہیں آپ۔ بھیا کا دل توڑ کر ان کا مان ہمارا پیار سب آپ نے تباہ کر دیا اب بھی آپ کو چین نہیں پڑا؟'' تابی کی طنز میں ڈوبی ہوئی باتیں اُسے نشتر کی مانند لگیں۔ وہ تڑپ کر رہ گئی مگر اپنے دفاع میں کچھ کہہ ہی نا پائی۔

تابی اُسے اُمید بھری نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ شاید عانیہ اپنی بے گناہی میں کچھ کہہ دے۔ مگر ادھر جامد خاموشی تھی۔ ایک نفرت بھری نگاہ عانیہ کے چہرے پر ڈالی۔ کتنی پیلی رنگت ہو رہی تھی عانیہ کی۔ چند دنوں میں ہی جیسے کملا گئی تھی۔

''کیوں کیا انہوں نے یہ سب ہمارے ساتھ۔'' تابی نے غصے سے سوچا۔ اس کا دل زور سے رونے کو کر رہا تھا۔ عانیہ شکستہ سی واپس جانے کو مڑی۔

''آپ تو میری آئیڈیل تھیں۔'' تابی کی دکھی آواز نے عانیہ کے قدم روک دیے۔ اس نے پلٹ کر ایک پیار بھری نظر تابی پر ڈالی۔

''کتنی بے رنگ اور بلیک وائٹ زندگی تھی ہماری آپ کے آنے سے لگا جیسے اب اس میں کلرز بھر جائیں گے۔ پھر یہ سب کیوں۔ دولت تو شادی کے بعد بھی آپ کی ہو ہی جانی تھی۔ آپ ساری دولت لے کر ہمارا یقین، ہمارا مان، ہماری تمام محبتیں ہم کو واپس کر دیں۔'' وہ بولتے بولتے رو پڑی۔ عانیہ کو لگا اس کا اعتبار اس نے توڑ دیا تھا۔ اس نے بے چینی سے اپنے لب دانتوں سے کچل ڈالے۔

''صائم ہیں؟'' حلق سے گھٹی گھٹی آنسوؤں سے بوجھل آواز نکلی۔ یہ ان محبت بھرے لوگوں کا حق تھا کہ وہ ان کو تمام تفصیل بتاتی چاہے آج اُس کو جتنے مرضی دُکھ اور ہتک کا سامنا کرنا پڑتا۔ وہ لوگ اس کے ساتھ جو بھی رویہ رکھتے اس پر وہ حق بجانب تھے۔

''آپ کیا سمجھتی ہیں میں آپ کو ان سے ملنے دوں گی؟ ہرگز نہیں۔ چلی جائیں آپ۔'' تابی زور سے اپنے گالوں پہ بہتے آنسو رگڑ کر ضدی لہجے میں بولی۔

"پلیز تابی......" اُس نے لجاجت سے التجا کی۔

"تابندہ......! میرا نام تابندہ ہے۔ میں اجنبی لوگوں کو اپنے ساتھ زیادہ فری ہونے کی اجازت نہیں دیتی۔" اُس کا جملہ عانیہ کو تڑپا گیا، وہ ہار رہی تھی۔

"پلیز میں وعدہ کرتی ہوں پھر کبھی آپ لوگوں کو تنگ نہیں کروں گی۔" زرد پڑتی رنگت، آنکھوں کے گرد گھیرے سیاہ حلقے، کتنی بُری حالت ہوگئی تھی اس کی ان چند دنوں میں۔

"کیا واقعی یہ اتنی فراڈ ہوسکتی ہیں۔" تابی نے اس کے سراپا کا جائزہ لیتے ہوئے سوچا گزرے ایام اُس کی آنکھوں کے سامنے گھوم گئے۔لمحہ بھر کو تابی کا دل پسیج گیا۔

"تابی! کس سے باتیں کررہی ہو؟" صائم کی آواز پر دونوں چونک اُٹھیں۔

عانیہ کو دیکھ کر وہ ایک جھٹکے سے رک گیا۔ کتنی معصوم صورت تھی۔ کوئی سوچ سکتا تھا کہ اتنی معصوم شکل کی لڑکی اتنی کائیاں شکاری ہوگی۔" صائم کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔

"مِس عانیہ آپ اس گھر میں......" صائم سرد لہجہ میں بولا۔

"صائم...... وہ اس دن...... میں......" بے ربط سے جملے اس کے ہونٹوں سے پھسلے۔

"اُس دن......؟" صائم کی آنکھوں میں غصے کی لہر دوڑ گی۔

"اُس دن کے بعد میں نے آپ کی تجویز اور ڈیمانڈ پر بہت سوچا مگر آخر اس فیصلہ پہ پہنچا کہ اگر حسن ہی درکار ہے تو وہ تو میں اس سے بہت ہی کم قیمت پر کسی محلے سے بھی حاصل کرسکتا ہوں۔ بلکہ میری دولت تو کسی بھی ہائی سوسائٹی کی لڑکی کے لیے بہت بڑی اٹریکشن ہے۔ آپ نے اپنے حسن کی کچھ زیادہ ہی قیمت لگادی۔ میں نے فیصلہ کیا ہے کہ یہ آپ کا حُسن ہرگز اتنی زیادہ جائیداد ضائع کرنے کے قابل نہیں اور شادی؟ اس کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔" صائم نے گویا الفاظ کے خنجر اس کے سینے میں اتارے۔ وہ بس دیکھتی ہی رہ گئی۔ اس کی خاموشی صائم کو مزید بھڑکا گئی۔ وہ چاہتا تھا کہ یہ لڑکی روئے، تڑپے تکلیف کی شدت اس کے دل کو چیر کر رکھ دے۔ بالکل ایسے جیسے صائم تڑپ رہا تھا۔

"رُک کیوں گئے؟ کیا طنز کے نشتر ختم ہوگئے؟" عانیہ کی دھیمی آواز نے اس کو پھر ادیا۔

"میں یہ کہنا چاہ رہا تھا کہ شادی تو نہیں البتہ اگر کوئی بزنس ڈیل چند دنوں کی رفاقت کی آپ کرنا چاہیں تو میں اس میں انٹرسٹڈ ہوسکتا ہوں بشرطیکہ آپ اپنے حُسن کی قیمت کچھ......نہیں کافی کم لگائیں۔" وہ غصے میں بولتا چلا گیا۔ پگھلتے سیسے سے الفاظ عانیہ کے کانوں میں انڈیلتا چلا گیا۔ اس کی روح کو زخمی کرتا گیا۔ اُس کو کسی بازاری عورت سے بھی زیادہ گندگی میں گرا رہا تھا۔ عانیہ نے اُف تک نا کی۔ اُس کی زبان زہر اُگل رہی تھی اور عانیہ لمحہ بہ لمحہ گھائل ہو رہی تھی۔ وہ ایک بت کی مانند خاموش اور جامد کھڑی تھی۔ پاس کھڑی تابی کا دل کسی پتے کی طرح کانپ رہا تھا۔ عانیہ کی خطرناک حد تک زرد پڑتی شکل اُسے خائف کررہی تھی مگر اب صائم کو کسی کی پروا نہیں تھی۔ وہ شاید ان تمام جذبات سے بے نیاز ہوچکا تھا۔

"آپ جاسکتی ہیں۔" وہ اندر جانے کے لیے مڑا۔

"اب ایک میری بات بھی سن لیں۔" دھیمی نرم اور آنسوؤں میں بھیگی آواز نے صائم کے قدم روک لیے۔ جانے کیا تھا اس لڑکی میں۔ کیوں وہ اُس کے وجود کی نفی نہیں کرپاتا تھا۔ دل اس کی جانب کھنچا چلا جاتا تھا۔ صائم کو اپنے آپ سے نفرت محسوس ہوئی۔ اس نے پلٹ کر اس دشمنِ جاں کو نظر بھر کر دیکھا۔ دل شاید اب بھی اُس سے وضاحت چاہتا تھا۔ اک اُمید کا دیا اب بھی روشن تھا کہ وہ معصوم ہے...... بے قصور ہے...... یہ سب جو ہوا وہ جھوٹ ہے اس پہ تہمت ہے۔

"آپ نے جو سوچا سمجھا وہ سچ ہے مگر......" اعتراف کے یہ کھلے الفاظ۔ صائم کا بس نہ چلا کہ اس آخری اُمید کا دیا بجھانے والی اس لڑکی کو قتل کردے۔

"ایک لمحہ کی تاخیر کے بغیر اس گھر سے نکل جاؤ ورنہ نوکروں سے دھکے دے کر نکلوا دوں گا۔" وہ لمبے ڈگ بھرتا اندر چلا گیا۔

"تابی!" اس نے پکارا تو تابی کو اس پر ترس آگیا۔ وہ عانیہ کو تھام کر کرسی پر بیٹھ گئی۔ اتنے شور وغل سے سیٹھ مظاہر بھی باہر نکل آئے تھے اور اب حیران نگاہوں سے یہ ڈرامہ دیکھ رہے تھے۔ عانیہ ان کے وجود سے بالکل غافل تھی۔

"جو کچھ پچھلے چند ماہ میں ہوا وہ ایک کڑوا سچ ہے مگر اس

گھناؤنے پلان میں مجبوراً شامل ہوئی تھی۔ بارہا میں نے چاہا کہ صائم کو حقیقت سے آگاہ کردوں مگر میرے باپ نے مجھے مجبور کردیا تھا۔ سب اب بتانے کا کوئی فائدہ نہیں اور میری وضاحت صائم کے دل سے کبھی یہ نفرت نہیں نکال سکتی مگر تم میری بات کا اعتبار کروگی نا؟" اس نے تابی کا ہاتھ تھام کر اُس سے پوچھا۔ اپنے جذبات کا ایک ایک حال بتادیا۔ ہاں اگر کچھ نہیں بتایا تو اپنے دل کا حال، اپنی محبت کا، اپنی ماں کی ترسی ہوئی ممتا کا نہیں بتایا۔ وہ ہولے ہولے بول رہی تھی اور پیچھے کھڑے سیٹھ مظاہر دُکھی نظروں سے اُس ٹوٹی پھوٹی پیاری سی لڑکی کو دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے اپنی بیٹی کے گرد بازو حمائل کردیے۔ دونوں لڑکیوں نے چونک کر انہیں دیکھا۔

"عانیہ تم نے کبھی ایک دفعہ بھی بس ایک لمحے کو بھی میرے صائم کو بغیر لالچ کے، سچے دل کے ساتھ چاہا؟" انہوں نے پوچھا۔

"انکل میں نے صائم کو دل کی تمام گہرائیوں سے اور ہر لالچ سے پاک ہوکر چاہا۔ لیکن دولت اور جائیداد کا حصول اس کی شرط رکھنا بھی ایک ٹھوس حقیقت ہے۔ اب سوچتی ہوں کہ بے شک میں دولت کی ہوس نہ رکھتی تھی مگر مجھے اپنی ماں کی خوشیوں کی لالچ تو تھا ہی نا۔ میں نے اپنی ماں کی ترسی ہوئی ممتا کو سیراب کرنے کے لیے صائم کی محبت کی بازی لگا دی۔" وہ جیسے خودکلامی کررہی تھی۔

"کیا مطلب؟" دونوں باپ بیٹی یکلخت چونک گئے مگر وہ تو جیسے ایک ٹرانس میں تھی۔ ان کی کچھ سن ہی نہیں رہی تھی۔

"عانیہ...... تم کیا کہنا چاہ رہی ہو۔" سیٹھ مظاہر نے بے چینی سے اُس سے پوچھا۔ مگر وہ روئے جارہی تھی۔

"میں نے صائم کو ٹوٹ کر چاہا، عشق کی حد تک مگر مان نہ دے پائی اعتبار توڑ دیا ان کا۔ میری یہ ہی سزا ہونی چاہیے تھی نا؟" وہ یک دم اُٹھ کر بھاگ گئی۔ دونوں حیرت سے اُسے دیکھتے ہی رہ گئے۔ اوپر کھڑکی سے بھی صائم اُسے جاتے دیکھتا رہا۔

"آخر کیوں میں اس جھیل سی آنکھوں والی ساحرہ کے سحر میں جکڑا ہوں اب تک۔ سب کچھ جانتے بوجھتے بھی میں اب تک اس کو اپنی سوچوں پہ حاوی کیے ہوئے ہوں۔ لعنت ہے مجھ پہ۔" اُس نے غصے سے میز پر مکا مارا۔

"اگر دولت ہی اس کا حصول تھا تو بے وقوف شخص تو اُسے دولت سے حاصل کرلیتا۔" دل نے عانیہ کو پانے کی راہ دکھائی۔

"اتنا عشق میں اندھا نہ ہو صائم۔ اُس عورت کے لیے جو محبت کو کاروبار سمجھتی ہے تو اپنی انا اپنی خودداری داؤ پر لگا دے گا۔" دماغ نے دُہائی دی۔ دل و دماغ کی اس جنگ نے اُسے نڈھال سا کردیا تھا اُس نے ایک نگاہ اپنے سرہانے پڑی عانیہ کی تصویر پر ڈالی۔ جانے کس بات پر اُس کے ہونٹوں پر ایک شرمیلی سی مسکراہٹ تھی۔

"شرم...... حیا...... ہُنہ......" اس نے تلخی سے سوچا اور غصے سے تصویر کو اُٹھا کر الماری کے کونے میں پھینک دیا۔

"اک بار کبھی تم نے
ہم سے تو کہا ہوتا
ہم مانگ سجانے کو چُن لاتے سبھی تارے
سیج پر بچھا دیتے
سپنوں کے محل سارے
ہم ایسے ہی پاگل تھے
ہستی کو مٹا دیتے
جذبوں پہ مگر اپنے ایمان تو رہ جاتا
جو ٹوٹ کے بکھرا ہے وہ مان تو رہ جاتا
چاہت نہ بھی ملتی، ارمان تو رہ جاتا
جو درد ہمارا ہے گر تم نے سہا ہوتا
اک بار کبھی تم نے
ہم سے تو کہا ہوتا!
اک بار کبھی تم نے......
اک بار کبھی تم نے......

اُس نے تھک کر آنکھیں موند لیں۔ صدیوں کی تھکن کاندھوں پر آٹھہری تھی۔ کرب کی اک چادر سی چہرے پہ تنی تھی۔

......☆☆☆......

عانیہ کہاں ہے؟" آواز میں غصے کے ساتھ ساتھ کسی کے کھوجانے کا خوف بھی تھا۔

"پوچھو اپنے باپ سے۔ جانے کیسا دل پایا ہے اس شخص نے۔ کیسی روتی بلکتی گئی ہے بچی۔ پتا نہیں کس مٹی سے اس

شخص کا وجود اُٹھا ہے۔ ذرا جو ترس آیا ہو اپنی اولاد پر۔" بے جی کی آواز بھرا گئی۔ زرمین کا دل کانپ گیا۔ وہ وہیں بے جی کے قدموں میں بیٹھ گئی۔

"بتائیں بے جی یہ سب کیا ہے۔" کیوں میں بے خبر ہوں ان سب باتوں سے؟ بے جی بتائیں نا آخر یہ سب کیا ہے؟" اور بے جی اُس کو بتاتی چلی گئیں۔

......☆☆☆......

"ایسے کب تک چلے گا؟" سائرہ بیگم نے بے چینی سے ایک بار پھر لان کے آخری کنارے پر نصب بینچ پر بیٹھی عانیہ پر ایک نظر ڈالی۔ پچھلے کئی گھنٹوں سے وہ وہاں بیٹھی تھی۔ رات کی بڑھتی خنکی کا احساس بھی اُسے نہ تھا۔

"ایک ماہ ہو گیا تھا اس کو آئے ہوئے۔ دیکھو نا کتنی کمزور ہو گئی ہو۔ آنکھوں کے گرد حلقے، الجھے بال، بے ترتیب حلیہ...... صدیوں کی بیمار دکھائی دینے لگی ہے۔ جانے کیا روگ لگا کر آئی ہے۔ کچھ بتاتی بھی نہیں۔ نا روتی ہے نہ ہنستی ہے۔ بس ایک جامد خاموشی ہے لبوں پر اور آنکھوں میں حزن کی لہریں اُٹھتی رہتی ہیں۔ مجھے تو ہول اُٹھتا ہے اسے دیکھ کر۔" سائرہ بیگم نے دوبارہ اُس کی جانب دیکھا۔ وہ ہنوز اسی طرح بیٹھی تھی۔

ایک ماہ پہلے اس کی اچانک آمد سائرہ بیگم کو حیران کر گئی تھی۔ جب وہ بلاتی رہیں تو عانیہ نے ہر دفعہ یہ ہی کہا کہ "امی زرمین کو ساتھ لاؤں گی" مگر اب یوں اچانک بنا اطلاع کے اور وہ بھی اکیلی۔ سائرہ بیگم پریشان ہو گئیں۔ عجیب سی ذہنی حالت تھی عانیہ کی۔ وہ کچھ پوچھ بھی نہ سکیں۔ بس ممتا کی چھاؤں میں لے لیا اُسے۔ مگر اس کی یہ حالت، دن بدن بڑھتی وحشت ان سے دیکھی نہ جاتی تھی۔

"ملائکہ بھی روز ہی آتی تھی مگر ہر طرح کی کوشش لاحاصل تھی۔ وہ کوئی بات کرنے کو تیار ہی نہ تھی۔ بس ایک ہی جملہ تھا۔

"امی! میں ہار گئی۔ میں سب کچھ ہار گئی۔" نہ کوئی آنسو نہ کوئی اپنے درد کی کہانی۔ بس یہ ایک جملہ...... سائرہ بیگم تڑپ گئی تھیں مگر کیا کرتیں۔

"جانے کیا روگ لگا لیا ہے میری بچی نے۔ یہ سب میرا قصور ہے۔ میں نے اپنی بچی کی خوشیوں بھری زندگی میں آگ لگا دی۔ کیسے کملا کر رہ گئی ہے میری جان۔" وہ رو پڑیں۔

"آنٹی پلیز کیوں خود کو تکلیف دے رہی ہیں۔ میں ابھی اس سے بات کرتی ہوں۔ اتنے ذلیل لوگوں کے لیے وہ کیوں خود کو یوں برباد کر رہی ہے۔" ملائکہ کو تو بہت دنوں کا غصہ تھا۔ وہ عانیہ کی طرف بڑھ گئی۔

......☆☆☆......

آہٹ پر عانیہ نے سر اُٹھا کر اسے دیکھا۔
آنکھوں میں آئی نمی اس نے نظریں جھکا کر پلکوں میں چھپالی۔

"یوں نگاہیں چُرانے سے تم مجھ سے چھپ نہیں سکتی عانیہ۔" ملائکہ اُس کے پاس ہی بینچ پر بیٹھ گئی۔

عانیہ نے تھوڑا سا پرے کھسک کے اُس کے لیے جگہ بنائی اور سر بینچ کی پشت سے ٹیک دیا۔ یہ اس کے اپنے تھے۔ اس پر جان چھڑکنے والے۔

"میں کب ایسا کرنا چاہتی ہوں ملائکہ۔ میں تو شاید اپنے آپ سے چھپ رہی ہوں۔" وہ ہولے سے بولی۔

"مگر کیوں؟ ایسا کیوں چاہتی ہو۔ کیوں تم نے اپنے آپ کو تنہائی کے خول میں بند کر لیا ہے۔" ملائکہ آج اس کو یوں چھوڑنے والی نہ تھی۔

اپنی پیاری دوست کی پُر خلوص محبت پر وہ اُسے بھیگی سی مسکراہٹ سے دیکھنے لگی۔

"یہ مسکرا کر کسی اور کو بے وقوف بنانا۔ میں ملائکہ ہوں یاد کرو۔ تمہاری پل پل کی ساتھی۔ ایک ایک سانس سے واقف ہوں میں، کیا تمہارا غم اس مسکراہٹ سے چھپ سکتا ہے؟"

"نہیں ملائکہ مگر دکھایا بھی نہیں جا سکتا نا۔"

"اوہ عانیہ...... کیا زخم لے کر آئی ہو تم وہاں سے۔" ملائکہ اس کے لیے دُکھی ہو گئی۔

"کاش تم کو وہاں ہم سب نے بھیجا ہی نا ہوتا۔ آنٹی نے تم پر بڑا ظلم کیا ہے عانیہ۔" اُس کو اب آنٹی اور اپنے آپ پر بہت غصہ آ رہا تھا۔

"نہیں ملائکہ ایسے نا کہو۔" عانیہ تڑپ گئی۔

"سارا قصور میرا ہے۔ امی نے تو مجھے بارہا واپس بلایا۔ میں ہی اپنی ضد پر اڑی رہی۔ بڑا مان تھا مجھے اپنے آپ پر۔ مگر ملائکہ میں ہار گئی...... تمہاری عانیہ ہار گئی۔" وہ جیسے رو

دینے کو تھی۔

''چھوڑو عانیہ! تم کیوں اپنے آپ کو موردِ الزام ٹھیراتی ہو۔ وہ لوگ ہیں ہی بے حس اور ظالم۔'' ملائکہ نے محبت سے عانیہ کے ہاتھ تھاما۔

''وہ لوگ تو ایسے ہی تھے مگر ملائکہ وہ ایسا نہ تھا۔ وہ جو بہت خوب صورت دل کا مالک تھا۔ اُف ملائکہ مجھ سے بہت بڑا قصور ہو گیا۔'' عانیہ رو دی۔

''کون عانیہ؟ کس کی بات کر رہی ہو۔''

''صائم کی۔''

اور پھر جانے کیوں وہ ملائکہ کے آگے ٹوٹتی چلی گئی۔ اب اس سے مزید سہا نہ جاتا تھا۔ دل کا زخم ناسور بنتا جا رہا تھا۔

''میں نے اس کا مان توڑ دیا ملائکہ اس کا اعتبار لوٹ لیا۔ میں لٹیری ہوں ملائکہ لٹیری۔'' وہ اب سسک رہی تھی اور ملائکہ اس کے ہاتھ تھامے بس خاموش بیٹھی رہی۔

......☆☆☆......

''بھیا؟'' تابی نے ہولے سے اُسے پکارا۔ وہ عام طور پر یوں ہی کھڑکی میں کھڑا اُفق پار جانے کیا ڈھونڈتا تھا۔ جانے پاتال کی کن گہرائیوں کو کھوجتا تھا۔ کیا وہ نہیں جانتی تھی کہ اس ایک ماہ میں وہ جیسے برف کا ایک تودہ بن گیا تھا۔ آنسو موتی کی طرح تابی کی آنکھوں سے بہہ نکلے۔

ہجوم بادہ گساراں ہے اور ہم تنہا
وفورِ حسنِ نگاراں ہے اور ہم تنہا
ہزار داغ ہیں روشن دلِ شکستہ میں
یہ شہر شہر چراغاں ہے اور ہم تنہا

مغنیہ کی خوب صورت آواز کا سوز کمرے کا سکوت توڑ رہا تھا۔ تابی نے ہاتھ بڑھا کر سی ڈی پلیئر آف کر دیا۔

''بھیا؟'' اُس نے بھائی کے قریب جا کر اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھا۔ صائم نے چونک کر سر اُس کی جانب موڑا۔ شدتِ ضبط سے سُرخ آنکھیں، تنا ہوا کمزور چہرہ عجیب دُکھ کی داستان بیان کر رہا تھا۔ تابی رو دی۔

''میں نے تو اُس سے ٹوٹ کر محبت کی تھی۔ اپنے دل کی اتھاہ گہرائیوں سے چاہا تھا اس کو۔ پھر اس نے یہ سب کیوں کیا۔ اُسے دولت چاہیے تھی نا؟ تو لے لیتی مجھ سے۔ ایک بار کہہ کر تو دیکھتی۔ میں تو اس پر اپنا سب کچھ ہارنے کو تیار تھا۔'' صائم عجیب سے احساسات میں گھرا تھا۔ نفرت اور محبت کے بیچ وہ تڑپ رہا تھا۔

''بھیا!'' تابی کچھ نہ کہہ پائی۔

''وہ خونی ہے تابی...... خونی...... اُس نے میرا اعتبار، مان، چاہت کا خون کیا ہے۔''

''بھیا پلیز، خود کو کیوں تکلیف دے رہے ہو۔ اس کے لیے جو یوں سب کو چھوڑ کر چلی گئی۔'' تابی نے اس کو جھنجھوڑا۔ بھائی کی حالت اس سے دیکھی نہ جاتی تھی۔ دن بھر وہ اپنے آپ کو کاموں سے تھکا کر چور کر دیتا اور رات اندھیروں میں جاگتے گزر جاتی تھی۔

''جانتی ہو تابی وہ پھر بھی مجھے یاد آتی ہے۔ ہر پل ہر لحہ...... میں جتنا اس سے نفرت کرنا چاہتا ہوں یہ دل پھر بھی اُس کی تمنا کرتا ہے۔'' صائم نے جیسے کچھ سُنا ہی نہ تھا۔

''بھیا! خدا کے لیے سنبھالو اپنے آپ کو۔'' وہ کتنی دفعہ کوشش کر چکی تھی کہ صائم کو عانیہ سے ایک دفعہ بات کرنے پر مجبور کرے مگر لا حاصل۔

''میں کیا کروں تابی...... پاگل ہو جاؤں گا۔'' اور تابی نے بانہیں وا کر کے اپنے بھائی کو اپنے سینے میں چھپا لیا۔ وہ اتنا بڑا جوان مرد اس چھوٹی سی لڑکی کے دامن میں تڑپتا رہا...... مگر آج پہلی دفعہ تابی کو اچھے کی اُمید ہوئی تھی۔

......☆☆☆......

''تم ایک بار بات تو کر کے دیکھو اس سے۔'' سائرہ بیگم کب سے اُسے سمجھا رہی تھیں۔

''امی پلیز۔ میری زندگی کا یہ باب بند ہو چکا ہے۔ اس کو پلیز دوبارہ نہ کھولیں۔ اب کی دفعہ میں سنبھل نہ پاؤں گی۔ میں مر جاؤں گی امی۔'' وہ اُٹھ کر باہر نکل گئی۔

''ملائکہ تم ہی اس پاگل لڑکی کو سمجھاؤ۔ یہ بھی بھلا کوئی تک ہے۔ کوئی اتنی بڑی غلط فہمی بھی بھلا رہنے دیتا ہے؟'' سائرہ بیگم پریشان تھیں۔

''آنٹی میں نے بہت دفعہ بات کرنے کی کوشش کی ہے مگر وہ اس ٹاپک پر بات کرے تب نا۔''

''تو کیا یہ یوں ہی گھلتی رہے گی؟'' سائرہ بیگم کی تو وہ ایک ہی متاعِ حیات تھی فکر سے ان کا بُرا حال تھا۔

''اور اگر وہ شخص اتنا ہی سنگ دل ہے کہ اس کی بات نہیں سُنے گا تو پھر اس کا خیال دل سے نکال کیوں نہیں دیتی آخر؟'' وہ بے بسی سے بولیں۔ انہیں صائم پر بھی غصہ آ رہا تھا۔

''میں ہی کچھ کرتی ہوں آنٹی آپ مجھ پر چھوڑ دیں۔''
ملائکہ اُٹھ کر یاسر کے گھر آ گئی۔ آنٹی سائرہ کو تو وہ تسلی دے آئی تھی مگر اب پچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے۔

''زہے نصیب۔ کیسے آنا ہوا محترمہ؟'' یاسر اُسے اندر آتا دیکھ کر بولا۔

''آپ کو میری مدد کرنا ہوگی۔'' وہ جلدی سے اپنی پریشانی اسے بتا دینا چاہتی تھی۔

''کس سلسلے میں۔'' یاسر اپنی فائلز پر نظر ڈالتے ہوئے بولا۔

''پہلے ان کو تو بند کریں۔'' اس نے دھڑلے سے اس کی فائلز بند کر دیں۔

''اچھا بابا۔ اب بتاؤ۔'' یاسر نے تمام کاغذات سمیٹ کر ایک سائیڈ پر رکھ دیے۔

''اب ٹھیک ہے۔ وہ اصل میں عانیہ......'' ملائکہ کی کہانی شروع ہو چکی تھی۔ یاسر پوری توجہ سے اس کی بات سننے لگا۔

......☆☆☆......

راہداری میں قدم رکھتے ہی نفرت کی ایک لہر اُس کے تن بدن میں سرایت کر گئی۔ گزرے اس دن کا ایک ایک لمحہ کسی فلم کی مانند اُس کی آنکھوں کے سامنے آ گیا۔ اس گھر میں قدم بھی رکھنا اُسے گوارا نہ تھا مگر کیا کرتا اُس کی پیاری سی دوست زرمین کا بُلاوا تھا۔ کیسے نہ آتا۔ بچپن سے اب تک دونوں ساتھ پلے بڑھے تھے۔ تابی تو کہیں بہت عرصے بعد اس کی زندگی میں آئی تھی۔ اس سے پہلے تو زرمین کو ہی اس نے ہمیشہ بہن سمجھا تھا۔

صائم ڈرائینگ روم کی طرف بڑھ آیا تھا۔ اندر سے آتی زرمین کی آواز پر وہ جھجک کر رُک گیا۔ وہ غصہ میں تھی شاید۔ شاید صفدر زمان سے کوئی جھگڑا ہوا تھا۔

''آپ باپ ہیں یا کوئی دھندا کرنے والے انسان؟ عورت کا بیوپار کر رکھا ہے کیا آپ نے۔'' زرمین کی اونچی آواز پر صائم وہیں کھڑا رہ گیا۔ کچھ ایسے ہی الفاظ چند ماہ پہلے بھی اسی کمرے کے باہر اس کے کانوں میں پڑے تھے۔

وہ مزید اس خاندان کے ساتھ کوئی تعلق رکھنا نہیں چاہتا تھا اور صفدر زمان کی تو وہ شکل دیکھنے کا بھی روادار نہ تھا سو وہ واپس پلٹنے لگا کہ زرمین کی آواز نے اس کے قدم روک لیے۔

''عانیہ اگرچہ میری سگی بہن ہے لیکن اس سے زیادہ مجھے صائم سے پیار ہے۔ بہن کا پیار کیا ہوتا ہے۔ اُس کی محبت کیا چیز ہے اس کی پہچان تو آپ نے مجھ سے چھین ہی لی تھی مگر صائم مجھے بھائیوں کی طرح عزیز ہے اور جو دھوکہ بازی آپ نے اس کے ساتھ کی ہے وہ میں مزید آپ کو نہیں کرنے دوں گی۔'' زرمین نے باہر کھڑے صائم کو دیکھ لیا تھا۔ سوچ کر بولی۔ آخر یہ سارا ڈرامہ اس نے صائم کو حقیقت سے آگاہ کرنے کے لیے ہی تو رچایا تھا۔ جس دن سے بے جی نے اسے ساری بات بتائی تھی اس کا خون کھول رہا تھا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ کس طرح اُڑ کر اپنی ماں اور بہن کے پاس پہنچ جائے مگر صائم کی وجہ سے اب تک وہ یہاں موجود تھی۔ کتنی ہی دفعہ اس نے صائم سے بات کرنے کی اور تمام اصلیت بتانے کی کوشش کی مگر وہ تو جیسے ہر کسی سے ناتا توڑ چکا تھا خصوصاً صفدر زمان کے گھر والوں سے۔ آج بھی تابی اور انکل مظاہر کو اپنے ساتھ ملا کر اُس نے صائم کو یہاں بُلایا تھا۔ اب اُسے پلٹ کر بنا بات سُنے واپس جاتا دیکھ کر وہ پریشان ہو گئی تھی۔ صائم یوں عانیہ سے بدگمان رہے یہ اُسے گوارا نہ تھا۔ صائم کو رُکتا دیکھ کر اُس کی سانس میں سانس آئی۔ صفدر زمان اس تمام بات سے بے خبر بیٹی کو گھور رہا تھا۔

''کیا بکواس کر رہی ہو۔ لگتا ہے میں نے تم کو کچھ زیادہ ہی سر پر چڑھا لیا ہے۔ مجھے تو پہلے ہی چاہیے تھا کہ صائم کے ساتھ تمہارا رشتہ کرنے کی کوشش کرتا مگر تم کسی کی مانتی کب ہو۔ تمہاری وجہ سے مجھے اس بے وقوف لڑکی کو بُلانا پڑا۔ وہ مڈل کلاس ذہنیت کی لڑکی میرا تمام پلان چوپٹ کر گئی۔'' صفدر زمان کو تو جال میں پھنسے ہوئے شکار کا یوں بچ کر نکل جانا بہت خار دِلا رہا تھا۔

''کس قدر ظالم ہیں آپ دولت کے حصول کے لیے آپ نے اپنی بیٹی کو ہی بکاؤ مال بنا دیا۔ اُس کی مجبوری کو اپنا ہتھیار بنا کر آپ نے اُسے مجبور کیا کہ صائم کو اپنے جال میں پھانسے۔ آپ جان گئے تھے کہ صائم اس کو چاہنے لگا ہے اور عانیہ وہ بے چاری میری اور ماں کی محبت کے لیے آپ کے آگے جھک گئی۔ آپ نے اسے محبت کی بیڑی پہنا کر اپنا غلام بنا لیا۔ اُسے مجبور کیا کہ وہ صائم کے قریب جائے اس کے گرد اپنی محبت کا جال پھیلائے۔ آپ نے اُس سے اُس کی حیا اور شرم کا سودا کیا ہے۔ کیسے باپ ہیں آپ؟''

زرمین اب صائم کی موجودگی بھی بھول چکی تھی۔ اُسے

گھن آرہی تھی اپنے باپ سے۔ غصہ اُسے دیوانہ بنا رہا تھا۔ وہ تقریباً چیخ رہی تھی۔

''زرمین تم حد سے بڑھ رہی ہو۔ بند کرو اپنی بکواس۔ ایسا نہ ہو کہ میرا ہاتھ اُٹھ جائے۔'' صفدر زمان بھڑک اُٹھے۔

''حد......؟ آپ جانتے ہیں حد کسے کہتے ہیں۔ اس لفظ کے مطلب سے آشنا بھی ہیں آپ؟ ایک شریف لڑکی کو اس کی ماں کی ممتا کی تشنگی دور کرنے کا بہانہ دے کر اُسے بلیک میل کیا ہے آپ نے۔ مگر اپنی ماں کا دودھ اس کی رگوں میں شرافت بن کر دوڑ رہا تھا۔ اور جب اُس نے آپ کو صائم کے سامنے ایکسپوز کرنا چاہا تو آپ نے اُس کے یہ کرنے سے پہلے ہی اُسے صائم کی نظروں سے گرا دیا اور وہ......وہ بے چاری اپنا دفاع بھی نہ کر پائی کہ شاید آپ مجھے میری ماں سے ملنے کی اجازت دے دیں۔ کتنی بھولی تھی وہ۔ کاش وہ مجھ سے یہ سب کہہ دیتی تو میں اُسے بتاتی کہ اپنی ماں کی آغوش میں ایک پل گزارنے کے لیے میری ساری خوشیاں، دولت قربان مگر اس نے ایسا نہیں کیا۔ جانتے ہیں کیوں؟ کیوں کہ آپ نے دو بہنوں کو ہمیشہ جُدا رکھا۔ کیسے باپ ہیں آپ۔'' وہ ہسٹیریکل ہو رہی تھی۔

''کیسا باپ ہوں میں؟ میں وہ باپ ہوں جو تمہاری خوشیوں کے لیے یہ سب کر رہا تھا۔ تاکہ تم دولت کی ریل پیل میں رہ سکو۔ جس زندگی کی آسائشوں کی تم عادی ہو وہ تم سے چھن نہ جائیں۔ تم کو تو میرا شکر گزار ہونا چاہیے۔''

''نہیں چاہیے تھا مجھے یہ سب پاپا۔'' مجھے ماں کی مامتا چاہیے تھی۔ بہن کا پیار چاہیے تھا۔ آپ کی شفقت درکار تھی مجھے۔ میری ذات تو تشنہ رہ گئی۔ آپ نے یہ سب اپنے لیے کیا۔ آپ نے دولت کی ہوس اور لالچ میں اتنی زندگیاں بھینٹ چڑھا دیں۔ صرف اپنے لیے......'' وہ بولے جا رہی تھی۔ وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا باہر نکل گیا۔

زرمین کو اس کے جانے کی خبر تک نہ ہوئی۔ وہ تو غصے سے پاگل ہو رہی تھی۔

''مت بھولو کہ اس دولت کی ہی بدولت تم آج اس مقام پر ہو۔ یہ جو عیاشی کرتی پھرتی ہو یہ سب اس پیسے کی وجہ سے ہی ہے۔''

''میں لعنت بھیجتی ہوں ایسی دولت پر اور ایسے گھر پر میں اپنی ماں کے گھر جا رہی ہوں۔ یہ بھی سن لیں کہ بے جی میرے ساتھ جا رہی ہیں۔ آپ رہیے اس بڑے سے محل میں تن تنہا۔'' وہ کمرے سے نکلتے نکلتے رُک گئی۔

''اوہ ایک بات تو بتانا ہی بھول گئی۔ بے جی نے اپنے تمام ٹرسٹ فنڈ کی رقم میرے اور عانیہ کے نام کر دی ہے۔ صد افسوس پاپا آپ اپنی اولاد کے ساتھ ساتھ آنے والی مزید دولت سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے ہیں۔'' وہ طنزیہ ہنسی۔

''آپ سے زیادہ غریب میں نے کوئی نہیں دیکھا۔'' وہ کمرے سے باہر نکل گئی۔

اور وہ......صفدر زمان......شہر کا مشہور اور کائیاں بزنس مین آج زندگی کی سب سے بڑی بازی ہار چکا تھا۔ کمرے کے دروازے کا ہلتا پردہ اس کے اس محل نما مکان میں تنہا ہونے کا نشان دے رہا تھا۔

......☆☆☆......

''یار زرمین بے عزتی نہ ہو جائے۔ یہ نہ ہو کہ وہ لوگ ہمیں دھکے دے کر گھر سے ہی نکال دیں۔'' صائم ٹیکسی میں بیٹھتے ہوئے پریشانی سے بولا۔ اس کی ڈری ہوئی شکل دیکھ کر زرمین کو ہنسی آ گئی۔

''ایسا کچھ نہیں ہوگا۔ سائرہ بڑی پیاری بچی ہے۔'' بے جی نے دونوں کو حوصلہ دیا۔ وہ ابھی ابھی کلر کہار پہنچے تھے۔ پہلی دفعہ پنڈی سے بس کا سفر کیا تھا اور اب پہلی بار ٹیکسی میں سواری۔

''جانا کہاں ہے صاحب؟'' ڈرائیور نے پوچھا تو دونوں نے بے جی کو دیکھا۔ وہ دونوں تو یہ بھی نا جانتے تھے کہ انہوں نے جانا کہاں ہے۔ بے جی نے کچھ سوچ کر پتا بتایا۔ جانے وہ لوگ اب بھی وہاں ہی رہتے تھے یا گھر بدل لیا تھا۔ بہر حال وہ اپنی منزل کی طرف چل پڑے تھے۔ زرمین کا دل بھی دھک دھک کر رہا تھا۔ اپنی ماں سے پہلی دفعہ ملنے پر۔

صائم بھی الگ اپنی سوچوں میں گم تھا۔ آج تک بزنس کے بڑے سے بڑے کام میں وہ کبھی پریشان نہ ہوا تھا مگر زندگی کے اس مرحلے میں اس کے چھکے چھوٹ رہے تھے۔ جانتا تھا عانیہ اس کی شکل بھی دیکھنے کی روادار نہ ہوگی۔ اس نے کیا بھی تو ایسا ہی تھا۔ ایک بے جی ہی تھی جو پُرسکون بیٹھی تھیں۔

......☆☆☆......

دروازے کی بیل پر یاسر اُٹھا وہ کافی دیر سے وہاں تھا۔

آنٹی آپ بیٹھیں۔ میں بس جارہا ہوں۔ ساتھ ہی دیکھ لوں گا اس وقت کون ہے؟"

"نہیں تم چائے پی کر جانا۔ میں نے ابھی بنوائی ہے اور ہاں لڑکیوں کو بھی اندر بلا لو۔ کب سے باہر بیٹھی ہیں۔ میں دیکھتی ہوں کون ہے۔" سائرہ باہر کے دروازے کی طرف بڑھ گئیں۔

"اس وقت اتنی رات گئے کون ہوسکتا ہے۔" وہ سوچ رہی تھیں۔

"آپ......؟" دروازہ کھولتے ہی وہ ہکا بکا رہ گئیں۔ گزرے ماہ وسال کی تہوں میں دبا ہوا یہ چہرہ سائرہ کیسے بھول سکتی تھیں۔

"میں نے بہت دیر کردی نا آتے آتے؟" بے جی نے سائرہ کے لیے اپنی بانہیں وا کیں اور سائرہ تڑپ کر ان میں سما گئی۔

"ایکسکیوزمی......ہم بھی آئے ہیں۔" زرمین کی آواز نے دونوں کو چونکا دیا۔ سائرہ شرمندہ ہوکر بے جی سے الگ ہوئیں اور آنے والے مہمانوں کو دیکھنے لگیں۔ زرمین کی عجیب سی کیفیت تھی۔

"امی...... میں......" وہ ہکلا گئی۔ جذبات سے آواز رندھ گئی تھی۔ گلا بند ہونے لگا تھا۔

"تم......تم......اوہ میرے خدا!" سائرہ بیگم کو چکر سا آگیا وہ اس کو تکتی چلی گئیں۔

"تم میری زرمین ہونا۔" ایک سرگوشی ان کے لبوں سے نکلی۔ انہوں نے دیوانہ وار اس کو تھام لیا۔

"ہاں تم میری زرمین ہی ہو۔ میری جان کا ٹکڑا، میری بچی۔" انہوں نے کھینچ کر اسے اپنے سینے سے لگالیا۔ برسوں کی تشنہ نگاہیں آج بیٹی کے دیدار سے سیراب ہورہی تھیں۔ آنسو لڑیوں کی طرح تواتر سے گالوں پر لڑھک رہے تھے۔ ماں کے سینے میں سمائی زرمین کو جیسے ممتا کی ٹھنڈک مل گئی تھی۔ کتنا سکون تھا اس پناہ میں۔

"زرمین؟" صائم نے بے چینی سے پہلو بدلا۔ ماں بیٹی کے ملن پر اُسے بھی خوشی تھی مگر اس کا دل تو کہیں اور ہی اٹکا ہوا تھا۔ بے تاب نگاہ نے گھر کے اندر کی راہ گزر پر اُسے تلاشنے کی کوشش کی۔

"یہ؟" سائرہ بیگم نے اسے سوالیہ نگاہوں سے دیکھا۔

"اندر تو آنے دو۔ سب کچھ بتاتے ہیں۔ سردی کافی بڑھ گئی ہے اور میری بوڑھی ہڈیوں کو کہاں عادت اتنی سردی کی۔" بے جی کو واقعی بہت سردی لگ رہی تھی۔

"اوہ......خوشی میں میں بھول ہی گئی۔ آئیں نا اندر۔" وہ ان سب کو اندر لے آئیں۔ ان کے قدم خوشی سے زمین پر نہ پڑ رہے تھے۔

"یاسر، ملائکہ...... دیکھو کون آیا ہے؟" وہ خوشی سے بولیں۔

"عانیہ کہاں ہے؟" انہوں نے کمرے میں نظریں دوڑائیں۔

"وہ باہر ہی ہے۔ کہہ رہی تھی کچھ دیر میں آجائے گی اندر۔" ملائکہ نے سوالیہ نظروں سے آنے والے مہمان دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

"میں بے جی اور یہ زرمین ہے اور یہ صائم ہے۔" بے جی نے خود ہی اپنا اور سب کا تعارف کروایا۔ سائرہ کو زرمین کو دیکھنے سے فرصت ہی نہیں مل رہی تھی۔

"یہ عانیہ کہاں ہے۔ باہر کیا کررہی ہے۔ سردی بہت ہے۔" بے جی کو عانیہ سے ملنا تھا نا۔ صائم کی بھی سانس میں سانس آئی۔ جس کے لیے وہ اتنی دور سے آیا تھا وہ تو اب تک نظر نہیں آئی تھی۔

"باہر لان میں بیٹھی ہے۔ بڑی پاگل لڑکی ہے۔ ابھی بلا کر لاتی ہوں اُسے۔" سائرہ بیگم نے نظریں زرمین سے ہٹا کر کہا۔

"ارے تم بیٹھو۔ یہ صائم بلا لائے گا۔ تم ذرا راستہ بتادو۔" بے جی کی بات پر سائرہ نے حیرت سے انہیں دیکھا۔ شاید عمر کا تقاضا تھا جو بے جی اتنی بہکی بہکی باتیں کررہی تھیں۔

"جی......مگر......یہ تو مہمان ہیں اور پہلی بار ہمارے گھر آئے ہیں۔ میں یاسر کو کہہ دیتی ہوں۔"

"تم اس کو بھیج تو دو میں سب تم کو بتاتی ہوں۔" بے جی بڑے اطمینان سے بولیں۔

"اور ہاں کوئی چائے وائے ملے گی؟"

"جی ضرور......وہ اصل میں......یہ سب کچھ اتنا اچانک ہوا کہ......زرمین یہاں میرے پاس، میرے گھر میں......اور آپ......" سائرہ بیگم بے ربط بول رہی تھیں۔

"صائم بیٹا یہ اس طرف سے باہر لان میں چلے

جائیں۔'' آخران کو یہ ہی سمجھ آئی۔ جملہ ختم ہونے سے پہلے ہی صائم جا بھی چکا تھا۔

......☆☆☆......

رات ہماری تو چاند کی سہیلی ہے
کتنے دنوں کے بعد
آئی وہ اکیلی ہے
سمجھا کے جاتی بھی
کوئی بجھاوے آج
اندھیرے سے جی بھر کے کرنی ہیں باتیں آج

دور کہیں شاید گانے کے بول گونج رہے تھے۔

ہلکی ہلکی آواز اس تک پہنچ رہی تھی۔ اس نے آنکھیں موند لیں اور بازو گھٹنوں کے گرد لپیٹ لیے گال بازو پر رکھ کر وہ سسک اٹھی۔

''اب تو آجاؤ صائم؟ آ کیوں نہیں جاتے؟ کیوں تم کو میری محبت کھینچ نہیں لاتی......'' اپنے خیالات پر خود ہی طنزیہ ہنس پڑی۔

''وہ کیوں آئے گا۔ میں کون سا اس کو اپنی محبت کا یقین دلا پائی تھی۔'' وہ ہولے سے بڑبڑائی۔

''دیکھ لو۔ تم نے تو مجھے ہرا دیا مگر میری محبت نے تم کو پا ہی لیا۔'' بھاری مردانہ آواز پر عانیہ نے چونک کر آنکھیں کھول دیں۔

وہ ایک ٹک اسے دیکھے جا رہی تھی۔

''کیوں یقین نہیں آرہا ہے نا کہ میں آ گیا ہوں؟'' اس نے دھیرے سے پوچھا۔

''میں تو کب سے تمہاری راہوں پہ کھڑا ہوں۔ تم نے آواز ہی نہیں دی پہلے کبھی۔'' صائم اس کے پاس ہی بیٹھ گیا۔ وہ پرے کھسکنے لگی مگر صائم نے دھیرے سے اُسے روک دیا۔

''آج میں تمام اجازت کے ساتھ آیا ہوں۔ اب تمام اختیارات لے کر جاؤں گا۔ اب یوں اپنے سے دور نہیں جانے دوں گا۔'' وہ جذبات سے بوجھل آواز میں بولا۔ اس کی نگاہیں عانیہ کے چہرے کا طواف کر رہی تھیں۔ کتنی کمزور ہوگئی تھی وہ۔ صائم کو دکھ ہوا۔

''اب بھی نا آتے...... آنے کی کیا ضرورت تھی۔'' اچانک ہی وہ صائم سے روٹھ گئی۔ کتنا رُلایا تھا اس شخص نے۔ صائم کو ہنسی آ گئی۔

''یہ بھی خوب رہی۔ غلطی بھی خود کرتی ہو اور ناراض بھی خود ہو جاتی ہو۔'' اس نے پیار سے اُسے چھیڑا۔

''میں تو آئی تھی مگر......'' وہ روہانسی ہوگئی۔

''مانتا ہوں۔ اپنی تمام غلطیوں کا اعتراف ہے مجھے، لیکن تم کیوں چلی آئیں مجھے چھوڑ کر۔ کیوں نہیں لڑیں مجھ سے کیا مجھ سے محبت نہیں تھی؟'' وہ شکوہ کر بیٹھا۔

''صائم...... وہ بابا...... وہ......'' وہ بولنا چاہ رہی تھی۔

''مجھے سب معلوم ہوگیا ہے عانیہ۔ بھول جاؤ اس قصہ کو۔ پچھلی تمام باتیں ہم اپنی زندگی کی کتاب سے یہ صفحہ ہی پھاڑ دیتے ہیں۔'' اس نے کہا۔

''ادھر دیکھو میری طرف۔'' صائم نے اس کی ٹھوڑی پکڑ کر اس کا چہرہ اپنی جانب کیا۔ اس کی آنکھوں میں اپنے لیے پیار کی شدت دیکھ کر عانیہ نے آنکھیں موند لیں۔ عنابی لب کپکپا اٹھے تھے۔

صائم کی نظر ان پر آ کر ٹھہر گئی تھی۔ وہ اس پر تھوڑا سا جھک آیا۔

''اس سے پہلے کہ مجھ سے کوئی میٹھی سی گستاخی ہو جائے چلو اندر چلتے ہیں۔ ابھی میں نے اپنے لیے تمہارے جملہ حقوق محفوظ نہیں کروائے ہیں۔'' صائم کی قربت محسوس کر کے عانیہ نے پٹ سے آنکھیں کھول دیں اور جلدی سے اپنا چہرہ جھکا لیا تو وہ زور سے ہنس پڑا۔

''چلو اندر چلیں۔ زرمین اور بڑی آنٹی بھی آئی ہوئی ہیں۔'' اُس نے کھڑے ہو کر عانیہ کی طرف اپنا ہاتھ بڑھایا۔ عانیہ نے دھیرے سے اپنا نازک ہاتھ اس کے مضبوط ہاتھوں میں تھما دیا اور ہولے سے مسکرا دی۔

موم کی محبت
راحت وفا

دل جل رہا تھا غم سے مگر نغمہ گر رہا
جب تک رہا' میں ساتھ' مرے یہ ہنر رہا
صبح سفر کی رات تھی' تارے تھے اور ہوا
سایہ سا ایک دیر تلک بام پر رہا

گزشتہ قسط کا خلاصہ

شرمین خوب صورت اور سلجھی ہوئی لڑکی ہے۔ چار سال پہلے اس کی زندگی میں صبیح احمد آیا تھا اور اتنا ہی عرصہ ان دونوں کی محبت پروان چڑھی پھر صبیح تعلیم مکمل کر کے واپس کراچی اپنے گھر چلا گیا اور شرمین سے وعدہ کر گیا کہ وہ جلد ہی رشتے کے لیے اپنی ماں کو بھیجے گا لیکن صبیح کی ماں شرمین کے لیے راضی نہیں ہوتیں اور صبیح کی شادی فریحہ سے کر دیتی ہیں۔ شرمین ایک فرم میں اچھی پوسٹ پر جاب کر رہی ہے شرمین کے آفس میں مرزا صاحب شرمین سے جھوٹی محبت کا دم بھرتے ہیں جس سے پریشان ہو کر شرمین صبیح احمد کو خط لکھتی ہے کہ وہ کراچی آ رہی ہے۔ صبیح پہلی فلائٹ سے شرمین سے ملنے چلا آتا ہے اور اسے اپنی شادی کا بتاتا ہے شرمین اس کی شادی کا سن کر ششدر رہ جاتی ہے صبیح اسے یقین دلاتا ہے کہ وہ اپنی بیوی فریحہ کو طلاق دے کر شرمین کو اپنا لے گا۔ عارض شرمین کی محبت میں پاگل ہوا جا رہا ہے صفدر جو عارض کا بہترین دوست ہے اس سے عارض کی یہ حالت دیکھی نہیں جاتی۔ صفدر شرمین سے مل کر اسے عارض کی بے قراری کا بتا کر اس کی محبت کا یقین دلاتا ہے اور یوں شرمین عارض سے منگنی کر لیتی ہے۔ شرمین کی کزن زینت آپا کا بیٹا بوبی بھی شرمین کی محبت میں مبتلا ہے بوبی کو جب شرمین کی منگنی کا پتا چلتا ہے تو وہ خودکشی کی کوشش کرتا ہے لیکن بروقت زینت آپا بوبی کو ڈاکٹر کے پاس لے جا کر اس کی جان بچاتی ہیں ساتھ ہی ملک چھوڑنے کا فیصلہ بھی کر لیتی ہیں۔ صبیح احمد فریحہ کو طلاق دے کر واپس شرمین کے پاس آتا ہے تو شرمین انہیں اپنی منگنی اور جلد شادی کا بتا کر حیران کر دیتی ہے۔ صبیح احمد مایوس ہو کر ملک سے باہر چلا جاتا ہے۔ صفدر کی شادی زیبا کے ساتھ بہت دھوم دھام سے ہوتی ہے زیبا جہاں آرا (صفدر کی ماں) کی پسند ہے صفدر اس شادی سے خوش ہے مگر شادی کی اولین رات اس کے تمام ارمانوں پر اوس پڑ جاتی ہے جب صفدر کو زیبا اپنی کہانی سناتی ہے صفدر کا ارمانوں کا محل ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہو جاتا ہے۔ عارض بزنس کے سلسلے میں امریکہ جاتا ہے اور وہاں اس کا ایکسیڈنٹ ہو جاتا ہے۔

اب آگے پڑھیے

❀......❀......❀

جہاز فضا میں بلند ہوا اور دیکھتے ہی دیکھتے نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ صفدر نے شرمین کی طرف دیکھا وہ ابھی تک آسمان کی وسعتوں میں جانے کیا دیکھ رہی تھی۔ اس کے چہرے پر ایک اداسی تھی' انتظار کی کسک تھی' اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ پر لگا کر خود بھی اڑ جائے' اس دیس میں پہنچ جائے جہاں عارض کو اس کی تیمارداری کی ضرورت تھی۔ صفدر نے افسردگی سے پوچھا تو اس کی مضطرب نگاہیں آسمان سے لوٹ آئیں۔

"کیا دیکھ رہی ہو جہاز تو کب کا جا چکا......؟"

"ہنہ......!" اس نے طویل سرد آہ بھری اور اس کے ساتھ باہر کی طرف بڑھ گئی۔
"میں حیران ہوں کہ عارض کتنا خوش قسمت ہے اسے تم جیسی لڑکی دیوانہ وار چاہتی ہے۔" صفدر نے کہا تو وہ ہولے سے مسکرا دی۔
"عارض! مجھ سے زیادہ مجھے چاہتا ہے یہ بات آپ بھی جانتے ہیں۔"
"ہاں! لیکن یہ بات بھی خلاف توقع ہوئی ورنہ عارض کسی لڑکی کو بھی فلرٹ سے زیادہ گھاس نہیں ڈالتا تھا مگر تمہارے معاملے میں چاروں خانے چت ہوگیا۔" صفدر نے اس کے لیے گاڑی کا فرنٹ ڈور کھولا۔ وہ اندر بیٹھ گئی تو وہ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا۔
"یہ عارض کے دل کا معاملہ ہے مگر میں بہت فکر مند ہوں۔" وہ اداس سی تھی۔
"اب آغا جی چلے گئے ہیں اطمینان رکھو اللہ بہتر کرے گا۔" صفدر نے گاڑی اسٹارٹ کی۔
"اللہ بہتر ہی کرے بس آج کل طبیعت پریشان ہے ایک طرف اماں کی پریشانی ہے ڈاکٹر نے انہیں تپ دق بتایا ہے انہیں آرام و سکون کی اشد ضرورت ہے۔"
"اوہو! لیکن یہ مرض اب قابل علاج ہے۔"
"ہاں! لیکن میری مجبوری یہ ہے کہ میرے پاس وقت نہیں سارا دن آفس میں گزرتا ہے اور وہ اکیلی ہوتی ہیں۔"
"اس کا حل ہے میرے پاس۔"
"وہ کیا......؟"
"جب تک ان کا علاج ہو آپ دونوں میری طرف شفٹ ہو جاؤ۔"
"ارے! نہیں صفدر بھائی یہ تو بہت مشکل ہے۔"
"کوئی مشکل نہیں ہے گھر میں جگہ بھی ہے اور حق بھی میری امی رات دن بوا کا دل بہلائیں گی۔" وہ جلدی سے بولا۔
"زیبا بھابی کو مشکل ہوگی۔"
"وہ بیچ میں کہاں سے آ گئی؟" وہ تلخی سے بولا تو شرمین نے گردن گھما کر اسے دیکھا۔
"صفدر بھائی! ایک بات پوچھوں۔"
"ہنہ!"
"زیبا بھابی سے آپ کے تعلقات کیسے ہیں؟"
"کون سے تعلقات؟" شرمین کے گیٹ پر گاڑی روکتے ہوئے وہ بولا۔
"میرا مطلب ہے گھریلو تعلقات۔"
"یہ بات پھر کرلیں گے ضروری سامان پیک کرلینا میں کل شام میں آؤں گا۔" وہ یہ کہہ کر تیزی سے گاڑی نکال لے گیا۔ شرمین چند لمحے کھڑی رہی پھر گیٹ کھول کر اندر داخل ہوگئی۔
زیبا کے متعلق سوال پر وہ ہمیشہ چڑچڑاہٹ کا شکار ہوتا تھا۔ بس دل چاہتا تھا کہ کوئی اس کا نام لے کر اس کے سوئے جذبوں کو نہ جگائے۔ وہ بڑبڑاتا ہوا گھر میں داخل ہوا اور پھر جہاں آرا کے کمرے میں جھانک کر سیدھا اپنے کمرے میں آ گیا۔ جہاں آرا مغرب کے بعد حسب معمول کچھ دیر آرام کرتی تھیں جبکہ زیبا واش روم میں تھی اندر سے پانی گرنے اور چوڑیوں کی آواز سے اس نے اندازہ لگایا کہ وہ نہا رہی ہے...... وہ صوفے پر بیٹھ کر جوتے کے تسمے کھولنے لگا۔ عین اسی لمحے اس کی زوردار چیخ سنائی دی اور کھٹ سے دروازہ کھول کر وہ دیوانہ وار بھاگتی ہوئی کمرے میں آ گئی۔ صفدر ششدر رہ

گیا' اس کی بدحواسی ندامت میں بدل گئی۔ وہ بھیگے بدن کے ساتھ اپنے قدموں پر جم گئی۔ نہ اندر جانے کی سکت رہی اور نہ کسی اور گوشے میں چھپنے کی قوت رہی وہ مجرموں کی مانند کھڑی تھی۔ صفدر کے دل میں دھماکے ہونے لگے۔ اسے ایسا لگا کہ وہ اگر اس کے قریب نہ گیا تو شعلوں میں جل جائے گا۔ وہ چاہنے نہ چاہنے کی حدوں سے گزر کر اس کے قریب گیا اور پھر لمحہ کمزور نے اسے ایسے اپنی گرفت میں لیا کہ نفرت و جبر کی سب دیواریں گر گئیں۔ وہ شرمساری بھاگنا چاہتی تھی مگر اس کے مضبوط حصار میں پھڑپھڑانے لگی۔ وہ بستر کی سلوٹوں میں اس کا عزم راسخ اپنا راستہ بھول گیا۔ جب ہوش آیا تو وہ خجل سا نظریں چرا کر بستر سے اٹھا اور صوفے پر بیٹھ گیا۔ تب زیبا نے خوف سے سہمی نگاہوں سے اسے دیکھا۔

''گویا تم نے منصوبہ بنا رکھا تھا۔'' وہ سنجیدگی سے بولا۔

''جی.....وہ.....وہ۔'' وہ ہکلائی۔

''کیا وہ؟'' اس نے طنزیہ انداز میں پوچھا۔

''وہ اندر چھپکلی تھی' اچانک نظر پڑی تو میں خوف زدہ ہوگئی۔'' وہ منمنائی۔ تو وہ ادا سے مسکرایا۔

''مقصد تو پورا ہوگیا نا۔''

''آپ غلط سمجھ رہے ہیں۔'' وہ شرمندگی سے رو دی۔

''بہرکیف! میں خود سے شرمندہ ہوں' تمہارے بہکاوے میں جانے کیسے آ گیا؟''

''کیوں.....کیوں شرمندہ ہیں آپ؟ میں آپ کی بیوی ہوں۔''

''آپ بھول رہی ہیں زیبا بیگم آپ کی کیا حیثیت ہے؟''

''مجھے حیثیت یاد ہے' میں آج بھی واپس جانے کو تیار ہوں۔''

''اگر کوئی راستہ ہے تو جاؤ۔'' وہ سفاک بن گیا۔ اس کی بات سن کر وہ گھٹنوں میں منہ دے کر روتی رہی۔ جبکہ وہ واش روم میں گھس گیا۔

❁.....❁.....❁

یہ کس بندھن میں الجھایا ہے زندگی تو نے
جو توڑا بھی نہیں جاتا' نبھایا بھی نہیں جاتا

رات کا ایک بجا تھا۔ وہ بے سکون تھا' کروٹیں بدلتے بدلتے تھک گیا تھا' آج بستر پر کیسی کیسک کچوکے لگا رہی تھی' کیسا احساس تھا جو بار بار سر اٹھا کر صوفے پر سوئی زیبا کو دیکھنے پر مجبور کر رہا تھا۔ وہ گہری نیند سو رہی تھی' یا سونے کی اداکاری کر رہی تھی' یہ وہ نہیں جانتا تھا مگر جو بے کلی اور بے بسی تھی اس کا پیغام یہی تھا کہ جو آج ہوا وہی زندگی کا حاصل ہے جو اس سے پہلے گزری وہ بھی بیکار تھی جو اس کے بغیر گزرے گی وہ بھی پھیکی اور بے رنگ ہوگی۔ بالکل ایسے انسان کی طرح جو ایک بار شہد کا مزہ چکھ لے تو اسے چینی بے مزہ اور پھیکی لگتی ہے' صفدر نے ہر طرح سے شہد آگیں مزہ اور کیف آگیں لذت چکھ لی تھی' اسے تو اندازہ ہی نہیں تھا کہ اس کے ریشمی جسم کے احساس میں وہ پور پور ڈوب جائے گا' نگاہوں کا خمار اسے ایسی بے قراری بخشیں گے کہ وہ زیبا کو امرت کی بوتل سمجھ کر غٹا غٹ پی جائے گا۔ اس نے اپنے جسم پر ہاتھ پھیر کر ان لمحوں کو محسوس کیا جب وہ زیبا کے بدن کے نشیب و فراز میں بھٹک گیا تھا' وہ اس کی سپردگی میں پرسکون ہوگئی تھی' اطمینان پسینے کی ننھی بوندوں کی شکل میں اس کے چہرے پر پھیل گیا تھا' وہی سکون' وہی اطمینان کیا اب بھی اس کے چہرے پر ہے یہ دیکھنے کے لیے وہ تیزی سے بیڈ سے اٹھا اور اس کے قریب جا کر غور سے دیکھنے لگا' وہ بے خبر سوئی تھی مگر پرسکون پراطمینان بالکل ایسے جیسے صدیوں کی بے سکونی کے بعد سکون اور اطمینان کی دولت حاصل ہو جائے۔ اس کا یہ اطمینان اور سکون اس

کی رگ و پے میں سوئیاں چبھو گیا‘ جسم میں دوڑنے والا خون غم و غصے سے کھولنے لگا‘ اس کی معصوم صورت اسے زہر لگنے لگی۔ یہ احساس ستانے لگا کہ پہلے بھی یہ اس طرح پرسکون ہو کر سو چکی ہے۔ پہلے بھی اس کے بدن سے لپٹے شرارے کوئی محسوس کر چکا ہے‘ اور آج یہ غلطی اس سے کیوں سرزد ہو گئی؟ اتنے فاصلے کیسے سمٹ گئے؟ اتنی دوری کیسے ختم ہو گئی۔ اپنی معصوم اداؤں سے اپنے محبوب کو گرما کر کس طرح مسرور ہوئی ہو گی؟ یہ سوچ اس کو نفرت دلانے لگی۔ غصے کے اظہار کے لیے اپنا پیر زور سے صوفے پر مارا تو وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔ مگر وہ رکا نہیں لال انگارہ بنا کمرے سے باہر نکل گیا۔ زیبا کی روح فنا ہو گئی۔ صفدر کے تیور اعلان کر رہے تھے اس بات کا کہ وہ ذہنی خلفشار کا شکار ہے اور اس خلفشار کی بنیادی وجہ وہی ہے.....اس کا اسے یقین تھا‘ وہ پہلے تو ایسا نہیں سوچتی تھی مگر اب اس کی دلی آرزو تھی کہ صفدر اور اس کے درمیان سے دھند چھٹ جائے لیکن یہ دھند تو مزید بڑھتی جا رہی تھی جسموں کے ملاپ کے باوجود صفدر جس انداز میں کمرے سے باہر نکلا تھا اس سے یہ اندازہ لگانا قطعاً مشکل نہیں تھا کہ صفدر کو یہ بات بھی پسند نہیں آئی تھی......اس نے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا کر صدق دل سے دعا کی۔

”اے باری تعالیٰ‘ صفدر کے دل میں میری توقیر بڑھا دے۔ اس گھر کو میرے لیے جنت بنا دے کہ یہاں سے نکل کر میں کہاں جاؤں گی؟“

”وہاں جہاں تمہیں جانا چاہیے تھا۔“ آخری جملہ سن کر کمرے میں داخل ہوتے ہوئے صفدر نے طنزیہ کہا۔

”کہاں؟“ بے ساختہ ہی اس نے معصومیت سے گھنیری پلکیں اٹھا کر پوچھا۔ تو وہ رخ موڑ کر بولا۔

”یہ تو تمہیں اپنے محبوب سے پوچھنا تھا‘ کم سے کم میرے دروازے کا انتخاب نہیں کرنا چاہیے تھا۔“

”میرا بس چلتا تو میں قبر کے اندھیروں میں اتر جاتی‘ مگر بوڑھے ماں باپ زندہ درگور ہو جاتے۔“

”واہ! واہ زیبا بیگم! اپنے ماں باپ کا خیال کیا تم نے اور اس سارے قصے میں‘ میرا نام اور میرا گھر کہاں سے آ گیا؟ پورے شہر میں کوئی اور احمق ڈھونڈ لیا ہوتا۔“

”خدا کے لیے چپ کر جائیے‘ میرا اگلا دبا دیں مگر اس طرح اذیت نہ دیں۔“

”ہنہ! میں اپنے ہاتھ گندے کروں آخر کیوں؟ اور یہ جو ناٹک کر کے تم نے مجھے جذباتی بنایا تو اس کو کامیابی نہ سمجھنا۔ یہ تو وہ منظر ہے جو مجھے تمہارا ماضی یاد دلاتا ہے۔“ وہ تحقیر آمیز نظروں سے اسے گھورتا ہوا ڈریسنگ ٹیبل تک گیا‘ گاڑی کی چابی اٹھائی اور دوبارہ کمرے سے باہر نکل گیا۔ زیبا حسب عادت گھٹنوں میں منہ دے کر بیٹھ گئی۔ اس کے اختیار میں بس یہی تھا۔

❀......❀......❀

جہاں آرا بیگم نے فجر کی نماز کے بعد تسبیح سنبھال لی تھی۔

گاڑی لاک کرنے کی آواز پر وہ ٹھٹکیں۔ چند لمحوں بعد اندرونی دروازہ چابی سے کھلا تو کچھ شک سا ہوا کہ شاید صفدر ہے لیکن فجر کے وقت اس کی واپسی پریشان کر رہی تھی۔

”کون.....کون ہے؟“ بستر سے اٹھتے ہوئے انہوں نے گرجدار آواز میں پوچھا۔

”امی! میں صفدر۔“

”صفدر!“ وہ بڑبڑائیں اور پھر تسلی سے بیٹھتے ہوئے بولیں۔

”اتنی صبح کہاں سے آ رہے ہو‘ کیا رات باہر گزاری ہے؟“

”ارے امی آپ جاگ رہی ہیں۔“ وہ کچھ شرمندگی سے کہہ کر ان کے سامنے بیٹھ گیا۔

''یہ جاگنے کا وقت ہے' مگر تم کہاں سے آ رہے ہو؟'' انہوں نے بیٹے کو سر سے پیر تک گھورا۔ ماں کے لیے یہ ایسا موقع ہوتا ہے کہ جوان اولاد کو تفتیشی پولیس افسر کی نگاہوں سے گھورنا پڑتا ہے۔

''سارا شہر سو رہا تھا اور آپ کا بیٹا سڑکیں ناپ رہا تھا۔'' ٹانگیں پھیلاتے ہوئے جلتی سرخ انگارہ آنکھوں سے ماں کو دیکھا اور زہر آلود سی مسکراہٹ لبوں پر سجالی۔

جہاں آرا اٹھیں آنکھوں پر اپنی نظر کی عینک لگائی اور بولیں۔

''صفدر! کیا حالات بالکل ایسے ہیں جیسے میں سوچ کر فکر مند ہوں۔''

''آپ کو فکر مند ہی تو نہیں دیکھنا چاہتا۔'' وہ شکستہ قدموں سے اٹھا تو وہ گرجیں۔

''بیٹھ جاؤ اور ماں کی فکر میں اضافہ مت کرو۔'' وہ دھم سے کرسی پر گر گیا۔

''صفدر! کیا بات ہے' زیبا تمہیں پسند نہیں کیا؟''

''امی! میرا ذاتی کوئی مسئلہ ہے۔'' اس نے ٹالا۔

''جھوٹ مت بولو' شادی کے دن سے آج تک تم دونوں کو ایک دوسرے سے جدا جدا' کھنچا کھنچا ہی دیکھا ہے۔'' وہ گہری سنجیدگی سے بولیں۔

''آپ کو وہم ہو گیا ہے' میں کیسے یقین دلاؤں؟'' وہ بھرپور یقین دہانی کے انداز میں بولا تو وہ بولیں۔

''شادی گھر میں رونق لانے کے لیے کی تھی مگر گہرے جامد سناٹے نے جگہ لے لی ہے۔''

ان کی بات کا مطلب سمجھ کر وہ سٹپٹایا اور پھر سے اٹھ کھڑا ہوا۔ انہیں کچھ بتانے والے حالات نہیں تھے۔ دل میں دھواں سا بھر گیا' آنکھوں کے کونے تر ہو گئے۔ لرزتی آواز میں فقط اتنا کہہ سکا۔

''امی! کچھ فیصلے اللہ نے اپنے پاس رکھے ہیں۔''

''کچھ نہیں' تمام کے تمام فیصلوں کا مالک و مختار اللہ ہی ہے لیکن کچھ دوا دارو علاج معالجہ بھی ضروری ہوتا ہے۔'' وہ آج اسے لتاڑنے کا پورا پروگرام بنا کر بیٹھی تھیں۔

''فی الحال میں بہت تھکا ہوا ہوں' پلیز مجھے سونے دیں۔'' وہ منت پر اتر آیا۔

''ٹھیک ہے' مگر زیبا کو اس کے گھر چھوڑ آؤ' اس کے والد بیمار ہیں۔'' جہاں آرا نے اس کے وجود پر چھائی تھکن ماں کی ممتا بھری نگاہوں سے دیکھی اور زیبا کو اس کے گھر پہنچانے کے لیے کہا...... کافی دن سے وہ کہہ رہی تھیں مگر وہ سنی ان سنی کر دیتا تھا۔

''ٹھیک ہے آج دن میں چھوڑ آؤں گا۔'' وہ رضا مند ہو کر کمرے کی طرف چل دیا۔ کچھ وقت کے لیے تو ماں کے کڑے سوالوں سے قرار مل گیا تھا' مگر کب تک؟ ایک نہ ایک دن تو انہیں پتہ لگنا ہی تھا کہ ان کی بہو اور بیٹے کے تعلقات کس نوعیت کے ہیں؟ اور کس نہج پر ہیں؟ یہی فکر صفدر کے دامن گیر تھی۔ وہ سوچ سوچ کر پریشان تھا کہ ایسا وقت آیا تو کیا جواب دوں گا پیاری ماں کو...... کس طرح لاڈلی بہو کے دامن پر لگا دھبہ دکھاؤں گا نہیں...... کس قدر دکھی اور پشیمان ہوں گی وہ۔'' مگر یہ وہ فکر تھی جس کا کوئی حل اس کے پاس فی الوقت نہیں تھا۔ وہ زیبا سے سخت کبیدہ خاطر بھی تھا اور خاصا رحم بھی دل میں کروٹیں لیتا تھا۔ اس سے بیزار بھی تھا اور اس کے مہکتے مہکتے سراپے سے انسیت بھی محسوس ہونے لگی تھی۔ اسے گھر میں رکھنا بھی نہیں چاہتا تھا...... مگر کچھ اس طریقے سے اس نے تشنہ بے قرار جذبوں کی پیاس مٹائی تھی کہ اس کی خوشبو بدن سے لپٹ کر اس کے لیے نرم گوشہ مانگنے لگی تھی۔ اس وقت بھی وہ کمرے میں داخل ہوا تو وہ اس کے دل میں ہلچل مچا گئی۔ ہاتھ میں تسبیح پکڑے صوفے کی پشت سے سر لگائے نیند کی وادیوں میں پہنچی ہوئی تھی۔ شریر سیاہ زلفیں دوپٹے کی قید سے

آزاد ہوکر اس کے رخساروں سے کھیل رہی تھیں۔ سینے سے ذرا سا ڈھلکا آنچل وہ راز عیاں کررہا تھا جو کسی بھی پتھر دل کے قدم ڈگمگا دے اس کا صبر قرار چھین لے وہ قدرے جھکا...... مگر کپڑوں سے پھوٹتی تھکن زدہ سی بدن کی خوشبو نے زیبا کو جگا دیا...... اپنے قریب اسے دیکھ کر وہ ہڑبڑا سی گئی...... جبکہ وہ جھٹکے سے پرے ہوا۔

"تیار ہو جاؤ میں تمہیں گھر چھوڑتا ہوا آفس جاؤں گا۔"

"میں آپ کا ناشتہ بناتی ہوں۔" وہ تسبیح رکھ کے اٹھ کھڑی ہوئی تو وہ بالکل سامنے ہوکر بولا۔

"سنو! اپنا بھرم اپنے گھر والوں کے سامنے خود رکھنا۔ جیسے پہلے رکھا تھا۔" اس نے جملے کے آخری حصے پر زور دے کر کہا جس سے طنز صاف نمایاں تھا۔ بے بسی سے اس کی آنکھوں کے کٹورے بھر گئے۔ مگر بجلی کی سی سرعت سے باہر نکل گئی۔ وہ لمبی سانس بھر کے واش روم میں گھس گیا۔

❁......❁......❁

بچپن سے اب تک اماں کو مشینی انداز میں کام کاج کرتے ہی دیکھا تھا۔ اپنی مصروفیت کے نت نئے سامان وہ ہمیشہ تیار رکھتی تھیں کچن سے نکل کر گملوں کو پانی دینا وہاں سے فارغ ہوکر اسٹور میں گھس جانا وہاں جانے کتنے کام ان کے منتظر رہتے تھے بمشکل تمام وہاں سے نکلتیں تو ٹی وی لاؤنج گیسٹ روم ڈرائنگ روم اور زیادہ دیکھ بھال شرمین کے کمرے کی کی جاتی۔ وہ ہزار بار منع کر چکی تھی ایک مستقل ملازم رکھنے کی ضد کر چکی تھی مگر ہر بار وہ سمجھا بجھا کر ہزار حیلے بہانے کر کے اس کو چپ کرا دیتیں۔ اب جب سے ان کی طبیعت خراب رہنے لگی تھی تو شرمین سخت فکر مند تھی۔ اس نے پہلی بار سختی سے ان کی حکم عدولی کر کے گھر کی صفائی ستھرائی اور کپڑے دھونے کے لیے ایک ملازمہ رکھ لی تھی اماں کو کافی سہولت ہوگئی تھی مگر ان کی طبیعت کچھ گری گری سی رہنے لگی تھی۔ وہ اس کے کمرے میں ہی لیٹی تھیں کہ وہ ان کی دوائیں لیے کمرے میں داخل ہوئی۔

"پیاری پیاری سی اماں جی اٹھیے دوائی کا ٹائم ہو گیا ہے۔"

"توبہ ہے تم نے تو سچ مچ مجھے بیمار کر دیا ہے۔" اماں نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"بیمار ہوں آپ کے دشمن بس ویسے ہی طاقت کی دوائیں کھلا رہی ہوں۔" وہ لاڈ سے ان کے گلے میں بانہیں ڈال کر بولی۔

"ارے میرے بچے! بیماریاں تو اب آتی رہیں گی عمر کا تقاضا ہے مجھے تو بس تمہارا غم ہے۔"

"میں آپ کے لیے غم کا باعث ہوں۔"

"نہیں نہیں میرا مطلب یہ تھوڑی ہے بس تمہاری شادی ہو جائے تو سکون آ جائے۔"

"اماں جی! آپ دعا کرتی رہا کریں سب ٹھیک ہو جائے گا۔" وہ بولی اسی اثنا میں گیٹ پر بیل ہوئی تو وہ سلیپر پیروں میں ڈال کر باہر نکل گئی۔ کچھ دیر بعد وہ زینت آپا کے ہمراہ واپس آئی تو اماں کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ زینت بنا اطلاع کے یوں اچانک آ گئیں...... مارے حیرت اور خوشی کے وہ رو دیں۔ زینت بھی ان کے گلے سے لگ کے پھوٹ پھوٹ کے رو دی۔ شرمین کی آنکھیں بھی جھلملا گئیں۔

"کب آئیں؟ اطلاع بھی نہیں دی۔" اماں نے پلو سے رگڑ کے آنکھیں صاف کرتے ہوئے پوچھا۔

"آج شام ہی آئی ہوں۔" زینت نے سنبھل کر بیٹھتے ہوئے بتایا۔

"مگر زینت آپا آپ اطلاع تو دے دیتیں۔" شرمین نے پانی کا گلاس انہیں تھماتے ہوئے کہا تب ایک بار پھر ان کی آنکھیں بھر آئیں۔ لب کپکپائے۔

''کیا بات ہے زینت آپا؟'' پہلی بار وہ فکر مند ہوئی۔

''ہاں! کیا بات ہوگئی؟'' اماں نے بھی اب غور سے کمزور نڈھال سی زینت کو دیکھا۔

''کچھ بھی نہیں بچا' میرا بوبی پرایا ہوگیا' میں لٹ گئی' تہی داماں رہ گئی۔'' زینت پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ تو وہ دونوں سخت پریشان ہوگئیں۔

''خدا نہ کرے' کیا اول فول بک رہی ہو' کہاں ہے بوبی؟'' اماں نے انہیں بانہوں میں سمیٹ کر پوچھا۔

''زینت آپا! کیا ہوا بوبی کو' کہاں ہے وہ؟'' شرمین بولی۔

''بوبی کو میں نے کھو دیا ہے' کینیڈا کی رنگینیوں میں کھو گیا ہے' بھول گیا ہے وہ سب کچھ۔'' زینت آپا نے رندھے ہوئے گلے کے ساتھ کہا تو اماں اور شرمین حد درجہ ملول ہوکر انہیں دیکھنے لگیں۔

''زینت! تم کیا کہہ رہی ہو' میری سمجھ میں کچھ نہیں آرہا' بوبی کو تو تم لے کر گئی تھیں۔'' اماں نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے پوچھا۔

''زینت آپا' کیا وہ خدانخواستہ گم ہوگیا۔'' شرمین نے خدشہ ظاہر کیا تو زینت آپا پلو سے آنکھیں صاف کرکے قدرے سنبھل کر بولیں۔

''سمجھو گم ہی ہوگیا ہے' ایک برطانوی لڑکی کے عشق میں پاگل ہوگیا ہے' سب کچھ بھول گیا ہے' اپنی ماں تک کو بھول گیا ہے۔ کینیڈا میں قدم رکھتے ہی وہ بہت بڑا ہوگیا' اتنا بڑا کہ سوال جواب کرنے لگا ہے' میں اسے اللہ کے حوالے چھوڑ آئی ہوں۔''

''ہائیں! یہ کیا' کیا تم نے؟ پردیس میں بچے کو چھوڑ آئیں۔'' اماں حیرت زدہ ہوگئیں۔

''تو کیا کرتی؟ وہاں اپارٹمنٹ میں بندرات دن اس کا انتظار کرتے کرتے میں بیمار رہنے لگی تھی' یہاں کاروبار تباہ ہو رہا تھا' بہتر یہی سمجھا کہ واپسی بہتر ہے۔'' زینت آپا کے چہرے پر دور دور تک تھکن اور پریشانی کے آثار دکھائی دے رہے تھے۔ شرمین نے انہیں ہاتھ پکڑ کر بیڈ پر آرام سے بٹھایا اور خود افسردگی سے بولی۔

''بوبی کو کینیڈا لے جانے کا فیصلہ ہی غلط تھا۔''

''اس وقت وہ فیصلہ بھی کتنا ضروری تھا' یہ تم جانتی ہو' وہ دیوانہ ہوگیا تھا۔'' زینت آپا نے دھیرے سے جواب دیا۔

''مجھے اندازہ تھا کہ دیوانگی عارضی بھوت ہے' مگر اس وقت حماقت کا اندازہ نہیں تھا۔'' شرمین دکھ سے مسکرائی۔

''آپ کو کیا بتاؤں' میں نے بوبی کو کیسے کیسے سمجھانے کی کوشش کی' مگر میں کیٹی سے شادی سے باز نہ رکھ سکی۔''

''اللہ کی پناہ! فرنگن سے شادی بھی کرلی۔'' اماں سینہ پیٹ کر بولیں۔

''یہ تو معمولی بات ہے وہاں۔''

''اچھا آپ فکر نہ کریں وہ ان شاء اللہ بخیر و عافیت آجائے گا' مجھے اس کا فون نمبر اور ایڈریس دیجیے گا' میں سمجھاؤں گی۔'' شرمین نے حوصلہ بڑھانے کی کوشش کی۔

''فی الحال تو اس پر کیٹی کے عشق کا بھوت طاری ہے' کچھ وقت لگے گا۔'' زینت آپا نے پیر پھیلائے اور آنکھیں موند لیں۔ شرمین نے اماں کو باہر چلنے کا اشارہ کیا...... ان دونوں کے جاتے ہی زینت نے بیٹے کی یاد میں سسکیاں بھرنی شروع کردیں' دل پر پتھر رکھ کے چھوڑ تو آئی تھی لیکن اب کسی کل قرار بھی نہیں تھا۔

❀......❀......❀

بادل نخواستہ وہ اکتایا' اکتایا سا کرسی پر ٹک گیا۔

حاجرہ داماد اور بیٹی کو دیکھ کر نہال ہورہی تھی۔ مگر صفدر کے چہرے پر پھیلی اجنبی سی بے زاری زیبا کو سخت رنجیدہ کررہی تھی۔ اس کے سادہ لوح ماں باپ نہیں جانتے تھے کہ صفدر تو یہاں قدم رکھنے کو تیار نہیں تھا' باہر سے ہی چھوڑ کر جارہا تھا مگر اس نے ڈبڈبائی آنکھوں سے التجا کی تو اس کو اندر آنا پڑا۔

''بیٹا! آرام سے بیٹھو۔'' ابا نے کہا۔

''جی! میں ذرا جلدی میں ہوں۔''

''ارے میاں! ایسی بھی کیا جلدی' کچھ دیر تو بیٹھو۔'' حاجرہ نے پیار سے کہا تو وہ جھٹ جھوٹ بول گیا۔

''دراصل مجھے دفتر میں میٹنگ اٹینڈ کرنی ہے' پھر آؤں گا۔''

''معلوم ہے زیبا کو لینے آؤ گے۔'' حاجرہ نے افسردگی سے کہا۔

''نہیں آپ جب تک چاہیں بیٹی کو پاس رکھیں' جب بھیجنا ہو تو فون کردیں امی آ کر لے جائیں گی۔'' وہ سرد مہری سے کہہ کر اٹھ کھڑا ہوا۔ تب زیبا نے ماں کا بازو ہلکا سا دبا کر چپ رہنے کا اشارہ کیا۔ وہ ابا سے ہاتھ ملا کر چلا گیا۔ حاجرہ نے زیبا کو استفہامیہ نظروں سے دیکھا تو اس نے گھنیری پلکیں جھکا کر اپنا اور صفدر کا بھرم چھپانے کی کوشش کی...... مگر ماں کا دل تو مضطرب ہورہا تھا۔ بیٹی کا کملایا ہوا چہرہ انہیں بے چین کررہا تھا۔ اس لیے وہ بولیں۔

''زیبا! سچ سچ بتاؤ کیا مسئلہ ہے؟''

''مسئلہ کیسا؟''

''یہی تو پوچھ رہی ہوں' صفدر خوش نہیں لگتا۔''

''اماں! ان کی دفتری مصروفیت بہت ہے اس لیے۔''

''جھوٹ مت بولو۔ وہ رخ موڑ کر بات کرتا ہے' اپنی حالت دیکھو اس سے بہت کچھ پتہ چلتا ہے۔'' حاجرہ نے کہا۔

''تمہاری ماں سچ کہہ رہی ہے' میں بیمار ہوں' اس نے ایک لفظ خیریت کا نہیں کہا...... جو بات ہے ماں کو بتاؤ۔'' ابا نے کھانسی کی شدت کنٹرول کرتے ہوئے کہا۔

''ابا! کوئی ایسی بات ہے ہی نہیں آپ کیوں فکر کررہے ہیں؟''

''بچی! ہم نے دنیا دیکھی ہے' صفدر میاں کے تیور کچھ اچھے نہیں لگے۔'' حاجرہ نے بیٹی کی بات مسترد کردی۔ وہ لاجواب سی ہوگئی۔

''دیکھو بیٹا! ابھی میں زندہ ہوں' کوئی بات ہے تو بتاؤ' میں صفدر سے بات کرسکتا ہوں۔''

''اللہ آپ کو سلامت رکھے' مگر آپ صفدر سے کوئی بات نہیں کرسکتے۔''

''کیوں؟''

''کیونکہ کوئی بات نہیں ہے' اب آپ دونوں اس موضوع کو چھوڑ دیں۔ مجھے سکون لینے دیں۔'' وہ کچھ تلخی سے کہہ کر وہاں سے اٹھی اور اپنے کمرے کی طرف چل دی۔ مگر حاجرہ نے اس کا پیچھا نہ چھوڑا۔ وہ کمرے میں گھس کر ایک طویل مدت کے بعد اطمینان بھرے سانس لینا چاہتی تھی۔ دوپٹہ ایک طرف اچھالا اور بستر پر گرگئی' چھوٹا سادہ سا کمرہ کتنا پرسکون تھا۔ بظاہر کوئی سامان آسائش موجود نہیں تھا لیکن اس کے باوجود سکون اور اطمینان کی دولت سے مالا مال تھا...... حاجرہ کو کمرے میں آتا دیکھ کر وہ بولی۔

''اماں! کتنا آرام اور سکون ہے میرے کمرے میں۔''

''سسرال میں آرام اور سکون نہ ہونے کی وجہ کیا ہے؟'' وہ الٹا سوال کرکے اس کے سامنے آ گئیں۔

''میں اور میری بدنصیبی۔'' اس نے مختصراً جواب دیا۔
''بچے نہ ہونے کی وجہ سے تو نہیں۔'' حاجرہ نے اٹکتے اٹکتے کہا۔
''اس کی وجہ بھی میں ہوں' بس آپ مجھے تنہا چھوڑ دیں۔''
''ایسے کیسے چھوڑ دوں؟''
''میں بالکل ٹھیک ہوں' میری پیاری اماں' ایک دو روز کے لیے آئی ہوں۔'' اس نے مسکرا کر ماں کو مطمئن کرنا چاہا۔
''تم کہتی ہو تو ٹھیک ہے ورنہ میرا دل بے چین ہوگیا ہے۔''
''تم میری اچھی اماں ہو' میری بات پر یقین رکھو۔''
''اچھا یہ بتاؤ کیا پکاؤں؟'' حاجرہ نے پیار سے پوچھا۔
''اماں! کچھ بھی آپ کے ہاتھ کے پکے کھانے کو ترس گئی ہوں میں۔''
''اچھا تم آرام کرو میں باورچی خانے میں جارہی ہوں۔'' حاجرہ باہر چلی گئیں تب بجلی کی سی سرعت سے اضطراب' بے چینی اور افسردگی اس کے وجود پر چھا گئی...... بے کلی نے سکون نہ لینے دیا تو اٹھ کر اپنے کپڑوں کی الماری کھول کر دیکھنے لگی۔ اس کا سامان اسی طرح رکھا ہوا تھا۔ چوڑیاں' بالوں کا برش' سیاہ چرمی بٹوہ' کچھ ہار بندے' وہ سب کو ہاتھ لگا لگا کر دیکھ رہی تھی۔ استعمال شدہ کپڑے دیکھنے کے بعد غیر ارادی طور پر اس کا ہاتھ خفیہ لاک کی طرف گیا...... اس نے کپڑوں کے نیچے چھپائی ہوئی چابی نکال کر لاک کھولا اور لرزتے ہاتھ سے کچھ تہہ شدہ کاغذ باہر نکالے...... اور چارپائی پر بیٹھ کر سب کاغذ گود میں رکھ لیے۔ اضطرابی کیفیت میں ایک تہہ شدہ کاغذ ناک تک لے جا کر سونگھا' اس سے آج بھی تیز پرفیوم کی مہک آرہی تھی۔ اسے یاد آیا یہ رقعہ مہکا مہکا سا کتاب میں رکھ کر بھیجا گیا تھا۔ جسے پڑھتے ہوئے وہ گل رنگ ہوگئی تھی۔ دل ہچکولے کھا رہا تھا۔ متن ہی ایسا تھا۔

کبھی خود بھی میرے پاس آ
میری بات سن' میرا ساتھ دے
جو خلش ہے دل سے نکال دے
تجھے سوچنا میرا مشغلہ ہے
تجھے دیکھنا میری آرزو......!
مجھے دن دے اپنے خیال کا
مجھے اپنے قرب کی رات دے
میں اکیلا بھٹکوں کہاں کہاں
یہ سفر بہت ہی طویل ہے
میری زندگی میرے ساتھ چل
میرے ہاتھ میں' اپنا ہاتھ دے
کبھی خود بھی میرے پاس آ!

''ہنہ! گھٹیا' کم ظرف......'' نفرت اور غصے سے کاغذ مٹھی میں مسل کر کوڑے کی ٹوکری میں پھینک دیا۔ دوسرے رقعوں کا بھی یہی حال کرتی کہ اماں آگئیں...... اس نے جلدی سے سب بستر کی چادر کے نیچے چھپا دیئے۔
''زیبا! تمہارے ابا بلا رہے ہیں' ان کے پاس چلو' دیکھو دوائی کا وقت ہوگیا ہے' وہ بھی دے دینا۔''

"جی اچھا۔" وہ جلدی سے بولی۔ وہ جونہی گئیں اس نے چادر کے نیچے سے رقعے نکال کر واپس جلدی سے لاکر میں رکھے اور لاک لگا کے چابی وہیں رکھ دی' جہاں سے نکالی تھی۔ الماری بند کر کے ابا کے کمرے کی طرف چل دی۔

❀......❀......❀

ویسے تو امریکہ جانے کا خواب جنوبی ایشیاء میں بسنے والا ہر فرد دیکھتا ہے' وہاں جانے' رہنے کے مقاصد اور غرض وغایت کچھ بھی ہو امریکہ صاحب بہادر ملک ہے۔ جس کی صاحب بہادری چاہتے نہ چاہتے ہوئے ہر ملک تسلیم کرتا ہے' شاید اس کی ایک ہی وجہ ہے' کہ اس ملک نے پوری دنیا پر اپنی انفرادی فکر اور اجتماعی عمل سے اپنی برتری ثابت کردی ہے' اس قوم کا اجتماعی عمل ہی امریکہ کو پوری دنیا کی نظروں میں صاحب بہادر اور سپر پاور بناتا ہے' یہاں کی تمام تر معلومات سے خاں صاحب پوری طرح واقف تھے۔ رہائش کے لیے کون سے علاقے سب سے موزوں ہیں' مارکیٹس سے قریب ہیں...... کس علاقے میں کس کس ملک کے باشندے آباد ہیں۔

نیویارک تو سب سے زیادہ آتے رہے ہیں اس وجہ سے یہاں کے چپے چپے سے بخوبی واقفیت ہونے کا انہیں بہت فائدہ ہوتا تھا...... صبح سے عارض نے کچھ نہ کھانے کی قسم کھا رکھی تھی...... ہوسپٹل سے وہ اپارٹمنٹ میں شفٹ ہوگیا تھا۔ ڈاکٹرز کی ہدایت کے مطابق اسے عرصہ دراز تک وہیل چیئر پر رہنا تھا۔ پھر ایک میجر آپریشن کے بعد سو فیصد وہیل چیئر سے اٹھنے کے چانسز تھے۔ بیک بون کا مسئلہ تو کافی امپروو ہوگیا تھا' اس کی ضد تھی کہ فوراً پاکستان جانا ہے' آپریشن کے لیے بعد میں آجائیں گے لیکن خان صاحب کی ضد تھی کہ آپریشن کے بعد بالکل ٹھیک ہو کر جانا ہے۔ عارض نے اپنی بات منوانے کے لیے گویا بھوک ہڑتال کر رکھی تھی۔ خاں صاحب منیجر کے ساتھ پیدل ہی مارکیٹ گئے ہوئے تھے...... اس کی پسند کی بے شمار کھانے پینے کی چیزیں لیے واپس لوٹے تو اسے کمپیوٹر کے سامنے بیٹھا دیکھ کر مسکرائے۔

"گڈ بوائے! پوزیٹو عمل ہے۔"

"آپ کہاں تھے یہ بتائیں۔" وہ کرسی گھما کر خفگی سے بولا۔

"بابا کی جان! مارکیٹ تک گیا تھا' دیکھو تو کیا کچھ لایا ہوں۔" انہوں نے بڑے بڑے شاپنگ بیگز کی طرف اشارہ کیا۔ منیجر نے جلدی سے مدد کی اور شاپنگ بیگز سے چیزیں نکالنے لگا۔ تب وہ چلایا۔

"پلیز! رہنے دو اور جاؤ اپنے کمرے میں۔" اس کے کہتے ہی منیجر چلا گیا۔ خان صاحب اس کے قریب کرسی کھینچ کر بیٹھتے ہوئے بولے۔

"یار! اتنا غصہ کیوں کرنے لگے ہو' ہم آپ کے لیے پیدل جا کر پھل' شہد' جام اور سبزیاں' چپس' پی نٹس' جانے کیا کیا لائے ہیں' اور......"

"بابا! یہ چیزیں میرے لیے نئی ہیں یا پھر میں امریکہ پہلی مرتبہ آیا ہوں۔" اس نے گھورا۔

"دونوں باتیں ہی پرانی ہیں مگر جب تک ہم یہاں ہیں کھانا پینا تو پڑے گا' اسی لیے میں نے پاکستانی مصالحے بھی خریدے ہیں اور ہاں حلال چکن' مٹن سب لے آیا ہوں۔" وہ اپنی ترنگ میں بولتے چلے گئے۔

"لگتا ہے آپ کا یہاں سے جانے کا کوئی پروگرام نہیں۔"

"چلیں گے نا یار! یہاں کون کافر رہنا چاہتا ہے۔" وہ شرارت سے اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے بولے۔

"تو چلیں' میں یہاں ایک دن بھی اور رہنا نہیں چاہتا۔"

"یار! پھر وہی تکرار آپریشن کے بعد آپ اپنے قدموں پر چل کر جاؤ گے۔"

''کیا پاکستان میں آپریشن نہیں ہوسکتا؟''

''ہوسکتا ہے یا نہیں' مگر میں آپ کے معاملے میں کوئی رسک لینا نہیں چاہتا۔'' وہ کافی سنجیدگی سے بولے۔

''اس کا مطلب تو یہ ہے کہ آپ اپنے وطن کے ڈاکٹرز پر اعتماد نہیں کرتے' نیویارک میں بیٹھ بھی کیسے سکتے ہیں۔'' وہ طنزیہ بولا۔

''دیکھو! عارض بے کار بحث کا فائدہ؟ آخر آپ کا پرابلم کیا ہے' پاکستان یا......'' انہوں نے دانستہ جملہ نامکمل چھوڑ دیا۔

''یا سے مراد اگر شرمین ہے تو آپ نے ٹھیک سمجھا ہے۔''

''ہم اس کو بھی یہاں بلوا لیتے ہیں۔'' وہ کروفر سے بولے۔

''بابا! آپ کبھی کبھی ہر بات کو اس قدر سہل کیوں سمجھ لیتے ہیں؟''

''جانتے ہو' پیسہ کتنا بڑا ایلیمنٹ ہے' ہر مشکل کو سہل کرنے میں' شرمین کو نیویارک بلانے کی تو بات ہی نہ کرو' چٹکی بجاتے بلا سکتے ہیں۔ پوچھ لو اس سے بلکہ کہو سامان پیک کرلے۔'' وہ شان بے نیازی سے بولے تو عارض لاجواب ہوکر پھر سے کمپیوٹر کی طرف متوجہ ہوگیا۔ اس نے میسج بکس کھولا...... شرمین کے' صفدر کے بہت سے میسجز آئے ہوئے تھے۔ انہیں پڑھ کر وہ ان سے ملنے کو بے قرار ہو رہا تھا مگر کیا کر سکتا تھا...... مجبوراً ان کو پیارے پیارے جواب ای میل کرنے لگا۔

❁......❁......❁

رات کے آٹھ بج رہے تھے۔

وہ تھکی ہاری گھر پہنچی تو اماں نے گیٹ پر ہی زینت آپا کی طبیعت خرابی کی اطلاع دی۔ وہ پریشان ہوگئی۔ زینت آپا تو سچ مچ سخت ڈسٹرب تھیں' اس نے فیملی ڈاکٹر کو فون پر گھر آنے کی تاکید کی اور خود زینت آپا کا سر دساہاتھ اپنے ہاتھوں میں دبا کر بیٹھ گئی۔ کچھ دیر بعد ڈاکٹر صاحب آئے اچھی طرح چیک کرنے کے بعد جو تشخیص کی وہ یہ تھی کہ کل صبح فاسٹنگ شوگر چیک کرائیں بلڈ پریشر لو ہے' ٹینشن نہ لیں بھرپور آرام کا خیال رکھیں' مختصر سی دوائیں دے کر وہ رخصت ہوگئے۔ اس نے زینت آپا کو پیار سے دیکھا اور پھر بولی۔

''زینت آپا! ایسے تو کام نہیں چلے گا' ابھی آپ کو آئے دو روز نہیں گزرے اور آپ نے بیڈ پر ڈیرے لگا لیے۔ بہادر بنیں' بوبی آجائے گا۔''

''مجھے اس سے کچھ لینا دینا نہیں۔'' وہ سختی سے بولیں۔

''تو پھر کس کے غم میں یوں صحت سے کھیل رہی ہو؟'' اماں نے لتاڑا۔

''اماں! انسان ہی تو ہوں' کتنا عرصہ ہوگیا حالات سے لڑتے لڑتے۔'' وہ طویل سانس بھر کے بولیں۔

''تو پھر کیوں بوبی کو یہاں سے لے کر گئیں' یہ فیصلہ ہی غلط تھا۔''

''اماں! مجبوری تھی' آپ چھوڑیں' مجھے بوبی کا غم نہیں ہے۔'' وہ ٹال گئی۔

''ارے جانے دو' ماں کے لیے اولاد کا غم کیا ہوتا ہے' ہم جانتے ہیں۔''

''چلیں اماں! زینت آپا کو آرام کرنے دیں' بلکہ آپ سوپ بنا کر لائیں۔'' شرمین نے اماں کو قرینے سے وہاں سے بھیجا اور خود بولی۔

''زینت آپا! صبح فاسٹنگ شوگر چیک کرانی ہے۔''

''اور پھر مجھے گھر ڈراپ کر دینا۔'' زینت نے کہا۔

''گھر آپ ٹھیک تو ہیں' اکیلے گھر میں اور اس حال میں رہیں گی آپ؟''

"شیر دل بابا کو فون کردیا تھا' انہوں نے کوٹھی کی اچھی طرح صفائی کرالی ہوگی۔ صبح منیجر بھی آئے گا۔"

"کچھ بھی ہو آپ بوبی کے آنے تک یہیں رہیں گی۔" وہ فیصلہ کن انداز میں بولی۔

"ایسے کہہ رہی ہو جیسے بوبی سچ مچ آرہا ہے۔" وہ دکھ سے ہنسی۔

"ہاں تو ایسا ہی ہوگا' ابھی کچھ دیر بعد میں اس سے بات کروں گی اور وہ آجائے گا۔" جانے کیوں اسے خود پر بھروسہ تھا۔

زینت نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"ایسے کیا دیکھ رہی ہیں؟" وہ مسکرائی۔

"بوبی کے رویے سے امید نہیں ہے۔ وہ شادی کرچکا ہے۔" زینت کی آنکھیں دھوئیں سے بھر گئیں۔

"آپ حوصلہ رکھیں' وہاں کے معاشرے میں شادیاں ہوا کے جھونکے کی مانند ہوتی ہیں۔ وہ لوٹ آئے گا۔ میں بات کروں گی۔" اس نے تسلی آمیز لہجے میں کہا تو زینت کے بے اطمینان دل کو کچھ قرار سا آگیا۔ اسی اثنا میں اماں گرما گرم سوپ لے کر آگئیں۔

"چلیں اٹھیں سوپ پئیں۔" اماں کے ہاتھ سے سوپ کا پیالہ لے کر اس نے زینت آپا کے سامنے کیا..... اماں نے انہیں اٹھنے میں مدد دی۔

"اماں جان! کیا آج بھوکا سلائیں گی۔" شرمین نے دلار سے پوچھا۔

"اللہ نہ کرے' میرے بچے کھانا تو بالکل تیار ہے۔ ہاتھ منہ دھولو بس۔" اماں نے جلدی سے کہا۔

"آپ کھانا لگائیں' میں آتی ہوں۔" شرمین نے کہا اور اٹھ کر واش روم میں گھس گئی۔ چند لمحوں بعد ہاتھ منہ دھو کر میز پر پہنچی تو ششدر رہ گئی۔ صفدر بڑے مزے سے سلاد کی پلیٹ سے ٹماٹر نکال نکال کر کھا رہا تھا۔

"آپ! آسمان سے گرے ہیں کیا؟" وہ ہنس کر بولی۔

"بس اماں کے کھانے کی خوشبو پہنچ گئی تھی اس لیے اڑ کر آگیا۔"

"یہ تو آپ نے بہت اچھا کیا مگر اچانک آمد کی کچھ اور بھی وجہ ہوگی۔"

"کچھ خاص نہیں' عارض کی ای میل پڑھ کر آرہا ہوں۔" صفدر نے سالن پلیٹ میں ڈالتے ہوئے کہا۔ اس کا ہاتھ پلیٹ کی طرف جاتے جاتے رک گیا۔

"کھانا کھاؤ' فکر کی کوئی بات نہیں ہے۔"

"پھر کیا بات ہے؟"

"عارض کو مزید دو تین مہینے وہیں رہنا ہے۔"

"دو تین مہینے..... کیوں؟"

"پتہ نہیں' لکھا ہے کہ بابا آپریشن کرا کے اور پھر مکمل چلنے پھرنے کے بعد پاکستان لائیں گے۔"

"اس کا مطلب ہے عارض کو سیریس پرابلم ہے جس کی وجہ سے دوبارہ آپریشن ہوگا۔"

"ارے نہیں بابا' دراصل خان صاحب ہونا' دولت مند ہونا اور ایک اکلوتے بیٹے کا ہونا اگر ساتھ ساتھ ہوں تو پھر ایسے ہی فیصلے ہوتے ہیں۔ آپریشن یہاں بھی ہوسکتا ہے لیکن خان صاحب وہمی ہیں۔"

"اور عارض ٹھیک ہے نا۔"

"ہاں! اس کو کیا ہونا ہے' بلاوجہ منہ مت لٹکاؤ' کھانا کھاؤ۔ اس نے آپ کو بھی میسجز کیے ہوں گے۔" صفدر نے بے پروائی سے کہا تو وہ بظاہر پلیٹ میں سالن ڈالنے لگی مگر ذہن کہیں اور تھا۔

"کیا سوچنے لگیں؟ آپ نے تو میری طرف شفٹ ہونا ہے۔"

"دراصل زینت آپا کینیڈا سے آئی ہیں ہماری طرف ہی ہیں۔"

"تو انہیں بھی لے چلیں۔"

"نہیں صفدر بھائی! ان کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے اسی لیے تو میں نے اور اماں نے انہیں کوٹھی پر جانے نہیں دیا۔ بیٹے کی وجہ سے اپ سیٹ ہیں۔"

"کیا ہوا ان کے بیٹے کو؟" صفدر نے پوچھا۔

"چھوڑیں پھر کبھی بتاؤں گی آپ سنائیں زیبا بھابی کیسی ہیں امی کیسی ہیں؟"

"سب ٹھیک ہیں۔" وہ جلدی سے بولا۔

"زیبا بھابی کو لے آتے۔"

"وہ اپنے گھر گئی ہیں ایک دو روز میں آئیں گی۔"

"او اچھا! اسی لیے آپ کو ہمارے پاس آنے کا وقت ملا ہے۔" وہ مسکرائی۔

"ایسی کوئی بات نہیں ہے۔" وہ ٹال گیا۔

"صفدر بھائی! عارض کا کوئی اور تو مسئلہ نہیں ہے۔"

"ہاں! ہوسکتا ہے اس نے وہاں شادی کرلی ہو یا کرنی ہو۔" وہ انتہائی بھولپن سے بولا تو نہ اسے حیرت ہوئی اور نہ فکر...... بالکل نارمل انداز میں کھانا ختم کرکے بولی۔

"تو اس سے کیا فرق پڑے گا؟ میں کمزور لڑکی نہیں ہوں ہر قسم کے حالات کا مقابلہ کرنے کا حوصلہ ہے مجھ میں۔"

"ارے مس حوصلہ! اتنی سنجیدہ تقریر کی ضرورت نہیں تھی مجھے ویسے بھی یقین ہے بہرکیف اس بے چارے کی ٹانگ آڑے آرہی ہے۔" وہ شریر لہجے میں بولا تو وہ مسکرادی۔

کھانا ختم کرکے وہ دونوں ٹی وی لاؤنج میں بیٹھے...... اماں نے چائے بنا کردی خود عشاء کی نماز پڑھنے گئیں۔ چائے ختم کرکے صفدر اٹھ کھڑا ہوا۔ شرمین نے گیٹ تک چھوڑا اور پھر تمام دروازے لاک لگا کر اندر آ گئی۔ دن بھر کی تھکن تھی...... سیدھی اپنے کمرے میں گھس گئی۔

زینت آپا پر دوائی کا اثر تھا کہ وہ بے خبر سوئی ہوئی تھی۔

اس نے کچھ سوچ کر ان کے موبائل فون سے بوبی کا نمبر تلاش کیا اور دبے قدموں واپس اپنے کمرے میں آ گئی۔ آرام سے بستر پر پاؤں پھیلا کر بیٹھی اور نمبر ملایا۔ گھنٹی بج رہی تھی۔ کچھ دیر بعد ایک لڑکی کی آواز کانوں میں گونجی۔

"ہیلو! ازبیلا ہیئر۔"

"ہیلو! آئی وانٹ ٹو ٹاک بوبی۔"

"اوہ! پلیز ویٹ۔" یہ کہہ کر لڑکی نے اسے مطمئن کردیا۔ بوبی کہیں فاصلے پر تھا کیونکہ اس کی ہیل کی ٹک ٹک اور ساتھ میں اس کی آواز صاف سنائی دے رہی تھی۔ پھر چند لمحوں بعد ہی بوبی کی آواز گونجی۔

"ہیلو کون؟"

"کیسے ہو بوبی......؟" اس نے خوبصورتی سے اس کی سماعت پر بم گرایا۔ وہ ایک دم خوشی سے چلایا۔

"شر...... شرمین۔"

"شکر ہے مجھے تو پہچان لیا۔"

"کیسی باتیں کرتی ہو؟"

"ٹھیک کہہ رہی ہوں اگر بھول بھال جاتے تو کیا فرق پڑ جاتا؟" اس نے اپنی دانست میں گلہ کیا تو وہ بیدار ہوگیا۔ اسی یادوں کے دریا میں غوطے لگانے لگا۔

"تمہیں بھولنے کی کوشش میں لمحہ موجود تک تو ناکام ہوں ویسے کسی نے تمہیں غلط کہا ہے کہ میں تمہیں بھولنا چاہتا ہوں۔" وہ اسی بے نیازی اور اسی بے باکی سے بولا کہ وہ سٹپٹا گئی۔

"لوگ اپنی ماں کو کیسے بھول جاتے ہیں یہ بتاؤ؟"

"یہ بھی کسی نے غلط کہا ہے مجھے ماما اور تم ایک لمحے بھی نہیں بھولیں۔"

"اسی لیے انہیں تنہا بھیج دیا۔ وہ بیمار ہیں۔" اس کے بے باک لہجے کو نظر انداز کر کے بولی۔

"سچ تو یہ بھی ہے شرمین! کہ ماما اور میرے درمیان بھی تم ہو۔" وہ سنجیدہ ہوگیا۔

"بوبی! اب تو بچپنا چھوڑ دو۔" وہ نہیں چاہتی تھی وہ پٹڑی سے اترے۔

"تم اور تمہاری چاہت بچپنا نہیں۔"

"پلیز! پھر مجھے غصہ آ جائے گا۔ اب جلدی سے بتاؤ کب آ رہے ہو؟"

"جب تم کہو۔"

"تو پھر جتنی جلدی ہو واپس آ جاؤ زینت آپا بہت پریشان ہیں۔"

"اگر شرمین! میرا آنا ضروری ہے تو عہد کرو کہ اپنے دل کے دروازے میرے لیے کھولو گی۔" وہ ایک دم سنجیدگی کے ساتھ کاروباری بن گیا۔

"کیا تم مشروط کر رہے ہو اپنی ماں کے لیے بھی۔" اسے حیرت ہوئی۔

"غلط نہ سمجھو میں اپنی ماما سے دور نہیں بس تمہاری جدائی کا صدمہ برداشت کرنے کے لیے سب کچھ چھوڑ رکھا ہے۔ ماما جانتی ہیں کہ شرمین نہیں تو پھر ازبیلا ہو یا فلوریڈا کچھ فرق نہیں پڑتا۔ مجھے زندگی تو بسر کرنی ہے ماما کو میرے درد کا احساس ہے۔" وہ رسان کے ساتھ بولتا چلا گیا...... شرمین لاجواب ہو کر اپنا ہونٹ کاٹنے لگی۔ وہ تو اب تک پاگل ہی تھا...... بلاوجہ کیوں اس سے رابطہ کیا گم صم سی سوچ میں پڑ گئی۔ دوسری طرف سے بوبی کی آواز آتی رہی لیکن اس میں بولنے کا یارا نہیں تھا۔ فقط اتنا کہا۔

"بوبی! نہ پہلے آپ ٹھیک سوچ رکھتے تھے اور نہ اب...... بہتر یہ ہے کہ اپنی ماما کا خیال کرو۔"

"تو ٹھیک ہے ماما جب چاہیں آ جائیں میں وہاں نہیں آ سکتا۔" اس نے بھی دو ٹوک لہجے میں فیصلہ سنا دیا۔

"بوبی! سمجھنے کی کوشش کرو۔"

"میں مجبور ہوں تمہارے انکار کی تمہاری نفرت کی سزا خود کو دے رہا ہوں تو تم لوگوں کو اعتراض کیوں ہے؟" وہ چلایا۔

"اوکے بائے۔" غصے کی حالت میں وہ فقط اتنا ہی کہہ سکی اور فون بند کر دیا۔ وہ تو پہلے سے زیادہ بے باک اور بے پروا ہوگیا تھا۔ ترکی بہ ترکی جواب دینا خودسر جذبوں کا اظہار کرنا تو پہلے بھی اسے آتا تھا مگر اب زیادہ تیزی اور بے باکی آ گئی تھی۔ وہ عجیب سی ٹینشن کی شکار ہوگئی خوامخواہ بیٹھے بٹھائے سوئے ہوئے شیر کو جگا دیا حالانکہ سویا ہوا تو وہ سمجھ رہی تھی اسے...... اس نے محسوس کیا کہ نیند کوسوں دور ہے تو بیڈ پر پشت سے ٹیک لگا کر سوچنے لگی۔ بوبی سے بات کر کے اس کو زینت آپا کی پریشانی اور بیماری کا بتا کر وہ خود کو انجان اور لاتعلق ظاہر کرنے کی پوزیشن میں نہیں رہی تھی اب یہ جان کر کہ

اس کی وجہ وہ خود ہے تو انتہائی ندامت اور افسردگی سی تھی...... بوبی کی دیوانگی جنون کی حد میں داخل ہوچکی تھی' ایسے میں کیا کیا جاسکتا ہے؟ اسے کیسے سمجھایا جاسکتا ہے؟ اس قصے سے تعلق رکھا جائے یا لاپروائی اختیار کی جائے...... اس قسم کے سوالات نے اسے گھیر لیا۔ رات آنکھوں میں گزر گئی۔

❀......❀......❀

اگلی صبح وہ سرخ آنکھوں کے ساتھ مضمحل سی تیار ہوکر کمرے سے باہر آئی اور زینت آپا کو اخبار پڑھتا دیکھ کر کچھ مطمئن ہوگئی کہ شاید وہ اب کچھ بہتر محسوس کررہی ہیں۔

''اخبار پڑھا جارہا ہے۔'' اس نے مسکرا کر پوچھا۔

''ہاں! کوشش کررہی تھی۔'' انہوں نے اخبار تہہ کرکے ایک طرف رکھا اور عینک اتارتے ہوئے کہا۔

''شوگر ٹیسٹ کرانے چلیں۔ مجھے آفس بھی جلد پہنچنا ہے۔''

''ہاں! چلو لیکن یہ بتاؤ بوبی نے کیا کہا......؟'' زینت آپا نے اچانک کہا تو وہ متحیر سی رہ گئی۔ اپنی دانست میں تو وہ سمجھ رہی تھی کہ زینت آپا سے نمبر نہ لے کر اس نے اچھا کیا...... مگر جس انداز میں انہوں نے سوال کیا تھا اس کا مطلب یہ تھا کہ انہوں نے رات موبائل سے نمبر لیتے ہوئے اسے دیکھا ہے۔

''کیا سوچنے لگیں؟'' انہوں نے اسے سوچ میں گھرا دیکھ کر پوچھا۔

''آں' نہیں کچھ نہیں آپ کو کیسے پتہ چلا کہ میں نے......؟''

''اس بات کو جانے دو' یہ بتاؤ کہ اس کٹھور بیٹے نے کیا کہا؟'' وہ حد درجہ دل گرفتگی سے اس کی بات کاٹ کر بولیں تو وہ مزید پریشان ہوگئی۔

''بات ہی نہیں ہوسکی' کوئی از بیلا تھی بتارہی تھی بوبی مارکیٹ گیا ہوا ہے اور بس' میں پھر فون بند کرکے سوگئی۔'' اس نے کمال سلیقے سے مصلحتاً جھوٹ بول دیا...... زینت آپا کو اس کی بات پر یقین آگیا۔

''اس کو کہہ دیتیں کہ بوبی آئے تو ضرور بتادینا۔''

''اور زینت آپا! اس اجنبی لڑکی سے مغز ماری کا فائدہ' ہمیں بوبی سے مطلب ہے آج بات کرلوں گی آپ اب چلیں شاباش دیر ہورہی ہے۔'' وہ ٹالتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی' اسی اثناء میں اماں جان آگئیں' اس کا سر سے پیر تک جائزہ لیا اور پھر برہمی سے بولیں۔

''پہلے یہ بتاؤ کہ رات بھر سوئیں کیوں نہیں؟'' انہیں گویا الہام ہوتا تھا' وہ سوئے نہ سوئے' کھائے نہ کھائے' ہر بات اس سے پہلے وہ جان لیتی تھیں۔ شرمین نے شریر نظروں سے دیکھا اور بولی۔

''آپ کو تو انٹیلی جنس میں ہونا چاہیے تھا۔''

''باتیں نہ بناؤ' رات بھر کم بخت فائلوں میں منہ دیئے بیٹھی رہی ہوگی ہے نا۔''

''ارے نہیں بابا! بس ٹھیک سے نیند نہیں آئی۔'' وہ یکسر ٹال کر آگے آگے چل دی۔ اماں پیچھے سے بولتی رہیں...... مگر وہ سنی ان سنی کرکے گاڑی اسٹارٹ کرنے لگی۔ وہ ماں جیسی پیاری اماں کو کیا بتاتی کہ وہ واقعی رات بھر سو نہیں سکی۔ ایک نئی پریشانی کا آغاز کرکے پچھتا رہی ہے' مگر یہ پریشانی سراسر اس کے لیے تھی اس سے اماں اور زینت آپا قطعاً انجان تھیں۔ اس نے اپنے برابر فرنٹ سیٹ پر بیٹھی زینت آپا کو دیکھا وہ برسوں کی مریض لگنے لگی تھیں۔ ان کی آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے بن گئے تھے۔ ہونٹ خشک اور خاموش تھے۔ سلیقے اور قرینے سے تیار رہنے والی زینت آپا بالکل تبدیل ہوگئی تھیں...... شرمین کا دل دکھی ہوگیا' شاید وہ حد درجہ نرم گداز جذبوں بھرا دل رکھتی تھی اس وجہ سے زیادہ

رنجیدہ ہوگئی تھی۔ کچھ بھی تھا یہ اس کے اختیار میں نہیں تھا کہ وہ انہیں بوبی کی رات والی باتیں بتاتی کیونکہ وہ مثبت اور خوش کن نہیں تھیں' ان کو سن کر تو وہ اور زیادہ بیمار اور غمگین ہوجائیں گی یہی سوچ کر اس نے جھوٹ بولا تھا۔ مگر اس کے بعد کیا ہوگا؟ یہ فکر اسے ہراساں کررہی تھی۔ گھر سے لیباٹری تک اور لیبارٹری سے واپس گھر تک وہ ادھیڑ بن میں گرفتار رہی...... زینت آپا گاہے بگاہے اس کی طرف دیکھتیں اور پھر کچھ نہ سمجھ کر دوسری طرف دیکھنے لگتیں۔ اس نے انہیں گھر کے گیٹ پر ہی چھوڑا اور آفس کے لیے چلی گئی۔

❀......❀......❀

سورج کی کرنیں در و بام سے اتر کر برآمدے اور صحن میں پھیلیں تو جہاں آرا بیگم کو تشویش سی ہوئی' گھڑی پر نگاہ ڈالی صبح کے نو بج رہے تھے صفدر ابھی تک کمرے سے باہر نہیں نکلا تھا۔ یہ خلاف معمول تھا...... ان کے ساتھ ناشتہ کرنے والا بیٹا اس قدر تبدیل ہوگیا تھا' وہ تو ہمیشہ سے فجر کی نماز' قرآن پاک کی تلاوت کے بعد ہلکی پھلکی کوئی چیز کھا کر دوا کھاتی تھیں جس کے بعد نیند سی آجاتی تھی لیکن صفدر کے دفتر جانے سے کچھ دیر پہلے اٹھ کر وہ ناشتہ بناتی تھیں' پھر دونوں ماں بیٹے بیٹھ کر ناشتہ کرتے تھے...... زیبا کے آنے سے یہ روٹین خاصی تبدیل ہوئی تھی...... کبھی وہ ان کے اور زیبا کے ساتھ ناشتہ کرتا' کبھی نہیں...... مگر آج تو انتظار کرتے کرتے وہ تھک گئیں...... اس کے کمرے کا دروازہ کھلا تھا' وہ اندر داخل ہوگئیں۔ کمرے کی دونوں ٹیوب لائٹس روشن تھیں...... ہلکا ہلکا پنکھا چل رہا تھا اور وہ بے سدھ سویا ہوا تھا۔ وہ پریشان ہوکر اس پر جھک گئیں۔

''صفدر! صفدر بیٹے خیریت تو ہے۔'' ماں کی ممتا بھری مہک نے اسے کسمسانے پر مجبور کردیا۔

''اوں' ہنو! جی سب ٹھیک ہے۔'' بھرپور انگڑائی لے کر وہ بولا' ہلکی سی آنکھیں کھولیں تو جہاں آرا بیگم کے دل پر آنکھوں کی سرخی بجلی گرا گئی۔

''ماں صدقے' کچھ بھی تو ٹھیک نہیں لگ رہا' نو بج رہے ہیں' ابھی تک بستر پر ہو' تمہیں روشنی میں کبھی نیند نہیں آتی تھی' آج دونوں ٹیوب لائٹس جل رہی تھیں آفس کا وقت ہوگیا...... بوٹی جیسی آنکھیں ہورہی ہیں۔'' وہ مضطرب سی بولتی چلی گئیں۔ وہ ہلکے سے مسکرایا اور اٹھتے ہوئے بولا۔

''ارے میری پیاری امی جان! تبدیلی تو زندگی کا حصہ ہے' آپ کیوں پریشان ہوتی ہیں؟'' اس کی بات سن کر وہ خفگی سے بولیں۔

''صفدر! اماں کی آنکھ میں دھول نہ جھونکو' جو بھی مسئلہ ہے بتاؤ' یہ کہانی مت سناؤ کہ تم ٹھیک ہو۔''

''امی! کوئی اور بات نہیں ہوسکتی کیا؟'' وہ قدرے سنجیدگی سے بولا۔

''نہیں' یہی بات اہم ہے۔'' وہ بھی سنجیدہ ہوگئیں۔

''تو پھر سمجھ لیں کہ صفدر کی زندگی میں کوئی تبدیلی ہلچل مچا رہی ہے۔ جو نہ مجھے سونے دیتی ہے اور نہ جاگنے...... اب خدا کے لیے کچھ اور نہ پوچھیے گا کیونکہ بتانے کو میرے پاس کچھ نہیں ہے۔'' وہ یہ کہہ کر بستر سے اٹھا اور پیروں میں سلیپر ڈال کے واش روم میں گھس گیا۔ جہاں آرا پر سکتے کی سی کیفیت طاری ہوگئی۔ جس کا انہیں خدشہ تھا بات اتنی ہی سنگین تھی مگر کیا...... کس لیے؟ یہ معمہ وہ حل نہیں کر پارہی تھیں۔ چپ چاپ کمرے سے نکل گئیں۔ کچھ دیر بعد یہ اندازہ کرکے کہ وہ کمرے سے جاچکی ہیں وہ واش روم سے باہر نکلا اور پھر صوفے پر گرسا گیا۔ اسے ماں کے دکھ اور پریشانی کا اندازہ تھا۔ بچپن سے اب تک ماں کی خوشی کے لیے جیا تھا۔ یہ اچانک کیسا طوفان آگیا تھا کہ وہ اندر ہی اندر ٹوٹ رہا تھا مگر ماں کو نہیں بتا سکتا تھا...... سب دعوے سرف کے جھاگ کی مانند بیٹھ گئے تھے۔ اس کے اندر ایک روایتی مرد بیدار ہوچکا تھا' جو

جسمانی آسودگی کے لیے بیوی پر حق رکھتا ہے...... جونہی رات کے سائے بڑھتے ہیں اس کے بدن میں امنگیں انگڑائیاں لیتی ہیں پھر وہ مچل مچل کے بستر کی شکنوں میں بیوی کے لمس کو تلاش کرتا ہے...... روایتی مرد بیوی کے بدن کے نشیب وفراز کی دنیا سے لوٹ کر کروفر سے اٹھتا ہے اور پھر ایک چھوٹی سی بھول بھی بیوی کی برداشت نہیں کرتا...... صفدر میں ایسا مرد، ایسا شوہر نمودار ہوگیا تھا۔ وہ جسمانی آسودگی کا متلاشی تھا اسے بیوی کے خوبصورت جسم کے اسرار جاننے کے بعد ہر پل خود سے جنگ لڑنی پڑ رہی تھی۔ مگر دوسری طرف وہ بیوی کی بھول معاف کرنے کو راضی نہیں تھا۔ رات بھر اس نے اسی کرب میں گزاری تھی۔ شدید پنجہ آزمائی کرتے کرتے رات سے فجر ہوگئی تب وہ آنکھیں بند کرسکا تھا۔ یہ سب باتیں وہ ماں سے کیسے کہتا؟

❀......❀......❀

حاجرہ نے باورچی خانے سے باہر نکل کر برآمدے میں بیٹھی زیبا کو دیکھا اور اس کے پاس چلی آئی۔ خستہ پراٹھا آم کا اچار اور چائے کا کپ سب جوں کا توں رکھا تھا۔ وہ گہری سوچ میں غلطاں انگلی میں پڑی انگوٹھی کو کبھی اتار رہی تھی اور کبھی پہن رہی تھی۔ صبح کے اجالے میں اس کے چہرے کی سفید رنگت میں دکھ اور اداسی کی پیلاہٹ صاف نظر آرہی تھی۔ حاجرہ دو دن سے یہی غور کررہی تھی کہ وہ کن خیالوں میں کھوئی رہتی ہے؟ اور کیوں کھوئی رہتی ہے؟

اس نے بالکل سامنے موڑھے پر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"کون سا گھن ہے جو تجھے اندر ہی اندر چاٹ رہا ہے۔" وہ چونکی اور جلدی سے سامنے رکھے ناشتے کو دیکھنے لگی۔

"ناشتہ رکھا رکھا برف ہوگیا، تو کہاں کھوئی تھی؟"

"آں، ہاں، کہیں نہیں...... بس ناشتے کو دل نہیں چاہ رہا...... طبیعت عجیب سی ہے۔" اس نے جواب دیا۔

حاجرہ نے ایک بار پھر اسے تجربہ کار نگاہوں سے تولا اور پھر دھیرے سے کہا۔

"چل میں تجھے چھوڑ آؤں۔"

"کہاں......؟" اس نے حیرت سے دیکھا۔

"تیرے گھر۔"

"میں نے کب کہا ہے؟"

"شادی کے بعد لڑکیاں اپنے گھروں میں ہی خوش رہتی ہیں۔"

"ضروری تو نہیں۔" وہ دکھ سے مسکرائی۔

"تو مجھے صاف کیوں نہیں بتاتی کہ صفدر کیسا ہے؟" حاجرہ کا دل داماد کے لیے شک سے بھر گیا۔

"اماں! صفدر بہت اچھے ہیں، جیسے ان کی امی نے بتایا تھا اس سے بڑھ کر اچھے ہیں۔"

"ہنہ! ارے اپنی دہی کو کون کھٹا کہتا ہے؟ تیرے چہرے پر پھیلی ہلدی سب کچھ بتا رہی ہے مجھے۔"

"اماں! جانے دو کیسی باتیں لے بیٹھی ہو، صفدر یا امی آج کل میں آجائیں گے تو چلی جاؤں گی۔"

"میں بھیجنے کی وجہ سے نہیں کہہ رہی، بس ویسے ہی فکرمند ہوں۔" حاجرہ دل میں آئے وسوسے چھپا گئیں۔

"کہا نا کہ طبیعت خراب سی ہے، میں اپنے کمرے میں جاکر لیٹ رہی ہوں۔"

"اپنے ابا کے پاس کچھ دیر بیٹھو وہ پوچھ رہے تھے، تم تو باپ سے بھی بے پروا ہوگئی ہو۔"

"میں وہیں سے آئی تھی، ان کے کمرے کا پنکھا بہت آواز دے رہا ہے، سر میں لگتی ہے وہ آواز۔" وہ بے زاری سے بولی۔

''کیا کروں؟ پنکھے کی عمر پوری ہوگئی مگر خطا معاف نہیں ہوئی' نیا پنکھا پندرہ سو سے کم نہیں' ہر مہینے سوچتی ہوں' مگر معمولی سی پنشن اور بیٹھک کے کرائے سے گھر چلانا مشکل ہوگیا ہے..... اوپر سے تمہارے ابا کی دواؤں میں اضافہ ہی ہورہا ہے۔'' حاجرہ نے دھیمے دھیمے لہجے میں کڑوی کسیلی داستان سناڈالی۔

''میرے کمرے کا پنکھا اتروا کر ابا کے کمرے میں لگوادو' وہاں تو کوئی نہیں ہوتا۔''

''اللہ تجھے سلامت رکھے' آتا جاتا رکھے' اب استعمال ہورہا ہے نا' اللہ رکھے صفدر کو تمہیں لینے آئے گا تو دو گھڑی آرام کرلے گا۔''

ماں کی داماد کے لیے اپنائیت دیکھ کر اس نے طویل سانس بھرا اور اپنے کمرے کی طرف چل دی۔

''مائیں اتنی سادہ کیوں ہوتی ہیں؟'' کمرے میں داخل ہوتے ہوئے اس نے سوچا' اولاد کے لیے رات دن سب اچھا چاہتی ہیں۔ سب ٹھیک دیکھتی ہیں' ننھی اس کی پیاری سہیلی بھی تو یہی کہتی تھی' کہ ''زیبا! تیری اماں کو پتہ چلے یا نہ چلے ایک ہی بات ہے' وہ تجھے کچھ نہیں کہیں گی۔'' یہ سن کر وہ شرمسار ہوگئی تھی اور سوچنے لگی تھی کہ ماں اتنی سادہ ہوتی ہے کیا؟ میرے دامن پر لگا داغ دیکھے نہ دیکھے پھر بھی میری ماں رہے گی۔'' یہ سوچ اسے سرتا پا ندامت کے پانی سے بھگوگئی تھی۔ ننھی یہ حالت دیکھ کر ماسی نصیحت بن گئی تھی۔

''دیکھو زیبو! تیرے وجود میں جو زہر پھیل گیا ہے' اسے حوصلے اور خاموشی سے نکلوادے۔ اگر یہ اس گھر میں پھیل گیا تو کچھ نہیں بچے گا۔ میری مان چاچی کو کچھ نہ بتا..... بس زہر باد سے پہلے تدبیر کرلے۔'' تب اس نے ڈبڈباتی آنکھوں سے ننھی کے کندھے پر سر رکھ کے اسے تدبیر کرنے کی ذمہ داری سونپ دی تھی۔ اس وقت بھی طبیعت آج کی طرح خراب تھی۔ وہ کچھ کچھ سمجھ گئی تھی کہ صفدر کا احساس اس کے نہ چاہنے کے باوجود اس کے وجود میں سرایت کرگیا ہے..... مگر وہ خوش نہیں تھی' ہول سا تھا..... کچھ جاننے نہ جاننے کا خوف تھا' خشک زرد پتے کی طرح ڈولتی ہوئی پلنگ پر گرگئی..... تکیے پر سر رکھ کے سعودی عرب جا بسنے والی پیاری ہمراز سہیلی ننھی کو یاد کرنے لگی..... آج وہ اس کی کمی شدت سے محسوس کررہی تھی۔ اس کے مشورے کی ضرورت تھی۔ اس کی ہمدردی درکار تھی..... کیا تھا؟ اور کیا ہونے والا تھا؟ یہ سوچ کر پریشان تھی..... ایک دم ہی دل متلانے لگا تو اٹھ کر بیٹھ گئی۔

❁......❁......❁

مرزا نوازش کے عہدے میں ترقی ہوئی۔

انہیں برانچ انچارج بنادیا گیا۔ دفتر میں گہما گہمی کا سماں تھا۔ سارے اسٹاف نے ان کے اعزاز میں پارٹی ارینج کررکھی تھی۔ سب اچانک کیا گیا تھا' شرمین لاعلم تھی اس لیے حیران پریشان سی سب کو دیکھ رہی تھی..... کسی ایک نے چلبلا سا جملہ اچھالا۔

''لو بھئی! مس شرمین کی بے نیازی کا عالم دیکھیے انہیں مرزا صاحب کی پروموشن کا علم ہی نہیں ہے۔'' اس نے گھور کر اسے دیکھا اور فائل بند کرکے مرزا نوازش کے کمرے کی طرف چل دی۔

''میں آئی کم ان سر!'' اس نے پوچھا..... مگر مرزا نوازش چیئر پر جھول جھول کر فون پر باتیں کررہے تھے اسے دیکھ کر انہوں نے دانتوں کی نمائش کی اور سر کے اشارے سے اندر آکر بیٹھنے کو کہا..... وہ سامنے والی کرسی پر ٹک گئی..... کچھ دیر بعد مرزا صاحب فون بند کرکے اس کی طرف متوجہ ہوئے۔

''کس دنیا میں رہتی ہو شرمین؟''

''سر! جس دنیا میں آپ رہتے ہیں۔''

”کہاں ڈریم گرل! وہ ہماری دنیا تو جہنم ہے آپ ساتھ ہوں تو جنت بن جائے۔“ پروموشن کے بعد مرزا صاحب کا دماغ یقیناً ساتویں آسمان پر پہنچا ہوا تھا بہکی بہکی باتیں کافی عرصے سے انہوں نے چھوڑی ہوئی تھیں...... آج پھر بہکے ہوئے تھے وہ سنبھل کر لحاظ کر گئی۔

”سر! بہت بہت مبارک ہو۔“

”تھینک یو مگر اتنی دیر سے خیال آیا۔“

”سر! کل شام پانچ بجے آفس سے جاتے ہوئے مجھے آپ کی پروموشن کا علم نہیں ہوا اب آفس آنے پر پتہ چلا ہے تو مبارک باد دینے آ گئی۔“

”بس تم بھی تیار رہو آج کل میں ہیڈ آفس سے تمہارے بھی پروموشن آڈر آنے والے ہیں۔“ وہ مسکرا کر بولے۔

”آپ کو کیسے پتہ ہے؟“

”بھئی ہم ہیں نا‘ ہم تمہاری رپورٹ بھیجیں گے۔“ وہ شان تفاخر سے اس پر عنایات کا بوجھ ڈالتے ہوئے بولے تو وہ چڑ گئی۔

”شکریہ سر! آپ میرے لیے یہ زحمت نہ ہی کریں تو بہتر ہے۔“

”کمال کرتی ہیں شرمین جی! ہم تمہارے لیے بہت کچھ کرنا چاہتے ہیں‘ مگر تم اجازت ہی نہیں دیتیں۔ دیکھو! تمہاری محبت آج بھی ہمارا دین ایمان ہے۔“ وہ اٹھے اور چل کر اس کے برابر والی کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولے‘ شرمین پر ہلکا سا خوف طاری ہوا ایک دم سے وہ اسے خوف زدہ کر دینے والی مخلوق دکھائی دینے لگے...... وہ ہمت یکجا کر کے اٹھی اور خونخوار نظروں سے دیکھتی ہوئی دروازے کی طرف بڑھی تو وہ بولے۔

”شرمین! آسمان سے نیچے اتر آؤ اب تمہارے پاس بہت زیادہ وقت نہیں ہے آسمان پر رہنے کا...... یقین نہ آئے تو آج شناختی کارڈ یا کوئی کمیٹی وغیرہ کی پرچی نکال کر تسلی کر لینا۔“ انہوں نے کسی بدقماش انسان کی طرح چہک چہک کر جملہ مکمل کیا۔

”بس! یہی حقیقت ہے آپ کی گھناؤنی محبت کی...... محبت کو گری ہوئی شے بنا کر آپ جیسے لوگ جس طرح نفس پرستی کی غلامی کرتے ہیں میں خوب جانتی ہوں...... آپ کی طرف سے تو مجھے نفرت بھی قبول نہیں۔“ وہ جھٹکے سے گردن گھما کر بولی۔ تب ہی مرزا نوازش کے منہ سے یہ جملہ نکلا۔

”رانی! جس کے خوابوں میں جوانی ضائع کر رہی ہو اسے کہو کہ اب دیر نہ کرے۔“

”سر! میں آپ کی بہت عزت کرتی ہوں‘ مگر آپ مجبور کر رہے ہیں کہ میں وہ کہوں جو شاید آپ برداشت نہ کر سکیں۔ یہی ہے آپ کی سطحی محبت...... آخ تھو!“ وہ یہ کہہ کر باہر نکل گئی۔ مرزا نوازش کی نگاہوں میں جلتی چنگاریاں نہ دیکھ سکی...... مگر اتنا جان گئی کہ ترقی سے مرزا نوازش فرعونیت پر اتر آیا ہے...... افسری کا نشہ سر سے اوپر چڑھ چکا ہے۔ حالانکہ وہ یہ سمجھنے لگی تھی کہ اب مرزا صاحب سنبھل چکے ہیں لیکن یہ اس کی خام خیالی تھی۔ غصے اور نفرت سے وہ سلگ اٹھی تھی‘ دل چاہا کہ ہیڈ آفس فون کر کے سب کچھ بتا دے‘ لیکن پھر خیال آیا کہ اس میں بھی اپنی نیک نامی متاثر ہوگی۔ بہتر ہے کہ خاموشی اختیار کی جائے‘ فی الحال وہاں رک کر سلگنا نہیں چاہتی تھی اس لیے پرس اٹھا کر بنا کسی کو بتائے آفس سے باہر نکل آئی۔

❀ ❀ ❀

اسے کہنا اسے ہم یاد کرتے ہیں
دیئے جب شام کی دہلیز پر جلتے ہیں

ستارے آسماں پر جب ٹمٹماتے ہیں
زمین پر‘ چاندنی جب پھولوں پر پڑتی ہے
بہت ہی خوب لگتی ہے
ہم اس دم!
اپنی آنکھوں میں اسے آباد کرتے ہیں
اسے کہنا‘ اسے ہم یاد کرتے ہیں!

ای میل پڑھتے پڑھتے وہ دور بہت دور عارض کے سنگ نکل گئی تھی۔ پتہ ہی نہ چلا کہ زینت آپا آ گئیں‘ اس کو کمپیوٹر کے سامنے اس قدر محو دیکھ کر وہ واپس پلٹنا چاہتی تھیں کہ اسے احساس ہوگیا۔ جلدی سے کمپیوٹر سے توجہ ہٹا کے ریوالونگ چیئر ان کی طرف گھمائی......وہ اس کے سامنے کرسی پر بیٹھ گئیں۔

"کام کرلو‘ میں پھر آ جاؤں گی۔"

"کام تو نہیں کر رہی تھی آپ اطمینان سے بیٹھیں۔"

"شرمین! مجھے اب گھر جانے دو‘ کوٹھی ویران پڑی ہے‘ کاروبار تباہ ہو رہا ہے۔"

"کمال کرتی ہیں آپ!" وہ ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے بولی۔ وہ نظریں چرانے لگیں تو وہ پھر قدرے سمجھانے والے انداز میں بولی۔

"دو سو پندرہ ہے آپ کی شوگر‘ اپنی حالت دیکھیں۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا ہے کہ اگر چند روز میں دواؤں سے کنٹرول نہ ہوئی تو‘ انسولین کا استعمال کرنا پڑے گا...... آپ کو آرام اور پرہیز دونوں کی ضرورت ہے۔" اس کی محبت پاش نگاہوں پر زینت آپا سو جان سے قربان ہوگئیں۔ وجور جذبات سے ان کی آنکھیں بھر آئیں...... سگی اولاد سے تو یہ واقفیت کے رشتے اچھے تھے...... انہوں نے شرمین کی پیشانی چوم لی...... شرمین جانتی تھی کہ ان کا اصل دکھ بوبی کی جدائی ہے‘ جو انہیں چاٹ رہا ہے۔

"آپ آرام سے رہیں‘ جان ہے تو جہان ہے‘ آپ کس کے لیے کاروبار‘ کوٹھی کار کی فکر کریں‘ وہ جو پردیس میں گلچھرے اڑا رہا ہے‘ جس کی محبت مشروط ہے آپ کے لیے۔" بولتے بولتے وہ ایسا سچ بول گئی جس نے زینت آپا کو چونکایا۔

"کیسی شرط...... کیا اس سے بات ہوئی ہے؟" وہ گڑبڑا سی گئی‘ کتنا مشکل ہوتا ہے جھوٹ بول کر سنبھالنا...... اس نے بمشکل جھوٹ گھڑا۔

"یہ شرط ہی ہے نا زینت آپا کہ یا تو وہ اپنی من مانی کرے گا ورنہ وہیں رہے گا۔"

"تم بات تو کرو‘ سمجھاؤ اسے۔" زینت آپا کے رنجیدہ چہرے پر نگاہ ڈال کر اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

"کچھ دیر کے لیے گھر ہو آؤں‘ شیر دل بابا کا فون آیا تھا۔ انہوں نے سب ملازموں کی طرف سے ملنے کی درخواست کی ہے۔" وہ مسکرائی‘ اس سے ان کے چہرے پر معصوم سی فرمائش کے اثرات تھے۔ اپنا گھر اپنا ہوتا ہے‘ اس کی یاد بے کل کرتی ہے‘ ان کو خوش کرنے کے لیے وہ بولی۔

"کھانا کھالیں‘ پھر چلتے ہیں‘ یہ اماں کچن میں گھسی کیا بنا رہی ہیں......؟ اس نے اس طرح موضوع بدلا کہ زینت آپا اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"میں جا کر دیکھتی ہوں۔"

''آپ نے صبح واک کی تھی۔'' اس نے ایک دم پوچھا تو وہ معصوم بچوں کی طرح نفی میں گردن ہلانے لگیں۔

''اب ہم روز واک کیا کریں گے آپ کی صحت کے لیے بے حد ضروری ہے۔''

''صحت کو کسی کی نظر لگ گئی' بوبی کے پاپا کے بعد بڑے طمطراق سے گھر اور کاروبار کی ذمہ داری سنبھالی ہے میں نے مگر اب ایسا لگتا ہے میں ٹوٹ گئی ہوں' جسم میں طاقت نہیں رہی' ہمت جواب دے گئی ہے۔'' زینت آپا کا گلا رندھ گیا اور لہجہ تھکن سے بھر گیا۔ شرمین نے اٹھ کر انہیں بانہوں میں سمیٹ لیا۔

''آپ معمولی سی پریشانی سے گھبرا گئیں' سب ٹھیک ہو جائے گا۔ آپ ہی نے سب کام سنبھالنے ہیں۔'' اس نے حوصلہ تو دیا مگر دل میں لگی گرہ نہ کھول سکی۔

''بوبی کی پرورش کی خاطر میں نے جوانی کو بیوگی کی چادر میں چھپا کر رکھا' مگر......''

''مگر کچھ نہیں' بوبی ناسمجھ ہے آ جائے گا' آپ اس کے لیے فکر مند نہ ہوں' اسے آپ کے پاس آنا ہے۔'' وہ ان کا جملہ اچک کر او پرے دل سے بولی۔ کیونکہ دل میں جو کسک تھی وہ ان کو بتا نہیں سکتی تھی۔

وہ چپ کر گئیں...... تو وہ پیروں میں سلیپر ڈال کے خوش گوار موڈ میں بولی۔

''چلیں آئیں' اماں نے کھانا تیار کر لیا ہوگا۔''

زینت آپا نم آلود پلکیں سفید ساڑی کے پلو سے صاف کر کے اس کی ہمراہی میں باہر نکل آئیں۔

❁......❁......❁

شام کو اچانک سیاہ بادلوں نے آسمان کو اپنے نرغے میں لے لیا' ہوا بند تھی' بے پناہ حبس تھا۔ ایسے میں گاڑی کا بیچ سڑک پر بند ہو جانا سخت پریشانی کا باعث تھا۔ اس نے غصے سے گاڑی کا بونٹ لاک کیا اور سوچنے لگا اب کیا' کیا جائے؟ ایک پھل فروش سے ورکشاپ کی بابت پوچھا۔ اس نے بتایا ذرا سا سامنے چل کر جائیں دائیں ہاتھ گلی میں پہلی ہی ورکشاپ ہے۔ مرتا کیا نہ کرتا...... اس طرف چل دیا۔ وہاں ورکشاپ کے مالک کو تفصیل سے آگاہ کر کے گاڑی کی چابی تھما دی اور خود باہر نکل آیا۔

صبح امی نے حکم دے دیا تھا کہ زیبا کو واپسی پر لے کر آنا ہے...... اس نے وعدہ بھی کر لیا تھا' مگر موسم کی خرابی' سواری کے بغیر دو قدم چلنا بھی محال تھا۔ مگر پھر ماں سے کیے ہوئے وعدے کو نبھانے کے لیے اس نے ہمت کی' رکشہ روکا اور پتہ بتا کر بیٹھ گیا۔ رکشہ فراٹے بھرنے لگا اور وہ پینٹ کی جیب سے رومال نکال کر بار بار چہرے پر آیا پسینہ صاف کرتا رہا...... اندر غصہ تھا' بے زاری تھی' جانے کیا' کیا تھا...... زیبا اس کے لیے ایک ایسا سوال بن گئی تھی' جسے نہ وہ حل کرنا چاہتا تھا اور نہ بنا حل کے چھوڑنا چاہتا تھا...... وہ گھر میں اس کی ذہنی الجھن بنی رہتی' گھر سے بھیج کر اس سے غافل رہنے کی ناکام کوششیں کر چکا تھا' اس کو پوری طرح محسوس کرنے کے بعد ذہن سے جھٹکنے کا تصور بھی محال تھا مگر دوسری طرف مکمل اپنانے کا خیال بھی گناہ کے مترادف تھا۔

''کیا' کیا جائے؟'' زیر لب بڑبڑایا۔ ساتھ ہی جھٹکے سے رکشہ رکا تو وہ حقیقت کی دنیا میں آ گیا۔ حقیقت یہ تھی کہ وہ زیبا کے گھر کے دروازے پر تھا اور ٹپاٹپ بارش شروع ہو گئی تھی۔ جس وقت دروازہ کھلا آسمان پر گڑگڑاہٹ تھی' غصیلے بادل آپس میں ٹکریں مار رہے تھے۔ ایک دم ہی بارش کی شدت میں اضافہ ہوا اور وہ زیبا کے برابر تقریباً بھاگتا ہوا کمرے کی طرف بڑھا...... مگر بال بھیگ چکے تھے...... شرٹ تر ہو گئی تھی۔ زیبا کی لان کی قمیص بھی بارش کا مزہ لے رہی تھی۔ اس نے آگے بڑھ کر اپنے کمرے کا دروازہ کھولا تو پشت سے اس کے دل پر بجلیاں سی گر گئیں...... وہ رخ موڑ کر اندر آنے کو کہہ رہی تھی' مگر وہ وہیں جم گیا' اور بھاری آواز میں بولا۔

''میں یہیں بیٹھوں گا' اندر گھٹن ہے۔'' وہ دانستہ اس سے دور رہنے کو بولا تھا۔ یہ وہ بات تھی جو وہ نہیں جانتی تھی۔ وہ جب سے اس کے قرب سے ہمکنار ہوا تھا' تب سے جاننے لگا تھا کہ اس کے جسم میں ایسا طلسم ہے کہ دیکھنے اور چھونے کے بعد حواس بحال رکھنے ناممکن تھے۔

''شاید اسی طلسم میں کھو کر وہ عاشق اپنی منزل سے بھٹک گیا ہو۔'' کرسی پر بیٹھتے ہوئے تلخی کے ساتھ اس نے سوچا۔

''میں اماں' ابا کو بتا کر آتی ہوں۔'' زیبا نے کہا تو وہ کچھ سوچ کر بولا۔

''موسم کے تیور اچھے نہیں ہیں' گاڑی بھی نہیں ہے' جلدی نکلنا چاہیے۔''

''مگر گلی میں بہت پانی ہے' بارش بھی بہت تیز ہے' کیسے جائیں گے؟'' اپنی دانست میں اس نے اسے معلومات فراہم کی۔

''تو پھر......'' اس نے ابرو چڑھا کر دیکھا۔

''ارے بیٹا! گھر ہی جانا ہے' موسم بہتر ہونے کا انتظار کرلو آخر گھر میں بیٹھے ہو۔'' حاجرہ کو چہیتے داماد کی بات اچھی نہ لگی تو دھیمے لہجے میں اس کا اظہار کردیا...... وہ ان کے احترام میں کھڑا ہوگیا اور خفت سے مسکرادیا۔ زیبا کا سر چکرا رہا تھا وہ تو بڑی مشکل سے اس کے استقبال کے لیے کھڑی ہوئی تھی...... وہ دیوار تھام کے خود کو سہارا دینے لگی۔

''زیبا! میری بچی تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے جاؤ کمرے میں جا کر لیٹو' میں صفدر کے لیے کھانا گرم کرتی ہوں۔'' حاجرہ نے اس کی لاتعلقی بھانپ کر بیٹی سے کہا۔ صفدر نے رخ موڑ کر یقین کرنے کی خاطر اس کی طرف دیکھا...... وہ واقعی پیلی پڑ گئی تھی...... آنکھوں کے گرد گہرے سیاہ حلقے بن گئے تھے۔ وہ مشکل سے اٹھی اور اپنے کمرے کی طرف چلی گئی۔ وہ پلٹ کر ساس کی طرف متوجہ ہوا۔

''کھانے کا تکلف نہ کریں' بس اجازت دیں زیبا کی طبیعت خراب ہے تو پھر آ کر لے جاؤں گا۔'' حاجرہ کی پیشانی پر خفیف سی سلوٹیں ابھریں' مگر وہ ضبط سے مسکرا کر ٹال گئیں۔

''یہ تو غور کرو بیٹا کہ زیبا کو کیا بیماری ہے؟''

''جی بہتر' بتایئے۔'' وہ اکتا کر بولا۔

''پہلے چل کر اپنے ابا کے پاس بیٹھو میں کھانا لاتی ہوں' پھر بات کریں گے...... اتنی دیر میں شاید بارش تھم جائے......'' حاجرہ نے اسے کچھ اور کہنے کا موقع نہ دیا۔ بارش سے بچتی بچاتی باورچی خانے کی طرف چلی گئیں...... اور وہ ابا کے کمرے کی طرف ہولیا۔ دل جب نہ چاہے تو طبیعت اچاٹ اور بے زار سی ہوتی ہے' یہاں آنا اور آ کر بیٹھنا اسے اچھا نہیں لگتا تھا...... حالانکہ زیبا کے اماں' ابا بے ضرر سے سیدھے سادے انسان تھے۔ اسے دیکھ کر خوش ہوجاتے' بچھ بچھ جاتے مگر اسے کوئی بے چینی اندر ہی اندر چاٹنے لگتی' من کا چور اسے ستانے لگتا' نفرت زیبا کے لیے جاگتی اور قابل نفرت اس کے ماں باپ بھی لگتے۔

''آؤ بیٹا بیٹھو۔'' پھولی ناہموار سانس کے ساتھ ابا نے کہا...... تو وہ سلام کر کے ان کی چارپائی کے قریب رکھی کرسی پر ٹک گیا۔

''آج تو بارش نے حد مکا دی ہے' مسلسل برس رہی ہے۔'' اس کی خاموشی کو انہوں نے توڑا...... وہ اپنے سامنے کھلی کھڑکی کی طرف دیکھنے لگا' جو صحن میں کھلتی تھی اور بارش کا برستا پانی اس سے نظر آرہا تھا۔

''جی ہاں! باہر گلی میں دریا بہہ رہا ہے۔'' مختصر سا جواب دیا۔

''یہی تو مشکل ہے بارش تو برس برسا کر تھم جائے گی' مگر گلیوں محلوں میں ہفتوں کیچڑ کھڑا رہے گا...... ایک' دو دن سے

پہلے تو پانی نہیں نکلتا۔'' وہ کھانسی سے جنگ کرتے ہوئے بولے تو صفدر نے جگ سے گلاس میں پانی ڈال کرانہیں دیا۔

''سیوریج کے نظام پر ہمارے ہاں توجہ ہی کم دی جاتی ہے۔''

''ہم' ہما' ہمارے محلے میں ز' زیادہ ڈھلان ہے۔'' انہوں نے بڑی مشکل سے بتانا چاہا تو اس نے ہاتھ کے اشارے سے منع کردیا۔

''آپ نہ بولیں' بولنے سے کھانسی اٹھتی ہے' بارش رکے گی' پانی بھی نکل ہی جائے گا۔''

''پر لگتا ہے آسمان میں چھید ہوگئے ہیں۔'' اسی وقت حاجرہ ٹرے لیے آگئیں۔

''مجھے بالکل بھوک نہیں ہے' ویسے بھی امی جان کے ساتھ کھانا کھاتا ہوں۔''

''میں بھی تمہاری ماں کی طرح ہوں' آج میرے کہنے پر کھالو۔'' حاجرہ نے اس اپنائیت سے کہا کہ اسے اٹھ کر ہاتھ دھونے پڑے۔

رات گیارہ بجے کے قریب موسلادھار بارش ہلکی ہلکی پھوار میں بدلی تو وہ صحن میں نکل کر جائزہ لینے لگا..... زیبا اس کی پشت پر پہنچ کر بولی۔

''باہر گلی میں بہت پانی کھڑا ہے۔''

وہ کچھ نہیں بولا' لمبی سانس بھر کے اس کی بات پر کمرے میں آ گیا۔ کمرے کا ماحول خاصا گھٹن زدہ تھا' پنکھے کی ہوا بھی بہت ٹھنڈی نہیں تھی اس لیے الٹے قدموں کمرے کے باہر برآمدے میں بچھے پلنگ پر بیٹھ گیا۔ جیب سے موبائل فون نکال کر گھر کا نمبر ملا کے ماں کو ساری صورت حال بتائی..... مگر دوسری طرف سے جواب ملا کہ سوجاؤ' صبح آرام سے زیبا کو لے کر آجانا۔'' فون واپس جیب میں رکھا اور چاروناچار پائنتی میں بیٹھی زیبا سے پوچھا۔

''مجھے کہاں سونا ہے؟''

''جہاں آپ چاہیں۔'' وہ خوشی سے بولی۔

''اب بہت زیادہ گنجائش تو یہاں ہے نہیں۔'' اس نے کچھ طنزیہ کہا۔ زیبا شرمندہ ہوگئی۔

''میرا مطلب تھا۔'' وہ ہکلائی۔

''میرا مطلب یہ نہیں تھا۔'' وہ سمجھ گیا کہ زیبا نے اس کا طنز محسوس کیا ہے۔

''آپ اس کمرے میں سوجائیں۔''

''ٹھیک ہے' صبح جلدی اٹھا دینا۔'' وہ جھٹکے سے اٹھا اور کمرے کے اندر چلا گیا۔ وہ باہر کھڑی رہ گئی مگر اس نے پلٹ کر بھی نہیں پوچھا۔ وہ الجھن کی زد میں تذبذب کا شکار رہی پھر جھجکتے ہوئے کمرے میں قدم رکھے..... وہ آنکھیں موندے جاگ رہا تھا' شاید سونے کی کوشش کررہا تھا لیکن کوشش بے کار تھی کیونکہ جس طرح اپنے دونوں پیروں کی انگلیاں آپس میں پیوست کرکے جسمانی اضطراب سے گریزاں ہو رہا تھا وہ اسے صاف دکھائی دے رہا تھا۔ اس کا دل چاہا کہ پیروں کو چھو کر اضطراب کم کردے اور نفرت کی دیوار گرادے..... بدن کی کشمکش کو نرمی سے نجات دلادے' مگر چاہنے کے باوجود اس کے پیروں سے دو قدم کے فاصلے پر کھڑی سوچتی رہ گئی..... مگر نہ ہاتھوں میں جنبش ہوئی اور نہ ہمت نے ساتھ دیا..... وہ خود ہی بے خیالی میں کسمسایا اور گردن اٹھا کر نیم وا آنکھوں سے دیکھا تو جیسے کرنٹ لگ گیا..... ناگوار لہجے میں بولا۔

''کیا چاہتی ہو.....؟''

''وہ' میں.....'' وہ کچھ لجاجت سے بولی۔

''سنو! تم کیا سمجھتی ہو کہ مجھے تمہاری نیت کا پتہ نہیں چلتا۔'' وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"آپ میرے وجود کو محسوس کرلیں تو کافی ہے۔"

"ہنہ، سمجھتی ہو کہ اپنے وجود کی کشش سے مجھے زیر کرلو گی، میں تمہارے حسین دام میں آجاؤں گا۔" وہ ہونٹ چباتی رہی..... آنسو پیتی رہی..... کمرے میں ملگجا سا اجالا تھا لیکن پھر بھی وہ اس کے چہرے پر پھیلی ندامت اچھی طرح دیکھ سکا..... کچھ نرمی اور تھوڑی سی گرمی لہجے میں شامل کرکے بولا۔

"تمہیں اپنی قدر و قیمت کا اندازہ ہی نہیں تھا، ایک ایک آنکھ کے بدلے قارون کے خزانے لٹائے جاسکتے ہیں، لبوں کی نزاکت پر دل و جان فدا کیے جاسکتے ہیں اور تمہارے جسم کے طلسم میں کھو جانے والے کو تو عمر بھر راستہ نہ ملے..... مگر جانے والا کیسے تمہیں لوٹ کر چلا گیا، یہ میری سمجھ سے باہر ہے، میں چاہوں بھی تو یہ بات بھول نہیں سکتا..... میرے لیے کچھ بچایا ہی نہیں کاش! میں تمہارے جذبات کو تسکین پہنچا سکتا۔"

"یہ سب باتیں تو آپ بارہا کرچکے ہیں، پھر کیوں بار بار کند چھری میری گردن پر چلاتے ہیں۔"

"اس لیے کہ تم وہ منظر بننے ہی نہ دیا کرو، جو مجھے تم سے ہمدردی پر تو اکسائے مگر نفرت میں اضافہ کرے..... مت پیدا کیا کرو تنہائی کے موقع....." وہ جھلا کر بولا اور اٹھ کر کھڑکی کے پاس چلا گیا ہلکی ہلکی رم جھم ابھی بھی جاری تھی۔

"خدا کے لیے آہستہ بولیں، یہاں تو میرا بھرم رہنے دیں۔" وہ دھیرے سے بولی۔

"تمہارا بھرم رکھتے رکھتے میرا وجود خطرے میں پڑ گیا ہے، آخر میرا قصور کیا ہے؟" وہ پلٹا اور اس کو کندھوں سے پکڑ کر آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے بولا..... وہ لرزنے لگی..... چکرآنے لگے، ایک دم دیوار سے لگ گئی۔

"میں ظالم اور سفاک نہیں، میرے اندر سے کوئی تمہیں معاف کرنے نہیں دیتا، مجھے مت آزمایا کرو۔" زیبا نے ڈبڈبائی آنکھوں سے اسے دیکھا اور کمرے سے باہر نکل گئی..... وہ بڑی دیر ٹہلتا رہا اور پھر بستر پر کروٹیں بدلتا رہا۔ وہ رات بھر کمرے میں نہیں آئی..... وہ مضطرب اور بے چین رہا، سو نہیں سکا۔ سمجھاتا بھی رہا..... اسی حالت میں فجر کی اذان ہوگئی اور وہ کمرے سے اٹھ کر باہر نکل آیا..... دیوار سے لگی زیبا نے سانس روک کے اسے دیکھا اور آہستگی سے دوسری طرف ہوگئی..... کیونکہ اسے احساس نہیں دلانا چاہتی تھی کہ وہ رات بھر اس کے لیے دیوار سے لگی نیند سے لڑتی رہی ہے۔ اس وقت جو اس کا حال تھا وہ اسے زیادہ دیر اور کھڑا نہ رکھ سکا..... چکرا کے گر گئی..... گرتے وقت منہ سے ماں کے لیے آواز نکلی۔

"ام..... اماں۔" اور پھر کچھ ہوش نہ رہا۔

حاجرہ اس کی آواز سن کر جائے نماز سے اٹھ کر باہر بھاگی، اسے فرش پر گرا دیکھ کر بدحواس ہوگئی۔

"زیبا! زیبا! میری بچی ہوش میں آ، اٹھ ہمت کر۔" وہ بوڑھے ہاتھوں سے اسے اٹھانے کی کوشش کرنے لگیں، مگر بہت مشکل پیش آرہی تھی۔ انہیں یاد آیا کہ صفدر کمرے میں ہوگا تو وہ اسے بلانے لگیں۔

"صفدر! صفدر بیٹا!" مگر صفدر تو تھا ہی نہیں۔ وہ شاید مسجد گیا تھا یا کہیں اور حاجرہ تھک ہار کے گلاس میں پانی لائی اس کے منہ پر چھینٹے مارے، دو گھونٹ حلق میں ڈالے جو کہ اس نے الٹی کرکے باہر نکال دیئے..... وہ کچھ ہوش و حواس میں آچکی تھی..... حاجرہ نے اب کوشش کی تو اس نے خاصا تعاون کیا..... صحن میں بچھے تخت پر لیٹ گئی..... حاجرہ اس کے ہاتھ سہلانے لگی۔

"ماں صدقے، تیری طبیعت ٹھیک نہیں ہے، ابھی ڈاکٹر کو چیک کرا کے بھیجوں گی۔"

"نہ نہیں اماں، صفدر خود چیک کرا دیں گے، اب کچھ نہ کہنا، بس ہمیں جانا ہے۔" وہ سانس بحال کرکے منت آمیز لہجے میں بولی۔

''اس حال میں کیسے بھیج دوں؟''

''اماں! میں ٹھیک ہوں' صفدر کو دفتر سے دیر ہو جائے گی۔''

''وہ ہے کہاں؟'' حاجرہ نے پوچھا۔

''پتہ نہیں۔''

''ہیں! رات تیرے پاس تھا تجھے پتہ کیوں نہیں؟''

''صبح کہیں گئے ہیں۔'' اس نے کہا' اسی اثناء میں وہ آ گیا۔ تو حاجرہ نے بتایا۔

''صفدر بیٹا! زیبا کی طبیعت بہت خراب ہے اسے آج ڈاکٹر کو ضرور دکھا دینا۔''

''جی اچھا۔'' اس نے مختصراً کہا۔

''میں ناشتہ بناتی ہوں۔'' حاجرہ نے کہا تو وہ صاف انکاری ہو گیا۔

''نہیں ناشتہ میں امی جان کے ساتھ کرتا ہوں' زیبا چلنا ہے تو اٹھ جاؤ دیر ہو رہی ہے۔'' اس نے اس طرح حاجرہ کی ناشتے کی بات رد کی کہ حاجرہ اور زیبا کسی کو بھی کچھ اور کہنے کی جرأت نہ ہوئی...... کچھ دیر بعد زیبا چادر لیے اس کے ساتھ ہو لی' وہ حاجرہ اور ابا کو سلام کر کے آگے آگے چل دیا...... حاجرہ نے کچھ بھاری سی طبیعت کے ساتھ انہیں رخصت کیا۔

❀......❀......❀

وہ واش روم میں تھی۔

کمرے میں موبائل فون کا شور تھا۔ اماں اس کے لیے چائے کا کپ لے کر آئیں تو فون اٹھا کر الٹا سیدھا کرنے کی کوشش میں مصروف ہو گئیں...... فون بلاتعطل بج رہا تھا۔

''توبہ ہے بھئی کسی نے فون ملا کے ہاتھ اٹھانے کی زحمت ہی نہیں کی' شرمین! شرمین!'' وہ شرمین کو آوازیں دینے لگیں...... وہ فون سے زیادہ ان کی آواز سن کر گیلے بال تولیے سے خشک کرتی ہوئی باہر نکلی...... اور جلدی سے فون لے کر کال ریسیو کی...... دوسری طرف عارض تھا...... شرمین نے اماں کو جانے کا اشارہ کیا اور خود بالکنی میں کھڑی ہو کر باہر کے حسین موسم میں لطف لیتے ہوئے فون پر بات کرنے لگی۔

''کیا رات بھر نیند نہیں آئی تھی جو گھوڑے بیچ کر سوئی تھیں...... '' عارض کی پھڑکتی ہوئی آواز آئی۔

''جی نہیں جناب! ہمیں آپ کا عارضہ لاحق نہیں ہے' ہم غسل فرما رہے تھے۔'' وہ بھی حد درجہ شوخ ہو کر بولی۔

''اف! کیا کہہ دیا ظالم' کس قدر خوب صورت منظر ہوگا' پانی کی پھواریں' سیاہ زلفوں کا ساون' اف قیامت' قیامت ہوگی' کاش ہم وہاں ہوتے۔'' وہ جذب و مستی کے عالم میں دیوانہ بن کے بولتا چلا گیا تو وہ ہاتھ جوڑنے لگی۔

''خدا کے لیے' مجنوں صاحب واپس آ جایئے' آپ تو شرم کو چھو کر بھی نہیں دیکھتے۔''

''یار کمال ہے' ابھی ہم نے دیکھا ہی کیا ہے آپ ابھی سے شرم دلانے لگیں' ہم کوسوں دور ہیں' سمندروں پار ہیں' منظر کشی تو کرنے دیا کرو۔''

''اچھا اچھا! یہ بتایئے کیا حال ہے؟'' اس نے اسے پٹری پر ڈالا۔

''کس کا میرا یا کمر کا۔''

''دونوں کا۔''

''بس آپریشن کے بعد ہی کچھ پتہ چلے گا۔''

''کب ہوگا آپریشن؟'' وہ اس کے لہجے کی اداسی محسوس کر کے خود بھی اداس ہو گئی۔

''دیکھو! جب ڈاکٹر صاحبان مناسب سمجھیں گے۔''

''کتنے دن ہوگئے ہیں' کیسی اداسی ہے؟'' وہ رو تو نہیں رہی تھی البتہ لہجہ بھیگا بھیگا سا تھا...... عارض کا دل جھوم اٹھا۔

''آپ کے بابا کیسے ہیں؟'' وہ اس کا موڈ بحال کرنے کے لیے بولی۔

''ایک دم اچھے! خوب باپ ہونے کا فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ ان کی محبت بلیک میلر ہے' تم نہیں سمجھو گی...... خیر اور سناؤ......'' وہ پھر سے خوش گوار موڈ کی طرف لوٹ آیا۔

''سب اچھا ہے۔''

''او کے! اپنا خیال رکھنا...... بائے۔''

''اللہ حافظ......'' اس نے بھی جواباً کہا۔ فون بند ہوگیا تو وہ مسرور سی بالکنی سے کمرے میں آ گئی۔ چائے ٹھنڈی ہوچکی تھی...... اس نے چائے پینے کا ارادہ ترک کیا' وال کلاک کی طرف نگاہ ڈالی تو بہت وقت ہوگیا تھا۔ وہ جلدی جلدی بالوں میں برش کرکے' ہلکی سی لپ اسٹک لگا کے' سینڈل پیروں میں ڈال کر باہر نکل آئی...... زینت آپا تیار ہوکر ناشتے کی میز پر بیٹھی تھیں' وہ پوچھنا سمجھی تو انہوں نے خود بتایا۔

''مجھے ڈراپ کردو' ایک دو روز میں واپس آ جاؤں گی۔''

''مگر زینت آپا' آپ کی طبیعت خراب ہے' تنہا آپ اور بیمار ہوجائیں گی۔''

''شرمین! ہم غلط کہتے ہیں تنہائی بیماری نہیں ہوتی' تنہائی تو رفیق ہوتی ہے کمزور لمحوں میں' بیمار ساعتوں میں' جب کوئی جائے پناہ سکون نہیں دیتی تو تنہائی اپنی بانہیں وا کردیتی ہے' اگر یہ نہ ہو تو ہم بیمار ہوجائیں...... بوجھ سے دل پھٹ جائے...... اس کی بدولت دل ہلکا پھلکا ہوجاتا ہے۔'' دلیے کے پیالے میں مسلسل چمچ ہلاتے ہوئے بولیں۔

''آپا! آپ کا فلسفہ اپنی جگہ درست سہی مگر حقیقت یہ ہے کہ ڈپریشن' ٹینشن میں شوگر لیول بڑھے گا۔'' وہ بھی جلدی جلدی سلائس پر مارجرین لگاتے ہوئے بولی۔

''اچھی بات ہے' خلاصی ہوگی' کیا پڑا ہے زندگی میں۔'' وہ رنجیدہ ہوگئیں۔

''بہت کچھ ہے آپ حوصلے سے رہیں' سب ٹھیک ہوجائے گا۔''

''زینت! بچے کا ہی معاملہ ہے نا' وہ بھی ٹھیک ہوجائے گا' تم سوچنا چھوڑ دو۔'' اماں نے چائے کا کپ ان کے سامنے لاکر رکھتے ہوئے کہا تو زینت ہولے سے مسکرا دی۔ وہ بھی ایسا ہی چاہتی تھی' مگر زندگی کی کل پونجی غیروں میں چھوڑ کر آنے کے بعد کوئی ماں کیسے بے فکر رہ سکتی ہے۔

''چلیے اٹھیے' میں لیٹ ہورہی ہوں' آپ کو ڈراپ کرتی ہوں' اس شرط پر کہ آپ شام کو میرے ساتھ واپس آئیں گی۔'' شرمین نے ٹشو پیپر سے ہاتھ صاف کرکے اٹھتے ہوئے کہا۔ زینت نے اثبات میں گردن ہلا دی۔

''میڈیسن کھائیں۔'' اس نے پوچھا۔

''ناشتے سے پہلے لے لی تھیں۔'' انہوں نے بتایا۔

''او کے! اماں اللہ حافظ' آپ بھی ٹھیک سے ناشتہ کریں اور دوائیں کھائیں' پوری ایمان داری سے۔'' اس نے اماں کے گال پر پیار کرتے ہوئے کہا اور باہر نکل گئی۔ زینت آپا نے بھی اپنا ہینڈ بیگ اٹھایا اور اس کے پیچھے چل دیں۔

❀......❀......❀

مرزا نوازش کا چپراسی دو مرتبہ اس کا پوچھ کر جاچکا تھا۔

وہ جب آفس پہنچی تو ساتھی ٹائپسٹ شہلا نے اسے بتایا' اس کی چھٹی حس بیدار ہوگئی۔ گزشتہ واقعہ بھی یاد آ گیا۔ جانے

کون سی افتاد سامنے آنے والی ہے یہ سوچ کر اس نے اللہ سے اپنے بچاؤ کی دعا کی...... اسی وقت تیسری مرتبہ چپراسی پھر آ گیا۔ وہ اس کا اشارہ سمجھ گئی جن فائلوں پر دستخط کرانے تھے وہ اٹھائیں اور بڑے اعتماد کے ساتھ مرزا نوازش کے دفتر کے دروازے پر دستک دی۔

''یس کم ان۔'' بڑی گونج دار آواز میں کہا گیا۔

''گڈ مارننگ سر!'' ''آج آپ پینتالیس منٹ لیٹ آئی ہیں' وجہ پوچھ سکتا ہوں۔'' انہوں نے بڑے افسرانہ انداز میں پوچھا۔

''سوری کسی وجہ سے لیٹ ہوگئی۔'' اس نے انتہائی متانت سے جواب دیا۔

''مس شرمین! ڈیوٹی کو ڈیوٹی سمجھ کر ادا کریں۔'' انہوں نے خاصے چبا چبا کر لفظ ادا کیے تو وہ چڑ گئی۔

''معاف کیجیے گا سر مجھے اپنی ڈیوٹی کا پتہ ہے۔''

''میں نے آئندہ سخت نوٹس لینا ہے۔ لہٰذا خیال رکھیے گا۔'' یہ کہہ کر وہ فائلوں پر جھک گئے وہ کھڑی پیچ و تاب کھاتی رہی۔ جب فائلیں سائن ہوگئیں تو انہوں نے مسکرا کر بیٹھنے کو کہا۔

''شکریہ! میں ٹھیک ہوں۔''

''کچھ دیر اگر آپ ہمارے سامنے بیٹھ جائیں گی تو کوئی حرج تو نہیں ہو جائے گا۔'' انہوں نے اپنی نظر کی عینک اتار کے رکھتے ہوئے کہا۔

''سر پلیز! کوئی کام ہے تو بتائیے۔''

''شرمین! میں چاہتا ہوں کہ تم میرے دل کی بات سمجھو' میری محبت پر یقین کرو۔'' وہ ایک دم ہی آپ سے تم پر اتر آئے اور اٹھ کر اس کے مدمقابل آ گئے۔ وہ دو قدم پیچھے ہوگئی۔

''سر! یہ باتیں تو میں بہت عرصے سے سن رہی ہوں' کوئی نئی بات کریں۔'' اس نے سخت بیزاری سے کہا۔

''تم یہ بات مان لو تو کوئی نئی بات ہو' میری زندگی ویران کھنڈر ہے' بیوی نے عذاب میں مبتلا کر رکھا ہے' محبت کے دو لفظوں کے لیے ترس گیا ہوں۔'' وہ دکھی مظلوم شوہر کی اداکاری کرنے میں کافی کامیاب ثابت ہوئے...... مگر اس کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔

''محبت کوئی کاروبار ہے کیا؟ محبت کوئی لفظوں کا کھیل ہے...... کیا سمجھتے ہیں آپ' بیوی کے عذاب کے باوجود اب تک تین عدد بچے ہیں آپ کے' بنا محبت کے بچے پیدا ہو گئے کیا؟''

''دیکھو! ذاتیات پر حملہ مت کرو۔'' وہ کچھ ناگواری سے بولے۔

''تو مت کیجیے سطحی محبت کا اظہار اور کان کھول کر سن لیجیے' مجھے لفظ محبت سے اب گھن آنے لگی ہے۔ یہ اتنی گھٹیا شے ہے کہ اس کا استعمال آپ جیسے لوگ کر رہے ہیں' مجھے یہ سوچ کر بھی شرم آ رہی ہے۔'' وہ کراری آواز میں خوب کھری کھری سنا کر جانے لگی تو وہ نرم پڑ گئے۔

''شرمین! شرمین! خفا مت ہو' میں کیا کروں' تمہیں دیکھتا ہوں تو دل پر قابو نہیں رہتا' مجھے تمہاری ضرورت ہے۔''

''پلیز! سر اب یہ ناٹک بند کر دیں۔ میں آپ کے کسی کام نہیں آ سکتی۔'' اس نے تلخی سے کہا اور گھورتی ہوئی بنا فائلیں اٹھائے باہر نکل آئی۔ غصے سے تمتماتا چہرہ دیکھ کر شہلا اس کے پاس آ گئی۔

''کیا ہوا؟''

''کچھ نہیں۔'' اس نے دھیرے سے کہا۔

''کچھ تو ہے' تمہارا چہرہ سرخ ہو رہا ہے۔''
''پرانا راگ سن کر طبیعت بیزار ہوگئی ہے۔'' وہ طنزیہ بولی۔
''کون سا راگ؟'' وہ نا سمجھی۔
''محبت کا راگ' جو ہمارے ہاں ہر آدمی کو رٹا ہوا ہے' جو ہر ایک کو کہیں بھی سنایا جاتا ہے۔'' وہ جل کر بولی تو شہلا نے مزید کچھ اور نہیں پوچھا...... خاموش ہوگئی...... لیکن کافی دیر تک وہ اس کو دیکھتی رہی' اس کا موڈ خراب تھا' پھر دن بھر وہ اسی کیفیت میں دیکھی گئی۔

❀......❀......❀

دو دن سے وہ خاموش تماشائی بن کر زیبا کی گری گری طبیعت کا جائزہ لیتی رہیں جب صبر کا پیمانہ لبریز ہوگیا تو سیدھی صفدر کے کمرے میں آ گئیں۔ وہ کمپیوٹر کے سامنے بیٹھا کام کر رہا تھا جبکہ زیبا بیڈ پر آڑی ترچھی لیٹی کمرے کی چھت گھور رہی تھی۔ انہیں دیکھ کر وہ ایک دم کام چھوڑ کے ان کی طرف متوجہ ہوگیا۔ زیبا بھی اٹھ بیٹھی۔
''لیٹی رہو۔'' انہوں نے اسے کہا۔
''خیریت ہے امی۔'' صفدر نے پوچھا۔ وہ صوفے پر بیٹھ کر بڑے اطمینان سے بولیں۔
''تم کیسے شوہر ہو تمہیں اپنی بیوی کی بیماری نظر نہیں آتی۔''
''کیا مطلب......؟'' اس نے حیرت سے اچٹتی سی نظر زیبا پر ڈالی۔
''مطلب بھی میں بتاؤں' اس کی حالت دیکھو زرد ہلدی جیسا رنگ' سوکھ کے کانٹا ہوگئی ہے' دن بھر بستر پر نڈھال پڑی رہتی ہے نہ ہنستی ہے' نہ بولتی ہے' میرے تو کان ترس گئے ہیں گھر میں ہنسی کی آواز سننے کو۔'' وہ خاصی برہمی سے بولتی چلی گئیں۔ صفدر نظریں چرا گیا۔
''بولو جواب دو' یہی ہے شوہر کی ذمہ داری' یہی پڑھا ہے' قرآن و سنت کی تعلیم نے یہی بتایا ہے کہ تم بیوی کو گھر میں بکری کی طرح باندھ کر بھول گئے۔'' انہوں نے اس کو خاموش پا کر ذرا اور زور سے لتاڑا...... زیبا سہم گئی...... جلدی سے خود بول پڑی۔
''امی! میں بالکل ٹھیک ہوں' بس ذرا طبیعت نڈھال سی رہتی ہے آپ فکر نہ کریں۔''
''بیٹا! تم چپ رہو' مجھے نظر آ رہی ہے تمہاری حالت' اسے جانے کیوں نظر نہیں آتا حالانکہ ایک کمرے میں ایک چھت تلے رہتے ہو۔''
''ضروری نہیں ہے کہ ایک چھت تلے رہنے سے سب کچھ پتہ چل جائے' بہت سے بھید' بھید ہی رہتے ہیں۔'' اس نے بہت سنجیدگی سے کہا۔
''نہیں میاں بیوی کے بیچ کوئی بھید رہ ہی نہیں سکتا۔'' انہوں نے اس کی بات رد کر دی۔
''میں بحث نہیں کر سکتا' اور آپ نہ ہی مجھے مجبور کریں تو بہتر ہے۔'' وہ چٹان جیسے لہجے میں بولا۔
''میری سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ تم دونوں کے درمیان کون سا مسئلہ ہے؟''
''کوئی مسئلہ نہیں ہے' سب کچھ نارمل ہے' زیبا سے پوچھ لیں آپ بلاوجہ فکر مند رہتی ہیں۔'' اس نے خاصی نرمی سے کہا۔ زیبا نے جلدی سے اس کی تائید کی۔
''امی! شاید موسمی اثرات ہیں' میں خود ہی ڈاکٹر کے پاس نہیں گئی۔''
''بچی! اپنی حالت دیکھو میرا دل ہولتا ہے۔'' فطری ممتا کے ہاتھوں مجبور ہو کر انہوں نے کہا۔

''تیار ہو جاؤ' میں ڈاکٹر کے پاس لے جاتا ہوں۔'' ماں کو مطمئن کرنے کے لیے اس نے براہ راست زیبا کو مخاطب کیا۔

''شاباش! بیٹا بیوی کے حقوق کا خیال رکھو گے تو اللہ راضی ہوگا۔'' انہوں نے پیار سے صفدر کے بالوں میں انگلیاں پھیریں اور پیشانی چومتے ہوئے کہا۔

''اور امی! شوہر کے حقوق کے بارے میں کہیں کچھ نہیں لکھا گیا کیا؟'' اس نے بے ساختہ پوچھ لیا۔

''کیوں نہیں لکھا' زیبا کو تمہارے حقوق معلوم ہیں' بس تم ہی کوتاہی کررہے ہو۔'' انہوں نے پیار سے اس کے گال پر چپت لگائی۔ وہ طنزیہ نگاہوں سے زیبا کو گھورتے ہوئے بڑبڑایا۔

''جی ہاں! میری ہی کوتاہی ہے جو میں دھیمی دھیمی آگ میں جھلس رہا ہوں۔'' زیبا کے کانوں میں اس کی بڑبڑاہٹ اتر کر دل چیر گئی جبکہ جہاں آرا نے شاید کچھ نہیں سنا وہ کمرے سے باہر چلی گئیں تو وہ براہ راست اس سے مخاطب ہوا۔

''کتنی بھولی اور معصوم بن کر میری ماں کے جذبات سے کھیل رہی ہو' تمہاری اصلیت اگر بیان کردوں تو کیا حیثیت رہ جائے گی تمہاری۔ بتایا کیوں نہیں انہیں کہ تم نے شوہر کے حقوق پر کیسے نشتر لگائے ہیں۔'' وہ چپ چاپ صوفے کی سطح کو ناخن سے کھرچتی رہی۔

''مجھے اور کتنے دن جلنا ہے' پرائی آگ میں' کچھ تو بتاؤ' میں مرد ہوں' مجھ میں فرشتوں والا ظرف نہیں۔ کیوں نہیں بتاتیں کہ تمہارا گناہ گار کون ہے؟'' وہ ایک دم مشتعل ہو کر چلایا تو وہ ٹپاٹپ رونے لگی۔

''ہنہ! روایتی ہتھیار ایسے پردہ ڈال رکھا ہے جیسے میں حقیقت نہیں جان پاؤں گا۔''

''حقیقت تو میں نے پہلی رات ہی بتادی تھی۔'' وہ سسکی۔

''جی ہاں' نامکمل حقیقت' میرے مجرم کا نام تو نہیں بتایا تھا۔ اس کو معاف کرکے میری سزا تجویز کی تھی۔ میں نے کیا گناہ کیا تھا؟ بولو جواب دو۔'' وہ دیوانگی کی حدوں کو پہنچ گیا...... اسے کندھوں سے پکڑ کر اٹھایا اور جھنجوڑ کے رکھ دیا۔ آنچل کہیں گیا اور قمیص کے بٹن کہیں گئے...... نگاہوں کے شعلے سرد پڑ گئے...... ہاتھوں میں نرمی آ گئی...... دور تک نرم گرم اشاروں نے مضطرب کرکے الگ کردیا...... وہ ٹوٹے بٹن ٹٹول ٹٹول کر جمع کررہی تھی اور وہ بے قرار دل کو سنبھالنے کی کوشش کررہا تھا...... مگر کوشش ایک بار پھر ناکام ہوگئی' اندر سے غم و غصے کے لاوے نے اسے پھر اپنی گرفت میں لے لیا' اور اس نے اپنے جنون کو انتقام کا رنگ دینے کے لیے اسے ایسے زیر کیا کہ وہ اس کے سامنے چوں نہ کرسکی...... بس اس کی ہر حرکت میں جنون خیزی دیکھتی رہی...... انتقام محسوس کرتی رہی...... اف نہ کی' وہ باہمت مردوں کی طرح اسے کمزور ثابت کرتا رہا...... جب وہ نڈھال ہو کر الٹی کرنے لگی تو وہ پرے ہو کر اس پر ہمدردانہ نگاہ ڈالتا ہوا واش روم میں گھس گیا...... اس کی آنکھیں ٹوٹ کر برسیں' منہ سے نکلنے والا پانی چادر کے پلو سے صاف کرتے ہوئے پھوٹ پھوٹ کے روئی......

''مرد کتنی عجیب فطرت کے مالک ہوتے ہیں' اپنا حق بھی ایسے وصول کرتے ہیں جیسے خراج وصول کررہے ہوں۔ خطا معاف کرنے کا حوصلہ نہیں ہوتا انتقام لینے کا یہ ہنر خوب آزماتے ہیں۔'' اس نے روتے روتے سوچا۔ وہ تو اپنا آپ اس پر سے وارنے کو خود تیار رہتی تھی' پر جانے کیوں وہ دوسری بار بھی دشمن جاں بن کر حملہ آور ہوا۔ شاید وہ اسے ذلیل کرنے پر تلا تھا۔

''صفدر! مان لو کہ تم اندر سے سفاک نہیں' محبت کی یہ تحریک ثبوت ہے اس بات کا۔'' اس نے آنکھیں صاف کرتے ہوئے مطمئن ہو کر سوچا۔ وہ واش روم سے نکل کر اسے دیکھے بنا کمرے سے باہر نکل گیا...... بار ندامت نے دیکھنے کا حوصلہ چھین لیا تھا شاید...... وہ بکھری بکھری سی اسے جاتا دیکھتی رہی' پھر جنونی انداز میں اسٹارٹ ہونے پر گاڑی کے حلق

سے جس طرح کی چیخیں بلند ہوئیں اس سے صاف پتہ چل رہا تھا کہ وہ شرمندگی کے باعث اندر کا غصہ گاڑی پر نکالتا ہوا گیا ہے۔

یاالٰہی! یہ زندگی کا کیسا روپ ہے‘ محبت اور نفرت کے درمیان روح کو اذیت ناک لمحوں سے گزرنا پڑ رہا ہے‘ صفدر کی شخصیت میں یہ کیسا تضاد ہے؟ وہ دکھ سے سوچنے لگی۔

❀......❀......❀

سرخ پتھر کے فرش پر ٹائر چرچرائے تو شیر دل بابا نے اندر کا بڑا داخلی دروازہ کھول کے پورچ کی طرف دیکھا...... شرمین گاڑی لاک کر کے ان کے پاس آئی تو انہوں نے بتایا کہ بیگم صاحبہ بابا کے کمرے میں ہیں...... وہ اس طرف آ گئی...... بوبی کے کمرے کا دروازہ تھوڑا سا کھلا ہوا تھا۔ اس نے جھری سے جھانک کر دیکھا...... زینت آپا بوبی کی بڑی سی دیوار گیر تصویر کے سامنے کھڑی تھیں...... دروازے کی طرف ان کی پشت تھی‘ اس نے ہولے سے دروازہ کھولا اور اندر آ گئی۔ مگر انہیں خبر نہ ہوئی‘ بوبی کی تصویر پر اس کی بھی نگاہیں ٹک سی گئیں۔ پہلی مرتبہ اسے اندازہ ہوا کہ بوبی حسین ترین نوجوان ہے۔ یہ بوبی کی میٹرک کے بعد کی تصویر تھی‘ وہ پہلے بھی کئی مرتبہ اس کے کمرے میں آئی تھی اور تصویر پر بھی نظر پڑی تھی مگر آج اس نے بطور خاص دیکھا تو سنہرے بالوں‘ سرمئی آنکھوں والے بوبی کی دلکشی نے اسے چونکایا...... زینت آپا تو اور جانے کتنی دیر کھڑی رہتیں‘ مگر اسے احساس ہو گیا کہ وہ رو رہی ہیں تو ان کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیئے...... انہوں نے دھیرے سے گردن گھمائی ان کے رخسار تر تھے...... دبی دبی سسکیاں تھیں‘ شرمین نے انہیں بیڈ پر لٹایا اور اپنے دوپٹے کے پلو سے ان کی آنکھیں صاف کیں...... اٹھ کر ٹیوب لائٹ آن کی...... وہ لیمپ کی روشنی سے ٹیوب لائٹ کی روشنی میں آئیں تو آنکھیں جھپکنے لگیں۔

”کمال ہے آپ کو اتنا بھی پتہ نہیں چلا کہ کمرے میں روشنی کم ہے۔“ وہ شوخی سے بولی۔

”بس یاد نہیں رہا‘ شیر دل بابا کمرے میں آئے نہیں۔“

”یہ بتائیں کہ آپ یہ کر کیا رہی تھیں؟“ اس نے پیار سے گھور کر پوچھا۔

”ک...... کچھ نہیں۔“

”اور جو زار و قطار رو رہی تھیں وہ۔“ اس نے مصنوعی خفگی کا سہارا لیا۔

”وہ‘ بس بوبی کی یاد آ گئی تھی۔“ انہوں نے رقت بھری آواز میں کہا۔

”بوبی کی یاد کیوں آتی ہے آپ کو‘ یاد تو اسے کرتے ہیں جنہیں بھول جائیں‘ کیا وہ آپ کے دل میں آپ کی دعاؤں میں نہیں؟“

”ہے‘ لیکن مجھ سے دور ہے‘ کوٹھی ویران ہے‘ ہر طرف اس کے قدموں کی آہٹ سنائی دے رہی ہے‘ اس کی آواز آ رہی ہے۔“ وہ پھر سے رونے لگیں۔

”زینت آپا! یہ تو وعدے کی خلاف ورزی ہے آپ کی شوگر اس طرح بڑھتی جائے گی۔ وہ آپ سے دور آپ کی بیماری سے لاعلم ہے اور آپ اپنے آپ کو نقصان پہنچا رہی ہیں۔“ وہ افسردگی سے ان کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے بولی تو انہوں نے ڈبڈبائی آنکھوں سے دیکھا۔

”شرمین! اولاد کے لیے اللہ نے پتھر میں بھی ممتا رکھ دی ہوتی تو پتھر بھی پھوٹ پھوٹ کے روتے میں تو ایک ماں ہوں‘ ایسی ماں جس نے عمر کی سنہری دھوپ بیٹے کی خاطر ڈھلتی شب میں بدل دی...... مجھے بوبی کی فکر ہے وہ وہاں تاریکی کے رستوں پر چل کر کہیں دور نہ نکل جائے۔“ وہ دھیرے دھیرے بوبی کی تصویر کو دیکھنے لگیں۔

ان کی باتیں سب سچ تھیں...... بوبی بہت سمجھدار نہیں ہوا تھا' نادان تھا' اسے تو اپنے وطن میں اپنے گھر میں ابھی سہاروں کی ضرورت تھی' جبکہ وہ دیار غیر میں اپنی ماں سے دور غیروں کے رحم و کرم پر تھا...... حسین وجیہہ باحیثیت بوبی وہاں بھٹک سکتا ہے' زینت آپا کی فکر بجا تھی...... شرمین لاجواب سی ہوگئی۔

''منیجر بہت سی فائلیں دیکھنے اور دستخط کرنے کو دے گیا تھا مگر میرا دل اچاٹ ہے' ایک پل کا سکون نہیں' دل چاہتا ہے بوبی کی آواز سنوں' بس وہ میرے سامنے آجائے۔'' وہ پھر سسکیاں لینے لگیں۔

''زینت آپا! آپ حوصلے سے کام لیں' بوبی سے آپ جب چاہیں بات کرلیں' میں کرادیتی ہوں اور ان شاء اللہ وہ ضرور آئے گا۔'' اس نے انہیں بازوؤں میں لیتے ہوئے کہا۔

''کیا وہ میری زندگی میں آجائے گا؟'' انہوں نے غیر یقینی کیفیت میں اس سے پوچھا۔

''ہاں! ان شاء اللہ آپ تو بچوں کی طرح سوچ رہی ہیں۔ بے شمار بیٹے ملازمت کے لیے تعلیم کے لیے گھر سے دور جاتے ہیں آپ کا بوبی کوئی انوکھا کینیڈا گیا ہے کیا؟'' اس نے ہنس کر کہا تو وہ روتے روتے مسکرادیں۔

''تم ٹھیک کہتی ہو' مگر......''

''اگر مگر کچھ نہیں...... آپ اٹھیں اور میرے ساتھ چلیں' دیر ہوگئی ہے' اماں فکر مند ہوں گی۔''

''شرمین! میں یہاں ٹھیک ہوں' یہ فائلیں بھی دیکھنی ہیں' ایک دو روز میں آفس بھی جاؤں گی۔''

''سب ہوجائے گا' فائلیں ساتھ لے چلتے ہیں' میں آپ کی مدد کروں گی' اور یہاں آپ کو فی الحال نہیں چھوڑا جاسکتا۔ آپ نے دن بھر کچھ کھایا نہ پیا ہوگا' بس بوبی کی یاد میں آنسو بہائے ہوں گے۔'' وہ ان کو بازو سے پکڑ کر اٹھاتے ہوئے بولی۔

''اچھا اچھا بابا چلتی ہوں۔'' انہوں نے ہتھیار پھینک دیئے۔ اس نے فائلیں اٹھائیں' انہوں نے پرس اٹھاتے ہوئے رک کر بوبی کی تصویر کو پھر دیکھا اور پھر کمرے کی لائٹس آف کرکے اس کے ساتھ باہر نکل آئیں۔ آج ہی آج میں وہ کافی کمزور دکھائی دے رہی تھیں۔ شرمین کو ایک دم ہی اپنے آپ سے شرمندگی ہونے لگی...... زینت آپا کی اس حالت کی کچھ کچھ ذمہ دار وہ بھی تھی...... بوبی نے جو طوفان اٹھا رکھا ہے وہ اس کی وجہ سے ہی تھا۔ اسے شرمندگی کے ساتھ افسوس بھی اندر ہی اندر ڈستا تھا۔ زینت آپا کی صحت' کاروبار سب تباہی کی طرف جارہا تھا اور اس سے بھی زیادہ پریشان کن بات بوبی کا پرائے لوگوں میں رہنا تھا۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا کہ کیا کرے؟ اتنی دور سے بوبی کو کس طرح قائل کرے؟ وہ شاید قائل ہونا ہی نہیں چاہتا تھا۔ اس کے پاس ہر بات کے جواب میں ایک سو ایک بہانے موجود ہوتے تھے...... اک ذرا سی بات شروع ہونے کی دیر ہوتی تھی' وہ محبت' محبت کی گردان شروع کردیتا تھا' ایسے میں اسے کنٹرول کرنا مشکل ہوجاتا تھا۔ مگر اب مجبوری تھی اس سے کوئی یقینی فیصلہ کن بات کرنے کی ضرورت نہیں...... اس کی اپنی حساس فطرت اسے کچوکے لگارہی تھی کہ زینت آپا کے معاملات ٹھیک کرنے ہیں......!

(باقی ان شاء اللہ آئندہ ماہ)

بھوک

نازیہ کنول نازی

زندگی صرف محبت نہیں' کچھ اور بھی ہے
زلف و رخسار کی جنت نہیں' کچھ اور بھی ہے
بھوک و افلاس کی ماری ہوئی اس دنیا میں
عشق ہی اک حقیقت نہیں' کچھ اور بھی ہے

اسے کہنا
کتابوں میں جو سوکھے پھول رکھے تھے
وہ اس کے لوٹ آنے کا ہمیں یقین دلاتے ہیں
اسے کہنا کہ اس کی جھیل سی آنکھیں
کسی منظر پہ چھا جائیں تو سب منظر
یونہی پھر بھیگ جاتے ہیں
اسے کہنا کہ ٹھنڈی برف پر کوئی کسی کے ساتھ چلتا ہے
تو قدموں کے نشان پر سے
اسی کے لوٹ آنے کا نشاں دل پر بناتے ہیں
اسے کہنا کہ اس کی بھیگی آنکھوں کا وہ آنسو
ستارے کی طرح اب بھی ہمیں شب بھر جگاتا ہے
اسے کہنا کہ بارش کھڑکیوں پر اس کے آنسو پینٹ کرتی ہے
اسی کا نام لکھتی ہے اسے ہی گنگناتی ہے
اسے کہنا کہ خوشبو، چاندنی، تارے
صباء رستے، گھٹا، کاجل
محبت چاندنی، شبنم، ہوائیں، رات دن بادل
سبھی ناراض ہیں ہم سے
اسے کہنا کہ جدائی کے درختوں پر جو سوکھی ٹہنیاں ہیں
وہ ساری برف کی چادر میں کب کی ڈھک چکی ہیں
اور ان شاخوں پر یادوں کے جو پتے تھے
سنہری ہوگئے ہیں
اسے کہنا کہ لوٹ آئے دسمبر سوگیا ہے

"ماں...... بھوک لگی ہے۔"

شام کے دھندلکے گہرے ہو رہے تھے چھوٹے سے کچے صحن میں لگے سکھ چین کے پیڑ پر بیٹھی چڑیوں نے اپنے اپنے گھونسلوں کو لوٹنا شروع کردیا تھا۔ جب اس نے نقاہت سے آنکھیں کھول کر خشک لبوں پر زبان پھیرتے ہوئے دیکھا۔ نظر سے کچھ ہی فاصلے پر اس کی چارپائی کے قریب اس کی آٹھ سالہ بیٹی عائشہ گم صم بیٹھی تھی۔ جبکہ نیچے فرش پر اس کا پانچ سالہ بیٹا حمزہ اور تین سالہ بیٹا طلحہ' خالی پیٹ لیے حسرت سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے

بھوک پر احتجاج کر رہے تھے۔

اسے آنکھیں کھولتے دیکھ کر ان تینوں کے چہروں پر کیسی الوہی سی چمک آئی تھی۔ عبیرہ کا دل کٹ کر رہ گیا۔ کس قدر لاچاری سے وہ ٹوٹی پھوٹی چارپائی پر لیٹی اپنے معصوم جگر گوشوں کے بھوک سے اترے ہوئے چہرے دیکھ رہی تھی۔ مارے بے بسی کے اس کی آنکھیں دکھ سے بھر آئیں۔

دل جیسے درد کی شدت سے پھٹ رہا تھا۔ جبکہ تین روزہ بخار نے اس کی ساری ہمت ہی نچوڑ لی تھی۔ آنسو چھپانے کی کوشش کرتیں آنکھیں ضبط سے سرخ ہو رہی تھیں اس وقت اس میں اتنی سی ہمت بھی نہیں تھی کہ وہ اٹھ کر اپنے لاڈلوں کو سینے سے لگا لیتی۔ انہیں بہلانے کے لیے تسلی کے دو بول ہی سنا دیتی وہ بس رو سکتی تھی اور رو رہی تھی۔

''امی آپ رو کیوں رہی ہیں، کیا آپ کو بھی بھوک لگی ہے۔'' آٹھ سالہ حمزہ نے اس کے آنسو دیکھ لیے تھے۔ عبیرہ نے ڈبڈبائی آنکھوں کے ساتھ آہستہ سے نفی میں سر ہلا دیا تبھی اس کی بیٹی عائشہ اس کا سر دباتے ہوئے بولی تھی۔

''مجھے بھی بھوک نہیں لگی امی، بس آپ جلدی سے ٹھیک ہو جائیں۔''

دو دن سے پانی پر گزارا کرتی اس کی معصوم بیٹی نے کتنا حوصلہ دکھایا تھا' وہ تڑپ کر رہ گئی۔ بمشکل ہاتھ بڑھا کر اس نے اس کے ننھے سے ہاتھ کا بوسہ لیا تبھی وہ بولی تھی۔

''امی میں کل نکڑ والے ڈاکٹر انکل کی دکان پر گئی تھی آپ کے لیے دوا لینے مگر انکل نے دوا نہیں دی۔ ڈانٹ کر دکان سے نکال دیا اور کہا جب تک تمہاری ماں میری بات نہیں مانتی میں دوا نہیں دوں گا امی پلیز آپ ان کی بات مان لیں پلیز۔''

ہر حقیقت سے بے خبر چھوٹی سی معصوم بچی دو دن کے بعد ماں کو ہوش میں دیکھ کر بتانا نہیں بھولی تھی۔ عبیرہ کا سارا بدن سلگ اٹھا جبکہ آنکھیں اپنی اس درجہ بے بسی پر پھر سے جھلملائی تھیں تبھی اس کا پانچ سالہ بیٹا طلحہ' اس کے پاس آتے ہوئے بولا تھا۔

''ماں، میں نے کل ڈاکٹر انکل کو کہا تھا کہ آپ میری ماں کو ٹھیک کر دو، میں بڑا ہو کر آپ کے سارے پیسے اتار دوں گا مگر انہوں نے کہا کہ تمہاری ماں اب کبھی ٹھیک نہیں ہوگی کیا آپ اب کبھی ٹھیک نہیں ہوں گی؟'' ننھے فرشتے کے معصوم لہجے میں کتنا درد اور مایوسی تھی اس نے روتے ہوئے چپ چاپ ہاتھ بڑھا کر اسے اپنے سینے میں بھینچ لیا تبھی عائشہ بولی تھی۔

''حمزہ' طلحہ' اللہ سے دعا کرو اللہ ہماری امی کو جلدی سے ٹھیک کر دے پھر امی ہم سب کے لیے بہت مزے کا کھانا لائیں گی۔'' اس کے کہنے کی دیر تھی کہ حمزہ اور طلحہ' نے فوراً دعا کے لیے ہاتھ اٹھا لیے۔

''اللہ ہماری امی کو جلدی سے ٹھیک کر دو ہمیں بہت بھوک لگی ہے۔ ہماری امی کے سوا ہمارا دنیا میں اور کوئی نہیں بابا بھی نہیں۔'' دعا کیا تھی جیسے کوئی فریاد تھی عبیرہ تپتے وجود کے ساتھ اوپر نیلے آسمان کی طرف نگاہیں اٹھاتے ہوئے سسک پڑی۔

''اے اللہ پاک تو جانتا ہے میرے بچے دو دن سے بھوکے ہیں اور میں انہیں روٹی کا ایک نوالا نہیں کھلا سکتی، میرے مالک میرے حال پر رحم کر مجھے ہمت دے تاکہ میں اٹھ کر اپنے بچوں کے لیے کچھ لا سکوں۔'' سمندر ہوتی آنکھوں کے آنسو پیتے ہوئے دل ہی دل میں اس نے شدت سے دعا کی اور رو پڑی۔

تین دن کے بخار نے اس کا حلق خشک کر دیا تھا مگر آنسوؤں کے دریا کی روانی میں کوئی کمی نہیں آئی تھی۔

❁......❁......❁

وقت کتنی تیزی سے بدل گیا تھا۔

آج سے فقط دس سال قبل زندگی کتنی خوب صورت تھی۔ رنگین تتلیوں کی مانند محبتوں کی فضاؤں میں اڑتے ہوئے اسے کبھی زندگی کی تلخیوں کا احساس بھی نہیں ہوا تھا۔ والدین، عزیز رشتہ دار دوست احباب

سب اس پر جان چھڑکتے تھے آخر کو وہ اپنے ماں باپ کی اکلوتی بیٹی تھی۔ خوب صورت چہرے پر بڑی بڑی جھیل سی آنکھیں شانوں سے ڈھلکتے سیاہ ریشمی بال سرخ وسفید دمکتی رنگت موتیوں سے سفید دانت وہ واقعی اس قابل تھی کہ اسے سراہا جاتا۔

حسن اور اچھی قسمت کے ساتھ ساتھ قدرت نے اسے دولت کی فراوانی سے بھی نوازا تھا۔ اس کے بابا کا تعلق چمن سے تھا جہاں ان کے مختلف باغات تھے۔ اس وقت اس کے نزدیک دولت کی قطعی کوئی وقعت نہ تھی۔ اسے پڑھنے کا شوق تھا اور اس کے جان لٹانے والے بابا نے بنا کسی کی کوئی پروا کیے اپنی بیٹی کے اس شوق کو پورا کیا تھا اسے کالج لے جانے اور کالج سے لانے کے لیے ایک اسپیشل وین کالج والوں کی طرف سے پابند تھی جس کی ڈرائیو کے فرائض جس نوجوان کے سپرد کیے گئے اس کا نام حدید تھا اور حدید کا گھرانہ فقط ایک سال قبل سیلاب کی نذر ہو گیا تھا۔

منہ زور پانی کی لہروں میں نہ صرف اس کے رشتے دار اور گھر کا سازوسامان بہہ گیا بلکہ اس کے سارے خواب ساری تمنائیں اعلیٰ تعلیم کے ارادے سب بہہ گئے۔ بہت مایوسی اور دلگرفتی کے عالم میں اس نے عبیرہ کے کالج میں ڈرائیور کی حیثیت سے نوکری کی تھی۔

ہر روز ٹھیک سوا آٹھ بجے وہ عبیرہ اور اس کی فرینڈز کو ان کے گھروں سے پک کرتا اور پھر چھٹی کے بعد ایک ایک کر کے ڈراپ کر دیتا۔ عبیرہ کی طرح حدید بھی اپنی وجاہت اور خوب صورتی میں اپنی مثال آپ تھا۔ خوب صورت غلافی آنکھوں میں ٹھہری عجیب سی اداسی کے ساتھ اس کے بھاری مونچھوں تلے دبے گداز لب ہمیشہ چپ کا قفل لگائے۔ عبیرہ کے دل کا چین لوٹ گئے۔ دل ہی دل میں وہ کب اس پر فدا ہو گئی اسے خبر ہی نہ ہوئی۔

کالج سے واپسی پر حدید سب سے پہلے اسے ڈراپ کرتا تھا کیونکہ اس کا گھر سب سے پہلے آتا تھا جبکہ صبح پک کرتے وقت وہ سب سے آخر میں اسے پک کرتا جس پر وہ جل کر کباب بن جاتی تھی۔ مگر اسے پروا ہی کہاں تھی۔

کالج سے واپسی پر اس کی کوشش ہوتی تھی کہ وہ اس کے برابر والی سیٹ پر بیٹھے کیونکہ اسے اس کے پہلو میں سفر کرنا بہت اچھا لگتا تھا۔ مگر جس روز اس کی کوئی دوست اس کے پہلو میں بیٹھ جاتی اس روز کالج سے گھر تک کا فاصلہ اس کے لیے جیسے عذاب بن جاتا تھا بن پانی کی مچھلی کی طرح وہ تڑپتی رہ جاتی تھی اور اس کی اس تڑپ سے وہ یقیناً بے خبر نہیں تھا تبھی تو اکثر اس کے تپے تپے چہرے کی سرخی دیکھ کر ایک مبہم سی مسکراہٹ اس کے گداز لبوں پر بکھر جاتی تھی۔

ایک بار طبیعت کی خرابی کے باعث وہ تین دن تک ڈیوٹی پر نہ آسکا تو عبیرہ کی جان لبوں پر آگئی ساری ساری رات وہ جاگ کر بے چینی سے ٹہلتی رہتی اور اسے سوچتی رہتی۔ چوتھے روز چھٹی کے وقت اس نے شدت دل سے دعا کی کہ وہ اسے نظر آجائے اور اس کی دعا قبول ہو گئی۔ کالج گیٹ کے قریب شیشم کے پیڑ تلے کھڑا وہ کسی سے بات کر رہا تھا عبیرہ کی آنکھیں اسے دیکھ کر خوشی سے بھیگ گئیں تبھی شاید اس روز وہ اس پر غصہ ہوئے بغیر نہیں رہ سکی تھی۔

"آپ تین روز کیوں نہیں آئے۔ آپ کو معلوم ہے آپ کی غیر حاضری کی وجہ سے ہمیں کتنی کوفت کا سامنا کرنا پڑا؟"

اس وقت اس کا بس نہ چلتا تھا کہ وہ اس کا گریبان تھام لیتی اور اس سے اپنے ایک ایک لمحے کی بے قراری کا حساب لیتی مگر اس نے اس کے غصے کے مطلق پروا نہ کی۔

"سوری، میں بیمار تھا میں نے کالج کی انتظامیہ کو خبر کر دی تھی۔" زرا کی زرا نگاہیں اٹھا کر اس نے اس کی سمت دیکھا اور گاڑی اسٹارٹ کر دی تھی۔ عبیرہ صبر کے گھونٹ پی کر رہ گئی۔ کتنی خواہش تھی اس کی کہ وہ کبھی نظر بھر کر اس کے حسین روپ کو دیکھے اس کے لیے بے قرار ہو، اس کی قربت کے بہانے تلاشے مگر ایسا کچھ نہیں ہوا

تھا۔ اس کی محبت اب آہستہ آہستہ جنون کی شکل اختیار کرتی جارہی تھی، وہ ذرا سی بے رخی جتاتا عبیرہ گھر آ کر اپنے کمرے کی چیزوں پر غصہ اتارتی۔ بعض اوقات وہ خود کو بھی نقصان پہنچانے سے دریغ نہیں کرتی تھی کہ اپنے رشتوں اوران کی محبت کے معاملے میں وہ ایسی ہی جذباتی تھی اسے اپنے اور حدید کی حیثیت کا بہت اچھی طرح سے پتا تھا۔ محبت کی ہولناکیوں سے بھی وہ بے خبر نہیں تھی۔ مگر پھر بھی حدید عبدالجبار کی محبت کے طلسم نے اسے جیسے جکڑ لیا تھا۔ وہ اپنی آنکھوں کو اس کے خواب دیکھنے سے باز نہیں رکھ پائی تھی۔ حدید عبدالجبار کا جادو سر چڑھ کر بول رہا تھا اور وہ خود کو اس معاملے میں قطعی بے بس پا رہی تھی۔

❀......✿......❀

اس روز موسم بہت خوب صورت تھا۔

نیلے آسمان پر چھائے کالے گھنگھور بادل اور پرکیف ہوائیں ماحول کو عجیب سا سرور بخش رہے تھے ہلکی ہلکی بوندا باندی کا سلسلہ بھی برابر جاری تھا۔ سونے پر سہاگہ اس کے ساتھ والی ساری لڑکیاں اتفاقاً چھٹی پر تھیں وہ بے حد مسرور سی کالج گیٹ سے باہر آئی تو سامنے شیشم کے پیڑ تلے وین کے پاس کھڑے حدید عبدالجبار کو دیکھ کر بے ساختہ اس کا دل زور سے دھڑک اٹھا۔

آج اس نے بلیک شلوار پر وائٹ اور بلیک کلر کے کمبی نیشن کی خوب صورت چیک دار قمیص پہن رکھی تھی۔ گلے میں معمول کی مانند سوٹ سے میچ کرتا دوپٹا جھول رہا تھا۔ اس کے برعکس حدید جو زیادہ تر بلیک لباس میں ہی دکھائی دیتا تھا آج خلاف معمول گرے کلر کے نفیس سے کرتا شلوار میں ملبوس تھا نکھرے ہوئے خوب صورت چہرے پر تازہ شیو بڑی بھلی لگ رہی تھی۔ موٹی غلافی آنکھوں کی سرخی میں آج بے نیازی کے تیور نہیں تھے۔

نیلے آسمان پر چھائے بادل اور رم جھم برستی بارش کی ننھی ننھی سرد بوندیں من میں عجیب سے جذبات ابھار رہی تھیں۔ وہ وین میں حدید کے برابر آ کر بیٹھی تو اک سرشاری کی لہر سارے بدن میں سرایت کر گئی حدید نے گاڑی اسٹارٹ کردی تھی۔ وہ خاموش بیٹھی رہی۔ ابھی وہ لوگ چند کلومیٹر ہی طے کر پائے تھے جب اچانک عبیرہ نے اس کے ہاتھوں پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔

''گاڑی روکیں پلیز۔'' وہ چونکا تھا نہ حیران ہوا تھا تاہم اس نے گاڑی روک دی۔

''مجھے آپ سے کچھ کہنا ہے۔''

''کہیے۔'' عبیرہ کی دیوانگی اس سے مخفی نہیں تھی پھر بھی وہ بے نیازی دکھا رہا تھا وہ رو ہی تو پڑی۔

''میں آپ کو پسند کرتی ہوں اپنی زندگی میں شامل کرنا چاہتی ہوں مگر آپ کی بے نیازی اور بے رخی مجھ سے برداشت نہیں ہوتی۔''

''آپ جو چاہتی ہیں وہ نہیں ہوسکتا۔'' اسے روتے پا کر بھی اس نے نگاہیں سامنے سڑک پر مرکوز رکھی تھیں۔ وہ تڑپ اٹھی۔

''کیوں، کیوں نہیں ہوسکتا؟''

''کیونکہ میری اور آپ کی حیثیت میں بہت فرق ہے۔''

''میں ان باتوں کو نہیں مانتی۔''

''جس معاشرے میں آپ رہتی ہیں وہ معاشرہ مانتا ہے۔''

''مجھے معاشرے کی پروا نہیں۔''

''مجھے ہے۔''

''آپ کو معاشرے کی پروا ہے میری نہیں؟'' وہ ہرٹ ہوئی تھی حدید نے گاڑی اسٹارٹ کرلی۔

''لڑکیاں پاگل ہوتی ہیں ان کی باتوں پر نہیں جانا چاہیے۔''

''میں پاگل نہیں ہوں۔''

حدید کے رویے نے اسے تکلیف پہنچائی تھی۔ وہ بے نیاز بنا خاموشی سے گاڑی ڈرائیو کرتا رہا۔

عبیرہ گھر آ کر بہت روئی تھی زندگی میں پہلی بار کسی نے اسے اس کی تمام تر خوبیوں سمیت رجیکٹ کردیا تھا

اگلے تین چار روز تک وہ تیز بخار میں جلتی رہی۔ اس دوران اس کے ماں باپ کتنے پریشان رہے وہ بخوبی محسوس کرسکتی تھی۔

تقریباً ایک ہفتے بعد اس کی طبیعت بہتر ہوئی تو اسے کالج جانے کی پرمیشن ملی سادا سی تیار ہوکر وہ گھر سے نکلی تو اس کے بابا وین منگوا چکے تھے۔ آج وین میں سب سے پہلے سوار ہونے والی وہی تھی اور ڈرائیو کی سیٹ پر جو شخص بیٹھا تھا اسے دیکھ کر وہ حیران رہ گئی تھی۔ ہلکی ہلکی بڑھی ہوئی شیو کے ساتھ وہ اتنا ٹوٹا بکھرا دکھائی دے رہا تھا کہ عبیرہ کو اپنی بصارتوں پر یقین ہی نہ آیا۔ چھٹی کے بعد اس نے جان بوجھ کر سب لڑکیوں کو پہلے ڈراپ کیا پھر گاڑی عبیرہ کے گھر والے روڈ پر ڈال دی۔ ابھی گاڑی نے چند فرلانگ کا فاصلہ بھی طے نہیں کیا تھا جب ایک جھٹکے سے حدید نے گاڑی روک دی۔

”اب کیسی طبیعت ہے آپ کی؟“ اسٹرینگ پر ہاتھ رکھے اس نے سامنے روڈ کی طرف دیکھتے ہوئے ہی اس سے پوچھا تھا جب وہ بولی۔

”ٹھیک ہے۔“

”مجھ سے ناراض ہیں آپ؟“

”نہیں۔“

”پھر میں اتنا بے چین کیوں ہوں، پچھلے ایک ہفتے سے مجھے کوئی چیز کیوں اچھی نہیں لگ رہی، میرا دل کیوں جل رہا ہے؟“ اس بار وہ چونکی تھی اور اس کے چہرے پر جیسے سینکڑوں پھول کھلے تھے اس کی دعائیں مستجاب ہوگئی تھیں تبھی حدید کا ہاتھ تھامتے ہوئے وہ رو پڑی۔

”میں مرجاؤں گی آپ کے بغیر۔“

”اور مجھے لگتا ہے اگر میں نے دل پر مزید بند باندھے تو شاید میں زندہ نہیں رہ پاؤں گا۔“ گمبھیر لہجے میں وہ کہہ رہا تھا اور عبیرہ جیسے نہال ہوگئی تھی تبھی وہ بولا تھا۔

”میرا اس دنیا میں کوئی بھی نہیں ہے جو چند خون کے رشتے تھے وہ بھی سیلابی پانی میں بہہ کر سمندر کی آغوش میں جا سوئے اب کوئی نہیں ہے جو میری فکر کرے میں رات گئے تک گھر نہ لوٹوں تو میری راہ دیکھے بھوکا سو جاؤں تو میری پروا کرے میرے لیے پریشان ہو، میرے سکھ دکھ بانٹنے میں ہنسوں تو میرے ساتھ ہنسے اور میں روؤں تو مجھے اپنی بانہوں میں سمیٹ لے۔

❀......✿......❀

بے تحاشا پیار دینے کا جو وعدہ اس نے کیا تھا وہ اسے بخوبی نبھا رہا تھا۔ تاہم عبیرہ کبھی کبھی اس کے پیار کی شدتوں سے گھبرا کر اس کے کشادہ سینے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہہ بیٹھتی۔

”پلیز حدید، اتنا پیار نہ کیا کریں جانے کیوں تقدیر سے ڈر لگنے لگتا ہے۔ آپ کے پیار کی یہ شدت دل کو جیسے جکڑ لیتی ہے۔“ اور وہ اس کے تفکر پر ہلکے سے مسکرا کر اس کے گال پر ہلکی سے چٹکی کاٹتے ہوئے کہتا۔

”پاگل لڑکی مجھ ہمیشہ تمہارے سنگ تمہارا ہی رہنا ہے ایویں فضول وسوسوں کی پروا مت کیا کرو۔“ مگر اس نے اپنا وعدہ وفا نہیں کیا تھا۔ عائشہ کے دو سال بعد اس نے صحت مند بیٹے کو جنم دیا تو حدید اس کے ہاتھ چومتے ہوئے رو پڑا۔

”عبیرہ آج تم نے میرا دامن خوشیوں سے بھر دیا ہے میرا بیٹا، میرا شیر آ گیا دنیا میں میری پہچان بنانے کو، اب تو مجھے دن رات لگاتار کام بھی کرنا پڑا تو میں کروں گا اپنے بچوں کو دنیا کی ہر خوشی ہر عیش دوں گا یہ وعدہ ہے میرا تم سے اور خود اپنے آپ سے سچ کہتا ہوں آج میں اتنا خوش ہوں کہ اب تقدیر سے اور کسی چیز کی خواہش نہیں رہی۔“ اس نے کہا تھا اور غلط کہا تھا۔

اسے تقدیر سے اپنی زندگی اور اپنے رشتوں کی دائمی خوشیوں کی دعا مانگنی چاہیے تھی۔ اس روز وہ صبح ہی صبح بیدار ہوکر صحن میں اینٹوں سے بنے چولہے کے قریب چلی آئی تھی۔ حمزہ اس وقت ایک سال کا جبکہ عائشہ تین سال کی تھی۔

ٹھٹھرتے موسم کی وہ اداس صبح اسے کبھی نہیں بھولتی تھی جب اسے چولہے کے قریب آگ جلاتے دیکھ کر حدید

بھی گرم بستر سے نکل آیا تھا اور اب آگ جلانے میں اس کی مدد کررہا تھا۔

"اف کتنی سردی ہے آج اور تم نے کوئی گرم شال بھی نہیں لی مرنے کا ارادہ ہے کیا؟" آگ جلا کر اس کی طرف دیکھتے ہوئے اس نے پوچھا تو وہ مسکرادی۔

"ہوں، آپ کے لیے اچھا ہی ہے نا کوئی نئی نویلی دلہن مل جائے گی۔"

"جسٹ شٹ اپ۔" وہ خفا ہوا تھا اور اٹھ کر اندر کمرے کی طرف بڑھ گیا تھا۔ عبیرہ مسکراتے ہوئے اس کے پیچھے چلی آئی۔

"کیا ہوا۔ برا لگا؟"

"ہاں، میری زندگی میں دوبارہ کبھی ایسی بات مت کرنا عبیرہ میری دنیا میری زندگی میری جنت تم سے اور میرے ان معصوم پھولوں سے ہے میں ماسٹرز کا ڈگری ہولڈر ہوکر بھی ٹیکسی چلاتا ہوں کوئی غم نہیں میرے پاس کوئی محل کوئی خزانہ کوئی رشتہ نہیں آئی ڈونٹ کیئر، بس میں...... میں تمہیں ایک پل کے لیے بھی نہیں کھونا چاہتا عبیرہ، زندگی نے جو دکھ اور محرومیاں میری جھولی میں ڈالی ہیں میں وہ درد اور محرومیاں اپنے بچوں کی آنکھوں میں پلتے ہوئے نہیں دیکھنا چاہتا۔ تم دیکھنا بہت جلد ہم یہ چھوٹا سا ٹوٹا پھوٹا گھر بیچ کر کسی اچھے سے پوش ایریا میں خوب صورت گھر بنائیں گے اپنے ایک دوست کے پاس دو کمیٹیاں ڈالی ہیں میں نے ان شاء اللہ وہاں ہمارے بچے بہترین زندگی گزاریں گے میرا وعدہ ہے تم سے، میں سب کچھ کرلوں گا بس تم میرا ساتھ دینا کبھی مجھ سے دور نہیں جانا۔" وہ جذباتی ہوا تھا عبیرہ کو اس پر ٹوٹ کر پیار آیا۔

ہر روز کی مانند اس روز بھی وہ بچوں کو لے کر ہنستے مسکراتے اسے خوب تنگ کرتے ہوئے جلد گھر واپس لوٹنے کے وعدے کے ساتھ گھر سے روانہ ہوا تھا مگر دوپہر سے عصر ڈھلی عصر سے مغرب ڈھلی عائشہ ٹیوشن سے اکیلی گھر واپس آگئی مگر وہ نہ آیا کہ جس کی بے پروائی پر وہ اس سے خوب جھگڑا کرنے کا قصد کیے بیٹھی تھی۔ اسی روز عشاء کے قریب اسے حدید کے روڈ ایکسیڈنٹ کی خبر ملی۔ سر پر اچانک آسمان کیسے ٹوٹتا ہے قدموں تلے سے زمین کیسے کھسکتی ہے اوسان خطا ہونا حقیقت میں کیا ہوتا ہے اس روز اسے پتا چلا تھا۔

شدید سرد موسم میں چادر سے بے نیاز، جب وہ عائشہ اور حمزہ کو لے کر پیدل بھاگتی ہوئی اسپتال پہنچی تھی جہاں اس کا حدید شدید تکلیف میں تھا۔ اسپتال کے سرد فرش پر کپکپاتی ٹانگوں سے بمشکل اپنا بوجھ سہارے وہ حدید کو تلاش کررہی تھی۔ جب وہ اسے ایک کونے میں شدید زخمی حالت میں اسٹریچر پر پڑا دکھائی دے گیا جانے کون اسے وہاں لاکر پھر خود فرار ہوگیا تھا وہ تڑپ گئی۔

تیکھے نین نقوش والا اس کا رومینٹک سا خوبرو شہزادہ کہ جس کے لب کبھی ہنسنا نہیں بھولتے تھے اس وقت بے بس سا خون میں لت پت پڑا تھا۔ کسی مسیحا کے پاس اتنی فرصت نہیں تھی کہ اس کی زندگی بچانے کی کوشش کرتا۔ شہر کے کسی رئیس نے شراب کے نشے میں اس غریب ٹیکسی ڈرائیور کو کچل کر زندگی اور موت کے مابین لٹکتی اذیت کے سپرد کرڈالا تھا۔

بے بسی اور بے حسی کی انتہا تھی اس پر انسانیت کے مسیحاؤں کا حوصلہ شکن رویہ وہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے ساکت کھڑی دیکھتی رہ گئی تھی۔ وہ جو اس کی زندگی تھا وہ اس کے لیے کچھ بھی نہیں کرپارہی تھی۔ اس روز اس لمحے وہ کتنی تکلیف میں تھی کاش کوئی جان پاتا۔ حدید کی حالت پر درد سے بلکتے ہوئے اس نے ایک ایک فرد کے آگے ہاتھ جوڑے تھے مگر کسی نے اس کی مدد نہیں کی تھی کسی نے اس کے آنسوؤں کا کرب جاننے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔ کسی نے اس کی دلخراش چیخوں پر کان نہیں دھرے تھے وہ تڑپ رہی تھی مگر کسی نے اس کا درد نہیں سمجھا تھا کسی نے اس کی زندگی کے کل اثاثے اس کے واحد سہارے اس کے محبوب شوہر کی آنکھوں میں زندہ رہنے کی خواہش کو نہیں دیکھا تھا معاشرے کی بے حسی نے اس

کی دنیا اجاڑ دی۔

اس کے پاس اس وقت اتنے پیسے بھی نہیں تھے کہ وہ اپنے محبوب شوہر کے لیے کفن خرید سکتی اتنا ہوش بھی کہاں تھا آنکھوں کے سامنے ریشمی بالوں اور ستاروں سی روشن غلافی آنکھوں والا شہزادہ خاموش لیٹا ابدی نیند سو رہا تھا اور وہ ساکت بیٹھی بے حس و حرکت دیوانہ وار اسے دیکھے جا رہی تھی۔ ہمیشہ ساتھ نبھانے کا وعدہ کرنے والا وہ شخص چند سال بھی ساتھ نہیں چل سکا تھا بے تحاشا پیار کرنے والا آج زیست کی کٹھن راہ پر اسے اکیلا کر کے جا رہا تھا۔ معصوم عائشہ اپنے باپ کے چہرے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے رو رہی تھی اس کے گالوں کو چوم رہی تھی خود حمزہ ماں کی گود میں مچل رہا تھا جبکہ تیسرا وجود جو ابھی اس کے پیٹ میں پل رہا تھا اسے تو خبر بھی نہیں تھی کہ زندگی نے اس کے ساتھ کیسا بے رحمانہ کھیل کھیلا ہے وہ جو اپنے بچوں کی آنکھ میں ایک آنسو نہیں دیکھ سکتا تھا اس وقت ایک پل کے لیے ابدی نیند سے جاگ کر اپنے جگر گوشوں کو رونے سے منع بھی نہ کر پایا۔

زندگی اپنی پوری ہولناکی کے ساتھ اب اس کے سامنے آئی تھی۔ قرب و جوار کے امیر لوگوں نے کفن دفن کا انتظام کر کے اس کے شہزادے کو مٹی کے سپرد تو کر دیا تھا مگر اس کے بعد وہ عبیرہ اور اس کے بچوں کے ساتھ مستقل ہمدردی سے بے بہرہ ہو گئے شاید مصروف زندگی میں کسی کے پاس بھی ایک غریب ٹیکسی ڈرائیور کی بیوہ پر توجہ دینے کی فرصت نہیں تھی۔

دن ہفتوں، ہفتے مہینوں میں اور مہینے سالوں میں بدلتے چلے گئے وہ بے آسرا سی اپنی ذات کو مار کر اپنے اندر ہی دفن کرنے کے بعد اپنے جگر گوشوں کی زندگی کے لیے لوگوں کے گھروں میں کام کرنے لگی۔ مگر گزرتے وقت کے ساتھ وہ مختلف بیماریوں کی لپیٹ میں آتی چلی گئی تھی۔ حدید کی جدائی نے اسے اندر سے کھوکھلا کرنا شروع کر دیا تھا۔ آئے روز وہ بخار کی لپیٹ میں رہتی۔ عائشہ جیسے جیسے بڑی ہوئی اس نے گھر کے کاموں میں عبیرہ کا ہاتھ بٹانا شروع کر دیا ماں کی غیر موجودگی میں وہ دونوں بھائیوں کا خیال بھی رکھتی تھی۔

بستہ اسکول کتابیں سب باپ کی وفات کے ساتھ ہی جیسے خواب ہو گئی تھیں اب تو زندگی کی بے حسی اور تلخیاں تھیں اور اس کا ننھا سا دماغ......

عبیرہ نے ابتدا میں جس کوٹھی میں کام کرنا شروع کیا وہ بہت اچھے لوگ تھے انہوں نے نا صرف اسے سر چھپانے کو جگہ دی بلکہ دو وقت کا کھانا معقول تنخواہ کپڑے وغیرہ بھی دے دیتے تھے اکثر وہ بیمار پڑ جاتی تو دوا دارو بھی منگوا کر دیتے مگر چار سال کے بعد وہ ملک سے باہر شفٹ ہو گئے تو وہ پھر در بدر ہو گئی دوسری بار اس نے جس گھر میں نوکری کی اس گھر کے مالک کی نظر اس پر خراب تھی۔ وہ بڑی مشکل سے ایک روز اپنی عزت بچا کر وہاں سے بھاگی اٹھارہ دن کی تنخواہ سے بھی ہاتھ دھوئے۔

زندگی گزرتے ہر دن کے ساتھ جیسے تلخ سے تلخ ترین ہوتی جا رہی تھی۔ ایسے میں جوڑوں کے درد نے اسے نئی مصیبت میں مبتلا کر دیا کئی بار اسی مرض کی وجہ سے وہ نوکری سے فارغ ہوتی رہی اچھی تعلیم کے باوجود صرف چند کاغذی اسناد کے نہ ہونے کے سبب اسے ٹکے ٹکے کی نوکری کے لیے در در کے دھکے کھانے پڑ رہے تھے۔ مناسب علاج نہ ہونے کے سبب مرض بھی بڑھتا جا رہا تھا۔ ادھر محلے میں جو قریبی ڈاکٹر تھا اس کے اندر کی ہوس کھل کر سامنے آ گئی تھی۔ ہمدردی کی آڑ میں پہلی بار جب اس نے عبیرہ کا ہاتھ پکڑا وہ اسی روز جان گئی کہ اس کی ہمدردی کی اصل وجہ کیا تھی بیوی کی موت کے بعد کمزور عورتوں پر ہاتھ صاف کرنا اس نے اپنا مشغلہ بنا لیا تھا تبھی عبیرہ نے اس کے پاس جانا چھوڑ دیا۔

اس کا چھ سالہ بیٹا حمزہ گھر سے باہر کھڑا جب محلے کے بچوں کو کندھے پر بیگ لٹکائے اسکول جاتے دیکھتا تو حسرت و یاس کا شکار ہو کر روز روتے ہوئے اس سے اسکول جانے کی ضد کرتا مگر وہ روز اسے ٹال دیتی اب وہ اس ننھے سے پھول کو کیا بتاتی کہ زندگی جب بے رحمی کا

لبادہ اوڑھ لے تو زندہ رہنے کا بھرم رکھنا بھی مشکل ہو جاتا ہے اسکول جانا تو بہت بڑی بات تھی۔

حدید اپنے بچوں کی فرمائشوں کا کتنا خیال رکھتا تھا۔ کیسے ان کے ایک آنسو پر تڑپ اٹھتا تھا مگر اب وہ حالات نہیں رہے تھے اب زندگی کے اختیار پر آزمائشوں کی دھند چھا گئی تھی اور یہ آزمائش اس اکیلی لڑکی کو ہر قدم پر توڑ کر بکھیر رہی تھی۔

سر سے شوہر کا سایہ کیا اٹھا وہ جیسے ساری دنیا کے سامنے بے پردہ ہو گئی۔

اس نے حدید سے کہا تھا کہ وہ اسے مرنے نہیں دے گی مگر وہ اب خود کو مرنے سے نہیں بچا پا رہی تھی پورا وجود درد کی لپیٹ میں تھا مگر اس کے پاس اتنے پیسے بھی نہیں تھے کہ وہ اس درد سے چھٹکارے کی دوا ہی خرید پاتی۔ حدید کی زندگی اس کے لیے بہت ضروری تھی اور اس کی زندگی اس کے بچوں کے لیے بہت ضروری تھی مگر سوال ضرورت کا نہیں پیسوں کا تھا موت یہ کبھی نہیں دیکھتی کہ کس کی زندگی کس کے لیے کتنی ضروری ہے وہ تو بس چھیننا جانتی ہے دلوں میں ہولناک سناٹوں کا پڑاؤ ڈالنا جانتی ہے۔

''ماں، ہمیں کھانا کب ملے گا؟'' اسے پلکیں موندتے دیکھ کر ننھے طلحہٰ نے اس کا بازو ہلایا تھا عبیرہ کے اندر جیسے کوئی چیخ اٹھا، بھلا انسانیت کی اس سے بڑھ کر بھی کوئی تذلیل ہوئی تھی؟

اس کے بچے بھوک سے تڑپ رہے تھے اور ارد گرد تعمیر بڑی کوٹھیوں کے پتھر دل لوگوں کو اس کی خبر تک نہیں تھی جبکہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے وہ شخص ہم میں سے نہیں جس کے پہلو میں اس کا ہمسایہ بھوکا سوتا رہا اور وہ خود پیٹ بھر کر کھانا کھالے۔ وہ لوگ شاید اس اسلامی معاشرے کے لوگ نہیں تھے شدید بخار اور نقاہت کے باعث اس کی آنکھوں کے پپوٹے بھی کھلنے سے معذوری ظاہر کر رہے تھے گرم گرم سیال نگینے خود اپنے ہی حال پر ماتم کناں پلکوں سے ٹوٹ کر گالوں پر بکھرتے چلے گئے تھے اللہ رب العزت کی اتنی بڑی کائنات میں کوئی نہیں تھا جو ان معصوم پھولوں پر ترس کھا کر رحم کرتا انہیں دو وقت کا کھانا مہیا کرتا یا اللہ کے نام پر اتنے پیسے ہی بجھوا دیتا کہ جس سے وہ اپنے بچوں کے لیے کچھ خرید کر انہیں کھلا سکتی۔ نفسا نفسی اور بے حسی کے دور میں کسی بھی رئیس یا صاحب حیثیت شخص یا گھرانے کو اس خوب صورت جوان بیوہ عورت کے بچوں کے ساتھ کوئی ہمدردی نہیں تھی ہاں اس کی تنہائی پر شکوک وشبہات بہت تھے۔

ایک اسلامی معاشرے میں بے مثال نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ہو کر ان لوگوں کی سوچ اور طرز زندگی خالصتاً غیر اسلامی تھا تبھی بمشکل اس نے آنکھیں کھولی تھیں اور اپنی طبیعت کی خرابی کی پروا کیے بغیر صرف اپنے بچوں کی تسلی کے لیے بمشکل وہ اٹھ کر بیٹھ گئی عائشہ جو محض آٹھ سال کی عمر میں اپنے چھوٹے بھائیوں کی ماں کے فرائض سرانجام دے رہی تھی۔ بھاگ کر اس کے لیے پانی لے آئی، عبیرہ نے پانی پیا تو اس کے حواس کچھ بہتر ہوئے تبھی حمزہ نے اس کے گھٹنے پر ہاتھ رکھتے ہوئے اسے معصومیت سے بتایا۔

''امی...... آپ کو پتا ہے کل بڑی عید ہے عاشی آپی کہتی ہیں آپ ہمارے لیے بھی گوشت پکائیں گی مجھے گوشت بہت اچھا لگتا ہے آپ کل ہمارے لیے گوشت پکائیں گی ناں امی؟'' وہ ابھی اسے جواب بھی نہ دے سکی تھی کہ اس سے چھوٹا طلحہٰ بول اٹھا۔

''ماں، کل عید پر سارے بچے اچھے اچھے کپڑے پہنیں گے مگر ہمارے پاس تو کھانا بھی نہیں ہے کیا اللہ میاں نے صرف اچھے بچوں کے لیے عید بنائی ہے، کیا ہمارے لیے عید نہیں ہوگی؟ کیا جن بچوں کے پاس اچھے کپڑے نہیں ہوتے ان کی عید نہیں ہوتی۔''

''ہاں ماں، وہ سامنے عامر کا گھر ہے نا، اس کے ابو کل ایک بڑا سا بکرا لے کر آئے ہیں میں نے بھی دیکھا بہت پیارا ہے مگر وہ مجھے اس سے کھیلنے نہیں دے رہا اور پتا ہے

ان کی مما نے ان کے لیے بہت پیارے پیارے کپڑے بنائے ہیں مگر دیکھیں میرے کپڑے کتنے پرانے ہیں اور میرا جوتا بھی پھٹ گیا ہے مگر ہمیں اچھے جوتے اور کپڑے نہیں چاہیے ہمیں صرف کھانا چاہیں صرف ایک روٹی لادیں ہم پانی کے ساتھ کھالیں گے۔"

محض آٹھ سال کی عمر میں ننھے حمزہ اور صرف پانچ سال کی عمر میں ننھے طلحہ کی آنکھوں میں اس قدر التجا تھی کہ وہ بلبلا اٹھی تھی حدید نے کہا تھا۔

"تم دیکھنا عبیرہ میں اپنے بچوں کو زندگی میں کبھی کسی چیز کے لیے ترسنے نہیں دوں گا۔ بھلے میں ایک غریب ٹیکسی ڈرائیور سہی مگر میرے بچے شاہانہ زندگی بسر کریں گے تم دیکھنا دنیا میرے بچوں کے نصیب پر رشک کرے گی۔" مگر دنیا نے رشک کیا کرنا تھا رحم تک نہ کیا جو دو کمیٹیاں حدید نے ڈالی ہوئی تھیں ان کا ایک پیسہ بھی اسے نہ ملا اس کی جیب میں ایکسیڈنٹ کے بعد جتنے بھی پیسے تھے سب لوگوں نے موقع سے فائدہ اٹھا کر نکال لیے تھے اور آج یہ حال تھا کہ اس کے بچے قیمتی کتابوں یا کھلونوں کے لیے نہیں بلکہ روٹی کے لیے ترس رہے تھے رو رہے تھے دعائیں کر رہے تھے اس کا جگر نہ پھٹتا تو اور کیا ہوتا؟

اس وقت حمزہ اور طلحہ کو اپنے سینے میں بھینچ کر وہ خوب روئی تھی۔

"نہیں، میں اپنے بچوں کو بھوکا نہیں دیکھ سکتی میں انہیں ایک رات اور بھوکا نہیں سونے دوں گی۔" ننھے پھولوں کو سینے میں بھینچے اس نے جیسے خود سے عہد کیا تھا پھر اپنی چادر سنبھالتی بستر سے اٹھ کھڑی ہوئی سارا بدن گویا آگ میں جل رہا تھا۔ سانسیں اکھڑ رہی تھیں ریشمی بال بکھر کر گردن سے چپک گئے تھے بے حد کمزوری کے باعث اسے زور کا چکر آیا تھا مگر عائشہ نے اسے سنبھال لیا۔

"حمزہ طلحہ تم دیکھ نہیں رہے امی کی طبیعت ٹھیک نہیں، کیا ایک رات اور صبر نہیں کر سکتے صبح گوشت آ جائے گا۔"

"نہیں، امی ٹھیک ہے بیٹے آپ بھائیوں کا خیال رکھنا میں ابھی آپ لوگوں کے لیے کھانا لے کر آتی ہوں۔" عائشہ کی تڑپ پر اس نے اسے پیار کرتے ہوئے تسلی دی پھر تینوں بچوں کو بانہوں میں بھینچ کر اپنی چادر اچھی طرح اپنے وجود کے گرد لپیٹتے ہوئے وہ گھر سے باہر نکل آئی۔ کراچی کے حالات خراب تھے انسان دشمن بے ضمیر حیوانوں نے شہر میں خوف و ہراس قائم کر رکھا تھا مگر اسے کسی بات کی پروا نہیں تھی۔

وہ ماں تھی اور قدرت اس کی ممتا کا امتحان لے رہی تھی۔ اسے اس امتحان میں ہر صورت سرخرو ہونا تھا شہر کے بڑے بڑے رفاعی ادارے بڑی بڑی نامور این جی اوز اس کے اور اس کے بچوں کے کسی کام کی نہیں تھیں کرب و ذلت کے احساس سے اس کی آنکھیں بار بار دھندلا رہی تھی حلق میں جیسے غم کا پھندہ سا پڑ کر رہ گیا تھا شہر کے چوراہے کی طرف بڑھتے شکستہ قدموں سے اس کے ذہن میں صرف ایک ہی سوال گونج رہا تھا۔

"ماں، ہمیں کھانا کب ملے گا؟"

حدید اگر زندہ ہوتا تو کیا اس ایک جملے کے لیے اسے معاف کرتا، دو دن سے وہ بخار میں بے ہوش پڑی تھی تو اس کے بچوں کا کیا قصور تھا جن کے ننھے پیٹ بھوک کی تکلیف برداشت کر رہے تھے اسے خود پر غصہ آ رہا تھا تبھی شہر کے چوراہے پر خشک لبوں پر بمشکل زبان پھیرتے ہوئے اس نے زندگی میں پہلی بار اللہ کے بندوں کے سامنے ہاتھ پھیلایا تھا۔

"اللہ کے نام پر کچھ دے جا بابا...... صرف ایک روپے کا سوال ہے بابا۔" گزرتے ہر لمحے کے ساتھ اس کی آواز بلند ہوتی جا رہی تھی اسے قدرت کی طرف امتحان میں سرخرو ہونا تھا تبھی بدکردار گھٹیا ڈاکٹر کی دعوت قبول کرنے کی بجائے اس نے بھیک کی ذلت گوارا کر لی تھی۔

شام کے دھندلکے رات کی تاریکی میں ڈھلنے لگے تھے تیز بخار میں جلتے آنسوؤں کے ساتھ چوراہے پر ایک طرف کھڑی وہ بڑی کربناک صدائیں دے رہی تھی تبھی

اس کی جھولی میں کئی سکے جمع ہوگئے تھے کوئی بھیک دے رہا تھا تو کوئی میلی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا کچھ منچلے نوجوان موٹر سائیکل پر کافی دیر سے سیٹیاں بجاتے ہوئے اس کے گرد چکر لگاتے رہے تھے مگر اسے کسی بات کا ہوش ہی کہاں تھا۔ آج وہ ایک عورت کہاں رہی تھی آج تو وہ ایک ماں بن کر گھر کی دہلیز سے شہر کے چوراہے تک آئی تھی۔ لوگوں کی میلی نظروں سے قطع نظر اس نے ایک مسرت بھری نظر اپنی جھولی میں جمع ہوئے سکوں پر ڈالی تو جھلملاتی اداس نگاہوں میں ایک دم سے خوشی کے دیپ جل اٹھے۔ بے ساختہ اس نے تشکر بھری نگاہوں سے اوپر آسمان کی طرف دیکھا۔

"یا اللہ، تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ تو نے میرے بھوکے بچوں کے لیے رزق کا وسیلہ فراہم کردیا۔ میں اب کبھی اپنے بچوں کو بھوکا نہیں رہنے دوں گی۔ سب بچوں کی طرح میرے بچے بھی ہر رات پیٹ بھر کر سوئیں گے کل زیادہ بھیک ملی تو میں طلحہ کے لیے نیا جوتا اور حمزہ کے لیے گوشت بھی خریدوں گی۔"

تانبے کے سکوں کو مضبوطی سے مٹھی میں دبائے وہ نجانے کیا کیا پلان ترتیب دے رہی تھی تبھی اس نے تیزی سے چوراہے سے بازار کا رخ اختیار کیا تھا اپنے معصوم بچوں کے لیے روٹی، پھل، ٹافیاں خریدتے ہوئے اس کے چہرے کی خوشی دیدنی تھی۔ اس کا بس نہ چلتا تھا کہ وہ اڑ کر اپنے بچوں کے پاس پہنچ جائے اور ان کی آنکھوں میں جلتے مسرت کے دیپ دیکھے دونوں ہاتھوں میں مختلف اشیا کے شاپرز سنبھالے وہ بڑے سرشار انداز میں تیزی سے سڑک کراس کرتے ہوئے ابھی وہ گھر کے قریب ہی پہنچی تھی کہ جب اچانک کسی طرف سے موٹر سائیکل پر سوار تین نقاب پوش لڑکے سرعت سے سامنے آئے اور وہاں چلتے پھرتے لوگوں پر بنا کچھ دیکھے اندھا دھند فائرنگ شروع کردی۔

تیزی سے ادھر ادھر بھاگتے خوف و ہراس کے شکار لوگوں کے بیچ اس کا نڈھال سا وجود لڑکھڑا کر رہ گیا تھا۔ انسان دشمن بے ضمیر حیوانوں کی خونی کلاشنکوف سے نکلنے والی ایک گولی اس کے پیٹ میں لگی تھی اور وہ درد سے چیختے ہوئے وہیں گر پڑی۔ اس کے لاغر ہاتھوں میں مضبوطی سے پکڑے شاپر چھوٹ کر دور جا گرے تھے۔ جلتی ہوئی کربناک نگاہوں میں وہی پیاس ہلکورے لے رہی تھی جو اس نے حدید کی آنکھوں میں دیکھی تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے لوگوں کا جم غفیر اکٹھا ہوگیا تھا روشنیوں کے شہر میں دہشت گردی کی شکار وہ بے بس لڑکی جسے وقت نے عمر سے پہلے ہی توڑ پھوڑ کر رکھ دیا تھا اپنی تیزی سے بند ہوتی نگاہوں میں ڈھیروں آنسو لیے اپنے جگر گوشوں کی منتظر تھی۔

وہ جانتی تھی اگلے روز کے اخبارات اور ٹیلی ویژن چینلز میں مرنے والوں کی موت کا ڈھنڈورا پیٹا جائے گا صدر وزیراعظم، وزرا سب واقعہ کی مذمت کریں گے مگر کسی اخبار، کسی ٹی وی چینل پر اس کے بچوں کی بھوک اور بے بسی کا کوئی تذکرہ نہیں ہوگا۔ کوئی ان کے درد اور آنسوؤں کا ذکر نہیں کرے گا۔

اگلے دس منٹ میں اس کے بچے اس کے پاس آگئے تھے ننھی عائشہ اپنی ماں کے وجود سے نکلتا خون دیکھ کر رو رہی تھی۔ چیخیں مار رہی تھی۔ حمزہ بھی بھوک کی تکلیف بھلائے بلک بلک کر رو رہا تھا مگر...... ان دونوں سے قطع نظر، پانچ سالہ طلحہ ہجوم سے نگاہیں چرا کر کچھ ہی فاصلے پر سڑک پر بکھرے مختلف اشیا کے شاپرز میں سے چیزیں نکال کر کھا رہا تھا کہ اس وقت اس کی بھوک کی تکلیف اس کے لیے اس کی ماں کی ہونے والی متوقع موت کی تکلیف سے کہیں بڑھ کر تھی۔

اوروں کے لیے پیار کا جذبہ نہیں جن میں
وہ لوگ کبھی پیار کے قابل نہیں ہوتے
رکھتے ہیں جو اوروں کے لیے پیار کا جذبہ
وہ لوگ کبھی ٹوٹ کے بکھرا نہیں کرتے

وہ میری بڑی بہن تھیں، مجھ سے سات سال بڑی۔ پر لگتا تھا کہ سات سو سال بڑی ہوں۔ بہن کا درجہ ثانوی حیثیت رکھتا تھا۔ اصل ان کا مقام تو ایک ناصح، لیکچرار ایک شیف اور ایک بہت بڑی ہنر مند خاتون کا تھا اور ان کی اِن تمام خوبیوں سے جن پر دنیا رشک کیا کرتی تھی مجھے بے حد چڑ تھی۔ خیال یہی تھا بلکہ دلی دعا تھی کہ خدا کسی بدنصیب کو ان کی بہو کا درجہ نہ دے پر خدا نے بھی اس سلسلے میں فیاضی دکھائی کہ اوپر تلے چار بیٹیوں سے نواز دیا تھا۔

یعنی چار "مظلوم" بہویں ابھی سے میرے تخیلات میں گھومتیں جن کی نگرانی پر دو کڑی نگاہیں مامور ہوتیں جو کہ میری سلیقہ شعار ہر فن مولا آپی کی تھیں اور بارعب لہجہ جو مد مقابل کو چت کرنے کے لیے کافی ہوتا اس پر مستزاد کہ اس شان و شوکت کے باوجود دنیا والوں کے دل مٹھی میں لیے گھومتیں اور میری بدنصیبی یہ تھی کہ وہ ہمارے گھر یعنی اپنے میکے کے بے حد قریب رہائش پذیر تھیں یعنی ہر وقت ان کا محاصرہ گھر کے اور میرے گرد تعینات رہتا۔

ان کی اونچی لمبی اور تیکھی ناک ذرا سی بھی نیچی کیسے ہوتی جب سسرال والے بھی ان کو اپنا گرو مانتے کہ وہ وہاں بھی ہر دلعزیز تھیں۔ کوئی ایسے حالات میں ہمارے گھر دن بھر میں دو چکر لگانے سے روکتا بھی تو کیسے کہ سسرال کے بائیس افراد کا دل اپنے ہاتھوں میں لیے مست رہتیں۔ سب سے بڑی بہو کا درجہ بھی اعلیٰ و افضل ہونے کے ساتھ بے حد ذمہ داری والا بھی تھا لیکن وہ بھی بجنت آور تھیں نام کی ہی نہیں کام کی بھی۔ جس طرح رعب و داب سدا ان کے پلّو سے دامن گیر رہتا اسی طرح اس شان کو اونچا رکھنے کے گر دسے بھی وہ واقف تھیں۔ بحسن و خوبی ہر فرض کو بجا لانے میں یکتا۔

شروع میں تو وہ ہمارے گھر آتی ہی نہیں تھیں کہ امی گھر کے کسی فنکشن میں ان کی صبح سے آمد کو ترس جاتیں اور مہمان کی طرح وہ عین ٹائم پر آتیں۔ یہی وہ دور تھا کہ انہوں نے سسرال والوں کے دل کو موم کر دیا تھا اب جب کہ شادی کے چار سالوں بعد دو دیورانیاں گھر آئیں تو

انہوں نے خوش اسلوبی سے گھر کے بڑے بڑے کام اپنے سر لے کر چھوٹی بڑی ہر ذمہ داری دیورانیوں کے سپرد کردی تھیں تب سے بارہا وہ ہمارے گھر کو رونق بخشتیں اور آتے ہی ان کی نکتہ چینیوں کا جو سلسلہ چلتا تو ان کے جانے کے بعد بھی ان جملوں کی بازگشت کانوں میں گونجتی رہتی۔

میرا اکلوتا اور واحد ساتھی میرا پیارا سا موبائل جو اُن کی آمد پر میں کونے کھدرے میں چھپا دیا کرتی تھی۔ ان کے جاتے ہی برآمد ہوتا اور میں عامر، کاشف، نبیل، بلال سے ڈھیروں باتیں کیا کرتی۔ بہت مزا آتا ان سے ہر بات ڈسکس کرکے، بوجھل دل کچھ ہلکا ہوجاتا۔

''کہاں تھی اتنی دیر سے؟'' بڑے استحقاق سے نبیل پوچھتا۔

''بارہا کہا ہے تم سے، میری سردارنی جی آجاتی ہیں سر پر مسلط ہونے ان کے سامنے تو میں سانس لینے کے قابل بھی نہیں رہتی۔ ہر کام میں ٹانگ اڑانا وہ اپنا فرض سمجھتی ہیں ورنہ کیا میں تمہاری کمی نہیں محسوس کرتی، تم سے اپنی ہر بات شیئر کیے بغیر دن گزارنا بھی ادھورا لگتا ہے وہ میری بہن نہیں ظالم قسم کی کوئی ساس لگتی ہیں۔ ایسے کرو، ایسے نہ کرو، یوں چلو یوں نہ چلو...... ہر وقت اعصاب پر سوار کوئی تھانیدارنی لگتی ہیں۔''

''جان چھڑانے کا کوئی حیلہ نکالو بھئی کتنی باتیں کرنی ہیں تم سے اور تم ہو کہ چپ سادھ کے بیٹھی ہوتی ہو۔ انہیں سسرال میں چین نہیں ملتا اور چاروں اولادوں کو بھی لے کر آتی ہوں گی تمہارا سکون لوٹنے؟''

''وہ اپنے ساتھ کسی کا دُم چھلہ نہیں لگاتیں جب وہ ٹیوشن اور عربی پڑھنے چلے جاتے ہیں تب سکون سے اپنی حکمرانی یہاں چلانے آجاتی ہیں۔'' ان کی ہر وقت کی نکتہ چینیوں اور کچھ فطرتاً ہٹ دھرمی نے مجھے بھی بدتمیزی پر کمربستہ کردیا تھا اور سامنے والے کو اور چاہیے بھی کیا تھا وہ بھی حسب مقدور کوستے تو تھوڑا میرے دل کو بھی قرار آتا۔ اب گھر میں رہ کر میں کرتی بھی کیا اور فالتو مشاغل سلائی کڑھائی، کوکنگ ان سب سے تو ایسے بھی میری جان جاتی۔

اس دن بھی میں مارے باندھے الماری کی سیٹنگ میں مصروف تھی کہ وہ دندناتی ہوئی میرے کمرے میں آن پہنچیں آمد کی اطلاع تو خیر مجھے پہلے ہی مل چکی تھی۔

''کیا کررہی ہو؟'' وہ ناقدانہ پورے کمرے کا جائزہ لیتی گویا ہوئیں۔

''کپڑے سیٹ......'' مختصر جواب دے کر میں دوبارہ الماری کی طرف متوجہ ہوچکی تھی۔

''کیا حال بنا رکھا ہے تم نے کمرے کا، ضروری تو نہیں ہر چیز روز الٹائی جائے اور تم روز سیدھی کرو۔ سلیقے سے اسی وقت ہر شے اس کے مقام تک پہنچادی جائے تو روز کی اس مشقت سے بچ ہی جاؤ نا۔''

''کوئی کام تھا آپی......!'' ان کی کسی بات کا مجھ پر ویسے بھی اثر نہیں ہوتا سوائے چڑنے کے۔

''میرے خیال میں کسی کو سزا دینی ہو تو تمہارے کمرے میں منتقل کردیا جائے۔ وہ یہ حالت دیکھ کر ہی عذاب میں مبتلا رہے گا۔'' وہ ہنوز اپنے مقام پر تھیں۔

''خیر......'' گہری سانس لے کر انہوں نے موضوع بدلا۔

''شام کو کچھ لوگ آرہے ہیں تمہیں دیکھنے، حالت ایسی رکھنا کہ واقعی لگے تم اچھے گھرانے سے تعلق رکھتی ہو ورنہ اس حلیے میں لوگ ماسی کا درجہ دینے میں ذرا بھی تامل نہیں کریں گے۔''

''تو میرا کیا بگاڑ لیں گے ماسی سمجھیں گے تو......'' اب میری برداشت سے بھی کچھ باہر ہونے لگا تھا۔

''ہاں...... بگڑے گا تو کچھ نہیں بس یہی ہٹ دھرمی تمہیں چند سال اور ماں کے گھر گزارنے پر مجبور کردے گی اور ہاں...... اپنے کمرے تک بہانے سے بھی کسی کو آنے مت دینا ورنہ واش روم سمجھ کر ویسے ہی پلٹ جائیں گی۔'' وہ بھی اپنے نام کی ایک تھیں کھٹ کھٹ کرتی واپس چلی گئیں اور امی کے چرنوں میں بیٹھ کر کھسر پھسر کرنے لگیں۔

انہوں نے ہی سر چڑھا رکھا تھا کہ جو منہ میں آئے بولتی تھیں اور جسے چاہے بے عزتی کی موٹی رسیوں سے باندھ کر گھسیٹتیں کئی مرتبہ میں نے امی سے شکوہ بھی کیا تو وہ یہی کہتیں۔

''کیا کروں تم بھی تو اس کی ہر بات کے خلاف چلتی ہو۔ وہ ہماری بھلائی چاہتی ہے برائی نہیں بس مزاج کی تھوڑی تیز ہے اب اس بنا پر میں اس سے منہ ماری تو نہیں کرسکتی۔ ویسے بھی دوائی کڑوی ہی ہوتی ہے پر انسان کو صحت یاب کردیتی ہے۔''

''انہی اقوال زریں نے ان کا دماغ عرشِ معلٰی پر پہنچادیا ہے۔''

کبھی ایک کمینی خواہش دامن گیر ہوتی کہ کاش ان کی لڑائی ہوجائے سسرال والوں سے اور جس روز یہ تمنا زور پکڑتی اسی روز ان کی کسی دیور یا دیورانی کا فون آجاتا یا باضابطہ وہ خود حاضر ہوجاتے۔

''چلیں نا بھابی! گڈو آپ کے بغیر کھانا نہیں کھا رہا' کہتا ہے بڑی امی کے ہاتھ سے کھاؤں گا بہت ضدی ہوگیا ہے بدتمیز......'' یا یہ کہ ''فلانے کی شادی ہورہی ہے کپڑوں کی سلیکشن میں مشکل ہورہی ہے۔ آپ کی چوائس بہت اچھی ہے' میری سب دوستیں تعریف کرتی ہیں جب آپ کی منتخب کردہ چیزیں پہن کر جاتی ہوں تو......''

ایسے میں وہ بے تاج بادشاہ گردن فخر سے اکڑائے ان کے ساتھ نکل پڑتیں اور میری کمینی خواہش کھسیانی بلی کی طرح کھمبا نوچتی رہ جاتی اور آج جو لوگ مجھے دیکھنے آرہے تھے تو عامر کا کیا ہوتا جس نے باتوں باتوں میں ہی زندگی بھر ساتھ دینے کا وعدہ کیا تھا میں نے کھٹ سے رابطہ کیا اور اپنا مدعا بیان کیا۔

''یار کیسی خبر سنا رہی ہو' تم انہیں آنے سے روکو۔ قسم سے تم بن میں زندگی گزارنے کا سوچ بھی نہیں سکتا۔''

''میں کیسے روکوں...... آپی کا تو تمہیں پتا ہی ہے وہ تو جس مہم کے لیے کمربستہ ہوجائیں اسے سر کرکے ہی دم لیتی ہیں انہیں آنے سے کوئی نہیں روک سکتا۔''

"چلو...... میں کچھ کرتا ہوں۔"

"کیا کرو گے...... بس تم آج ہی ان کے جانے کے بعد اپنے گھر والوں کو بھیج دو تب ہی میں کچھ کر سکتی ہوں۔"

"اتنی جلدی تو ممکن نہیں، خوشی! تم خود سوچو جس کی دو جوان بہنیں ابھی کنواری ہوں وہ اپنے لیے کیسے قدم اٹھا سکتا ہے ایسے حالات میں کیا میری امی مان جائیں گی۔"

"پھر مجھ سے ہاتھ دھو بیٹھو۔" میں بھی چڑ گئی۔

"میں مجبور ہوں، دونوں بہنوں کے بعد......" اس سے آگے میں نے آف کا بٹن پریس کر دیا۔

"ہنہہ...... محبت اور مجبوری...... جب اوقات ہی نہیں محبت کو سہارنے کی تو قدم کیوں رکھا؟" جلتی بھنتی میں آنے والے وقت کی تیاری کرنے لگی۔

آنے والوں نے مجھے پسند بھی کر لیا اور شادی کی تاریخ بھی رکھی گئی۔ امی تو امی آپی بھی ایسے ہاتھ پاؤں پھلائے بیٹھی تھیں جیسے ان کی اپنی بیٹی کی شادی ہو، برق رفتاری سے آتیں، کبھی سامان کی لسٹ، کبھی مہمانوں کی اور کبھی شادی پر رکھی جانے والی ڈشز کو ڈسکس کرتیں۔ اویس کے گھر والوں نے ٹائم بھی تو بہت کم دیا تھا ایسے میں اس قسم کی جلد بازی فطری تھی۔

"سنو...... ذرا بتاؤ تمہیں کیا کیا پکانا آتا ہے، پتا نہیں لیٹی لیٹی تم کون کون سی ڈشز بنائے بیٹھی ہو۔" طنز کے تیر مارنا تو ان کی گھٹی میں تھا۔

"بہت کچھ آتا ہے مجھے اور ویسے بھی ہر گھر میں پکانے کے اپنے طریقے ہوتے ہیں۔ کچھ دن مشاہدہ کروں گی تو پتا چل جائے گا کہ ان کا طریقہ کیا ہے۔" میں نے نروٹھا پن اختیار کیا تاکہ آگے کچھ بولنے کی ہمت نہ کریں۔

"ہاں...... کچھ لوگ بریانی میں چینی ڈالتے ہیں اور کچھ پھٹکری۔" وہ بخت آور ہی کون جو چپ ہو جائے۔

"ارے بی بی کچھ سیکھ لو کام آئے گا بعد میں مجھے ہی یاد کرو گی ورنہ ایک شکایت پر کان دھرنے والی نہیں، میں صاف کہہ دوں گی جیسے نمٹنا ہے نمٹ لیں۔"

"زبیدہ آپا کا دستر خوان منگوایا ہے میں نے، دیکھ لیا کروں گی سب طریقے۔ آخر مارکیٹ میں اس طرح کی کتابیں کس مرض کی دوا ہیں؟" بڑے تحمل سے ان کی بات سن کر میں نے رسانیت سے کہا۔

"نقل کے لیے بھی عقل کی ضرورت ہوتی ہے، جتنی مقدار کتابوں میں لکھی ہوتی ہیں نا ان کے لیے تمہارا ہونے والا خاندان بہت بڑا ہے۔ پھیکے سیٹھے کھانے پکا کر رکھو گی نا تو خود ہی کھانے پڑ جائیں گے۔ اس وقت یہ الفاظ کی کاریگری چلانا پھر دیکھتی ہوں تم کہاں جاتی ہو۔"

بس شاید ان کے دل میں یہی تھا کہ کسی طرح میرا تماشا بنے اور یہ تماشائی......

دوسرے دن سے وہ میرے سر پہ سوار ہو کر آٹا گوندھواتیں، نت نئی ڈشز کے آگے کھڑا کرتیں اور سمجھانے کا طریقہ بھی اتنا تضحیک آمیز جیسے ماسٹر شیف کا پہلا انعام انہیں ہی ملا ہو۔ اس وقت میرے دل کی کیا حالت ہوتی یہ ایک عزت نفس کو عزیز رکھنے والا بخوبی جان سکتا ہے۔

ایک روز دندناتی ہوئی میرے کمرے میں پھر آن پہنچیں، میں جو کاشف سے موبائل پر دل کا حال بتانے میں مصروف تھی، ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔ موبائل سائلنٹ پر تھا پر میسج آتے اسکرین کا جگمگا جانا خطرے کی گھنٹی کو آواز دے گیا اور پھر غضب ہو گیا ان سے موبائل کا چھپانا جو انہیں دیکھتے ہی میں نے غیر ارادی طور پر سرزد کیا تھا۔

"کس سے اتنی لمبی لمبی بات چلتی رہتی ہے تمہاری اور کوئی کام نہیں ہے تمہیں۔ ارے بے عقل لڑکی تمہاری شادی ہونے والی ہے، سنبھالو خود کو یہ طریقہ کہاں تک چلے گا؟"

"ارے بھئی فاطمہ پوچھ رہی تھی کہ تیاری کہاں تک پہنچی، وہی ہم لوگ ڈسکس کر رہے تھے۔"

"میں ڈیڑھ گھنٹہ سے آئی ہوئی ہوں اب تک تمہاری بات مکمل نہیں ہوئی ہے ذرا سا جھانکا بھی نہیں تم نے کہ امی اکیلی کام میں لگی ہوئی ہیں۔ لاؤ دکھاؤ موبائل ذرا......" انہوں نے برستے ہوئے میرا ہاتھ پکڑنا چاہا۔

"کیا آپی! آپ ہر بات کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ جاتی

ہیں آخر آپ کو یقین کیوں نہیں آتا کہ میں فاطمہ سے ہی باتیں کر رہی تھی اور کام تو سارا دن کا ہوتا ہے۔ امی کے ساتھ ساتھ میں بھی لگی رہتی ہوں۔''

''تم مجھے موبائل دکھاؤ' کام کی باتیں بعد میں ہوتی رہیں گی۔ مجھے اب تمہارے سگھڑاپے سے کچھ نہیں لینا دینا' تمہارے سسرال والے خود ہی نمٹ لیں گے' بس تم مجھے موبائل دکھاؤ۔'' پھر سے اسکرین روشن ہوگئی تھی۔

''میں نہیں دکھاؤں گی آپ چاہے کچھ بھی کرلیں۔ آپ میری ماں نہیں جو ہر وقت سر پر سوار رہتی ہیں' میری اپنی بھی کوئی زندگی ہے جس میں آپ نے طوفان مچا رکھا ہے حد ہوتی ہے ہر بات کی۔ پریشان آ گئی ہوں آپ کی ہر وقت کی مداخلت سے' اللہ کے واسطے چھوڑ دیں پیچھا میرا اب تو...... خود ہی تو کہتی ہیں میں چند دنوں کی مہمان ہوں پھر بھی آپ کے دل میں ترس نہیں آتا کہ کچھ دن مجھے سکون سے گزارنے دیں۔'' وہ جو کبھی میرے اس لہجے کی عادی نہیں تھیں آج سکتے کے عالم میں آ گئی تھیں' پھٹی پھٹی آنکھوں سے مجھے دیکھ رہی تھیں۔

''امی اتنا نہیں بولتیں وہ میری نگرانی میں نہیں لگی رہتیں پھر آپ کیوں ہر وقت مسلط رہتی ہیں کہ میں کیا کھا رہی ہوں' کیسے کھا رہی ہوں' کیسے چل رہی ہوں' کہاں جا رہی ہوں؟ میں دو سال کی بچی ہوں جو اس طرح میرے ساتھ برتاؤ کرتی رہتی ہیں۔'' میرے اعصاب اب جواب دے گئے تھے' امی بھی پشت پر آ کر کھڑی ہوگئی تھیں۔

''صحیح کہہ رہی ہے تمہارا رویہ اس کے ساتھ بہت خراب ہے بخت آور! وہ بڑی بہن سمجھ کر تمہاری بات کو برداشت کرتی ہے تو تمہیں بھی اپنا رویہ اس کے ساتھ بہتر رکھنا چاہیے اور اسے چھوٹی بہن سمجھنا چاہیے۔'' امی نے بھی میرے آنسوؤں سے متاثر ہو کر میرا ساتھ دیا۔ ان کے لیے تو جیسے آج سورج مغرب سے نکل رہا تھا' چند ثانئے مسمرائز رہنے کے بعد وہ یک لخت پلٹیں۔

''چھوٹی ہی سمجھ کر اس کی راہ کے سب پتھر چنے ہیں' آپ تو گواہ ہوں گی صرف سات سال بڑی ہونے کے

غزل

عجب مشکل بڑی ہے شہرِ جاں پر
لگی ہے بس نگاہ آسماں پر
ہماری آزمائش لینے والو
کرو احسان قلبِ ناتواں پر
وہی آوارگی قسمت میں میری
وہی بجلی گری ہے آسمان پر
کہیں نہ ڈوب جائے دل کی دنیا
ابھی تک ضبط ہے اشکِ رواں پر
میری ماں کی دعا ہی کام دے گی
میں گھر سے چل پڑا ہوں امتحاں پر
نہیں ہرگز مجھے منظور رانا
کوئی الزام آئے مہرباں پر

قدیر رانا...... راولپنڈی

باوجود ماں کی طرح ہی اس کا خیال رکھا ہے میں نے زندگی کے ہر موڑ پر لیکن شاید یہ بھول گئی تھی کہ ماں کو بھی ایک حد میں رہ کر اولاد سے بات کرنی چاہیے خیر اب نہیں کروں گی' نہ کبھی ٹوکوں گی۔''

''آپ کے نہ بولنے سے کیا میرا گھر نہیں بسے گا' آپ کی روک ٹوک کے بغیر کیا میری زندگی کامیاب نہیں ہو سکے گی؟''

''اللہ نہ کرے کہ زندگی کے کسی موڑ پر تم ناکام رہو' چلو خوشی خوشی تیاری کرو۔'' بڑی رسانیت سے انہوں نے خود کو سنبھالا اور اس پل وہ رکی نہیں چلتی بنیں۔ امی کو شاید کچھ افسوس ہوا تھا لیکن میں نے انہیں تسلی دی پھر پوری شادی انہوں نے جیسے ہونٹوں پر مہر لگالی تھی' ہنستیں' بولتیں شاید وقت کے تقاضے کے تحت لیکن آنکھوں میں ایک اداسی آن ٹھہری تھی جسے میں نے سر جھٹک کر نظر انداز کیا تھا۔

❁......❁......❁

اویس بہت اچھے شوہر ثابت ہوئے بہت اچھے اور مہذب' ان کی جاب کی ٹائمنگ بہت ٹف تھی۔ صبح نکلتے تو

مغرب کے بعد واپسی ہوتی پھر حلقۂ احباب اتنا وسیع تھا کہ کمرے میں آتے آتے رات ہوجاتی' ساس بہت اصول پسند اور وقت کی پابند تھیں۔ سلیقہ شعاری تو اتنی تھی کہ اس عمر میں بھی ہر وقت چاق وچوبند اور اپنے آپ کو سنوار کے رکھتیں۔

صبح صبح اٹھا دیتیں نماز قرآن کی ہدایت کے ساتھ' دوپہر کا کھانا بارہ بجے تک تیار ہونے کے آرڈر نافذ تھے اور ایک بجے تک بہوؤں کو بھی نہا دھو کر تیار ہونے کے حکم نامے جاری ہوجاتے تاکہ ظہر کی نماز پڑھتے ہی کھانا کھالیا جائے۔ بہت چڑ محسوس ہوتی اس لگی بندھی اور ٹف روٹین سے۔ میں جو بارہ بجے سو کر اٹھنے کی عادی تھی ڈیڑھ بجے کھانا کیسے کھاسکتی تھی یہاں تو مارے باندھے سویرے اٹھتی تو بڑی مشکل سے خود کو نیند کے مست جھونکوں سے بچا پاتی اور سارا وجود گھسیٹ کر باقی ماندہ کام نمٹاتی اور ایسی حالت میں کسی سے ڈھنگ سے بات بھی نہیں کرپاتی۔

شروع میں تو ساس صاحبہ نے فطری شرم وحیا کی کیفیت جانی بعد میں اس عادت سے چڑ محسوس کرنے لگیں انہیں ہر وقت مسکرا کر سب کی تابعداری کرنے والی چاق وچوبند بہو چاہیے تھی۔ کبھی کبھی تو آپی کی کاپی محسوس ہوتیں اس ماحول میں اور آمرانہ رویئے نے میری اندر کی ضدی اور من چلی کیفیت کو اور ہوا دی۔ مجھے چڑ محسوس ہونے لگی اپنے مزاج کے برعکس ماحول سے' اویس سے شکایت کی تو وہ الٹا مجھے ہی سمجھانے لگے۔

''امی کی بات ماننے میں ہی عافیت ہے ان کی اس روش سے ہمیشہ ہمارے گھر میں سلجھاؤ رہا ہے اور کوئی بگاڑ پیدا نہیں ہوا۔ بھابی کو بھی ان کی پیروی کرتے ہوئے بارہ سال ہوگئے پر آج تک انہوں نے اُف نہیں کی نہ اپنی من مانی کی ہے' اللہ کا شکر ہے سکون ہی سکون ہے اس زندگی میں۔''

میرے اندر ان کے پُرسکون لہجے نے بے سکونی بھردی جسے دیکھو ساس کا مداح بنا بیٹھا تھا۔ سسر بھی مٹی کا مادھو بنے رہتے ان کے سامنے' اویس کے جاتے ہی میں نے میگزین فرش پر پٹخ دیا اور موبائل اٹھا کر حسب معمول دل کی بھڑاس نکالنے لگی۔

''یار ایسا سسرال تو تمہاری بہن کو ملنا چاہیے تھا' تمہارے ساتھ ہر موڑ پر زیادتی ہوئی ہے۔ میں نے کہا بھی تھا تھوڑا انتظار کرلو امی کو سمجھاؤ پھر میں تمہیں بتاتا زندگی کیا ہوتی ہے' ستم یہ کہ تم لوگ ہنی مون تک نہیں منانے گئے' میرے بڑے بھائی بھابی فرانس گئے تھے۔''

''ہنہہ فرانس...... یہاں تو پورا کراچی دیکھنا نصیب نہیں ہوا اور پھر میری ساس کے نزدیک ہنی مون پر جانا سراسر بے حیائی ہے۔ ایک سال تک گھر والوں کے ساتھ گزارنا چاہیے اس کے بعد بہو کو زبان کھولنے کی اجازت ملتی ہے' کجا میاں کو لے کر گھومنا اور تم تو بولو ہی مت کہ میرا انتظار کرتی جنہیں محبت ہوتی ہے نا وہ آگے اور پیچھے کی بہنوں کو نہیں دیکھا کرتے' محبت کی پاسداری کرتے ہیں۔'' جل کر میں نے موبائل ہی آف کردیا' غصے سے اندر آگ لگ گئی تھی۔

یہ میری بچپن کی عادت تھی کہ جنس مخالف سے بات کرکے یا دوستی کرکے مجھے اطمینان قلب نصیب ہوتا تھا اور ہم جنس لڑکیاں جو اپنی سگھڑاپے کے گن گاتیں یا ہنر کی کارکردگی دکھاتیں تو بہت بُرا لگتا۔ اپنی دشمن محسوس ہوتیں اور اپنی عمر سے چھوٹے بڑے لڑکے میرے غم میں برابر کے شریک رہتے' اپنے دل کے قریب محسوس ہوتے اب تو یہ عادت اس قدر جڑ پکڑ چکی تھی کہ جوں ہی کڑھن میں گرفتار ہوتی تو کسی کو بھی میسج کرکے اپنے دل کا بوجھ بہت حد تک کم کرلیتی۔ لڑکیوں کی ہر وقت کی بامقصد گفتگو میرے بوجھ میں کئی گناہ اضافہ کردیتی تھی۔ اب تو اویس بھی نوٹ کرنے لگے تھے کہ آدھی آدھی رات تک میں کس کو میسجنگ کرتی ہوں۔ صاف کہہ دیتی کہ آپی ہیں' فاطمہ یا زارا ہے۔ اب پرانی دوستی کو اتنی آسانی سے چھوڑ دینا تو ناممکن ہے نا دل بڑی خباثت سے مسکرایا تھا یہ کہتے ہوئے۔

ساس کو میری من موجی کیفیت سے چڑ محسوس ہورہی

تھی؛ میں جو ایک کام کر کے کمرے میں بند ہو جایا کرتی تھی تو ان کی تفتیشی نگاہیں اپنے عقب میں محسوس کیا کرتی اور ان کے پیچھے کٹھ پتلی کی طرح گھومنے والی زویا بھابی سے کھسر پھسر کرتیں۔

''ہنہہ......آہستہ آہستہ وہ بھی عادی ہو جائیں گی ورنہ تو مجھے بھی چلتی پھرتی لاش بنانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑتیں۔'' آہستہ آہستہ ذمہ داریوں سے بھی ہاتھ کھینچ لیا تھا۔

لیکن ایک دن غضب ہو گیا میں دھڑا دھڑ میسج کر رہی تھی؛ دل کا غبار نکال رہی تھی کہ ساس صاحبہ نے دھڑ سے دروازہ کھولا اس سے پہلے کہ میں ان کی اس بے اصول عادت پر ششدر رہتی؛ انہوں موبائل میرے ہاتھ سے چھین لیا۔ میرے لیے ایک اور غیر شائستہ حرکت تھی۔

''بہت برداشت کر لی تمہاری بدتمیزی اور پھوہڑ پن؛ پہلے سمجھتی تھی کہ تم کاہل اور سست الوجود ہو آرام طلبی تمہاری عادت ہے لیکن ان سب وجوہات کے پیچھے کیا عمل کار فرما تھا یہ نہ جان سکی۔''

میرا دل تھا کہ کسی گھڑی کا ہچکولے لیتا پنڈولم اس وقت دہل رہا تھا انہوں نے سیو نمبر کی لسٹ نکالی تو ڈھیر سارے نام ان کے سامنے تھے وہ تو خیر تھا کہ میں سارے میسج پڑھتے ہی ڈیلیٹ کر دیا کرتی تھی اور سینٹ میسج کا تو بٹن ہی آف تھا ورنہ آج جانے کیا ہونا تھا میرے ساتھ؛ ایک حالیہ میسج ان باکس میں جگمگا رہا تھا۔

''پلیز جواب تو دیں۔'' وہ آصف تھا جس نے مجھ سے کبھی ٹیوشن پڑھی تھی؛ میں جلدی سے کھڑی ہو گئی۔

''میں کافی دنوں سے تمہاری حرکتیں نوٹ کر رہی تھی؛ پر یہی سمجھا کہ ابھی آغاز ہے اپنی سہیلیوں سے دل بہلاتی ہو گی لیکن بی بی...... کسی پر اندھا اعتماد نہیں کرنا چاہیے۔ زویا! اویس کو کال کرو۔'' انہوں نے حکم صادر کیا۔

''اب پتا چلا اتنی دیر کمرا بند کر کے تم کیا کیا کرتی رہتی تھیں اور ہاں بخت آور کو بھی بلاؤ اب اس عمر میں اس کی ماں بے چاری کو کیا ذلیل کروں پتا نہیں یہ صدمہ وہ برداشت کر بھی

سنہری باتیں

❖ جب مجھے پتا چلا کہ وہ مجھے ستر ماؤں جتنا پیار کرتا ہے تو مجھے اس کی محبت اچھی لگنے لگی پھر مجھے پتا چلا کہ اس کا بھی محبوب ہے پھر مجھے اس کے محبوب سے بھی محبت ہو گئی اور وہ مجھے نوازتا ہی چلا گیا۔

❖ ایمان یہ نہیں کہ ربّ پاک دیتا ہے بلکہ ایمان یہ ہے کہ ربّ پاک یقیناً دے گا۔

❖ زخم ہمیشہ اسی سے ٹھیک ہوتے ہیں جو انہیں عنایت کرتا ہے لیکن کبھی کبھی ان کے بس کی بھی بات نہیں ہوتی۔

❖ منفرد لوگوں کو ہمیشہ مار کھانی پڑتی ہے؛ طعنوں کی یا تنہائی کی۔

❖ دعا کرو کہ ربّ سوہنا جو تُو نے دینا ہے وہ بغیر مانگے دے اور جو کچھ تُو نے نہیں دینا اس کے مانگنے کی توفیق ہی نہ دے۔

ہالہ و عائشہ سلیم ...... اورنگی کراچی

پائیں گی کہ نہیں۔''

یہ سب سن کر میری حالت ایسی ہو گئی کہ کاٹو تو بدن میں لہو نہیں۔ ضد اور من مانی کہاں تک لے آئی تھی مجھے؛ میری ازدواجی زندگی خطرے میں تھی کیسے آپی سے نظریں ملا پاؤں گی۔ میرا موبائل جو میں نے آپی کے چھیننے کے باوجود نہیں دیا تھا اور ذلیل کر کے رکھ دیا تھا آج میری ساس آپی کے ہاتھ میں دیتیں۔ آہستہ آہستہ گھر کے دیگر افراد بھی جمع ہونے لگے تھے۔

''تم تو میری توقع سے زیادہ شاطر نکلیں؛ جب اتنے یار دوست تمہارا جی بہلا ہی رہے تھے تو شادی کر کے میرے بیٹے کی زندگی برباد کرنے کی کیا ضرورت تھی۔''

آج میں کچھ کہنے کی پوزیشن میں نہیں رہی تھی؛ حالات ہی ایسے تھے کہ نگلتے بن رہا تھا نہ اُگلتے۔ زویا بھابی نے عجیب نظروں سے مجھے دیکھتے ہوئے آپی کا نمبر سرچ کیا۔

''امی پلیز...... میری بات سنیں۔'' اپنی ضد اور ہٹ دھرمی پر پہلی بار غصہ آیا تھا جس نے مجھے حالات کے اس کٹہرے میں کھڑا کر دیا تھا۔ میں زار و قطار روتی ان کے پیچھے لپکی۔

''بس اب بخت آور اور اویس کے آنے پر بات ہوگی' فضول کی بکواس مجھے ویسے بھی پسند نہیں۔''

دو گھنٹے کس طرح میں نے سولی پر گزارے یہ میرا خدا ہی جان سکتا تھا۔ کاش میں نے پہلے ہی آپی کی بات پر کان دھرے ہوتے۔ پہلی بار میں نے ان کی باتوں کو کسی قابل سمجھا تھا' پر وقت گزرنے کے بعد۔ اب سب بے سود تھا ہر طرف ندامت تھی اور میری زندگی کا ہونے والا تلخ ترین فیصلہ۔

دس منٹ کے فرق سے اویس اور آپی اندر داخل ہوئے تھے۔ آپی کا گلابی چہرہ پیلا پڑا ہوا تھا' چمک دمک ماند پڑ گئی تھی جیسے ان کی بیٹی کسی عدالت میں کھڑی ہو۔ اب تو گن گن کر بدلے لیں گی اور دھڑکن جیسے اب بند ہونے کو تھی' میرا دل ان کے سینے سے لگنے کو مچلنے لگا اور دوسرے ہی لمحے میں ان کی نرم گرم گداز بانہوں میں تھی۔ ساس نے موبائل ان کی طرف بڑھایا جسے انہوں نے برق رفتاری سے تھاما تھا۔

''میں تمہیں بار بار میسج کر رہی تھی کہ میرا موبائل کسی کے ذریعے واپس کردو' اس میں میرے پرانے اسٹوڈنٹس کے نمبر ہیں جو مجھ سے تمہاری شادی کی ٹریٹ مانگ رہے ہیں پر تم اپنی بدحواسی میں میرے موبائل پر بھی قابض ہوگئیں۔ اب جنید کی طبیعت کی خرابی کی بنا پر میں خود بھی نہیں آسکی' اب اس موبائل کی وجہ سے آنٹی غلط فہمی کا شکار ہوگئیں نا۔'' انہوں نے مسکراتے ہوئے ساس کی طرف دیکھا' مجھے ایک اور جھٹکا لگا۔

''آنٹی...... دراصل ولیمے کے روز شہروز کو واش روم لے جاتے ہوئے اپنا موبائل اسے پکڑا دیا تھا اور خود بھول بھال کر مصروفیات میں گم ہوگئی اور جب محترمہ نے مجھے واپس کیا تو اپنا موبائل دے کر میرا لے گئی تھی۔''

میں سنبھل نہ پا رہی تھی آپی کی ان عنایات پر' ان کی یہ ڈرامہ بازی مجھے ذلت کے کٹہرے سے کوسوں دور لیے جا رہی تھی' ساس نے سانس بھر کر انہیں دیکھا تھا۔

''چلو یہ تو غلط فہمی تھی پر تمہاری بہن ہے کسی کام کی نہیں' پھوہڑ پن اور تنگ مزاجی اس میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔ اپنی کچھ سلیقہ شعاری اس میں بھی منتقل کر دیتیں۔''

معاملے کے اس طرح آسانی سے حل ہوجانے پر اب یہ ''عزت'' مجھے بُری نہیں لگ رہی تھی' میرا گھر اجڑنے سے جو بچ گیا تھا۔

''جی بالکل آنٹی! یہ کاہل ہے میں اس بات سے متفق ہوں لیکن ہر انگلی برابر نہیں ہوتی۔ بڑی لجاجت سے ان کا ہاتھ پکڑ کر انہوں نے بٹھایا۔ ''ابھی شروع کے دن ہیں اپنے گھر کا چلن بھولنے میں ذرا وقت لگے گا' آپ دل چھوٹا مت کریں آپ ساس نہیں ماں بن کر اس کی ہر خوبی اور خامی سمیت قبول کریں۔ اس کی ہر خطا کی معافی کی میں طلب گار ہوں اور امید ہے اب یہ بھی سنبھل جائے گی۔'' انہوں نے بڑی کڑی نگاہوں سے ذومعنی تنبیہہ کی تھی' یہ آخری تنبیہ تھی جسے میں نے پلو سے باندھ لیا تھا۔

ان کی جن باتوں کو میں نے حقیر جانا تھا آج ان کی انہی باتوں سے موم ہو کر میری ساس بار بار ان کا ہاتھ پکڑ رہی تھیں جیسے وہی ان کی بہو ہوں۔ ان کا انداز ہی اتنا معاملہ فہم اور قرینے سے بھرپور تھا کہ بڑے بڑے خطرات رخ بدل لیتے ہیں جیسے کہ آج بہت بڑے خطرے سے میں بچی تھی ان کی سلیقگی کے طفیل۔

یہ آخری موقع تھا مجھے اپنے اندر کی پھوہڑ پن کو مارنے کا اور یہ موقع میں گنوانا نہیں چاہتی تھی۔ میں ندامت سے ہونٹ کچلتی ان کی آنکھوں کی تاب نہ لا کر سر جھکا گئی تھی۔ وہ میرا موبائل لے کر یہ جا وہ جا ہوگئیں اور میں ان کے سسرال والوں کی طرح ایک اور مداح بن گئی تھی۔

ٹوٹا ہوا تارا
سمیرا شریف طور

میں تجھ کو چاہ کے کیسے کسی کی چاہ کروں
تجھے نباہ کے کیوں کر کوئی نباہ کروں
تو زندگی ہی نہیں میری بندگی بھی ہے
کسی کو سوچ کے کیسے کوئی گناہ کروں

〈گزشتہ قسط کا خلاصہ〉

شہوار کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر مصطفیٰ کڑے انداز میں دریہ سے استفسار کرتا ہے اور آئندہ اسے شہوار کی ذات کی تحقیر نہ کرنے کی وارننگ دیتا ہے جس پر دریہ مزید خائف ہوجاتی ہے۔ شہوار کو رخصتی کے لیے تابندہ بوا کے پاس گاؤں لے جایا جاتا ہے وہاں ہر طرف شور وغل اور تیاری دیکھ کر شہوار پھر خوف وخدشات کا شکار ہونے لگتی ہے مصطفیٰ کے ساتھ اپنے ہتک آمیز سلوک پر وہ نہایت شرمندگی محسوس کرتے ہوئے آنے والے وقت پر مضطرب رہتی ہے جبکہ دوسری طرف مصطفیٰ اور ولید شاپنگ کی غرض سے جاتے ہیں تو وہیں ولید کی ملاقات کاشفہ سے ہوجاتی ہے جبکہ مصطفیٰ کاشفہ کو دیکھنے میں ناکام رہتا ہے۔ البتہ ولید کی زبانی اس کی دوستی کا سن کر اسے چھیڑنے سے باز نہیں آتا ولید کے ساتھ آنا اور احسن شہوار کی شادی میں شرکت کرتے ہیں۔ انا کے لیے یہ سب خوشگوار ماحول بہت ہی انوکھا ہوتا ہے۔ جبکہ روشی طبیعت کی خرابی بنا پر شادی میں شریک نہیں ہوپاتی۔ عباس گاؤں جانے سے پہلے عادلہ کے پاس آتا ہے اور اسے بے ہوش دیکھ کر کلینک لے آتا ہے عادلہ ہوش میں آتے ہی نہایت جارحانہ انداز میں اس کی طرف بڑھتی ہے لیکن عباس اس کے عزائم کو ناکام بنادیتا ہے۔ مصطفیٰ اور شہوار کی شادی کا ذکر کرتے وہ اسے رہائی کا اذن دیتا ہے۔ دوسری طرف اس کے والدین جلد ہی وہاں پہنچ کر عادلہ کی حالت پر ششدر رہ جاتے ہیں۔ عباس کے خوف سے وہ فی الحال انہیں حقیقت سے لاعلم رکھتی ہے اور اپنے اغوا ہوجانے کی کہانی سناتی ہے۔ جبکہ کاشفہ ان باتوں پر یقین نہیں کرتی۔ عبدالقیوم حلیہ بدل کر ایاز سے ملنے جاتے ہیں اور اسے مصطفیٰ کے عزائم سے آگاہ کرتے شادی کا ذکر بھی کرتے ہیں۔ شہوار کی شادی کا سن کر ایاز سخت اشتعال کا مظاہرہ کرتے عبدالقیوم کے جاتے ہی ملازم کے حلیے میں شہزاد سے مل کر مصطفیٰ کی گاؤں سے واپسی اور دیگر انفارمیشن فراہم کرنے کا کہتا ہے جبکہ شہزاد اس کا ساتھ دینے کو تیار ہوجاتا ہے۔ ہادیہ کے بے حد اصرار پر رابعہ بھی دیگر کولیگ کے ہمراہ مصطفیٰ کی شادی میں شرکت کے لیے گاؤں پہنچ جاتی ہے۔ عباس اسے دیکھ کر انوکھی خوشی محسوس کرتا ہے۔ ہادیہ کو رابعہ کا رشتہ ابوبکر سے طے ہونے کا پتا چلتا ہے جب ہی وہ ابوبکر کے نام پر چونکتی ہے۔ مہندی کے فنکشن میں جہاں سب گہما گہمی میں مصروف ہوتے ہیں وہیں مصطفیٰ تابندہ بوا سے ان کے ماضی کے متعلق دریافت کرتا ہے جس پر وہ سکندر علی کا شناختی کارڈ اس کے حوالے کردیتی ہیں باقی تمام باتیں مصطفیٰ کو پہلے سے معلوم ہوتی ہیں۔ دیگر تمام رسموں کے بعد شہوار کی رخصتی عمل میں آتی ہے۔ ان کی گاڑی جیسے ہی شہر کی حدود میں داخل ہوتی ہے تو کچھ لوگ باقاعدہ ان کا پیچھا کرتے ہیں جب ہی ولید گاڑی سے باہر نکلتا ہے اور اسی دوران موٹر سائیکل سوار مصطفیٰ کو تنہا دیکھ کر اس پر فائرنگ کردیتے ہیں۔

〈اب آگے پڑھیے〉

❁......✿......❁

''تمہارا کل کا کیا پروگرام ہے؟'' ہادیہ نے اس سے پوچھا تو وہ چونکی تھی اس نے پلٹ کر ہادیہ کو دیکھا۔
''جو تم کہو ویسے میں نے سوچا ہے کہ سیدھا گھر چلیں وہیں سے کل ولیمہ میں شامل ہوجائیں گے۔'' رابعہ نے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔

''میں بھی یہی سوچ رہی تھی۔'' ہادیہ نے بھی کہا۔
''ارے آپ دونوں واپس ہمارے ساتھ گھر نہیں چلیں گی؟'' عائشہ نے فوراً پوچھا۔
''پہلے تو یہی سوچ رہی تھی کہ آپ کے گھر چلیں گے مگر اب سوچا کہ ہمارا گھر تو آپ کے رستے میں ہی پڑے گا کیوں نہ وہیں اتر جاؤں، رابعہ کو بھی آپ ڈراپ کردیں گھر۔'' ہادیہ نے کہا تو رابعہ نے بھی سر ہلادیا۔
''گھر چلتیں تو مزہ آتا ویسے بھی واپس جاتے جاتے بھی بارہ تو بج ہی جانے ہیں۔'' صبا نے کہا۔
''کوئی بات نہیں، ہم کل پھر آجائیں گی۔'' رابعہ نے کہا تو عباس نے اسے دیکھا۔ رات کی تاریکی میں مسکرا کر بات کرتی یہ لڑکی اپنے پروقار انداز سے کافی اٹریکٹیو لگ رہی تھی۔
''اوکے ٹھیک ہے، جیسے آپ کی مرضی۔'' عائشہ نے بھی ہار مان لی تھی۔ عباس خاموش ہی رہا تھا۔
ہادیہ کا گھر تو رستے میں ہی پڑتا تھا جبکہ رابعہ کا روٹ سے ہٹ کر تھا۔ عباس خاموشی سے ڈرائیو کرتا رہا۔

❀......✿......❀

مصطفیٰ کے دائیں کندھے اور بائیں بازو پر گولی لگی تھی۔
ولید فوراً اس کے پاس پہنچا تو شیروانی خون سے رنگین ہوچکی تھی۔
سی این جی اسٹیشن کا گارڈ اور ورکر بھی اکٹھے ہوگئے تھے بائیک تو فائر کرتے ہی بھاگ گئی تھی سبھی فوراً مصطفیٰ کے گرد جمع ہوگئے ایک افراتفری کا عالم برپا تھا۔
''مصطفیٰ.....'' ولید مصطفیٰ کو سہارا دیتے بڑی بے قراری سے پکار رہا تھا۔
''مصطفیٰ آر یو آل رائٹ؟'' لہجے میں خوف و ہراس سبھی کچھ تھا۔
مصطفیٰ نے بمشکل آنکھیں کھولی تھیں مگر ایسے لگ رہا تھا کہ بایاں کندھا اور بازو جسم سے اتر گئے ہیں دوسری طرف ماں جی اور انا بھی گاڑی سے نکل کر اس کے پاس آئی تھیں ماں جی تو ایک دم مصطفیٰ کو دیکھ کر ساکت ہوگئی تھیں۔ انا نے فوراً ان کو سہارا دے کر گرنے سے بچایا۔
''میرا بچہ۔'' وہ خوف سے بے ہوش ہوگئیں۔
''مصطفیٰ حوصلہ کرو، ہم ابھی اسپتال لے جاتے ہیں۔'' مصطفیٰ کو آنکھیں بند کرتا دیکھ کر ولی چیخا تھا۔ انا ماں جی کو سہارا دیتے واپس اگلی سیٹ پر بٹھا چکی تھی وہ فوراً مصطفیٰ کی طرف جھکی تھی۔
مصطفیٰ کی نبض دیکھی تھم تھم کر چل رہی تھی۔ اسپتال میں وہ اکثر ایسے کیسز دیکھتی رہتی تھیں مگر آج کسی اپنے کو اس حالت میں دیکھ کر اس کے ہاتھ پاؤں پھول رہے تھے۔
''بہت بلیڈنگ ہورہی ہے فوری اسپتال لے جانا ہوگا۔'' خوف زدہ اور کپکپاتی آواز میں کہتے اس نے ولید کو دیکھا تو اس نے فوراً گارڈ کی مدد سے مصطفیٰ کو گاڑی کی پچھلی سیٹ پر بٹھادیا اور شہوار حیرانی سے سب دیکھ رہی تھی۔
''تم مصطفیٰ کے زخم دیکھو میں اتنی دیر میں کسی اور سے رابطہ کرتا ہوں۔'' وہ فوراً موبائل نکال کر سجاد سے رابطہ کرنے لگا۔
جبکہ انا مصطفیٰ کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔ کندھے اور بازو پر گولیاں لگی تھیں خون تیز رفتاری سے بہہ رہا تھا۔ شہوار اس سارے لمحے کو پھٹی پھٹی آنکھوں سے چادر چہرے سے ہٹائے سب دیکھ رہی تھی۔ گولیوں کی آواز سنی تھی پھر مصطفیٰ کی تکلیف زدہ چیخ۔ وہ تینوں بھی خوف سے چیخی تھیں مگر مصطفیٰ کو اس حالت میں دیکھ کر بے حس و حرکت تھی۔ اس نے ڈرتے ڈرتے مصطفیٰ کو چھونا چاہا مگر پھر ہاتھ پیچھے ہٹالیے۔
''مصطفیٰ.....'' مصطفیٰ کو اس کے ساتھ ہی سیٹ پر بٹھادیا گیا تھا وہ ابھی حواس میں تھا۔ آنکھیں بند تھیں مگر تکلیف سے لب بھینچ رکھے تھے۔ اس نے بڑی وحشت میں مصطفیٰ کا بازو تھاما تھا۔
''انا..... یہ کیسے ہوا؟'' وہ انا سے پوچھ رہی تھی۔
انا کی نگاہ اس کے سجے سنورے روپ پر پڑی تو وہ ایک دم پھوٹ پھوٹ کر رودی۔ آنسو تو شہوار کی آنکھوں سے بھی بہہ

رہے تھے مگر اس صورت حال کو دیکھ کر اس کا دماغ بالکل ماؤف ہو گیا تھا۔

"مصطفیٰ......" انا کو یوں روتے دیکھ کر اس نے بڑی وحشت سے مصطفیٰ کا دایاں بازو تھام کر جھنجوڑا تو مصطفیٰ نے بمشکل اپنی آنکھیں کھولی تھیں۔

کچھ دیر قبل وہ ماں جی اور انا کے درمیان بیٹھی مکمل طور پر چادر کے گھونگٹ میں منہ چھپائے ہوئے تھی مگر اس وقت اس کا چہرہ اس کے سامنے تھا روشن جگمگاتا چہرہ۔

"آپ ٹھیک ہیں نا؟" آنکھوں میں ہراس تھا آواز کپکپا رہی تھی۔ مصطفیٰ نے بمشکل آنکھیں کھولتے وحشت و خوف سے سجا دلہن کی تمام تر سجاوٹ سے مزین چہرہ دیکھا تھا۔

اس نے گردن ہلا کر مسکرانے کی کوشش کرنا چاہی تھی مگر آنکھوں کے سامنے مکمل طور پر اندھیرا چھا گیا تھا۔

"ولید بھائی جلدی کریں پلیز اسپتال لے چلیں۔" مصطفیٰ کی گردن ایک طرف ڈھلکی تو وہ وحشت سے چیخی۔ ولید گھبرا کر قریب آیا تو انا نے بھی فوراً مصطفیٰ کی کلائی تھامی تھی نبض کی رفتار پہلے سے بھی دھیمی تھی۔

"میں نے سجاد کو کال کی ہے وہ ابھی پہنچ رہا ہے پھر آپ اور آنٹی ان کے ساتھ گھر چلی جایئے گا میں مصطفیٰ کو اسپتال لے جاؤں گا۔" ولید کہہ رہا تھا وہ ایک دم پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

دل میں لاکھ خفگی و شکوے سہی مگر اس نے مصطفیٰ کو کبھی بھی نقصان اٹھائے دیکھنا نہیں چاہا تھا۔ اس حال میں تو کبھی بھی نہیں۔

"ہم لوگ اسپتال چلتے ہیں اتنی دیر میں سجاد بھائی بھی وہیں پہنچ جائیں گے ولی مزید دیر کی تو بہت نقصان ہو جائے گا۔" مصطفیٰ کی نبض پر مسلسل ہاتھ رکھے انا نے کہا تو ولید نے فوراً سر ہلاتے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی تھی انا بھی مصطفیٰ کے بائیں طرف بیٹھ گئی تھی۔ دائیں طرف تو ویسے بھی شہوار تھی۔

"شہوار مسلسل خوف زدہ نظروں سے مصطفیٰ کو دیکھ رہی تھی...... ایسا کڑیل، مضبوط اعصاب کا مالک انسان اس وقت بالکل بے بس تھا...... گولیاں گاڑی کے شیشے پر بھی لگی تھیں مگر معجزاتی طور پر وہ تینوں بچ گئی تھیں۔

یہ سب کچھ اس قدر اچانک ہوا تھا کہ کوئی کچھ سمجھ ہی نہیں پایا تھا۔ شہوار نے مصطفیٰ کے خون ابلتے کندھے پر اپنے ہاتھ رکھ دیے تھے انداز ایسا تھا کہ جیسے خون روکنا چاہ رہی ہو اور پھر اچانک اس نے اپنی چادر اتار کر وہ اس کے زخموں پر رکھ دی تھی۔

ولید نے کئی بار مڑ کر شہوار کو دیکھا۔ انا خود اس قدر بلیڈنگ ہوتے دیکھ کر ہاتھ پاؤں چھوڑ چکی تھی کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے۔ مصطفیٰ کی نبض ہر لمحے بعد دھیمی ہوتی جا رہی تھی۔ ولید گاڑی ڈرائیو کرنے کے ساتھ ساتھ سجاد سے بھی بات کر رہا تھا اسے اسپتال پہنچنے کا کہہ رہا تھا۔ شہوار سر سے پاؤں تک ہل کر رہ گئی وہ مسلسل خوف سے لرزاں تھی۔

کل تک وہ اپنے آپ سے خوف زدہ تھی اور آج مصطفیٰ کو اس حالت میں دیکھ کر اسے لگ رہا تھا کہ اگر اس شخص کو کچھ ہوا تو جی وہ بھی نہیں پائے گی۔ ہر گزرتا لمحہ اس کے وجود سے جان نکالتا جا رہا تھا۔

کبھی وہ اس کے زخموں سے بہتے خون پر اپنی چادر رکھ دیتی تھی اور کبھی مصطفیٰ کے ہاتھ تھام لیتی تھی اور پھر کچھ سمجھ نہ آئی تو مصطفیٰ کے دونوں ہاتھ تھام کر اپنے چہرے سے لگا کر وہ شدت سے رو پڑی تھی اور انا نے ضبط سے دیکھتے ہونٹ کچل لیے تھے۔

مصطفیٰ کے ہاتھوں پر لگا خون اب شہوار کے چہرے پر لگ چکا تھا۔ ولید بہت ریش انداز میں ڈرائیو کر رہا تھا اور کچھ ہی دیر بعد وہ ایک قریبی اسپتال کے سامنے تھے دوسری طرف سجاد بھی پہنچ چکا تھا مصطفیٰ کو فوراً ایمرجنسی میں منتقل کر دیا گیا تھا۔

سجاد کے ساتھ لائبہ شائستہ بھابی ماریہ اور عصمہ تھیں جو بھی فوراً شہوار کے پاس پہنچی تھیں۔

ماں جی کی مسلسل بے ہوشی بھی تشویش ناک تھی انا تو ولید کے ساتھ ہی اسپتال کے اندر چلی گئی تھی جبکہ شہوار بڑے لیے دیے انداز میں گاڑی میں ہی بیٹھی رہی تھی۔ ماں جی کو وہ لوگ اندر لے گئے تھے اور ڈاکٹر فوراً طبی امداد دے رہے تھے مگر اس کی بے ہوشی ٹوٹنے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی کچھ دیر میں حماد، زاہد بھائی زبیر اور باقی لوگ بھی اطلاع ملتے ہی پہنچ گئے تھے

اسپتال میں اچھا خاصا رش ہوگیا تھا۔
ڈاکٹر مصطفیٰ کو فوری آپریشن تھیٹر میں لے گئے تھے پورا ایک گھنٹہ گزرنے کے بعد ماں جی کو تو ہوش آ گیا تھا مگر ان کی حالت ایسی نہ تھی کہ وہاں رکتیں۔ سجاد بھائی نے زبردستی انہیں لائبہ اور شہوار کو امجد کے ہمراہ گھر بھیج دیا تھا جبکہ باقی خواتین ابھی وہیں تھیں۔
جس جس کو اطلاع مل رہی تھی سبھی اسپتال ہی پہنچ رہے تھے۔ ڈاکٹر نے خون کا بندوبست کرنے کا کہا تھا اتنے لوگ تھے خون کا مسئلہ نہ ہوا تھا مگر ایک گھنٹے کے آپریشن کے باوجود مصطفیٰ کی حالت خطرے سے باہر نہ تھی۔ مصطفیٰ کو دو گولیاں بائیں بازو اور ایک کندھے پر لگی تھی۔ شاہزیب صاحب کا تو صدمے سے برا حال تھا۔
امجد خان بھی شادی میں شامل تھا۔ اس نے فوراً پولیس فورس بلوالی تھی۔ کچھ دیر میں ہادیہ اور رابعہ کو ڈراپ کرنے کے بعد اطلاع ملتے ہی عباس بھی وہیں آ گیا تھا سبھی سخت صدمے میں تھے۔ جوں جوں وقت گزر رہا تھا سب کی تشویش بڑھتی جا رہی تھی۔
ڈاکٹرز نے آپریشن تو کردیا تھا مگر مصطفیٰ ابھی بھی آئی سی یو میں تھا اور ہر گزرتا لمحہ ان سب کے جسموں سے جان نکالتا جا رہا تھا۔

❀......❀......❀

شادی والا گھر جہاں دلہن کے استقبال کی تیاریاں ہو رہی تھیں ملازم بڑے اشتیاق سے دلہن کی آمد کے منتظر تھے پورے گھر کو پھولوں اور روشنیوں سے سجا رکھا تھا مگر ماں جی کی حالت اور شہوار کو دیکھ کر بھی ساکت ہو گئے تھے۔
ماں جی تو گھر آتے ہی مصلے پر بیٹھ گئی تھیں جبکہ شہوار ابھی بھی خوف و ہراس کی کیفیت بتلا تھی۔
لائبہ خود مسلسل رو رہی تھی وہ لائبہ کے روکنے کے باوجود اپنے کمرے میں آ گئی تھی۔ نجانے اب کیا صورت حال ہونے والی تھی لوگ کیا کہتے؟ اس کا دل ہر لحہ بند ہونے کے قریب ہوتا جا رہا تھا۔
اسپتال سے مسلسل رابطہ تھا۔ وہ چینج کرنے واش روم میں گئی اور پھر چینج کرنے بعد تمام زیور اتارے اور اس کے آنسو بھی پوری رفتار سے بہہ رہے تھے۔ لباس بدل کر وضو کیا اور پھر جائے نماز بچھا کر اللہ کے حضور جھک گئی...... اس گھر کے اس پر بہت احسان تھے اور آج ان لوگوں کی خوشیوں کی تکمیل کا دن تھا تو یہ حادثہ پیش آ گیا...... وہ گڑگڑا کر اللہ کے حضور رحم و مصطفیٰ کی جان کی بھیک مانگ رہی تھی۔ ماں جی کو ایک دم شہوار کا خیال آیا تو انہوں نے لائبہ سے پوچھا۔
''وہ تو اپنے کمرے میں چلی گئی تھی۔'' لائبہ نے بتایا تو وہ جائے نماز سے اٹھ کر ہمت کرتیں لائبہ کے سہارے شہوار کے کمرے میں آئی مگر سامنے ہی اسے رو رو کر دعا مانگتے دیکھ کر ان کا سینہ درد سے پھٹنے لگا تھا۔ لائبہ نے ان کو شہوار کے بستر پر لٹا دیا تو شہوار دعا مانگ کر ان کے پاس آئی تو انہوں نے اسے شفقت سے اپنے سے لگا لیا۔
''تم میرے مصطفیٰ کی دلہن تھیں کیوں سب اتارا، اس نے تو تمہیں ایک نظر دیکھا بھی نہیں تھا ابھی تک۔'' ماں جی پھر رو دی تو وہ خود آنسو بہاتے ان کے ساتھ لگی رہی۔
کچھ دیر بعد باقی لوگ بھی گھر آتے جا رہے تھے صبا اور عائشہ بھی گھر آ گئی تھیں۔ سبھی پریشان و متفکر تھے۔ ہر ایک کے لبوں پر اسی حادثے کا ذکر تھا۔ ہر کوئی بری گھڑی ٹل جانے کی دعا کر رہا تھا۔ ماں جی کی حالت مزید بگڑنے لگی تو عائشہ نے ان کو آرام وہ حالت میں رکھنے کے لیے نیند کی گولیاں دے کر سلا دیا۔
جبکہ شہوار ایک بار پھر جائے نماز پر بیٹھ گئی تھی ماں جی اسی کے کمرے میں لیٹی ہوئی تھیں جبکہ صبا اور لائبہ باقی لوگوں کو ان دونوں کے پاس بیٹھا کر باہر نکل گئی تھیں۔

❀......❀......❀

کوئی دو گھنٹے بعد ڈاکٹر نے تسلی دی تو سب کی جان میں جان آئی تھی۔ مصطفیٰ کو ڈاکٹر نے خطرے سے باہر قرار دیتے روم میں شفٹ کردیا تھا۔

احسن بھی اسپتال آ گیا تھا ولید ڈاکٹر سے خوش خبری سن کر احسن اور انا کے پاس چلا آیا۔ باقی ساری خواتین گھر جا چکی تھیں یہاں صرف اہم اہم فرد تھے باقی مرد حضرات بھی جا چکے تھے مگر انا تب بھی ادھر ہی رہی تھی۔

''احسن تم انا کو لے کر چلے جاؤ میں مصطفیٰ کے پاس ہی رکوں گا۔'' قریب آ کر ولید نے کہا تو احسن اثبات میں سر ہلا دیا۔

''میں شہوار کے ہاں جاؤں گی نجانے اس کی کیا حالت ہوگی اس وقت شہوار کے پاس جانا زیادہ ضروری ہے میں اب تک کوئی تسلی بخش خبر لینے کے لیے رکی ہوئی تھی۔'' انا نے کہا تو ولید نے سر ہلا دیا۔

صبح کے چار بج رہے تھے ان لوگوں کی ساری رات اسپتال میں ٹہلتے اور دعائیں مانگتے گزری تھی۔

ولید نے انا کو دیکھا رونے سے اس کی آنکھیں سوج چکی تھی۔ سارا میک اپ بہہ چکا تھا۔ سر پر نماز کے اسٹائل میں دوپٹا لپیٹ رکھا تھا وہ سارا وقت کچھ نہ کچھ پڑھتی رہی تھی۔

''ٹھیک ہے جیسے تمہیں مناسب لگے۔'' ولید نے کہا۔

احسن اسے مصطفیٰ کے گھر چھوڑ کر واپس گھر کے لیے روانہ ہوگیا تھا۔ وہ سیدھی سبھی کو ملتی مصطفیٰ کی خیریت کی اطلاع دیتے ان سے پوچھ کر شہوار کے کمرے میں چلی آئی تھی۔ شہوار ابھی بھی جائے نماز پر تھی جبکہ ماں جی اس کے بستر پر سوئی ہوئی تھیں۔

وہ بھی بستر پر بیٹھ گئی تھی۔ کچھ دیر بعد فجر کی اذان ہونے لگی تو وہ بھی وضو کر کے شہوار کے ساتھ ہی نماز ادا کرنے کھڑی ہوگئی تھی۔

نماز ادا کر کے دعا مانگتے پھر شہوار کے آنسو بے اختیار تھے سسکیاں گونجنے لگی تو انا نے نم آنکھوں کے ساتھ اسے ساتھ لگا لیا۔

''انا...... ایسا کیوں ہوا۔ میں نے تو کبھی بھی کسی کا برا نہیں چاہا تھا میں نے تو کبھی بھی مصطفیٰ کو بددعا نہیں دی تھی۔ مصطفیٰ نے ہمیشہ ہر اچھے برے وقت میں میری ڈھال بننا چاہا تھا ہر بار میری حفاظت کی تھی اور جواباً میں نے اسے ہمیشہ رویوں کی مار ماری نظر انداز کرتی رہی مگر میں نے کبھی بھی یہ نہیں چاہا تھا۔'' وہ سب کہتے شدت سے رو دی تھی۔

''تمہارا بھلا اس میں کیا قصور؟ پتا نہیں کون تھا اور کس نے یہ حرکت کی۔ انکل تو ساری صورت حال سن کر پریشان ہوگئے تھے وہ جو لوگ بھی تھے انہوں نے باقاعدہ پلاننگ کے تحت یہ سب کیا تھا جیسے ہی ہم شہر کی حدود میں داخل ہوئے تھے وہ بائیک ہمارے پیچھے لگی تھی انہوں نے پچھلی سیٹ کے شیشوں پر بھی فائرنگ کی تھی وہ تو شکر ہے کہ کسی کو گولی نہیں لگی۔''

''میرا دل کہتا ہے یہ سب ایاز نے کیا ہے یا کروایا ہے اور بھلا کس سے دشمنی تھی۔'' شہوار نے روتے ہوئے کہا تو انا نے سر ہلایا۔

''ہاں یہ بھی ممکن ہے انکل' عباس بھائی اور ولید سب کا شک اسی پر ہے۔''

''تم نے دیکھا اب وہ کیسا تھا؟'' انا سے علیحدہ ہوتے چہرے دوپٹے سے صاف کرتے اس نے پوچھا۔

''ہاں روم میں شفٹ کر دیا گیا تھا مصطفیٰ بھائی کو ظاہر ہے تین گولیاں لگی ہیں زخم گہرے ہیں اب کچھ دن لگیں گے مندمل ہونے میں۔'' شہوار لب بھینچ گئی تھی۔

تبھی عائشہ اندر آ کر ان ہی کے پاس جائے نماز پر بیٹھ گئی تھی۔ اس گھر میں کوئی بھی نہیں سویا تھا سبھی جائے نماز پر بیٹھیں دعائیں مانگتی رہی تھیں اور مہمان بھی ان کے ساتھ غم میں برابر کے شریک تھے۔

''انسان کیا کیا پلانز بناتا ہے اور سب ایک دم ختم ہو جاتا ہے۔ کب کسی نے سوچا تھا کہ یہ سب ہوگا اور مصطفیٰ بھائی مجھے تو سوچ سوچ کر رونا آتا ہے اپنی شادی کی رات وہ اس حادثے سے دوچار ہوگئے۔'' عائشہ کہتے کہتے رونے لگی تو شہوار نے لب بھینچ لیے تھے۔

''لیکن شکر ہے اللہ نے ہمارے بھائی کو پھر سے زندگی دی ہے، ہم تو اس انسان کو بددعا بھی نہیں دے سکتے نجانے کس نے یہ دشمنی نبھائی ہے۔''

''ہاں جی تو مسلسل صدمے سے دوچار ہیں دن نکلتا ہے تو پھر ہم اسپتال چلیں گے۔'' عائشہ جو بات کہنے آئی تھی اس نے کہا تو شہوار نے نفی میں سر ہلا دیا۔

''کیوں؟'' عائشہ کو اس انکار کی امید نہ تھی۔

''اللہ نے میرے بھائی کو نئی زندگی دی ہے تم کیوں نہیں چلو گی؟''

''میں نہیں سامنا کرسکتی اس کا، بس نہیں جاسکتی۔ مجھے فورس مت کریں پلیز۔''

''مگر مصطفیٰ بھائی کو تو انتظار ہوگا نا۔'' عائشہ نے کہا تو وہ پھر نفی میں سر ہلانے لگی۔

''میں ان کو فیس نہیں کرسکتی آپ سب چلی جائیں پلیز۔'' اس کے انکار پر عائشہ خاموش ہوگئی تھی۔

''ٹھیک ہے جیسے تمہاری مرضی۔''

''پتا نہیں اب کب مصطفیٰ گھر آتا ہے عام حالات ہوتے تو آج تم دونوں کا ولیمہ ہونا تھا مگر اب لگتا ہے سب کچھ ملتوی کرنا ہوگا۔'' عائشہ نے کہا تو وہ خاموش ہی رہی۔

''حویلی اطلاع کی کسی نے؟'' اس نے بات بدلنے کو پوچھا۔

''نہیں، بابا جان نے سب کو سختی سے منع کردیا تھا کہ خوامخواہ وہاں بابا صاحب اور بوا جی پریشان ہوں گے۔ ویسے بھی وہاں جو مہمان رات کو رک گئے تھے انہوں نے آج ولیمے پر آنا تھا اب اللہ جانے کیا پروگرام بنتا ہے بابا نے تو وہاں اطلاع دینے سے سختی سے منع کردیا۔''

شہوار خاموش رہی تھی اس کا موبائل تو کل سے بند تھا رخصتی کے وقت بھی بند تھا۔ اسے یقین تھا کہ تابندہ بی نے اس کے نمبر پر بار بار کال کی ہوگی۔

اس وقت خود بھی دل چاہ رہا تھا ان سے بات کرنے کو مگر اب عائشہ کی بات سن کر بمشکل دل کو سنبھال لیا تھا۔

❀ .... ❀ .... ❀

فجر کی نماز پڑھ کر وہ قرآن پاک کی تلاوت کرنے لگیں تھیں۔

رات شہوار کو رخصت کرنے کے بعد وہ ایک دم پرسکون ہوگئی تھیں گویا کندھوں پر موجود منوں بوجھ اتر گیا تھا۔ یہاں ابھی کچھ مہمان رات رک گئے تھے اور پھر ان لوگوں کو آج یہیں سے ولیمے کے لیے جانا تھا۔

بابا صاحب بھی نماز پڑھ کر آگئے تھے۔ پچھلے کئی دن سے شادی کے سلسلے کا جو خاص اہتمام ہو رہا تھا آج وہ نہ تھا۔

تابندہ بی اپنی نگرانی میں سب کام کروا رہی تھیں مہمانوں کو ناشتہ کرانے کے بعد وہ ان کو مزید ہدایات دیتے اپنے کمرے میں آگئی تھیں۔

باہر مہمان شہر روانگی کی تیاریاں کررہے تھے اور وہ خاموشی سے اپنی الماری کی اشیا کھنگال رہی تھیں۔ انہوں نے ایک بہت پرانا ہینڈ بیگ نکالا اور پھر اس میں موجود کچھ کاغذات بھی۔ سب کو بغور دیکھتے انہوں نے ترتیب اور احتیاط سے واپس ہینڈ بیگ میں رکھ دیا اور پھر اس کے بعد انہوں نے ایک بڑے سائز کا بیگ نکالا اور احتیاط سے اپنے کپڑے اور دیگر اشیا رکھنے لگی تھیں۔ اس دوران ملازمہ مہمانوں کا پیغام لیے چلی آئی تھی۔

وہ بیگ بند کرتے باہر آگئی تھیں۔ یہاں رک جانے والے دس بارہ مہمان اب شہر جانے کو بالکل تیار تھے جن میں زہرہ پھپھو اور زینب بھی تھیں جو رات ادھر ہی رک گئی تھیں۔ وہ ان سب کے پاس آگئی تھیں۔

''تم بھی چلتی تابندہ، شہوار تم کو دیکھ کر خوش ہوتی۔'' زہرہ نے کہا تو وہ مسکرادیں۔

''شہوار کو میری طرف سے بہت پیار دیجیے گا بس اتنا لمبا سفر کرنے کو دل آمادہ نہیں کچھ دن بعد میں چکر لگالوں گی۔''

''بابا صاحب بھی نہیں جارہے وہ بھی سفر کا کہہ کر انکار کرچکے ہیں۔'' زینب نے بھی کہا تو تابندہ نے گہرا سانس لیا۔

''مصطفیٰ اور شہوار کو بہت بہت پیار دیجیے گا شہوار کو کہیے گا کہ ایک دو دن میں چکر لگالے۔'' انہوں نے کہا تو زہرہ اور زینب پھپھو نے سر ہلایا تھا۔

پھران لوگوں کے رخصت ہونے کے بعد وہ ملازمین کے پاس آ گئی تھیں۔ وہ ان کو کچھ ہدایات دیتے پھر کمرے میں آ گئی تھیں۔ انہوں نے سائیڈ دراز سے ایک لیٹر پیڈ اور قلم نکالا اور پھر بستر پر بیٹھ کر کچھ لکھنے لگیں۔ دوپہر تک وہ اپنے کمرے میں ہی رہی تھیں۔

اس کے بعد وہ کمرے سے باہر نکل آئی اور انہوں نے سب ملازمین کو ایک جگہ بلا کر ان سب کو چند خاص ہدایات دی تھیں سب نے نہایت حیرانی سے ان کی ہدایات سنی تھیں۔ ظہر کی اذان ہوئی تو بابا صاحب نماز پڑھنے نکل گئے تھے۔ وہ واپس اپنے کمرے میں آ گئی اور اپنا بڑا سا بیگ لے کر اچھی طرح چادر اوڑھ کر وہ باہر نکلی تھیں ڈرائیور کو گاڑی نکالنے اور سامان رکھنے کا کہا تھا۔

''آپ کہیں جارہی ہیں۔'' تاج تابندہ کی تیاری دیکھ کر الجھ گئی تھی تابندہ نے سر ہلا دیا تھا۔ اتنا بڑا بیگ اور تابندہ کی تیاری یہی ظاہر کررہی تھی۔ یقیناً وہ کہیں بہت دنوں کے لیے جارہی تھیں۔

''بابا صاحب نماز پڑھ کر آئیں تو ان کو کھانا دینا ہے اور جب وہ کھانا کھالیں تو ان کو یہ لفافہ دے دینا میرا پوچھیں تو کہہ دینا تمہیں علم نہیں۔'' ڈرائیور گاڑی نکال کر اندر سامان لینے آیا تو تابندہ نے تاج کو ہدایت کی اور تاج نے ناسمجھی کے عالم میں لفافہ تھام لیا تھا۔ تابندہ ڈرائیور کے ہمراہ گاڑی میں آ بیٹھی تھیں۔

''کہاں چلنا ہے بی بی جی؟'' گاڑی ڈرائیو کرتے ڈرائیور نے پچھلی سیٹ پر بیٹھی تابندہ سے پوچھا تو تابندہ نے اپنی نم آنکھوں کو چادر کے پلو سے رگڑا۔

''بسوں کے اڈے کی طرف چلو۔'' ڈرائیور نے حیرانی سے اس حکم نامے کو سنا تھا۔

''مگر آپ وہاں جاکر......!''

''جو کہا ہے وہ کرو۔'' ڈرائیور نے کچھ کہنا چاہا تھا تابندہ نے بختی سے ٹوکا تو وہ فوراً سر ہلا کر رہ گیا۔

آدھے گھنٹے میں وہ ان کو بس اڈے کی طرف لے آیا تھا۔

''یہاں سے پتا کرو شہر کی طرف کون سی گاڑی جارہی ہے۔'' تابندہ نے کہا تو وہ چونکا۔

''آپ چھوٹی بی بی کے یہاں جارہی ہیں۔'' ڈرائیور نے پوچھا تو تابندہ نے سر ہلا دیا۔

''تو میں چھوڑ آتا ہوں بلکہ کچھ دیر پہلے تو سب لوگ گئے تھے آپ ان کے ساتھ ہی چلی جاتیں۔'' ڈرائیور نے کہا تو تابندہ نے ایک گہرا سانس لیا۔

''تب میرا پروگرام نہیں تھا اب اچانک پروگرام بنا ہے۔'' انہوں نے کہا اور پھر ڈرائیور کو دیکھا جس کے چہرے پر ابھی بھی الجھن قائم تھی۔

''ویسے بھی بابا صاحب کو بھی ڈرائیور کی ضرورت پڑتی ہے تم گاؤں ہی رکو میں خود چلی جاؤں گی۔'' ڈرائیور نے سر ہلایا۔

وہ شہر جانے والی گاڑی کا پتا کر آیا تھا۔ وہ ابھی آنے ہی والی تھی۔ ان کو دس پندرہ منٹ انتظار کرنا پڑا تھا اور پھر بس آ گئی تو ڈرائیور ان کو آرام دہ سیٹ پر خود بٹھا کر بس سے اترا تو بس فوراً چل پڑی تھی تابندہ بی نے کھڑکی سے باہر کھڑے ڈرائیور کو دیکھا تو ان کی آنکھیں ایک بار پھر نم ہونا شروع ہوگئی تھیں۔

❀......✿......❀

مصطفیٰ خطرے سے باہر تھا مگر وہ قطعی اس حالت میں نہیں تھا کہ رات ولیمے کا پروگرام منعقد کیا جاتا۔

صبح ماں جی، عائشہ صبا اور باقی لوگ جا کر اس سے مل آئے تھے۔ وہ ہوش میں تھا اور ان سب سے اس نے بات بھی کی تھی۔

ولید، شاہزیب صاحب اور عباس مسلسل اس کے پاس ہی تھے۔ ماں جی مصطفیٰ سے مل کر آنے کے بعد کچھ پرسکون تھیں۔ گھر آ کر انہوں نے صدقہ وخیرات کا خصوصی اہتمام کیا اور اب گھر میں موجود مہمانوں کی طرف بھی توجہ دے رہی تھیں۔ ان کے کھانے کا اہتمام کروارہی تھیں ورنہ رات سے تو انہیں خبر بھی نہ تھیں۔

سب لوگوں کی طرف توجہ دیتے انہیں شہوار کا خیال آیا تو وہ اس کے کمرے میں آ گئی دو پہر کا وقت تھا شہوار کمرے میں اندھیرا کیے بستر پر لیٹی ہوئی تھی۔ انہوں نے لائٹ روشن کی تو شہوار نے بھی فوراً بازو ہٹا کر دیکھا پھر ان کو دیکھ کر فوراً بیٹھ گئی اور سر پر دوپٹہ اوڑھ لیا۔ انہوں نے دیکھا اس کی آنکھیں سوجی ہوئی اور چہرہ ستا ہوا تھا۔

انا اس کے پاس ہی تھی ابھی کچھ دیر پہلے وہ احسن کو بلوا کر گھر گئی تھی شام کو پھر چکر لگانے کا کہہ کر۔

"طبیعت ٹھیک ہے؟" انہوں نے پوچھا تو وہ سر ہلا گئی۔ انہوں نے بغور دیکھا۔

کل وہ اس قدر حسین لگ رہی تھی ایک بار بھی اسے نظر بھر کر دیکھنے سے ڈرتی رہی تھیں۔

اور رات اس نے اپنا سارا ہار سنگھار ختم کر دیا تو ان کے دل کو بہت تکلیف ہوئی تھی اور اب اسے یوں گم صم دیکھ کر ان کا دل کٹ رہا تھا۔

"ایسے کمرہ بند ہو کر کیوں بیٹھی ہو اللہ میرے مصطفیٰ کو لمبی زندگی دے۔ بس معمولی سی تکلیف تھی وہ بھی ختم ہو جائے گی ان شاء اللہ۔ اس کی زندگی بچ گئی ہمارے لیے یہی کافی ہے۔" ماں جی نے محبت سے پیشانی چوم کر کہا تو اس کی آنکھیں پھر بھیگنے لگیں۔

"اپنے دل میں کوئی بدگمانی مت لانا جو بھی ہوا وہ قسمت میں لکھا ہوا تھا۔" ماں جی نے اس کے بال سمیٹتے ہوئے کہا تو وہ سر ہلا گئی۔

کچھ دیر پہلے اس نے غسل کیا تھا بال یونہی پشت پر بکھرے ہوئے تھے۔

"اگر مصطفیٰ کی حالت تھوڑی بہت بھی اچھی ہوتی تو آج ہی ولیمہ کر لیتے مگر ڈاکٹرز نے سختی سے اسپتال سے آنے سے منع کر دیا ہے اب اللہ مصطفیٰ کو ساتھ خیریت سے گھر لائے تو ولیمہ بھی ہو جائے گا ٹھیک ہے نا۔" انہوں نے کہا تو وہ محض سر ہلا کر رہ گئی۔

"ابھی گاؤں میں کسی کو بھی اطلاع نہیں دی۔ زہرہ کا فون آیا تھا بتا رہی تھی کہ وہ لوگ شہر آنے کے لیے نکل چکے ہیں میں نے بھی سب کو منع کر دیا ہے کہ ابھی کچھ نہ بتائیں یہاں آ جائیں پھر تسلی سے سب کچھ پتا چل ہی جائے گا۔"

"امی اور بابا صاحب بھی آ رہے ہیں کیا؟" ماں جی سے دونوں کا سن کر اس نے پوچھا۔

"اس کا تو مجھے بھی نہیں پتا ہو سکتا ہے دونوں ساتھ ہوں۔ تم اپنی امی کے سامنے رونا بالکل نہیں، ورنہ ان کو تکلیف ہوگی۔" ماں جی نے سمجھایا تو اس نے سر ہلا دیا۔

اس وقت اس کا شدت سے جی چاہ رہا تھا کہ تابندہ بی ایک دم اس کے سامنے آ جائیں اور وہ ان کی گود میں منہ چھپا کر شدت سے رو دے۔

"ابھی اٹھو سب کے ساتھ چل کر بیٹھو، کچھ ذہن بہلے گا۔" ماں جی نے اٹھتے ہوئے کہا تو وہ سر ہلا کر ان کے ساتھ ہی اٹھ آئی تھی۔

"ویسے بھی اب اس کمرے کے بجائے تمہیں مصطفیٰ کے کمرے میں ہونا چاہیے تھا۔" ماں جی نے کہا تو وہ نظر چرا گئی۔

دوپٹہ درست کرتے وہ ان کے ساتھ باہر نکل آئی تھی۔ مصطفیٰ کے کمرے کے پاس سے گزرتے مہر النساء ایک دم رکی تھیں۔ انہوں نے شہوار کو بھی دیکھا تھا وہ بھی کمرے کے دروازے کو دیکھ کر کنفیوز ہو گئی تھی۔ کمرے کے دروازے پر پھولوں کے ساتھ بڑا سا ویلکم لکھا تھا اور دیوار پر بھی پھولوں کی لڑیاں لٹک رہی تھیں۔

عباس آرڈر دے گیا تھا ہماری غیر موجودگی میں ہی آفس کے کچھ لوگ آ کر ڈیکوریٹ کر گئے تھے عباس فون پر ان کو ہدایات دیتا رہا تھا اس کو اسکائپ پر سارا کمرہ دکھا رہے تھے۔ ساتھ ساتھ مجھے بھی اور کل سے کمرہ لاک تھا کوئی گیا ہی نہیں۔" مہر النساء نے کہا تو وہ لب بھینچ گئی۔

"تم رکو میں چابی لاتی ہوں۔ کسی ملازمہ کے پاس ہوگی۔" وہ کہہ کر چلی گئی تو شہوار خاموشی سے خوب صورت انداز میں سجی دیواروں اور دروازے کو دیکھتی رہی تھی۔

مہرالنساء چابی لے آئی اور انہوں نے خود ہی دروازہ کھولا تھا۔ شہوار کے اندر عجیب سی کیفیات پیدا ہونے لگی تھیں۔ اگر سب کچھ نارمل ہوتا تو وہ کس انداز میں اس کمرے میں داخل ہوتی۔

"آؤ۔" ماں جی نے کہا تو وہ خاموشی سے ان کے ساتھ کمرے میں داخل ہوئی تھی۔ پھولوں کی پھوار ان دونوں پر برسی تھی۔

اس نے بے اختیار سر اٹھا کر دیکھا تو دیوار کے ساتھ لٹکتی پھولوں کی باسکٹ سے پھول ان پر گر رہے تھے۔ وہ خاموشی سے چلتی ماں جی کے ساتھ کمرے کے وسط میں آ رکی تھی۔

بیڈ خوب صورت ریڈ روز سے سجا ہوا تھا دیواروں پر بڑے خوب صورت انداز میں سجاوٹ کی گئی تھی پھولوں کی مہک سے کمرہ مہک رہا تھا۔ قالین پر پھول کی پتیوں نے اور ہی بہار بکھیر رکھی تھی۔ وہ گم صم انداز میں سب کچھ دیکھ رہی تھی۔ مہرالنساء بیگم کی آنکھوں میں بھی آنسو آنے لگے اگر سب کچھ نارمل ہوتا تو صورت حال کتنی مختلف ہوتی۔ شہوار نے بستر پر نگاہ ڈالی اور لب بھینچ لیے۔

"کیا تب وہ خوش ہوتی؟"

کوئی اس کے اندر سے بولا تو وہ دکھ سے مٹھیاں بھینچ گئی۔

"شاید تب اس کا ری ایکشن کچھ اور ہوتا، تب وہ کبھی بھی اس سجاوٹ کو نگاہ بھر کر نہ دیکھتی۔ تب تو وہ شاید مصطفیٰ سے لڑتی جھگڑتی یا پھر وہی پرانی باتیں دہراتی مگر اب سب کچھ مختلف تھا۔" اس کے دل پر شدید چوٹ لگی تھی۔

وہ بے دم انداز میں ایک طرف رکھے صوفے پر گر گئی تھی۔ وہ کل سے بہت حوصلے سے یہ سب جھیل رہی تھی۔ برداشت کر رہی تھی۔ حتیٰ کہ مصطفیٰ کے خون آلود وجود کو دیکھ کر بھی اس نے حواس نہیں کھوئے تھے مگر اب لگا کہ وہ ایک پل کو بھی یہاں نہ ٹھہر پائے گی ابھی گر جائے گی۔ اس کا رنگ ایک دم زرد پڑ گیا تھا۔ مہرالنساء فوراً اس کی طرف لپکی۔

"کیا ہوا شہوار؟" انہوں نے اس کا کندھا ہلایا، اس نے بمشکل آنکھیں کھولنا چاہی تھیں مگر اسے لگا کہ زمین و آسمان اس کی نگاہوں کے سامنے گھوم گئے ہیں اس نے بڑے بے دم انداز صوفے کی پشت پر اپنا سر ٹکا دیا تھا۔

❁.......❁.......❁

بابا صاحب حویلی پہنچے تو ملازمہ ان کے کمرے میں کھانا لے آئی تھی۔ دوپہر کا کھانا وہ اپنے کمرے میں ہی کھاتے تھے۔ ابھی وہ کھانا کھا کر فارغ ہی ہوئے تھے کہ ملازمہ برتن اٹھانے آئی تھی۔

"تابندہ بی آپ کے لیے دے کر گئی ہیں۔" ملازمہ نے برتن اٹھانے سے پہلے ایک سفید بند لفافہ ان کی طرف بڑھایا تو وہ چونکے۔

"تابندہ......"

"جی......" ملازمہ نے سر ہلایا۔

انہوں نے مزید کسی سوال و جواب کے بغیر لفافہ تھام لیا تھا۔

"ٹھہرو۔" ملازمہ برتن اٹھا کر جانے لگی تو انہوں نے روک لیا۔ تاج وہیں رک گئی۔ انہوں نے سائیڈ پر رکھی عینک اٹھا کر آنکھوں پر لگائی اور لفافہ چاک کیا تو سفید کاغذ ان کے سامنے تھا اور پھر انہوں نے پڑھنا شروع کیا۔

السلام علیکم!

میں جانتی ہوں یہ خط پڑھ کر آپ حیران ہو رہے ہیں اس حویلی میں برسوں پہلے میں جب داخل ہوئی تھی تو اس حویلی نے مجھے بیٹی جیسا مان دیا تھا اور آج میں اس حویلی کو چھوڑ کر جا رہی ہوں۔

کہاں؟

مجھے خود علم نہیں ہاں آپ سب کے اطمینان کے لیے اتنا کافی ہوگا کہ جہاں جا رہی ہوں وہ جگہ میرے لیے پہلے کبھی بھی انجان نہ تھی۔ میں اس حویلی میں شہوار کے لیے پناہ لینے پر مجبور ہوئی تھی مجھے بس شہوار کی شادی کا انتظار تھا اور اس کو رخصت

کرتے ہی مجھے لگا کہ اب یہاں رہنا بیکار ہے۔ آپ لوگوں کے احسانوں کا بدلہ نہیں چکا سکتی رہ گئی شہوار اسے کہہ دیجیے گا کہ میں اس سے ملنے آؤں گی اور جب آؤں گی تو اس کے تمام سوالوں کے جواب لے کر آؤں گی اسے اطمینان دلا دیجیے گا کہ میں جہاں جا رہی ہوں وہاں مجھے کوئی نقصان نہیں ہوگا اور میری تلاش کی کوشش بھی مت کیجیے گا میں جیسے خاموشی سے جا رہی ہوں کسی دن ایسے ہی خاموشی سے آپ سب سے ملنے آ بھی جاؤں گی۔ اللہ حافظ

فقط تابندہ

انہوں نے انتہائی حیرت سے خط پڑھا اور عجیب سی تحریر تھی انہوں نے بے قراری سے دوسری بار پڑھا تو متن وہی تھا۔ انہوں نے بے اختیار ملازمہ کو دیکھا تو وہ ان کے حکم کی منتظر تھی۔

''کب گئی تھی تابندہ؟''

''جب آپ نماز پڑھنے گئے تھے۔''

''اکیلی گئی تھیں؟'' انہوں نے بے قراری سے اگلا سوال پوچھا۔

''نہیں، ڈرائیور چھوڑنے گیا تھا۔''

''کچھ بتایا تھا کہاں جا رہی ہیں؟'' انہوں نے پھر پوچھا ملازمہ نے نفی میں سر ہلایا۔

''بس یہ لفافہ دیا اور اس سے پہلے سب ملازموں کو بلوا کر کچھ ہدایات کی تھیں کہ حویلی کا خاص خیال رکھنا ہے کوئی کوتاہی نہیں کرنا آپ کا بھی خاص خیال رکھنا ہے وقت پر کھانا وغیرہ دینا ہوگا ہر چیز کی نگرانی کرنا ہوگی۔'' انہوں نے بے اختیار لفافے کو پھر دیکھا۔

''ڈرائیور جب واپس آئے تو میرے پاس بھیجنا۔'' وہ اٹھ کر کمرے میں ٹہلنے لگے۔

تابندہ بی کا ایک عرصہ کا ساتھ تھا انہیں ایک بیٹی کا سامان دیا تھا ہمیشہ زہرہ زینب کی طرح سمجھا اور اب اچانک وہ بغیر کچھ بتائے کہیں چلی گئی تھیں۔ انہوں نے بے قراری سے ٹہلتے کچھ وقت گزارا اور جب ایک گھنٹے بعد ڈرائیور ان کے سامنے آیا اور اس سے ساری تفصیل سن کر وہ چونکے تھے۔ تابندہ نے خط میں کچھ اور لکھا تھا اور ڈرائیور انہیں شہر جانے والی بس پر بٹھا کر آیا تھا۔ وہ الجھ گئے تھے جب ہی شاہزیب صاحب کو کال کر رہے تھے۔

''السلام علیکم بابا صاحب۔'' دوسری طرف شاہزیب صاحب نے فوراً کال پک کی تھی۔

''وعلیکم اسلام مجھے تمہیں ایک اطلاع دینی ہے تابندہ حویلی چھوڑ کر چلی گئی ہے۔'' انہوں نے کہا تو دوسری طرف شاہزیب صاحب ایک دم چونکے تھے۔

''کیا مطلب؟''

''اس کا خط ملا ہے وہ حویلی سے چلی گئی ہے ڈرائیور اسے شہر جانے والی گاڑی میں بٹھا کر آیا تھا ڈرائیور کا کہنا ہے کہ وہ تم لوگوں کی طرف آ رہی ہے مگر اس کے خط کے مطابق وہ کہیں اور گئی ہے۔ کہاں، اس کا ذکر نہیں کیا۔'' انہوں نے تفصیل سے بتایا تو وہ حیرت زدہ رہ گئے۔

''اوہ......''

''یہ تو بہت پریشانی والی خبر دی آپ نے؟''

''مصطفیٰ کا ولیمہ ہو جائے تو مجھے تابندہ کے بارے میں پتا کر کے بتاؤ۔ وہ اکیلی عورت بھلا کہاں جا سکتی ہے۔'' بابا صاحب نے دکھی لہجے میں کہا تو شاہزیب صاحب نے دوسری طرف گہرا سانس لیا تھا۔

''جی بابا صاحب میں دیکھتا ہوں۔''

انہوں نے چند اور ہدایات دے کر کال بند کر دی مگر شاہزیب کو بتانے کے باوجود پریشانی کم نہ ہوئی تو وہ ایک بار پھر خط اٹھا کر پڑھنے لگے تھے۔

ہادیہ کو رابعہ کی کال آئی تھی۔

''تمہیں پتا چلا رات بارات جب واپس آ رہی تھی تو کسی نے دلہے کی گاڑی پر فائرنگ کردی تھی شاہزیب صاحب کے بیٹے کو کافی گولیاں لگی ہیں۔ رات سے اسپتال میں ایڈمٹ ہے۔'' ہادیہ بتا رہی تھی رابعہ ایک دم حیران رہ گئی تھی۔

''اوہ...... وری بیڈ۔''

''ہوں بہت برا ہوا یہ سب اور ولیمہ بھی کینسل کردیا ہے مجھے فاروقی صاحب نے کال کر کے کہا تھا کہ اب کچھ دن تک شاید یہ لوگ آفس نہ آ سکیں سو ہمیں کل ہی آفس واپس آنا ہوگا۔''

''اوہ...... ٹھیک ہے کل میں آ جاؤں گی تم مجھے پک کرلینا۔''

''ٹھیک ہے، ویسے مجھے بار بار ان لوگوں کا خیال آ رہا ہے دلہا دلہن دونوں کی جوڑی کیا شاندار لگ رہی تھی نجانے ان لوگوں کی فیملی کا کیا حال ہوا ہوگا کتنا خوش تھے سب لوگ اور شہوار دلہن بن کر کتنی پیاری لگ رہی تھی۔'' ہادیہ کے لہجے میں افسوس تھا رابعہ کو بھی شدید دکھ ہو رہا تھا۔

''چلو میں پھر رات میں کال کروں گی او کے۔'' ہادیہ نے کال بند کردی۔ وہ بھی بڑے افسردہ انداز میں پلٹی تھی۔ امی اور بھابی کو بتا رہی تھی۔ جب اپنے کمرے سے نکلتے ماموں بھی اس کی بات سن کر ٹھٹکے تھے۔

''کیا ہوا؟''

''شاہزیب صاحب کے جس بیٹے کی شادی میں ہم گئے تھے اس کو واپسی پر گولیاں لگ گئی ہیں وہ اسپتال میں ہے۔''

''اوہ......'' فیضان کو شدید صدمہ ہوا تھا۔

''دلہا دلہن کی جوڑی اتنی شاندار لگ رہی تھی کہ حد نہیں سب لوگ اتنے خوش تھے مجھے تو یقین ہی نہیں آ رہا۔'' رابعہ کہہ رہی تھی فیضان نے سر ہلایا تھا۔

''بس اللہ کی مرضی کے سامنے کب کسی کی چلی ہے۔'' ماموں کہہ کر باہر چلے گئے۔

ان دونوں کی سب سے اچھی سلام دعا ہوگئی تھی اسے رہ رہ کر شہوار کا خیال آ رہا تھا اس کے بعد بھی وہ کافی دیر تک امی اور بھابی کے ساتھ شادی کا احوال بیان کرتی رہی تھی۔

❋......❋......❋

''مجھے تو رہ رہ کر شہوار کا خیال آ رہا ہے اس نے ہمیشہ مصطفیٰ بھائی کے سامنے بے پروائی کا اظہار کیا مگر اس حادثے نے اسے بہت ٹینس کردیا ہے میں تو ابھی تک بے یقین ہوں ہمارے سامنے یہ سب ہوا۔'' گھر آ کر وہ بار بار روشی کو وہاں کے حالات بتا رہی تھی۔ ابھی ولید گھر آیا تھا اس نے مصطفیٰ کی اس وقت کی حالت سے آگاہ کیا۔

''اللہ کا شکر ہے مصطفیٰ اب بہتر ہے۔ ایک دو دن تک گھر شفٹ ہوجائے گا انکل اور عباس تو بہت ٹینس تھے سجاد بھی بے چارا الجھا ہوا تھا۔ ان لوگوں کے کزنز اس وقت مصطفیٰ کے پاس تھے باقی لوگ گھر چلے گئے تھے۔'' ولید نے سنجیدگی سے بتایا۔

''مصطفیٰ بھائی کی کسی کے ساتھ کیا دشمنی ہوسکتی ہے؟'' روشی نے پوچھا۔

''وہ جس فیلڈ میں ہے وہاں نہ چاہتے ہوئے بھی ہزار دشمنیاں بن جاتی ہیں تاہم ان لوگوں کا شک ایاز کی فیملی پر ہے۔'' ولید نے کہا تو انا نے بھی سر ہلایا۔

''شہوار بھی یہی کہہ رہی تھی بہرحال ہوا بہت برا ہے مگر شکر ہے ورنہ کوئی جان چلی جاتی تو کوئی کیا کرسکتا تھا۔''

''مگر جس طرح فائرنگ کی گئی ہے اس سے یہی لگتا ہے کہ ان لوگوں کا ٹارگٹ مصطفیٰ کے ساتھ ساتھ پچھلی سیٹ پر بیٹھنے والی سواریاں بھی تھیں وہ تو شکر ہے کہ پچھلی سیٹ پر موجود کسی کو بھی گولی نہ لگی۔'' ولید نے کہا تو روشانے نے سر ہلایا۔

''آپ ایسا کریں جا کر فریش ہوجائیں میں اتنی دیر میں کھانا نکالتی ہوں۔'' روشانے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ ولید اٹھ کر اپنے کمرے میں چلا گیا تھا۔ انا بھی روشی کے ساتھ کچن میں آ گئی دونوں نے مل کر کھانا لگایا تھا۔ ماموں گھر پر ہی تھے احسن بھی آج گھر پر ہی تھا اور ماما بوتیک اور بابا آفس جا چکے تھے۔

ماموں، احسن اور ولید بھی ٹیبل پر آگئے دوپہر کا وقت تھا سبھی مل کر کھانا کھا رہے تھے۔
کھانا کھاتے ہوئے بھی مصطفیٰ کی ذات موضوع بنی رہی تھی۔ کھانے کے بعد انا چائے بنالائی تھی۔
ولید کھانا کھا کر اپنے روم میں چلا آیا وہ کل سارا دن کا تھکا ہارا رات بھر کا جاگا ہوا تھا اور آدھا دن بھی اسپتال میں ہی تھا۔ اب مصطفیٰ کی حالت قدرے بہتر ہوئی تو اسے نزدیکی اور اچھے اسپتال میں منتقل کردیا گیا تھا جس کی وجہ سے وہ بھی گھر آ گیا تھا۔ انا ولید کو چائے دینے اس کے کمرے کی طرف آئی تھی۔ دروازے پر دستک دی تو ولید نے اسے دیکھا۔
"آؤ۔" وہ ٹرے لیے اندر آ گئی تھی چائے کا مگ ولید کے آگے کیا تو اس نے ٹرے میں سے مگ اٹھالیا۔
"تھینکس۔" اس وقت چائے کی شدید طلب محسوس کررہا تھا۔ بیٹھو۔" انا نے مسکرا کر بیٹھتے ہوئے کہا۔
"آپ تھکے ہوئے ہیں آرام کرلیں میں بس چائے دینے آئی تھی۔"
"نہیں کھانا کھا کر اب نہیں لیٹوں گا۔ چلو آؤ باہر بیٹھتے ہیں ویسے بھی مصطفیٰ کو لے کر میں بہت ٹینس ہوں نیند نہیں آئے گی۔"
چائے کا سپ لیتے اس نے کہا تو وہ سر ہلاتے اس کے ساتھ ہی ٹیرس کی سیڑھیوں پر آ بیٹھی ولید نے اسے بغور دیکھا دل میں عجیب سی کیفیت پیدا ہوئی تھی۔
"پتا ہے انا میں نے کبھی بھی موت کو اتنی اہمیت نہیں دی تھی مگر کل رات جس طرح مصطفیٰ جیسے مضبوط اعصاب کے مالک انسان کو یوں بے بس حالت میں دیکھا تو محسوس ہوا کہ زندگی بہت بڑی نعمت ہے اور ہم کتنے کم عقل ہیں محض اپنے مفروضوں کو بنیاد بنا کر زندگی کی اہم خوشیوں سے منہ موڑ لیتے ہیں۔" ولید کا انداز یاسیت بھرا تھا۔ انا نے اسے بغور دیکھا۔ اس کے چہرے پر ایک عجیب سی کیفیت تھی دکھ، تکلیف، بے بسی۔
"اور اس وقت مجھے مصطفیٰ سے زیادہ شہوار کی بے چارگی اور تکلیف دیکھ کر دکھ ہوا تھا۔" انا نے دیکھا ولید کے چہرے پر کرب و دکھ رقم تھا۔
"نجانے کیوں میرا دل دکھا تھا حادثہ تو کسی کے بھی ساتھ ہوسکتا ہے اور پھر ایک ایسی لڑکی جو ابھی رخصت ہوکر آ رہی ہے اور پھر ایسی صورت حال پیش آ جائے کیا کیفیت ہوگی اس کی۔" ولید ایک پل کو رکا۔
"اور سب سے بڑھ کر مصطفیٰ کی حالت دیکھ کر مجھے اس پل لگا تھا کہ جیسے میں مصطفیٰ کو کھونے والا ہوں پھر کبھی بھی اسے نہیں دیکھ پاؤں گا ہمارا کوئی ایک دن کا ساتھ تو نہیں تھا نا جب سے وہ امریکا تھا ہم اکٹھے تھے۔ شاید میرا کوئی حقیقی بھائی ہوتا تو وہ بھی مجھے اتنا عزیز نہ ہوتا جس قدر مصطفیٰ مجھے عزیز ہے کل رات میں نے اپنی زندگی کے سب سے بھیانک اور تکلیف دہ لمحے گزارے ہیں۔" وہ اپنی کیفیت بتا رہا تھا۔
ولید کے دل میں عجیب سی اذیت تھی دل چاہ رہا تھا کہ وہ انا کے سامنے سب کچھ کہہ دے ورنہ یہ تکلیف اس کے دل کو اسی طرح تڑپاتی رہے گی اور انا وہ خود بھی کل رات ولید کو مصطفیٰ کے لیے بھاگ دوڑ کرتے دیکھ چکی تھی جس طرح وہ پریشان، تکلیف زدہ حالت میں سب کررہا تھا مصطفیٰ سے اس کی گہری محبت ظاہر ہوتی تھی۔
"ان شاء اللہ مصطفیٰ بھائی بہت جلد صحت یاب ہوجائیں گے آپ ٹینس نہ ہوں۔" ولید کو حوصلہ دینے کو اس نے کہا۔
"ہاں ٹھیک تو اسے ہونا ہی ہے اتنے لوگ ہیں اس کے لیے دعائیں مانگنے والے محبت کرنے والے۔ ہوش میں آتے ہی وہ ہم سب کو تسلی دیتا رہا۔ جبکہ ہم جانتے ہیں کہ اس کا کتنا خون بہا تھا۔" ولید نے کہا تو وہ خاموش رہی۔
"وہ بہت باہمت انسان ہے بہت سی خوبیوں کا مالک ہے بے شک اس کے پیچھے بہت مضبوط بیک گراؤنڈ ہے مگر اس نے کبھی اپنے اس بیک گراؤنڈ پر فخر محسوس نہیں کیا۔"
"یہ تو ہے، ان کی ساری فیملی بہت نفیس ہے ورنہ کوئی ایسے ویسے لوگ ہوتے تو اپنے گھر میں پناہ لینے والی عورت کی بیٹی سے رشتہ ہی کیوں جوڑتے، شہوار بہت خوش قسمت ہے اسے مصطفیٰ بھائی جیسے انسان ملے ہیں۔" ولید کی بات کے جواب میں اس نے کہا۔

''میں سوچ رہا ہوں اگر مصطفیٰ کی جگہ گولی کسی اور کو لگ جاتی میں اگر کنٹین کی طرف نہ جاتا فرض کرو پچھلی سیٹ پر بیٹھے لوگوں میں سے کسی کو یا پھر مجھے لگ جاتی تو۔''

''اللہ نہ کرے۔'' انا نے ایک دم دہل کر کہا۔

ولید نے اسے دیکھا تو پہلی بار اس کے چہرے پر یاسیت کی جگہ مسکراہٹ پیدا ہوئی تھی۔

''فرض کرنے میں کیا حرج ہے۔ واقعی مصطفیٰ کی جگہ میں ہوتا تو۔''

''پلیز ایسا سوچیے بھی مت۔'' انا نے فوراً ٹوکا۔

''میں تو ابھی تک ان لمحوں کے خوف سے نہیں نکلی۔'' اس نے بختی سے کہا تو ولید مسکرا دیا۔

''ویسے بھی جس کے مقدر میں تکلیف لکھی ہوتی ہے وہ اسے مل کر ہی رہتی ہے۔ کوئی دوسرا لاکھ زور لگا لے اس مصیبت کو ٹال نہیں سکتا۔ ورنہ آپ سے بھی زیادہ مصطفیٰ بھائی سے محبت کرنے والی ان کی والدہ بھی ہمارے ساتھ موجود تھیں ان کا بس چلتا تو کبھی مصطفیٰ بھائی کے ساتھ ایسا نہ ہونے دیتیں۔ مگر تقدیر کے سامنے تو سبھی بے بس ہیں۔ بھلا کس کا زور چلتا ہے۔'' اس نے سنجیدگی سے کہا۔

''سبھی مصطفیٰ کی عیادت کو آتے رہے تھے مگر شہوار نہیں آئی میں نے فیل کیا مصطفیٰ اس کی آمد کا منتظر تھا۔'' ولید چائے کا خالی مگ سائیڈ پر رکھتے ہوئے بولا۔

''وہ کہہ رہی تھی کہ وہ اس حالت میں مصطفیٰ کا سامنا نہیں کر سکتی۔ وہ مصطفیٰ سے شرمندگی محسوس کر رہی تھی سو کسی نے زور بھی نہیں دیا۔ ویسے بھی ان کے گھر میں اس قدر مہمان تھے نجانے کون کیا کہتا اور کیسے بولتا وہ تو سارا وقت کمرے سے باہر بھی نہیں نکلی تھی۔'' انا نے ایک گہرا سانس لیتے یہ سب بتایا تو ولید نے پوچھا۔

''تم پھر ان کے ہاں جاؤ تو شہوار کو سمجھانا کہ مصطفیٰ سے جا کر مل آئے۔'' ولید نے کہا تو اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

''ہاں میں کال کرتی ہوں تو بات کروں گی۔'' وہ کہہ کر خالی مگ لے کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

''ابھی بیٹھو نا۔'' ولید ابھی وہاں اس کے ہمراہ کچھ دیر اور بیٹھنا چاہتا تھا۔ اس نے کہا تو وہ ٹھٹکی۔

''آپ تھک گئے ہوں گے۔ میرا خیال ہے کہ آپ کچھ دیر آرام کر لیں۔''

''نہیں ابھی موڈ نہیں ہو رہا۔ تم پلیز بیٹھو۔'' ولید نے اسے اسی طرح کھڑے دیکھ کر دوبارہ ہاتھ پکڑ کر اپنے سے اوپر والی سیڑھی پر بٹھا لیا جہاں وہ پہلے بیٹھی ہوئی تھی۔

''آج آپ بہت عجیب سے ہو رہے ہیں۔'' انا نے ولید کے ہاتھ سے ہاتھ نکال کر کہا تو وہ مسکرایا۔

''مثلاً کیسا ہو رہا ہوں؟''

''بہت حساس اور کچی۔'' انا نے کہا تو اس نے ایک گہرا سانس لیا۔

''ہاں اس سے پہلے کبھی بھی موت کو اتنے قریب سے جو نہیں دیکھا تھا۔ اب دیکھا ہے تو زندگی کی قدر معلوم ہوئی ہے۔'' انا کو بغور دیکھتے مسکرا کر کہا۔ انا نے چونک کر دیکھا تو وہ مسکرا کر چہرہ پھیر گیا۔

وہ اس کے الفاظ زندگی کی قدر معلوم ہونے والی بات پر الجھ گئی تھی۔

''اور ایسی کیفیات میں انسان کا دل چاہتا ہے کہ وہ کسی اپنے سے اپنے دل کی ہر بات شیئر کرے ویسے کیا تمہیں برا لگ رہا ہے میری باتیں سننا۔'' ولید نے کہتے پھر اسے مسکرا کر دیکھا تھا۔

انا تو اس کے الفاظ ''کسی اپنے سے'' ہی پر اٹک گئی تھی مزید کیا سنتی اس کے دیکھنے پر فوراً نفی میں سر ہلایا تھا۔ اس کا دل ایک دم بے پناہ خوشی سے بھرنے لگا تھا۔

ولید اور بھی کچھ کہہ رہا تھا وہ اپنی تمام سوچوں کو جھٹکتے مکمل توجہ کے ساتھ اس کے دل کی تمام باتوں کو سننے لگی تھی۔

❀......✿......❀

بس نے ان کو اڈے پر اتارا ان کے ساتھ ان کے دو بیگ تھے تابندہ نے بمشکل وہ بیگ گھسیٹے تھے۔ اڈے کے اندر سے

ہی ان کو ایک رکشہ مل گیا وہ اس رکشے والے کو اچھی طرح ایڈریس سمجھا کر بیٹھ گئی تھیں۔ مغرب کے وقت وہ اپنی منزل کے سامنے پہنچی تھیں۔ رکشے والے نے ان کو مطلوبہ مکان کے سامنے اتار دیا۔ وہی ارد گرد اونچے اونچے شاندار گھروں میں ایک پرانا گھر تھا جس میں وہ چند ماہ پہلے بھی آ چکی تھیں۔ رکشے والا ان کے بیگ اتار کر گھر کے دروازے کے سامنے رکھ کر اپنا کرایہ لے کر چلا گیا تھا۔

انہوں نے دروازے پر دستک دی تھی دروازہ بارہ تیرہ سال کے بچے نے کھولا تھا۔ وہ ان کو دیکھ کر حیران ہوا تھا۔

"آپ کون ہیں؟"

"میں تابندہ ہوں، اندر سے کسی بڑے کو باہر بھیجو۔" انہوں نے کہا تو وہ سر ہلا کر چلا گیا تھا اور پھر کچھ دیر بعد اس بچے کے ساتھ ایک خاتون بھی چلی آئی تھیں۔

"السلام علیکم۔" انہوں نے سلام کیا تو وہ خاتون چونکی تھی سر ہلا کر جواب دیا۔

"کیا میں اندر آ سکتی ہوں؟" عجیب وقت تھا ان کو اپنے گھر میں داخل ہونے کے لیے اجازت درکار تھی خاتون نے الجھ کر دیکھا۔

"مگر آپ کون؟" وہ پوچھ رہی تھی۔

"بیٹا میں کچھ عرصہ پہلے آئی تھی شاید آپ کو یاد ہو۔" انہوں نے آہستگی سے کہا۔

"اچھا آپ وہی ہیں نا جو چند ماہ پہلے اماں جی سے ملنے آئی تھیں۔" تابندہ نے سر ہلایا۔

"اچھا آپ آ جائیں اندر۔" عورت نے اندر آنے کے لیے جگہ دیتے ہوئے کہا۔

"یہ میرا سامان بھی ہے۔" انہوں نے اپنے دو بڑے بڑے بیگز کی طرف اشارا کیا۔

"میرا بیٹا رکھ لیتا ہے اندر۔" وہ اندر آ گئی تھیں۔

بالکل ویسا ہی گھر تھا جیسا وہ برسوں پہلے چھوڑ کر گئی تھیں۔ بس صحن میں موجود پودوں کی جگہ پکی اینٹوں کا فرش تھا اور اندر کی طرف بڑھتے انہوں نے بے اختیار سیڑھیوں کی طرف دیکھا۔

اوپر والی منزل پر بنے کمرے دیکھ کر ان کے اندر عجیب سی کیفیت پیدا ہونے لگی تھی۔

"دیکھیں اماں جی کون آیا ہے؟" وہ اس عورت کے ساتھ ایک کمرے میں آ گئی تھیں عورت نے کہا تھا۔ بستر پر بیٹھی خاتون نے پلٹ کر دیکھا۔ نظر کمزور تھی شام کا وقت تھا لائٹ آف تھی اندھیرے میں کچھ سجھائی نہ دیا۔

"کون آیا ہے۔" اس ضعیف خاتون نے پوچھا۔

"السلام علیکم، خالہ بی میں تابندہ ہوں۔" تابندہ نے خود ہی آگے بڑھ کر اپنا تعارف کرایا۔

"تابندہ......" وہ ضعیف خاتون ایک دم چونکی' دوسری خاتون نے جلدی سے سرہانے پڑی عینک اٹھا کر ان کی آنکھوں پر لگائی۔

"وعلیکم السلام۔" تابندہ کو عینک کی مدد سے دیکھتے ہی انہوں نے فوراً بانہیں وا کر دی تھیں۔

تابندہ کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو بہنے لگے تھے۔ ضعیف خاتون بھی رو رہی تھیں دوسری خاتون خاموشی سے یہ منظر دیکھ رہی تھیں۔

تابندہ ان کی چارپائی پر ہی بیٹھ گئی تھیں۔

"کیسی ہو؟"

"ٹھیک ہوں خالہ بی۔"

"اور تمہاری بیٹی کا کیا حال ہے؟"

"اس کی کل رخصتی تھی اور آج ولیمہ ہے خوش ہو گی اپنے گھر۔" دوسری خاتون کمرے سے نکل گئی تھیں۔

اب دونوں تنہا تھیں۔

''اور باقی لوگوں کا کیا حال ہے؟''
''سب ٹھیک ہیں۔''
''میں ہمیشہ کے لیے واپس آ گئی ہوں خالہ بی، وہ امانت جس کا ذمہ میں نے لیا تھا اور جس کے لیے ایک لمبا بن باس کاٹا آج وہ ذمہ داری اس کے مالک کو سونپ کر میں واپس اپنے اصل میں واپس آ گئی ہوں۔'' تابندہ نے کہا تو خالہ بی نے گہرا سانس لیا۔
''کتنا سمجھایا تھا میں نے تمہیں اور تم نے آخر اپنی ضد پوری کر کے ہی دم لیا۔ ساری زندگی رول دی تم نے، میں نے تمہیں اور تم نے میری کوئی بات نہ سنی۔''
''خالہ بی وقت گزر چکا ہے اللہ کا شکر ہے میں اپنے ضمیر کے سامنے سرخرو ہوں خود سے کیے تمام وعدے میں نے پورے کیے ہیں۔ گزرے وقت کو میں دہرانا نہیں چاہتی۔ آج واپس آ گئی ہوں یوں سمجھ لیں میرا ابھی کوئی ماضی تھا ہی نہیں۔''
خالہ بی نے جواباً کچھ کہنا چاہا مگر خاموش ہو گئیں۔ دوسری خاتون ٹرے میں کولڈ رنک کا گلاس نمکو اور بسکٹ لیے چلی آئی تھیں۔
''ساجدہ سے تو تم مل ہی چکی ہو پچھلی بار جب تم آئی تھیں نا یہ میری بہو ہے۔'' خالہ بی نے تعارف کرایا۔
''جی آپ نے تب تعارف کرایا تھا۔'' ساجدہ نے ٹرے ایک چھوٹی سی ٹیبل پر رکھ دی تھی۔ تابندہ نے خاموشی سے گلاس لے لیا تھا۔ اسی وقت لائٹ آ گئی تھی۔ کمرہ روشن ہو گیا تو تابندہ نے اطراف میں دیکھا۔
پچھلی بار والی ہی صورت حال تھی وہی خستہ حالی وہی کسمپرسی۔ کمرے میں ایک بان کی چارپائی تھی جس پر خالہ بیٹھی ہوئی تھیں۔ ایک الماری تھی لکڑی کی دائیں دیوار کے ساتھ پلاسٹک کی دو کرسیاں تھیں اور ایک عدد ٹیبل جس پر ساجدہ نے اب ٹرے رکھ دی تھی۔ کمرے کی حالت سے مکینوں کی مالی حالت کا بخوبی اندازہ ہو رہا تھا۔
''فرید کا کیا حال ہے؟'' تابندہ نے پوچھا۔
''ویسا ہی ہے، فالج نے سارے بائیں حصے کو ختم کر دیا ہے بستر پر ہی رہتا ہے زبان ہل نہیں سکتی ساجدہ ہی سب کچھ کرتی ہے۔'' بیٹے کی حالت بیان کرتے خالہ بی کے آنسو بہنے لگے تھے۔ تابندہ نے لب بھینچ لیے تھے۔
اس بیٹے کے آسرے پر انہوں نے ساری عمر بیوگی میں گزار دی تھی اور اب کچھ سالوں سے بیٹا بھی معذوروں کی طرح زندگی گزار رہا تھا۔
پچھلی بار جب تابندہ یہاں آئی تھیں تو ان کے حالات دیکھ کر تو انہوں نے اتنا بڑا فیصلہ لیا تھا واپس آنے کا اور خالہ بی کے اس کی ذات پر بہت سے احسانات تھے اور اب ان کا فرض تھا کہ وہ ان احسانوں کو چکا تیں۔
''اب میں آ گئی ہوں خالہ بی آپ پریشان نہ ہوں۔'' تابندہ نے ان کو تسلی دی تھی۔ مغرب کی اذان ہونے لگی تو وہ اٹھ کر نماز پڑھنے لگ گئی تھیں۔
نماز ادا کر کے وہ باہر نکل آئی صحن میں ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی تابندہ نے صحن میں کھڑے ہو کر سیڑھیوں کی طرف دیکھا تو ذہن و دل میں کئی واقعات گردش کرنے لگے۔ جنہیں بمشکل جھٹکتے وہ سیڑھیاں چڑھتے اوپر آ گئی۔
اوپر اندھیرا تھا یونہی بند تالے لگے دروازوں کو ہاتھ لگا لگا کر دیکھتی رہیں کچھ وقت گزار کر وہ واپس نیچے آ گئی۔ خالہ بی کی چارپائی اب صحن میں بچھا دی گئی تھی۔ وہ ان کے پاس رکنے کے بجائے سامنے والے کمرے میں چلی آئیں وہاں کچھ ماہ پہلے والا منظر جوں کا توں موجود تھا۔ فرید اسی طرح بے بسی کی حالت میں بستر پر لیٹا ہوا تھا۔
''کیسے ہو فرید؟'' انہوں نے قریب آ کر پوچھا تو وہ چونکا۔
سر ہلا کر جواب دیا، زبان فالج کے حملے سے قوت گویائی سے محروم ہو چکی تھی۔
''میں بھی ٹھیک ہوں اور میری بیٹی بھی، اب میں ہمیشہ کے لیے واپس آ گئی ہوں، بیٹی کی شادی کر دی ہے۔'' تابندہ کرسی گھسیٹ کر اس کی چارپائی کے پاس ہی بیٹھ گئی تھیں۔

"تم اب پریشان نہیں ہونا' تمہارے دونوں بیٹوں کی دیکھ بھال اب میری ذمہ داری ہے بلکہ اب تمہارے علاج کی ذمہ داری بھی مجھ پر ہے۔" تابندہ نے کہا تو وہ سر ہلا گیا۔

اپنی بے بسی پر آنکھوں سے آنسو بہنے لگے' تابندہ کا دل اس کی بے بسی پر پگھلنے لگا تھا۔ وہ کچھ دیر اس کے پاس بیٹھی باتیں کرتی رہی پھر ساجدہ کا بڑا بیٹا کھانا لگ جانے کا پیغام لے کر آیا تو وہ باہر آ گئی۔ مرغی کا سالن اور روٹیاں تھیں' ساجدہ شوہر کا کھانا لے کر کمرے میں چلی گئی تھی' بچوں' خالہ بی اور تابندہ نے اکٹھے ہی کھانا کھایا تھا۔

فرید کے دو لڑکے تھے بڑے بیٹے کی عمر 13 سال تھی اور چھوٹے کی دس سال۔ سلجھے ہوئے بچے تھے' کھانا کھاتے ہوئے تابندہ ان سے چھوٹے چھوٹے سوالات کرتی رہی تھیں' کام تعلیم' مصروفیات۔ کھانے کے بعد ساجدہ نے تابندہ کا بستر بھی خالہ بی کے ساتھ صحن میں لگا دیا تھا' عشاء کی نماز پڑھ کر وہ بستر پر لیٹ گئی تھیں۔ ان کا ذہن بار بار حویلی والوں کی طرف جا رہا تھا' وہاں پتا نہیں سب کیا سوچتے ہوں گے؟ ان کا خط پڑھ کر بابا صاحب یقیناً پریشان ہو چکے ہوں گے اور شاید انہوں نے شہر والوں کو بھی خبردار کر دیا ہو اور شہوار...... پتا نہیں اس کا کیا ری ایکشن ہوگا؟ وہ سوچ رہی تھیں جب خالہ بی نے ان سے پوچھا تو وہ ان کی طرف متوجہ ہو گئی تھیں۔

"تم نے سب کو حقیقت بتا ڈالی پھر......"

"نہیں۔" خالہ بی حیران ہوئی تھیں۔

"کیوں......؟"

"شاید اس لیے کہ ابھی مجھے یہ وقت حقیقت بتانے کے لیے مناسب نہیں لگا تھا۔"

"اور بابا صاحب......؟" اگلا سوال ہوا۔

"کسی کو کچھ بھی نہیں بتایا' میں نے سب کی غیر موجودگی میں بغیر بتائے حویلی چھوڑنے کی اطلاع دی تھی اور باقی کچھ بھی نہیں بتایا۔" تابندہ نے بتایا تو خالہ بی نے ایک گہرا سانس لیا۔

"اور یہاں میری تلاش میں کبھی کوئی آیا؟" تابندہ نے بڑی آس سے پوچھا تھا' پچھلی بار بھی انہوں نے یہ سوال کیا تھا مگر تب بھی مایوسی ملی تھی۔

"نہیں' کوئی نہیں پلٹا۔ کبھی کسی نے آ کر نہیں پوچھا سوائے ان بدبختوں کے جب تم چند دن کے لیے غائب ہوئی تھیں تب...... پھر کسی نے بھی چکر نہیں لگایا تھا۔"

"ہوں......" مایوسی سے تابندہ نے آنکھیں بند کر لی تھیں۔

"جب تک وہ یہاں تھا روز آتا تھا پاگلوں کی طرح تمہارا پوچھتا رہتا۔ میں سمجھی کہ ان مرنے والوں میں تم بھی مر چکی ہو' اگر وہ مجھے اصل حقیقت بتاتا تو شاید میں کوئی اتا پتا ہی پوچھ لیتی۔ پھر وہ چلا گیا اور تم آ گئیں۔" خالہ بی گزرے وقت کو یاد کرتے بتا رہی تھیں۔ تابندہ نے ایک گہرا سانس لیا۔

"آپ کی بہو کو علم ہے؟"

"نہیں میرے اور فرید کے علاوہ کبھی کسی کو میں نے اصل حقیقت نہیں بتائی۔" وہ خالہ بی کی مشکور ہوئیں۔

"اللہ تمہیں اس نیکی کا اجر دے آج کے دور میں بھلا کون کسی کے لیے کچھ کرتا ہے۔ تمہاری پھوپی کے سسرالی رشتہ دار ایک عرصہ تک ہمیں تنگ کرتے رہے تھے' تم نے یہ جگہ ہمارے نام نہ لکھ دی ہوتی تو آج نجانے ہم کہاں ہوتے۔"

"خالہ بی آپ کے بھی مجھ پر بہت احسان ہیں پھوپو کی وفات کے بعد آپ نے میرا بہت ساتھ دیا تھا میں تو آپ کے ان احسانوں کو نہیں بھول سکتی۔" تابندہ نے تشکر سے کہا۔

"احسان کیسے...... تم نے بھی تو مجھ بے سہارا' معاشرے کی ٹھکرائی بیوہ عورت کو پناہ دی تھی۔" تابندہ مسکرا دی اور پھر خاموشی سے آنکھیں بند کر لی تھیں۔

❀......۞......❀

معروف مفسر، قرآن پاک کے طالب علم مشتاق احمد قریشی کی تازہ پر مغز تحقیق
وہ تمام کتب الٰہیہ جو حضرت آدم سے لے کر نبی آخر الزماں تک نازل ہوئیں
وہ تمام صحیفے جو معدوم ہو گئے اور وہ تمام اللہ کی کتابیں جن پر ایمان لانا ضروری ہے......
قرآن کریم کی روشنی میں انبیاء علیہ السلام کی تعلیمات شاید یہی رہی ہوں یا اس
سے ملتی جلتی تعلیمات ان صحف میں ہوں گی جو اللہ تعالیٰ نے اپنے ان انبیاء علیہ السلام پر
اتارے تھے۔ (واللہ علم بالصواب)
خوب صورت سرورق، معلوماتی لازاول کتاب شائع ہو گئی ہے
آسمانی صحیفے اور قرآن کریم
اللہ کی پہلی وحی سے لے کر آخری وحی تک
صحفِ سماوی قرآنِ کریم کے آئینے میں
قیمت روپے 500
مؤلف: مشتاق احمد قریشی
چھپے افق پبلی کیشنز 7 فرید چیمبرز عبداللہ ہارون روڈ کراچی 02135620771/2

ایک دم اس کی آنکھ کھلی تھی پہلے تو وہ خاموشی سے لیٹی رہی تھی اور پھر اسے احساس ہوا کہ وہ اپنے کمرے میں نہیں ہے۔ گلاب کے پھولوں کی مہک اسے کمرے کی نشاندہی کروا رہی تھی۔

کمرے کی تمام لائٹس آف تھیں' صرف سائیڈ لیمپ روشن تھے ہلکی پنک رنگ کی خواب ناک سی روشنی نے کمرے کو بھی خواب ناک سا بنا ڈالا تھا اوپر سے پھولوں کی مہک' سجی سیج اور بستر کی نرماہٹ۔ وہ سب کچھ شدت سے محسوس کر رہی تھی۔

اسے یاد آیا وہ ماں جی کے ساتھ مصطفیٰ کے کمرے میں آئی تھی' کل رات اور دن بھر کی اعصابی شکست رنگ لائی تھی وہ بے دم سی ہو کر صوفے پر گر گئی تھی۔ ماں جی اس کی حالت پر پریشان ہو گئی تھیں ان کی آواز پر لائبہ عائشہ فوراً آ گئی تھیں۔ ان سب نے اسے بستر پر لٹا دیا' عائشہ دودھ لے آئی تھی اور پھر عائشہ نے اسے کوئی میڈیسن دی تھی اور اس کے بعد اس کی آنکھیں خود بخود بند ہو گئی تھیں۔ شاید عائشہ نے اسے اعصابی سکون کی گولی دے دی تھی جو وہ کئی گھنٹوں تک سوئی رہی تھی۔

کسی نے بھی اسے ڈسٹرب نہیں کیا تھا' ایک بھرپور نیند کے بعد اس کی آنکھ اب خود ہی کھلی تھی۔ وہ کسلمندی سے بستر پر لیٹے گزرے لمحوں کو یاد کرنے لگی تو سارا دھیان مصطفیٰ کی طرف چلا گیا۔ دلہن بنتے وقت وہ عجیب متضاد کیفیت کا شکار تھی' نجانے آنے والے وقت میں اس کا کیا ری ایکشن ہوتا۔

وہ کس طرح مصطفیٰ کا سامنا کرتی؟ رخصتی کے بعد وہ سارا رستہ یہی سوچتی رہی اور پھر وہ خوفناک حادثہ رونما ہوا تھا۔ مصطفیٰ کو خون میں لت پت دیکھ کر اسے لگا تھا کہ اس کے وجود سے جان نکل گئی ہے۔ وہ کیا کر رہی ہے؟ کیا کہہ رہی ہے؟ مصطفیٰ کو کس قدر شدت سے پکار رہی ہے؟ وہ ماحول وواقعات ہر چیز سے بے خبر ہو کر اس وقت صرف اور صرف اپنے دل کی آواز سن پائی تھی۔

تب اسے لگا تھا کہ اگر مصطفیٰ کو کچھ ہوا تو اس کے جسم سے بھی روح نکل جائے گی۔ مصطفیٰ کے لیے ساری رات رو رو کر دعائیں مانگتے ہوئے بھی اپنے آپ کو نہیں سوچ رہی تھی اور اب...... ان پھولوں سے سجی اس سیج پر لیٹے وہ خود کو سوچ رہی تھی' اپنے تمام جذبات واحسات کو۔ اس کا مصطفیٰ سے نکاح ہوا تھا' وہ اس کا شوہر تھا۔ دل میں جذبات واحساسات کا یہ تعلق خود بخود وقت کے ساتھ پروان چڑھا تھا۔

وہ آنکھوں پر بازو رکھے نجانے کیا سے کیا سوچ رہی تھی جب اچانک دروازہ کھلا تو وہ چونک اٹھی پھر کمرہ روشن ہو گیا تھا۔ عائشہ تھی' وہ فون پر کسی سے بات کر رہی تھی اسے جاگتے دیکھ کر بستر کے گرد لٹکی پھولوں کی لڑیوں کو ہٹاتے بستر پر بیٹھ گئی تھی۔

''شہوار جاگ رہی ہے یہ لیں بات کریں۔'' وہ ابھی بستر سے اٹھنے لگی تھی جب عائشہ نے موبائل اسے تھما دیا۔

''کون......؟'' موبائل پکڑ کے اس نے سوالیہ انداز میں پوچھا۔

''مصطفیٰ بھائی ہیں۔''

''مصطفیٰ......'' وہ چونکی پھر حیرت سے موبائل کو دیکھا۔

''تمہارا نمبر بند تھا تو میرے نمبر پر کال کی' انہوں نے تمہاری خیریت پوچھ رہے ہیں میں نے کہا اگر تم جاگ رہی ہو تو بات کروا دیتی ہوں۔'' عائشہ نے بتایا۔

''مگر میں کیا بات کروں گی بھلا؟'' اسے ایک دم شرم نے آ گھیرا تھا۔

''اُف...... بات کرو گی تو پتا چلے گا نا' تم بات کرو میں آتی ہوں۔'' عائشہ کہہ کر وہاں سے چلی گئی اور جاتے ہوئے دروازہ بھی بند کر گئی تھی۔ شہوار نے آہستگی سے موبائل کان سے لگایا تھا' دل دھک دھک کرنے لگا تھا۔

''السلام علیکم!'' اس نے دھیمے سے کہا۔

''وعلیکم السلام! کیسی ہیں؟'' دوسری طرف سے مصطفیٰ نے پوچھا۔

''ٹھیک ہوں اور آپ......؟'' اس نے بھی آہستگی سے پوچھا۔

''تین گولیاں لگی تھیں بقول باقی لوگوں کے موت کو ہرا کر آیا ہوں' اس وقت کیسا ہو سکتا ہوں۔'' مصطفیٰ کا وہی انداز تھا'

مطمئن و پراعتماد۔ اس کے اندر جیسے سکون سا اتر آیا۔

''ڈاکٹرز کیا کہتے ہیں؟'' اس نے سنجیدگی سے پوچھا' اندر کی جو بھی حالت تھی مگر وہ اپنی آواز کو نارمل ہی رکھے ہوئے تھی۔

''باقی ڈاکٹرز کا تو پتا نہیں مگر اس وقت مجھے صرف ایک ہی ڈاکٹر کی مسیحائی کی طلب ہورہی ہے۔'' مصطفیٰ کا انداز پرجوش تھا' وہ ایک دم چپ ہوگئی تھی دوسری طرف سے بھی صرف سانسوں کی آواز سنائی دے رہی تھی۔

''شہوار......'' اس کی طرف سے مسلسل خاموشی مصطفیٰ کی آواز نے ہی توڑی تھی' شہوار خاموش رہی تھی۔

''شہوار......'' مصطفیٰ نے پھر پکارا۔

''جی سن رہی ہوں۔''

''کیا ہورہا ہے؟'' مصطفیٰ نے پوچھا۔ شہوار نے لیٹے لیٹے ہی اطراف میں دیکھا' تیز روشنی میں جگمگاتا پھولوں سے سجا کمرہ وہ اس وقت کیا کرسکتی تھی بھلا؟

''کچھ بھی نہیں۔'' اس نے پھر سنجیدگی سے کہا۔ ''ڈاکٹرز آپ کی کنڈیشن کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟'' اس سے پہلے کہ وہ کچھ اور پوچھتا اس نے خود ہی جلدی سے پوچھ لیا۔

''ڈاکٹرز مجھ سے کوئی بات نہیں کررہے' بابا اور باقی لوگوں سے ہی بات چیت کی ہے۔ ویسے اپنی کنڈیشن کے بارے میں میں خود بتا سکتا ہوں کہ میں ٹھیک ہوں' خطرے کی کوئی بات نہیں۔ میری کوشش ہوگی کہ میں جلد از جلد کور کرلوں اور اس ہسپتال کا قیام لمبا نہ ہو۔'' مصطفیٰ نے تفصیل سے بتایا' مصطفیٰ کا لہجہ ہموار تھا۔

جس قدر خون بہا تھا اس کے باوجود مصطفیٰ کی کنڈیشن اس کو الجھانے لگی تھی۔

''ڈاکٹرز نے آپ کو بات کرنے کی اجازت دے دی کیا؟''

''اس وقت آپ محترمہ سے بات کررہا ہوں ابھی بھی شک......'' مسکراتا انداز تھا' وہ گھبرائی۔

''نہیں میرا مطلب ہے آپ اتنی سیریس کنڈیشن میں رہے ہیں ابھی تو انسان مکمل طور پر حواس میں بھی نہیں آپاتا۔ ڈاکٹرز بات چیت سے منع نہیں کرتے ہیں۔'' اس نے سنجیدگی سے کہا۔

''ڈاکٹرز کی ایسی کی تیسی......منع کرکے تو دیکھیں' ویسے بھی میں اعصابی طور پر اتنا کمزور نہیں ہوں کہ چھوٹی چھوٹی باتوں کو خود پر حاوی کرلوں۔ یہ تو کل رات ان تین گولیوں کا اثر تھا جو کسی بھی بات کا ہوش نہ رہا تھا ورنہ ایک گولی کو میں کچھ بھی نہیں مانتا۔'' انداز پراعتماد تھا' شہوار نے ایک گہرا سانس لیا۔

دل ہی دل میں اس کے اس طرح روانی سے بولنے پر مطمئن ہوگئی تھی۔

''لیکن احتیاط اچھی ہوتی ہے' ڈاکٹرز بھی تو انسان کے فائدے کے لیے ہی ہدایات جاری کرتے ہیں۔'' اپنے مخصوص سنجیدہ انداز میں اس نے کہا۔

''بشرطیکہ وہ ڈاکٹر تم جیسا ہو۔'' مصطفیٰ کا انداز ابھی بھی جذبوں سے پُر تھا۔ وہ ایک دم جھینپی۔

''تو کیا خیال ہے آرہی ہیں مجھے ہدایات دینے پھر؟''

''میرا خیال ہے آپ کو ان فضول باتوں کی بجائے آرام کی زیادہ ضرورت ہے۔'' ابھی اس کا دل بدلا تھا مزاج نے بھی آہستہ آہستہ نارمل روٹین میں آنا تھا۔

''سچ کہتے ہیں لوگ انسانوں کی چیر پھاڑ کرنے والے ڈاکٹرز دل کے بھی پتھر کے ہوتے ہیں' حالات کچھ بھی ہوں کوئی اثر نہیں ہوتا۔'' مصطفیٰ نے تجزیہ کیا تو اس نے ایک گہرا سانس لیا۔

''سچ کہہ رہے ہیں مگر حالات و واقعات ہی انسان کو پتھر بننے پر مجبور کرتے ہیں ورنہ پتھر دل تو کوئی بھی نہیں ہوتا۔'' اس کی سنجیدگی جوں کی توں تھی۔

''مگر میرے معاملے میں تو ہمیشہ ایک ہی موسم اور ایک جیسا ہی سرد رویہ برقرار رکھا گیا ہے اور شاید اب بھی وہی رویہ ہے اتنے بڑے حادثے کے بعد بھی۔''

''میرا خیال ہے کافی بات ہوگئی ہے' آپ آرام کریں۔'' مصطفیٰ کی باتوں پر اس نے جھنجلا کر کہا تو دوسری طرف مصطفیٰ ایک دم سنجیدہ ہوا تھا۔

''شہوار ہمارا جو رشتہ ہے اس میں سب سے زیادہ جذبات اور رویوں کو محسوس کرنے یا نظر انداز کردینے کی گنجائش نکلتی ہے۔ مجھے نہیں لگتا میں نے کبھی اس تعلق کو نظر انداز کیا ہو ہمیشہ سب کچھ نظر انداز کرتے پیش قدمی کی ہے اور آج جب کہ میں جذبات واحساسات کی اس سطح پر تھا جہاں مجھے شدت سے اگر کسی کا انتظار رہا تھا تو وہ تمہارا وجود تھا مگر میں نے ہر بات کو فراموش کرکے خود کال کی تو صرف اس لیے کہ میں اپنے اور تمہارے رشتے کو انا کا مسئلہ نہیں بنانا چاہتا تھا مگر تمہارا وہی انداز اور وہی رویہ ہے' ایسا کب تک چلے گا؟'' مصطفیٰ کی باتوں پر ایک لمحے کو اس کا دل رکا تھا مگر اگلے ہی پل وہ جھنجلا گئی تھی۔

وہ بے شک اس حادثے کے بعد دل سے اس تعلق کو قبول کررہی تھی مگر دل کی کیفیت سے ہٹ کر وہ اپنے اس مزاج کا کیا کرتی جو اس پل بھی عجیب سی کیفیت میں گھرا ہوا تھا۔ دل بدلتے دیر نہیں لگی تھی مگر شاید مزاج کو ابھی بدلنے میں کچھ وقت چاہیے تھا۔ اسے یہ سب سہنے' برتنے اور نبھانے کے لیے شاید کچھ وقت درکار تھا۔ اس نے مصطفیٰ کے سامنے ہمیشہ اس رشتے کی نفی کی تھی اب ایک دم کیسے سب کچھ ایک طرف کرتے آگے ہو جاتی۔

''شہوار......'' اس کی طرف سے مسلسل خاموشی پر مصطفیٰ نے پکارا۔

''جی......'' اس نے آہستہ انداز میں کہا۔

''مجھے شاید فون نہیں کرنا چاہیے تھا' میری آواز بھی تمہارے مزاج پر شاید بہت گراں گزر رہی ہوگی۔'' مصطفیٰ کا لہجہ ایک دم بدلا تھا' تلخی وشکایت در آئی تھی۔

''نہیں ایسی بات نہیں میں......'' وہ جواباً کچھ کہنا چاہتی تھی کہ ایک دم مصطفیٰ نے کال بند کردی تھی۔

اس نے خاموشی سے موبائل کو دیکھا اور پھر اٹھ بیٹھی تھی۔ سر گھٹنوں پر رکھ کر وہ لاشعوری طور پر مصطفیٰ کو ہی شدت سے سوچنے لگی تھی۔ مصطفیٰ کی باتیں ایک دم یاد آنے لگیں تو وہ بے اختیار بستر سے اتر گئی۔

ننگے پاؤں' دبیز قالین پر چلتے پھولوں کی پتیوں کی نرماہٹ' شدت سے محسوس ہونے لگی تو وہ لائٹ آف کرتے وہاں سے نکل آئی۔ اپنے کمرے میں آ کر وہ واش روم میں جا کر منہ ہاتھ دھونے لگی۔

❀......✿......❀

مصطفیٰ کال بند کرنے کے بعد اسی طرح لیٹا رہا۔ اس نے اس سے پہلے کبھی بھی شہوار کے رویوں کو اہمیت نہ دی تھی مگر آج جبکہ وہ سب سے زیادہ اس کی کمی محسوس کررہا تھا تو اس کی طرف سے وہی مخصوص انداز پا کر اس کا دل عجیب سے انداز میں متاثر ہوا تھا۔ اس نے کال بند کردی تھی مگر ذہن کی سطح پر کل رات والا شہوار کا عکس لہرانے لگا تھا' اس کے زخمی ہونے پر کس قدر بے قراری اور شدت سے اس نے اس کا نام پکارا تھا۔

درد سے بے حال ہونے کے باوجود اس نے آنکھیں مکمل طور پر وا کی تھیں' دلہن بنا وہ خوب صورت چہرہ اور اس پر اس کی بے قراری......تب اس کے ذہن نے تاریکی میں ڈوبنے سے پہلے مکمل اور پوری شدت سے اس کی بے قراری محسوس کی تھی اس کے ہاتھوں کا لمس اس کے بازوؤں پر تھا اور پھر ہوش میں آنے کے بعد سب سے پہلا خیال اسے پھر شہوار کا ہی آیا تھا۔ دلہن بنا وہ خوب صورت چہرہ اس کے وجود کی سج دھج' بے قرار لہجہ' کانپتے ہونٹوں سے تڑپ تڑپ کر نکلتا اس کا نام۔

''مصطفیٰ......'' اور تب مصطفیٰ کے اندر شدت سے اس کو اپنے سامنے پھر اسی انداز میں دیکھنے کی تڑپ جاگی تھی۔

وہی بے قراری وتڑپ کر اس کا نام لینے کی خواہش' اس کے کانپتے ہونٹوں کی لرزش اور ہاتھوں کا لمس اور آنکھوں سے گرتا سیال مادہ۔ وہ باقی سارا وقت شدت سے اس کا منتظر رہا تھا اور پھر سارا دن گزر گیا تھا' گھر والوں میں سے سبھی لوگ اس سے مل کر جا چکے تھے مگر وہ نہیں آئی تھی۔

اس کا موبائل اور تمام سامان بابا جان کے پاس تھا' پھر رات ہونے پر ولید آ گیا تھا ساتھ میں اس کے والد' انا' روشی احسن اور باقی لوگ بھی تھے۔ وہ لوگ عیادت کے بعد چلے گئے تھے جبکہ ولید اس کے پاس رات رک گیا تھا۔ وہ اب بہتر تھا ولید

نے باقی سب کو اطمینان دلا کر گھر بھیج دیا تھا' تاہم امجد نے اپنے کچھ ساتھی بطور سیکورٹی ہسپتال میں ہی چھوڑ دیئے تھے' بابا جان کی سخت ہدایات تھیں۔

اس پر جان لیوا حملہ ہوا تھا وہ بال بال بچا تھا امجد خان مسلسل حملہ آوروں کی تلاش میں تھا۔ آج ڈاکٹرز کی رپورٹ بھی مل گئی تھی' گولیاں ایک ہی پسٹل سے چلائی گئی تھیں اور پسٹل کے بارے میں امجد تحقیق کررہا تھا۔ باقی ابھی کچھ پتا نہیں چلا تھا۔ ان سب لوگوں کے جانے کے بعد اس نے ولید سے موبائل لے کر گھر کال کرنے کا سوچا اس کا ایک بازو بالکل بھی ہلنے کے قابل نہ تھا' دوسرے پر ڈرپ لگی تھی سو ولید اس کے کانوں میں ہینڈ فری لگا کر موبائل اسے دے کر فوراً باہر نکل آیا تھا مگر شہوار سے بات کرنے پر اس کا وہی سنجیدہ' اکتایا ہوا پہلو بچاتا انداز تھا۔ اسے بے ہوشی سے پہلے محسوس کی جانے والی شہوار کی وہ تڑپ اب اپنی خوش فہمی لگنے لگی تھی۔ وہ ابھی اپنی سوچوں میں الجھا ہوا تھا کہ ولید نے کمرے میں جھانکا اور اسے کال سے فری دیکھ کر اندر آ گیا تھا۔

''ہوگئی بات......؟'' مسکرا کر پوچھتے اس کے پاس ہی آ کھڑا ہوا تھا۔

''ہوں......''

''کیا ہوا' خیریت......؟'' مصطفیٰ کے سنجیدہ انداز پر ولید نے چونک کر بغور دیکھا تو مصطفیٰ نے نفی میں سر ہلا کر مسکرا کر اسے دیکھا۔

ولید نے اس کے سینے پر رکھا اپنا موبائل اٹھا کر اس کے کانوں سے ہینڈ فری نکالی تھی۔

''یہ ڈرپ کب ختم ہوگی' مجھے لگتا ہے میں معذور ہو کر رہ گیا ہوں۔'' مصطفیٰ نے اکتاہٹ سے کہا تو وہ مسکرا دیا۔

''اتنی جلدی......؟ ابھی تو ایک دن ہی ہوا ہے۔'' اس کے پاؤں کے قریب بیڈ کے کنارے بیٹھا۔

''ویسے تھوڑی سی رہ گئی ہے' ختم ہونے والی ہے۔''

''کسی نرس کو بلاؤ' یہ اتارے یا اسپیڈ تیز کرے۔'' اس نے اکتاہٹ سے کہا۔

''رہنے دو' ہوجاتی ہے آدھا گھنٹہ انتظار کرلو۔'' مصطفیٰ خاموش ہوگیا۔

''ویسے تمہیں کیا لگتا ہے یہ گولیاں کس نے چلائی ہوں گی۔'' مصطفیٰ نے کبھی بھی ولید سے ایاز کے متعلق بات نہیں کی تھی' ایاز کے متعلق تو اسے انا سے ساری رپورٹ ملی تھی' مصطفیٰ کے نکاح والے دن۔ جب اس نے شہوار کے انکار کا پس منظر بتایا تھا اور اب اس نے بھی براہ راست نام نہیں لیا تھا۔

''ہے میرا ایک بڑا دشمن' خیر چھوڑوں گا تو اب میں بھی اسے نہیں۔ چھپ کر وار کیا ہے سامنے آ کر وار کرتا تو میں بھی دیکھتا وہ کیسے بچ کر جاتا ہے۔'' مصطفیٰ کے لہجے میں ایک دم نفرت اور تنفر سمٹ آیا تھا۔

''ایاز کی بات کررہے ہو؟'' ولید نے پوچھا تو مصطفیٰ چونکا۔

''تمہیں کس نے بتایا؟''

''انکل اور باقی لوگ ذکر کررہے تھے ان سب کو اسی پر شک ہے۔'' مصطفیٰ نے ایک گہرا سانس لیا۔

''بس اتنا ہی جانتے ہو یا اور بھی بہت سی باتوں سے باخبر ہو۔'' ولید کو دیکھ کر پوچھا تو وہ مسکرایا۔

''تمہیں کیا لگتا ہے؟''

''انا نے بتایا ہوگا؟'' اس نے سوال کیا تھا۔ ولید نے سر ہلا دیا' مصطفیٰ خاموش ہوگیا۔

''ایک بات مانو گے؟'' ولید نے کہا مصطفیٰ نے اسے دیکھا۔

''جو بھی ہوا اور جس نے بھی کیا یہ کام اپنے ڈیپارٹمنٹ والوں پر چھوڑ دو وہ خود ہی ملزم کا سراغ لگالیں گے۔ تم آرام و سکون سے پہلے ٹھیک ہوجاؤ پھر اس بارے میں سوچنا۔''

''ڈاکٹرز کیا کہتے ہیں؟'' ڈاکٹرز سے اس کی براہ راست بات نہیں ہوئی تھی وہ زیادہ وقت سوئی جاگی کیفیت میں رہا تھا۔

''فی الحال تو مکمل طور پر بیڈ ریسٹ کا ہی کہہ رہے تھے' زخم ایسے ہیں کہ تین چار دن مسلسل ان کی نگہداشت میں رہنا

ہوگا۔ بازو کے زخم جلد مندمل ہونے کا امکان ہے مگر کندھے کا زخم گہرا ہے۔'' ولید کی بات پر مصطفیٰ نے سر ہلایا اور اب نظر اپنے بازو اور کندھے پر ڈالی تھی جہاں ڈریسنگ کی گئی تھی۔

''تم کل بھی ادھر ہی خوار ہوتے رہے تھے آج بھی آدھے سے زیادہ دن ادھر گزارا تم اب گھر آرام کرتے یہاں کوئی اور رک جاتا' اتنے تو لوگ موجود ہیں یہاں۔'' مصطفیٰ کو ولید کا خیال آیا تو اس نے کہا ولید ہنس دیا۔

''ڈونٹ وری' تمہاری محبت میں بہت سارا وقت گزارا ہے اب تمہاری طرح مضبوط اعصاب ہوتے جارہے ہیں میرے بھی۔'' مصطفیٰ مسکرایا تو تبھی نرس وہاں چکر لگانے آئی تھی ولید نے اسے جانے کا کہا ورنہ وہ مسلسل کمرے میں ہی موجود تھی۔

''کوئی پرابلم تو نہیں۔'' اس نے اندر آ کر پروفیشنل انداز میں پوچھا۔

''نہیں لیکن کائنڈلی اس سے میری جان چھڑوا دیں' اب اپنے بازو کو اسی طرح رکھے رکھے میرا بازو بھی شل ہونے لگا ہے۔'' مصطفیٰ نے اکتا کر ڈرپ کی طرف اشارہ کیا۔

''مگر یہ تو آپ کی صحت کے لیے بہت ضروری ہے ویسے بھی اب یہ ختم ہونے والی ہے۔'' نرس نے کہا۔

''صبح سے یہ کوئی چوتھی ڈرپ ہے جو آپ مجھے لگا چکی ہیں۔'' مصطفیٰ نے خفگی سے کہا۔

''سسٹر اتار دیں پلیز۔'' ولید نے بھی کہا تو سسٹر نے ڈرپ اتار دی۔

''تھینکس......'' مصطفیٰ نے ہاتھ آزاد ہونے پر ایک دم شکریہ ادا کیا۔

''آپ پلیز کم بولیے یہ میڈیسن لے لیں اور آرام کریں۔'' مصطفیٰ کی میڈیسن کا ٹائم تھا اس نے ڈرپ اتارنے کے بعد گولیاں نکال کر پانی کا گلاس بھر کر اسے دیا۔

مصطفیٰ نے خاموشی سے اس کے ہاتھ سے پکڑ لے لی' اس کے میڈیسن کھانے کے بعد نرس اسے ایک بار پھر کم بولنے اور آرام کرنے کی نصیحت کر کے چلی گئی۔

''کیا مصیبت ہے یار! نجانے کب جان چھوٹے گی اس بستر سے۔'' وہ ہر وقت متحرک رہنے والا انسان تھا اب ایک دم ہی اس بستر سے اکتا گیا تھا محض چند گھنٹوں میں ہی۔

''کچھ نہیں ہوتا' بس آرام وسکون سے گزار لو چند دن کی بات ہے' ویسے بھی شادی کی چھٹیوں پر ہو انجوائے کرو۔'' ولید نے ہنس کر چھیڑا تو مصطفیٰ کے اندر ایک دم عجیب سی کیفیت پیدا ہوئی تھی' نجانے کیا کیا سوچ رکھا تھا اس نے۔

''ویسے اگر یہ حادثہ نہ ہوا ہوتا تو آج رات اس وقت ہم تمہارے ولیمے کا کھانا کھا کر فارغ ہو چکے ہوتے۔''

''تم لوگوں کی قسمت میں ابھی میرے ولیمے کا کھانا نہیں لکھا ورنہ ہماری طرف سے کوئی کمی نہ تھی۔'' مصطفیٰ نے سنجیدگی سے کہا۔

''چلو خیر ہے یار زندہ صحبت باقی۔ زندگی سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں ہوتی۔ انکل نے ولیمہ ملتوی کیا ہے کینسل تو نہیں' پھر ہو جائے گا۔'' مصطفیٰ مسکرایا۔

نرس شاید اسے کوئی خواب آور گولی بھی دے گئی تھی' مصطفیٰ کو نیند آنے لگی تھی۔

''تمہیں نیند آرہی ہے؟'' ولید نے فوراً محسوس کیا تھا۔

''پتا نہیں' غنودگی سی چھا رہی ہے شاید میڈیسن کا اثر ہے۔''

''اچھا ہے کچھ دیر سو لو گے ورنہ میرے ساتھ باتیں کرتے رہو گے اور اگر نرس آگئی تو مجھے ہی کمرے سے باہر کر دے گی کہ میں تمہارے آرام میں خلل ڈال رہا ہوں۔'' مصطفیٰ مسکرایا تھا۔

اس کی آنکھیں بوجھل ہونے لگی تھیں تو اس نے بند کرلیں۔ کچھ دیر بعد وہ خود بخود ہی نیند میں چلا گیا تھا۔ ولید اسے سوتے دیکھ کر خود اٹھ کر سائیڈ پر رکھے صوفے پر آ کر نیم دراز ہو گیا تھا۔ دروازے کے باہر سیکیورٹی گارڈ کھڑے تھے مگر اس کے باوجود ولید نے سونے کی کوشش نہیں کی تھی وہ اپنا موبائل نکال کر اس میں موجود بارات اور باقی دنوں کی بھی لی گئیں

تصاویر دیکھنے لگا تھا۔ ڈھولک والے دن کی انا کی کتنی تصاویر اس کے پاس تھیں' لاشعوری طور پر وہ ان تصاویر کو دیکھے گیا تھا بار بار آگے پیچھے کر کے۔ اس وقت اسے انا یاد آنے لگی تو اس نے انا کو میسج کر دیا۔

''کیا کر رہی ہو؟'' رات کے گیارہ بج رہے تھے۔ یقیناً وہ اس وقت تک جاگ رہی ہوگی' اگلے ہی پل اس کا میسج آ گیا تھا۔

''آپ کو یاد۔'' ساتھ منہ چڑانے والی اسمائل تھی۔ ولید مسکرا دیا۔

''اچھا مجھے نہیں پتا تھا میں اتنا خوش قسمت ہوں' محترمہ انا افتخار صاحبہ مجھے یاد فرما رہی ہیں۔'' جواباً ولید نے بھی منہ چڑانے والی اسمائل کے ساتھ میسج کا جواب دیا۔

''ہاں آپ کے خوش قسمت ہونے کا تو مجھے پتا نہیں مگر میں ضرور حیران ہو رہی ہوں کہ محترم ولید صاحب نے رات کے اس وقت مجھے کیسے یاد کرنے کی زحمت گوارا کر لی۔'' گھورنے والی اسمائل کے ساتھ جواب ملا۔

''اف...... یہ خود ترسی۔'' اس نے فوراً جواب دیا۔

''خود ترسی نہیں ہے حقیقت بیان کر رہی ہوں۔ یہ بتائیں کیا کر رہے ہیں؟''

''موبائل پر مصطفیٰ کی شادی پر لی گئیں تصویریں دیکھ رہا تھا' تمہاری تصویر سامنے آئی تو سوچا تم سے ہی بات کر لی جائے۔'' دوسری طرف بالکل خاموشی چھا گئی تھی ولید نے چند پل اس کے ریپلائی کا انتظار کیا تھا۔

''کیا ہوا؟'' اس نے پھر میسج کیا۔

''آپ چند دنوں سے مجھے کافی بدلے بدلے لگ رہے ہیں اور کل سے تو بالکل چینج لگ رہے ہیں۔'' انا کا جواب ملا تو ولید پڑھ کر مسکرا دیا۔

''وہ کیسے؟''

''مجھ سے بات کر رہے ہیں' میرے ساتھ وقت گزار رہے ہیں اور کل تو آپ نے کتنی دیر تک مجھ سے اپنی فیلنگز تک شیئر کی تھیں۔'' انا نے تبدیلی کی نشاندہی کی تو وہ ہنس دیا۔

''وہ تو میں تم سے پہلے بھی اسی انداز میں بات کرتا رہتا ہوں' تمہارے ساتھ جب بھی موقع ملتا ہے وقت گزارنے کی کوشش کرتا رہتا ہوں اور رہ گئی فیلنگز والی بات تو مصطفیٰ کے حادثے کے بعد میری بہت سی فیلنگز بے قرار تھیں سو تم سے شیئر کر لیں۔''

''مگر اس سے پہلے آپ کے کسی بھی انداز نے مجھے ایسا احساس نہیں دلایا' اب آپ کے رویوں کو دیکھ کر مجھے لگتا ہے آپ بدل رہے ہیں۔'' ولید اس کا جواب پڑھ کر مسکرایا تھا۔

''لگتا ہے بڑی گہرائی سے آبزرو کر رہی ہو مجھے۔'' دوسری طرف خاموشی چھا گئی تھی' ولید نے چند منٹس اس کے جواب کا انتظار کیا تھا۔

''پھر غائب؟'' اس نے میسج کیا۔

''مجھے نیند آ رہی ہے۔'' ولید کے پوچھنے پر ایک دو منٹ بعد جواب ملا تھا۔

''تمہیں تو ساری ساری رات نیند نہیں آتی تھی' یہ کمال کیسے ہو گیا؟'' اس نے چھیڑا۔

''جیسے آپ تبدیل ہو رہے ہیں' شاید میں بھی بدل رہی ہوں۔'' کچھ دیر بعد جواب ملا تھا' ولید ہنس دیا۔

''او کے تم پھر سوؤ' میں تو ویسے ہی فارغ ٹائم گزار رہا تھا' میری وجہ سے تم اپنی نیند کیوں خراب کرو' سویٹ ڈریمز' شب بخیر۔'' ولید نے میسج کیا۔

''شب بخیر!'' دوسری طرف سے بھی جواب ملا تھا۔

اور اس کے بعد ولید موبائل ایک طرف ڈالتے ان گزرے دونوں کے واقعات یاد کرنے لگا۔

❀......❀......❀

شاہزیب صاحب مصطفیٰ کو لے کر بہت پریشان تھے مگر اب باباصاحب کی فراہم کی گئی اطلاعات ایسی تھیں کہ انہوں نے بہت کوشش کی تھی کہ پتا لگوائیں کہ وہ کہاں گئی ہیں مگر کچھ علم نہ ہوسکا تھا۔ بابا کئی بار ایک امید کے ساتھ کال کرتے تھے اور ادھر سے مایوس کن جواب سن کر رہ جاتے تھے۔

''ہم نے اسے ہمیشہ ایک بیٹی کی طرح عزت دی' نجانے کہاں چلی گئی ہے وہ۔'' اس وقت بھی صبح صبح انہوں نے شاہزیب کو کال کی تھی اور پوچھا تھا۔ انہوں نے ایک گہرا سانس لیا تھا۔

''باباصاحب! تابندہ کی تلاش بے کار ہے' آپ کے بتائے الفاظ کے مطابق وہ خود گئی ہیں اور ان کے خط والے الفاظ کے مطابق وہ جہاں بھی گئی ہیں وہاں انہیں کوئی خطرہ نہیں اور انہوں نے یہ بھی تو کہا ہے کہ وہ خود ملنے آئیں گی ویسے بھی شہوار ہمارے پاس ہے اس سے ملنے تو ضرور آئیں گی۔ کوئی بھی انسان بغیر کسی بھروسے اور اعتماد کے اپنی اولاد کو اس طرح چھوڑ کر نہیں جاتا' مجھے لگتا ہے ہمیں انہیں سمجھنے میں کوئی غلطی ہوئی ہے' ان کے پیچھے ضرور کوئی نہ کوئی کہانی ہے۔'' شاہزیب صاحب نے کہا تو باباصاحب نے ایک گہرا سانس لیا تھا۔

''ہاں پہلے تو نہیں مگر مجھے بھی کچھ ایسا ہی لگ رہا ہے۔''

''بہرحال یہ شادی کے کام ختم ہوجائیں تو ہم ان کی طرف توجہ دیتے ہیں' نظر انداز تو نہیں کرسکتے نا۔'' شاہزیب صاحب نے کہا۔

''رات خیروعافیت سے ولیمہ بھی ہوگیا۔'' باباصاحب نے پوچھا تو شاہزیب صاحب نے گہرا سانس لیا۔

''جی۔'' انہوں نے ان کو مصطفیٰ کے حادثے کی اطلاع نہیں دی تھی۔

''شہوار کا خاص خیال رکھنا ہے وہ بہت حساس بچی ہے ابھی کچھ دن تک اسے قطعی علم نہ ہونے پائے کہ تابندہ حویلی چھوڑ کر جاچکی ہے۔ میں بھی یہاں سب ملازمین کو سمجھا چکا ہوں کہ شہوار کی کال آئے تو کچھ نہیں بتائیں گے۔ تم نے بھی ابھی اس سے ذکر تو نہیں کیا نا؟'' باباصاحب نے مزید پوچھا۔

''نہیں ابھی تو میں نے مہرالنساء کو بھی نہیں بتایا' میں پوری کوشش کروں گا کہ شہوار کو علم نہ ہونے پائے۔'' انہوں نے تسلی دی اور پھر چند اور باتوں کے بعد انہوں نے کال بند کردی۔ کال بند کرنے کے بعد وہ کافی دیر تک سوچتے رہے تھے۔

تابندہ بی کہاں جاسکتی تھیں؟ اگر ان کا کوئی رشتہ دار یا جاننے والا تھا بھی تو انہوں نے کبھی بھی کسی کو نہیں بتایا تھا اور اس طرح خاموشی سے بغیر کسی کو بتائے یوں حویلی چھوڑ جانا' آخر اور کوئی تو وجہ تھی؟

ان کے ذہن میں کئی سوالات تھے مگر انہیں ابھی کسی بھی سوال کا جواب نہیں مل رہا تھا۔ تابندہ بی کا کردار ان کی وہ ساری زندگی جو حویلی میں گزری تھی ہر پہلو ایسا تھا کہ شک کا کوئی پہلو نہیں نکل رہا تھا مگر کہیں نہ کہیں کوئی چیز مس تو ضرور تھی جو انہیں الجھا رہی تھی۔

شہوار ہمیشہ اپنے والدین کے ماضی کے بارے میں جاننے کی کوشش کرتی رہی تھی اور تابندہ ہر بار ٹال جاتیں تھیں مگر اب ان کا یوں منظر عام سے غائب ہوجانا ان کے اندر کئی طرح کے سوال اٹھا رہا تھا' کیا واقعی شہوار کے سوال برحق تھے؟

کیا واقعی تابندہ بی کے ماضی میں کچھ ایسا تھا جو اُن کے علم میں نہیں تھا؟ انہیں یاد آرہا تھا کئی برسوں پہلے جب ان کے پاس تابندہ آئی تھی تو وہ ان کے بتائے گئے ایڈریس پر گئے تھے۔ وہاں ایک مفلوک الحال شخص رہتا تھا' اتنا بڑا اور خوب صورت گھر اور وہ شخص' اکیلا ایک نوعمر ملازم کے ساتھ رہتا تھا۔

''کیا یہ سکندر سبحان احمد کا گھر ہے؟'' انہوں نے اس مفلوک الحال شخص سے پوچھا تھا۔ وہ سکندر کا نام سن کر انہیں گھورنے لگا تھا۔

''کون سکندر؟''

''تابندہ کا شوہر......؟'' انہوں نے الجھ کر پوچھا تھا۔

''کون تابندہ......؟''

''صاحب ان کا ذہنی توازن خراب ہوچکا ہے' آپ ان سے کچھ بھی مت پوچھیں۔'' ایک نوعمر لڑکے نے کہا تو وہ اس شخص کے سامنے سے اٹھ گئے۔

''تم سکندر کو جانتے ہو؟''

''جی زیادہ تو نہیں مگر صاحب ہی بتاتے ہیں وہ ان کے بڑے بھائی کا بیٹا تھا۔ بڑا لائق فائق باہر سے تعلیم حاصل کر کے آیا تھا پھر والدین کے انتقال کے بعد ان لوگوں نے اس کی جائیداد اور گھر پر قبضہ کرلیا تھا اسے گھر سے نکال دیا تھا۔ صاحب کی باقی اولاد باہر کے ملک میں شفٹ ہوچکی ہے اور صاحب ادھر تنہا رہ گئے ہیں جن کی خاطر انہوں نے بھائی کی اولاد کا حق مارا تھا وہی ان کو چھوڑ گئے تھے تب سے ان کا ذہنی توازن بگڑ گیا ہے۔ بس ہر وقت خود سے باتیں کرتے ہیں۔'' ملازم کے منہ سے تمام صورت حال سن کر وہ حیران ہوئے تھے۔

''اوہ..... جب سکندر کو اس گھر سے نکالا تھا تب اس کی شادی ہوچکی تھی کیا؟'' انہوں نے پوچھا۔

''صاحب کہا نا مجھے زیادہ علم نہیں شاید ہوچکی ہو۔ میں چند ماہ پہلے ملازم ہوا ہوں' صاحب کی دیکھ بھال کے لیے ان کے بیٹوں نے مجھے یہاں چھوڑا تھا۔''

ملازم کے الفاظ پر تسلی تو نہ ہوسکی تھی مگر ان کے دل میں شک بھی پیدا نہیں ہوا تھا' واپس آ کر انہوں نے تابندہ بی کو بے فکر ہو کر حویلی میں رہنے کا کہا تھا اور پھر انہوں نے کبھی دوبارہ پلٹ کر تابندہ کے ماضی میں جھانکنے کی کوشش نہ کی تھی اور اب تابندہ چلی گئی تھی اس کی بیٹی ان کی بہو تھی مگر تابندہ کے یوں چلے جانے نے انہیں الجھا دیا تھا اور وہ شدت سے الجھ رہے تھے۔

❀.....❀.....❀

وہ ابھی ایک کلائنٹ سے مل کر اپنے آفس میں آ کر بیٹھا تھا جب ایک دم اس کے روم کا دروازہ کھلا اور ولید نے سر اٹھا کر دیکھا تو چونکا۔ کاشفہ بگڑے تیور لیے اسے گھور رہی تھی' ولید کے اندر عجیب سا کھنچاؤ پیدا ہوا تھا۔

''ارے تم..... آؤ نا!'' اپنے آپ کو سنبھالتے اس نے مسکرا کر کہا تو وہ گھورتی ہوئی اندر آ گئی تھی۔

''کیسی ہو؟'' ولید نے پوچھا۔

''تم مجھے کیوں نظر انداز کررہے ہو' میں اتنے دنوں سے مسلسل تمہیں فون کررہی ہوں' ملنے کی کوشش کررہی ہوں اور تم مجھے مسلسل نظر انداز کرتے رہے ہو۔'' اس کے سوال کے جواب میں کاشفہ نے بہت تلخی سے پوچھا تھا۔

''میں بزی تھا میرے دوست کی شادی تھی' وہاں گیا ہوا تھا۔'' ولید نے اس کے تیوروں کے جواب میں سنجیدگی سے بتایا۔

''مگر ایک کال سننے میں کتنا وقت لگتا ہے' تم میری کال تو پک کرسکتے تھے نا؟'' اس نے دکھ سے کہا۔

''میں بزی تھا' بتا تو رہا ہوں۔'' اب کے ولید کا لہجہ بھی روکھا پھیکا ہوگیا تھا۔ وہ چند پل ولید کو دیکھتی رہی تھی۔

''تم میرے ساتھ ایسا کیوں کررہے ہو؟'' وہ بیٹھی نہیں ابھی بھی ٹیبل کے پاس آ کر کھڑی تھی' ولید نے اسے بیٹھنے کو نہیں کہا تھا۔

''کیا کہا ہے میں نے......؟'' سخت انداز تھا۔

''جب سے میں نے تم سے اپنے دل کی بات کہی ہے تم مجھے نظر انداز کررہے ہو۔'' ولید نے گہرا سانس لیا تھا۔

''میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ میں انگیجڈ ہوں۔'' کاشفہ لب بھینچ گئی۔

''مجھ سے زیادہ تو وہ تمہیں نہیں چاہتی ہوگی' ولید ریئلی آئی لو یو سوچ۔'' کچھ توقف کے بعد اس نے کہا۔ ولید کے چہرے پر اس کی بے باکی نے ایک ناگواری کی لہر پیدا کردی تھی۔

''مس کاشفہ!'' ولید نے ایک دم ناگواری سے کہا۔ کاشفہ اسے دیکھنے لگی تھی۔ ''مجھے اپنے رشتے بہت عزیز ہیں اور میں کمٹمنٹ نبھانے والا انسان ہوں۔ وہ مجھے تم سے زیادہ چاہتی ہے یا نہیں میں نہیں جانتا مگر میں یہ بات ضرور جانتا ہوں کہ وہ

بے باک نہیں ہے۔ اس کے اندر رشتوں کا رکھ رکھاؤ اور تقدس موجود ہے۔ وہ اگر مجھ سے محبت بھی کرتی ہے تو اس نے کبھی میرے پاس آ کر اظہار نہیں کیا اور مجھے اس کی یہی بات سب سے زیادہ پسند ہے کہ وہ ہمارے رشتے کو جاننے کے باوجود ہمیشہ ایک لمٹ میں رہتی ہے۔'' ولید کے الفاظ ایسے تھے کہ کاشفہ ایک دم ساکت رہ گئی تھی۔

اسے لگا ولید نے اسے بے باکی کا کہہ کر اس کے منہ پر طمانچہ مارا ہے اس کے چہرہ پر ایک دم انا کے لیے نفرت کی کیفیت پیدا ہوئی تھی۔

''تم میری بے عزتی کر رہے ہو ولید!'' وہ ایک دم نفرت سے بولی تھی۔

''نہیں، میں تمہیں حقیقت بتا رہا ہوں۔'' ولید کا انداز سنجیدہ اور دوٹوک تھا۔

''تو پھر تم نے مجھ جیسی بے باک سے دوستی کیوں کر لی؟'' وہ ایک دم تنفر سے گویا ہوئی۔

''ہاں یہ میری غلطی ہے اس کے لیے تم سے ایکسکیوز کرنے کو تیار ہوں۔'' ولید کا انداز سنجیدہ تھا' وہ چند پل اسے دیکھتی رہی اور پھر ایک دم آنکھوں میں آنسو آتے چلے گئے تو آگے بڑھ کر ٹیبل پر رکھے ولید کے ہاتھ پر اس نے ہاتھ رکھ دیا تھا۔

''ولید پلیز مجھے یوں ریجیکٹ مت کرو' میں تم سے دل کی تمام تر شدتوں سے محبت کرتی ہوں۔ جیسا تم کہو گے تمہارے لیے میں خود کو ویسا ہی بدلنے کو تیار ہوں۔ میں تمہارے لیے ٹوٹلی چینج ہو جاؤں گی' جیسی تمہاری خواہش ہے ویسی بن جاؤں گی۔'' اس کے آنسو اس کے رخساروں پر بہہ رہے تھے' ولید اس ری ایکشن کے لیے تیار نہ تھا ایک دم ٹپٹا گیا۔

''تم پلیز آرام سے ادھر بیٹھو اس طرح ایموشنل ہونے کی کیا بات ہے۔'' اس کا بازو پکڑ کر دوسری کرسی پر بٹھایا تو کاشفہ نے دونوں ہاتھوں سے اس کا ہاتھ مضبوطی سے جکڑ لیا۔

''تم مجھے اگر اس طرح ریجیکٹ کرو گے تو میں قسم سے خودکشی کر لوں گی۔'' انداز ایسا تھا کہ ولید نے لب بھینچ لیے تھے' پہلی بار ایسی بے باک جذباتی لڑکی سے واسطہ پڑا تھا۔

کیتھی اس کی زندگی کا ایسا ہی کیس تھا کہ جس کو لے کر وہ دوستی جیسا جذبہ ضرور پیدا کر بیٹھا تھا مگر اس نے کیتھی کو بھی اپنی طرف سے کوئی آس نہ دلائی تھی جبکہ یہاں تو کیس ہی مختلف تھا۔

''تم سمجھنے کی کوشش کیوں نہیں کر رہیں' یہ ممکن نہیں ہے۔ میری فیملی تمہیں کبھی قبول نہیں کرے گی۔'' ولید نے اسے سمجھانا چاہا۔

''تم مجھے قبول کر لو گے تو میں تمہارے لیے ساری دنیا' ہر رشتہ' ہر چیز چھوڑنے کو تیار ہوں۔'' اپنے بہتے آنسوؤں کو صاف کرتے کہہ رہی تھی۔

''ایم سوری' یہ نہیں ہو سکتا۔'' ولید نے ایک دم اس کی گرفت سے اپنا ہاتھ کھینچ کر دوٹوک انداز میں کہا۔

''ولید پلیز......'' وہ بضد تھی۔

''کاشفہ جو چیز ممکن نہیں اس پر ضد کرنے کا بھی کوئی فائدہ نہیں' میں کہہ رہا ہوں نا کہ ہم دونوں ٹوٹلی چینج پرسنز ہیں۔ تم سمجھنے کی کوشش کرو انا میری کزن ہے' میری سسٹر کی نند ہے' ہمارا گہرا رشتہ ہے پھر وہ مجھ سے محبت کرتی ہے اور میں اسے کوئی دھوکا دینا نہیں چاہتا۔'' ولید نے سنجیدگی سے کہا تو وہ چند پل اسے دیکھتی رہی تھی۔

''تو تم مجھے صاف انکار کر رہے ہو؟'' اس کا لہجہ ٹوٹ گیا تو پھر رونے لگی۔ ولید نے بہت بے چارگی سے اسے دیکھا تھا' ایسی لڑکی کو ہینڈل کرنا اس کے بس کا کام نہیں تھا۔

''اوکے چلتی ہوں میں۔'' پھر ایک دم اپنے آنسو ٹشو سے صاف کرتے وہ اٹھ کر وہاں سے نکل گئی تھی۔

ولید خاموشی سے اسے جاتے دیکھتا رہا اور پھر اس کے کمرے سے نکلتے ہی اس نے سختی سے لب بھینچ لیے تھے۔

❁ ...... ❁ ...... ❁

رات سے وہ عجیب سی کیفیت سے دوچار تھی' مصطفیٰ کی باتیں رہ رہ کر یاد آ رہی تھیں۔ آج بھی سب لوگ ہسپتال گئے تھے عائشہ نے اسے بھی ساتھ چلنے کا پوچھا تو وہ عجیب کشمکش سے دوچار ہو گئی تھی۔

وہ جانا چاہتی تھی' دل اسے ایک بار دیکھنے پر مچل رہا تھا مگر اس کی انا گزشتہ رویے اسے روک رہے تھے اور پھر وہ بے بس ہوکر خاموش ہوگئی تھی' وہ نہیں گئی تھی۔ اس نے عائشہ کو انکار کردیا تھا' عائشہ نے بس خاموشی سے اسے دیکھا اور پھر وہ باقی سارا وقت یونہی بے چین رہی تھی۔

اب شام ہونے لگی تو اس کے اندر اس کا دل ملامت کرنے لگا' وہ آہستگی سے اپنا موبائل لیے باہر نکل آئی۔ لان میں لگے جھولے پر آ بیٹھی تھی' اس نے بہت کشمکش کے بعد مصطفیٰ کا نمبر ڈائل کیا۔ عائشہ نے ہی آ کر بتایا تھا کہ آج مصطفیٰ کی طبیعت کل سے بہتر ہے اور آج اس کا موبائل اس کے پاس ہے۔ وہ نمبر ملا کر کال ریسیو ہونے کا انتظار کرنے لگی مگر اسے ایک دم شاک لگا تھا' کچھ بیلز کے بعد اس نے نمبر کاٹ دیا تھا۔ وہ ایک دم ساکت ہوئی تھی' اس نے لب بھینچ لیے تھے۔

کچھ دیر بعد اس نے سوچا کہ شاید غلطی سے ایسا ہوا ہو اس نے پھر نمبر ڈائل کیا اور اس بار پھر کال کاٹ دی گئی تھی' وہ بالکل گم صم ہوگئی تھی۔

''تو مصطفیٰ مجھ سے بات نہیں کرنا چاہتا۔'' اس نے بہت دکھ سے سوچا۔ ''ہاں وہ بھی اپنے رویوں میں حق بجانب ہے' میں نے بھی تو اجنبیت و بے پروائی کی حد کردی تھی جب سے یہ رشتے کا سلسلہ چلا تھا ایک جنگ کی کیفیت برپا کی ہوئی تھی مجھ جیسے لوگوں کی یہی سزا ہونی چاہیے۔'' اس کے اندر گہرے سناٹے گردش کرنے لگے تھے۔

''مگر میں بھی غلط نہیں تھی' مجھے بھی تو کسی نے سمجھنے کی کوشش نہیں کی۔'' اس نے لب بھینچ لیے تھے۔ آنکھوں سے بہتے ہوئے آنسو ہاتھوں پر گرے تو اسے علم ہوا کہ وہ رو رہی ہے' اس نے سختی سے اپنے تمام آنسو صاف کیے۔

وہ خاموشی سے اٹھ کر اندر آ گئی' وہ راہداری سے گزر رہی تھی جب دریہ سے سامنا ہوگیا تھا۔ دریہ اسے دیکھ کر طنزیہ مسکرائی تھی۔ اس دن کی تلخ کلامی کے بعد دونوں کا پھر بھی سامنا نہیں ہوا تھا' تاہم وہ شادی کے تمام فنکشنز میں شریک ضرور تھی مگر آپس میں بات چیت کا موقع نہیں ملا تھا۔ شہوار اسے نظر انداز کرتے آگے بڑھی تھی' وہ اس لڑکی کے منہ نہیں لگنا چاہتی تھی۔

''سنو......'' دریہ کی پکار پر وہ رکی۔ ''مصطفیٰ کو دیکھنے نہیں گئیں تم؟'' وہ پوچھ رہی تھی۔

شہوار نے اس کی بات سنی اور پھر بغیر جواب دیئے قدم آگے بڑھائے تھے۔

''ویسے مجھے اس حادثے کا دکھ بہت ہے مگر تمہیں اسی طرح نامراد دیکھ کر جو ایک سکون ملا ہے اس کا بھی کوئی بدل نہیں۔'' سلگتا انداز تھا' شہوار نے بہت دکھ سے اسے دیکھا تھا۔

''نامراد میں نہیں شاید تم ہو' میں تو اس گھر میں ایک بہت ہی باعزت رشتے کے ساتھ موجود ہوں' رہ گئی حادثے کی بات تو اللہ نے مصطفیٰ کو زندگی دی ہے تو اس سے بڑھ کر مجھے کچھ اور چاہیے بھی نہیں۔ اگر تم کسی غلط فہمی میں ہو تو اس سے باہر نکل آؤ' مصطفیٰ جلد ہی صحت یاب ہوکر گھر بھی آ جائیں گے۔'' سنجیدگی سے اسے کہہ کر وہ تیزی سے وہاں سے آگے بڑھ آئی تھی۔

کافی مہمان آ چکے تھے کچھ ابھی بھی موجود تھے' وہ لاؤنج کی طرف آئی تو پھپھو زہرہ کی نگاہ اس پر پڑی انہوں نے اشارے سے پاس بلایا تو وہ ان کے پاس آ بیٹھی تھی۔

وہ سادہ سے حلیے اور لباس میں تھی دوپٹہ اوڑھا ہوا تھا۔ انہوں نے اس کو بغور دیکھتے اس کی آنکھوں کی نمی محسوس کی تو ان کے دل کو کچھ ہوا تھا' کتنے ارمانوں سے پرسوں رات اسے رخصت کیا تھا مگر کیا پتا تھا یہ انہونی ہوجائے گی۔

''تم روئی ہو؟'' وہ خاموش رہی تھی۔

''فکر نہیں کرو وہ ٹھیک ہے' بس ایک دو دن میں گھر آ جائے گا۔'' ان کے الفاظ پر اس کی آنکھیں بھیگنے لگی تھیں۔

''مہر النساء بھابی! شہوار صبح سے ایسے ہی ہے' آپ نے بھی اسے چینج کرنے اور کوئی اچھا لباس پہننے کو نہیں کہا۔ ہمارے ہاں نئی نویلی دلہنیں بھلا ایسے کب رہتی ہیں۔'' اس کی سونی کلائیاں خالی ہاتھ پیر' کان گلہ دیکھ کر دل میں ہول اٹھا تھا۔ بس ہاتھ پاؤں کی مہندی بتا رہی تھی کہ وہ نئی نویلی دلہن ہے ورنہ کوئی سنگھار ہی نہ تھا۔

زہرہ نے زینب کے ساتھ محو گفتگو مہر النساء خاتون سے کہا تو انہوں نے بھی چونک کر اسے دیکھا تھا۔

''ہاں بس صبح صبح مصطفیٰ کے پاس چلی گئی تھی پھر اس کے پاس سے عصر کے وقت گھر آئی تو یہ سو رہی تھی۔ اس کے بعد یہ

اُم سلمیٰ

میری کٹھی میٹھی پیاری بہنوں اور رائٹرز السّلام علیکم! مابدولت کو ام سلمیٰ کہتے ہیں‘ میں گرمیوں کی چلچلاتی دھوپ میں 23 جون 1994ء میں اس دنیا میں آئی‘ میرا اسٹار کینسر ہے میں گاؤں منڈے میں پیدا ہوئی۔ میں نے میٹرک کیا ہے‘ ہم پانچ بہنیں ہیں‘ میں چوتھے نمبر پر ہوں۔ ابو اللہ کو پیارے ہوگئے ہیں‘ اللہ ان کو جنت الفردوس میں جگہ دے اور میری والدہ کو اللہ لمبی عمر اور صحت یاب رکھے۔ کلرز میں ریڈ‘ بلیک‘ پرپل‘ اسکائی بلیو پسند ہے۔ لباس میں فراک ٹراؤزر اور لہنگا پسند ہے۔ پرفیوم لگانا اچھا لگتا ہے‘ کھانے میں پلاؤ‘ قورمہ‘ کھیر‘ آئس کریم‘ سموسے پکوڑے اور برگر پسند ہے۔ بہار کا موسم پسند ہے۔ اب خوبیاں اور خامیاں ہوجائیں...... خامیاں یہ ہیں کہ غصہ کرتی ہوں‘ دوسروں پر جلد اعتبار کرلیتی ہوں‘ خوب صورتی میری کمزوری ہے۔ اب اس دعا کے ساتھ اجازت چاہتی ہوں کہ اللہ آپ کو لمبی عمر دے اور اپنے حفظ و امان میں رکھے‘ آمین۔

اب دکھائی دے رہی ہے‘ مصطفیٰ کی طرف ہی سارا دھیان رہا میں بھی بھول گئی تھی۔‘‘ مہرالنساء نے فوراً کہا۔

’’جاؤ لائبہ! بہن کو لے جاؤ اچھے سے کپڑے پہناؤ‘ زیور دو۔ اللہ میرے مصطفیٰ کو صحت دے‘ اس کی دلہن کے لیے میرے دل میں نجانے کیا کیا ارمان تھے اس حادثے نے تو سب کچھ بھلا ڈالا‘ خیر سے مصطفیٰ گھر آجائے تو ساری رسمیں کریں گے ہم۔‘‘ ماں جی نے قریب آکر جھک کر اس کی پیشانی چومتے ہوئے کہا۔ وہ اس قدر محبتوں پر ایک دم شرمندہ سی ہوگئی تھی۔

لائبہ بھابی اسے اس کے کمرے میں لے آئی تھیں‘ انہوں نے ایک اچھا سا خوب صورت کام والا لباس نکال کر اسے تھما دیا تو اس نے بھی بغیر انکار کے تھام لیا تھا‘ زیور اس کے روم میں ہی تھا۔ اس نے ہلکی پھلکی جیولری بھی پہن لی تھی۔

دل آمادہ ہو تو سب کچھ خود بخود ہونے لگتا ہے‘ لائبہ کے کہے بغیر اس نے آنکھوں میں کاجل اور ہونٹوں پر ہلکی سی لپ اسٹک بھی لگالی تھی۔ اسی سے ہی وہ جگمگ کرنے لگی تھی۔

وہ تیار ہونے کے بعد کمرے میں بیٹھنے کی بجائے باہر آگئی تھی۔ وہ اب اپنے رویے سے کسی کو بھی احساس نہیں دلانا چاہتی تھی کہ وہ دو دن پہلے تک اس شادی سے ناخوش تھی۔ ماں جی اس کی تیاری سے بہت خوش ہوئی تھیں۔

کھانا سب کے ساتھ مل کر کھایا تھا‘ وہ رات گیارہ بجے تک سب کے پاس بیٹھی رہی تھی اور پھر ایک ایک کر کے بھی سونے چلے گئے تھے تو وہ بھی اٹھی تھی۔ وہ اپنے کمرے کی طرف بڑھ رہی تھی جب ماں جی اس کے پیچھے آئی تھیں۔

’’شہوار......‘‘ وہ رکی تھی۔

’’جی۔‘‘

’’رات تم اپنے کمرے میں سوئیں تو مجھے بڑی تکلیف ہوئی تھی اگر یہ حادثہ نہ ہوتا تو پھر بھی تم نے مصطفیٰ کے کمرے میں ہی رہنا تھا تو اس کے کمرے میں ہی رہو‘ ویسے بھی ایک دو دن میں وہ گھر آجائے گا تو پھر بھی وہاں رہنا ہی ہے نا۔‘‘ مہرالنساء نے محبت سے اس کے رخسار پر ہاتھ رکھتے کہا تھا تو وہ سر ہلا کر رہ گئی تھی۔

’’جی چلی جاتی ہوں۔‘‘

’’یہ لو چابی‘ کمرہ میں نے بند کردیا تھا کہ خراب نہ ہو تمہیں پتا تو ہے مصطفیٰ اپنے کمرے کے بارے میں کتنا حساس ہے ویسے بھی میرا دل نہیں چاہ رہا تھا کہ تمہارے یا مصطفیٰ کے علاوہ کوئی اور کمرے میں جائے۔‘‘ ماں جی کے اپنے وہم تھے ویسے بھی ان کے بیٹے کی شادی کی رات اتنا بڑا حادثہ ہوگیا تھا‘ اس نے سر ہلا دیا تھا۔

وہ ان کے ہاتھ سے روم کی چابی لے کر کمرے کی طرف چلی آئی تھی‘ انہوں نے مسکرا کر اسے جاتے دیکھا اور پلٹ گئی

تھیں۔ وہ دروازہ کھول کر اندر آئی تو اسی طرح کمرہ پھولوں کی مہک سے مہک رہا تھا اگرچہ پھول اب مرجھا چکے تھے ان کا رنگ بھی بدل گیا تھا مگر ان کی مہک ابھی بھی برقرار تھی۔

وہ دروازہ بند کرتے خاموشی سے کمرے کے وسط میں آ کھڑی ہوئی تھی وہ یونہی چلتے ایک ایک چیز کو چھو چھو کر دیکھ رہی تھی۔ الماریاں اور دراز سب لاک تھے شاید گاؤں جانے سے پہلے لاک کیے گئے تھے۔ وہ چلتی ہوئی آئینے کے سامنے آ کھڑی ہوئی تھی اس کا دراز سراپا خوب صورت لباس میں نمایاں تھا۔ وہ آئینے سے ہٹ کر بستر پر آ کر بیٹھ گئی۔

پھولوں کی لڑیاں ابھی بھی مسہری کی صورت موجود تھیں وہ خاموشی سے بیڈ کی کراؤن سے ٹیک لگا کر نیم دراز ہوئی تو نظر ہاتھ میں تھامے موبائل پر پڑی۔ دل سے اک ہوک اٹھی تھی وہ اس آس پر گاہے بگاہے موبائل کو کئی بار دیکھ چکی تھی کہ شاید وہ اب کال بیک کرے گا مگر موبائل بالکل خاموش تھا۔ اس نے موبائل کا لاک کھولا وہ ایک بار پھر ڈائل نمبرز میں سے مصطفیٰ کا نمبر ڈائل کر رہی تھی۔ اس نے کان سے موبائل لگالیا بڑے خوف زدہ انداز میں وہ دوسری طرف ہونے والی بیلز کو سن رہی تھی اور پھر پانچ بیلز کے بعد کال کاٹ دی گئی تھی۔

اس کا دل ایک لمحہ کے لیے بالکل بند ہوا تھا اس نے ڈرتے ڈرتے پھر نمبر ڈائل کیا مگر پہلی بیل پر کال کاٹ دی گئی شہوار کی آنکھوں میں ایک دم نمی سی سمٹ آئی تھی۔ اس نے پھر نمبر ڈائل کیا تو موبائل بند تھا آگے سے کمپیوٹر وائس بولنے لگی تو اس کی آنکھوں کی نمی اس کے رخساروں کو بھگونے لگی تھی۔

اس نے مصطفیٰ سے لاکھ بار بے اعتنائی برتی تھی مگر اب جب اس کی طرف سے وہی ردعمل سہنے کو مل رہا تھا تو اس کا دل کٹنے لگا تھا اس نے سوچا وہ اب کال نہیں کرے گی اس سے رابطہ نہیں کرے گی۔

ٹھیک ہے وہ اگر اس کے گزشتہ رویوں کی سزا دینا چاہتا ہے تو وہ چپ چاپ سہہ لے گی۔ وہ اس کے ساتھ رخصت ہو کر آئی تھی تو عجیب متضاد کیفیات میں مبتلا تھی مگر ذہن کے کسی گوشے میں بھی نہیں تھا کہ وہ اسے رد کرے گی اس نے تو خود کو قسمت کے سہارے چھوڑ دیا تھا مگر اس حادثے نے سب کچھ بدل کر رکھ دیا۔

❁ ❁ ❁

''اس نے مجھے پھر ریجیکٹ کر دیا ہے میں اس کے پاس گئی پاگلوں کی طرح اس کے سامنے گڑگڑاتی رہی اور اس نے میری ایک التجا نہ سنی۔'' وہ اپنی دوست کے سامنے بیٹھی رو رہی تھی۔

''تو پھر تم اسے بھول جاؤ دفع کرو تمہیں کوئی کمی ہے لڑکوں کی۔'' دوست اس کی حالت دیکھتے کہہ رہی تھی۔

''ہاں میں نے کئی بار ایسا سوچا مگر میں اسے بھول نہیں سکتی میں مردوں کو انگلیوں پر نچانے کا کھیل سمجھتی تھی اور آج ایک مرد جس کو میں پانا چاہتی ہوں حاصل کرنا چاہتی ہوں وہی مجھ سے متاثر ہونے کو تیار نہیں۔'' اس کی حالت بہت شکستہ تھی۔

''وہ کہتا ہے میں بے باک ہوں اور اسے اپنی فیانسی سے اس لیے محبت ہے کہ وہ بے باک نہیں ہے میری طرح نہیں ہے۔'' مزید کہہ رہی تھی۔ ''میں نے اسے کہا بھی تھا کہ میں تمہارے لیے بدل جاؤں گی ساری دنیا چھوڑ دوں گی مگر اس نے پھر بھی مجھے ریجیکٹ کر دیا۔'' اس کی دوست اسے ساتھ لگا کر دلاسہ دے رہی تھی۔

''یہ سب اس کی فیانسی کا کیا دھرا ہے وہ اگر درمیان میں نہ ہوتی تو مجھے یقین ہے وہ تمہیں کبھی بھی انکار نہ کر پاتا۔'' اس کی دوست نے کہا۔ کاشفہ کے اندر ایک دم انا کے لیے بے پناہ نفرت پیدا ہوئی تھی۔

''ہاں یہ سب اسی کا قصور ہے وہی ہے ہمارے درمیان وہ اگر نکل جائے تو ولید مجھے قبول کرلے گا۔'' دوست سے جدا ہو کر اس نے ہلکے پھلکے انداز میں کہا تھا۔ ''میں اس لڑکی کو جان سے ماردوں گی زندہ نہیں چھوڑوں گی وہ مجھ سے میرا ولید چھین رہی ہے۔'' غصے سے وہ اونچی اونچی آواز میں چیخ چیخ کر کہنے لگی تھی اس کی دوست نے اسے عجیب ترحم بھری نگاہوں سے دیکھا تھا۔

❁ ❁ ❁

ولید گہری نیند میں تھا جب اس کا موبائل بجنے لگا اس نے سوئی سوئی کیفیت میں کال ریسیو کی تھی۔

تمثیلہ امانت بٹ

السلام علیکم! ڈیئر قارئین اینڈ آنچل اسٹاف کیسے ہیں آپ؟ آج آنچل کی دنیا کو رونق بخشنے کیلئے تشریف لائی اس پرنسز کا تعلق پنجاب کے شہر گجرات کے گاؤں جلالپور صوبتیاں سے ہے۔ نک نیم گوشی ہے 17 اگست کو گرمی کی شدت کو کم کرنے کیلئے ماںدولت کو اس دنیا میں بھیجا گیا' گریجویشن کیا ہے۔ ہم چھ بہن بھائی ہیں میرا نمبر چوتھا ہے' فیملی میں بھائی جان رضوان سے عقیدت مندانہ محبت کرتی ہوں' سعودی عرب میں ہوتے ہیں (مس یو ڈیئر برادر)۔ ایک سویٹ سی بھانجی ہے ایمن فاطمہ۔ امی جان اور ابو جان سے بہت پیار کرتی ہوں اور دعا کرتی ہوں کہ اللہ ان کو اپنی زندگی میں ڈھیروں خوشیاں دیکھنا نصیب کرے۔ کھانے میں چکن بریانی بہت پسند ہے' سویٹ ڈش میں فروٹ ٹرائفل پسند ہے۔ سیر سپاٹے کی بہت شوقین ہوں' آئیڈیل شخصیت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے' دین کے متعلق آگاہی حاصل کرنے کی جستجو ہے (اللہ اس میں کامیاب کرے)۔ فیورٹ ٹیچرز میں سر جابر' سر یاسر' مس راحیلہ اور مس ثروت ہیں۔ میری فرینڈز لسٹ میں سدرہ زمان' ربیعہ' ثمرہ' بوبی' عطیہ' زنیرہ' اقراء' صبا' سدرہ شاہین اور آمنہ ہیں۔ شاعری سے جنون کی حد تک لگاؤ ہے' وصی شاہ کی شاعری بہت پسند ہے۔ ساڑھی پہننے کا شوق ہے۔ خوبی تو کوئی دوسرا ہی بہتر بتا سکتا ہے نا' خامیاں بہت زیادہ ہیں' غصے کی بہت تیز ہوں' ایک کام کرنے کی جب ٹھان لیتی ہوں تو پورا کر کے جان چھوڑتی ہوں جس کی وجہ سے اکثر و بیشتر بے عزتی بھی برداشت کرنا پڑتی ہے۔ فیورٹ رائٹرز میں سمیرا شریف طور اور نازیہ کنول نازی بہت پسند ہیں۔ فیورٹ ناول میں ''جھیل کنارہ کنکر' یہ چاہتیں یہ شدتیں'' اور ''محبت دل پر دستک'' ہیں۔ آپ سے اجازت چاہتی ہوں رب راکھا آپ کے کمنٹس کا انتظار رہے گا اللہ حافظ۔

''ہیلو......''

''ولید میں بول رہی ہوں کاشفہ!'' کاشفہ کا نام سن کر اس کی آنکھیں ایک دم کھل گئی تھیں۔

''تم اس وقت؟''

''تم سے میں نے کہا تھا نا کہ اگر تم نے مجھے قبول نہ کیا تو میں اپنی جان لے لوں گی۔'' ولید ایک دم چونکا' ہڑبڑا کر بستر پر بیٹھا تھا۔

''کیا کہہ رہی ہو تم؟'' وہ ایک دم پریشان ہوا تھا۔

''ہاں میں نے نیند کی گولیاں کھائی ہیں' تم نے مجھے ریجیکٹ کر دیا تھا نا اور پھر تمہارے بغیر میں جی کر کیا کروں گی میں نے خودکشی کر لی ہے۔'' اس نے بتا کر کال بند کر دی تھی' ولید تو حیرت سے اپنی جگہ ساکت رہ گیا تھا۔

''کاشفہ نے خودکشی کر لی۔'' وہ زیرلب بولا تھا۔

❀......۞......❀

وہ رات کے اندھیرے میں سب سے چھپتا چھپاتا مقررہ جگہ پر پہنچا تھا' شہزاد پہلے ہی اس جگہ پر موجود تھا۔

''کہاں تھے تم......اتنی دیر کر دی؟'' شہزاد اسے دیکھتے ہی برہم ہوا۔

''کیا ہوا......رات کا انتظار کر رہا تھا' تم سناؤ کیا خبر ہے؟'' اس دن کے بعد وہ لوگ اب مل رہے تھے۔

''کوئی اچھی خبر نہیں ہے۔'' شہزاد نے کہا تو وہ چونک کر دیکھنے لگا۔

''مطلب......؟''

''اس رات گولیاں صرف مصطفیٰ کو لگی تھیں اور پچھلی سیٹ پر موجود خواتین بالکل محفوظ رہی تھیں' مصطفیٰ کافی سیریس کنڈیشن میں تھا مگر اب وہ خطرے سے باہر ہے۔'' شہزاد نے سب تفصیل سے بتایا۔

''کیا......یہ کیسے ممکن ہے......؟''

''دیکھ لو بالکل پکی خبر ہے' ایک فیصد بھی جھوٹ نہیں۔''

''اس کا باپ اور اس کا پورا ڈیپارٹمنٹ حرکت میں آ چکا ہے چونکہ پہلا شک تم پر ہی کیا جا سکتا تھا سوز و روشور سے تمہاری

تلاش جاری ہے۔'' شہزاد نے بتایا تو وہ قدرے الجھا۔

''اب کیا حالات ہیں؟''

''پولیس والے ہر وقت تمہاری تلاش میں ہیں ان کے کچھ بندے دو تین بار مجھ سے بھی ملے ہیں' میں تو صاف ٹال گیا مگر ہمارے گھر کے اردگرد چند لوگ ضرور دکھائی دیے ہیں ایک بار تو میں نے کسی کو چوکیدار سے بات کرتے بھی دیکھا تھا۔ پوچھنے پر اس نے بتایا کہ وہ تمہارا پوچھ رہے تھے۔''

''اوہ......'' وہ غصے سے ٹہلنے لگا۔''بڑی قسمت ہے اس لڑکی کی ہر بار میری کوشش ناکام کردیتی ہے۔ اس بار مجھے پکا یقین تھا کہ دونوں نہیں بچ پائیں گے اور دونوں ہی بچ گئے۔'' وہ کمرے میں ادھر سے اُدھر ٹہلنے لگ گیا۔

''تم نے اس پسٹل کا کیا کیا؟'' ایک پل رک کر پوچھا۔

''ضائع کردیا ہے۔''شہزاد کے جواب پر وہ قدرے مطمئن ہوا۔

''تمہارے باہر جانے کا کیا بنا؟''شہزاد نے پوچھا۔

''پتا نہیں' ڈیڈ دوبارہ ملنے نہیں آئے۔ انہیں تو یہ بھی نہیں پتا کہ میں تم سے مل رہا ہوں یا یہ سب کرچکا ہوں۔ انہوں نے ہی کچھ کرنا ہے خود سے تو کہیں روپوش ہونا ناممکن سی بات ہے' جس جگہ مجھے ٹھہرا رکھا ہے کافی محفوظ ہے۔ مصطفیٰ کے آدمی اتنی جلدی وہاں تک نہیں پہنچ سکتے۔''

''میں یہاں کے حالات دیکھ رہا ہوں اسی لیے میں کچھ ماہ کے لیے دبئی جارہا ہوں۔''شہزاد کی بات پر وہ حیران ہوا۔

''اچھا' کب......؟''

''آج کل میں ہی۔''

''اتنی جلدی......''

''ویزا تو میرا آل ریڈی لگا ہوا ہے بس ٹکٹ کنفرم کروانی ہے۔''ایاز نے ایک گہرا سانس لیا۔

''میری مانو تو تم بھی کہیں نکلنے کی کوشش کرو' مجھے نہیں لگتا کہ مصطفیٰ یا اس کا باپ اب تمہیں آسانی سے چھوڑیں۔''ایاز نے طنزیہ دیکھا تھا۔

''چھوڑوں گا تو میں بھی نہیں' مجھے بھی اپنی وہ توہین نہیں بھولتی اس لڑکی کو اس کے انجام تک جب تک نہ پہنچاؤں مجھے سکون نہیں آنے والا۔'' وہ ایک دم پھر انتقام کی آگ میں جل اٹھا تھا۔ شہزاد اسے خفگی سے دیکھا۔

''تو پھر انجام بھی خود بھگتنا' اب میں تمہارے کسی بھی کام میں ملوث نہیں ہوں گا ویسے بھی میرے فادر مجھ سے بہت ناراض رہتے ہیں۔ ایک بار خیریت سے دبئی چلا جاؤں پھر بچت ہی بچت ہے' ورنہ مصطفیٰ اور اس کے ساتھیوں نے تو جینا حرام کررکھا ہے' آج بھی نجانے کیسے بچ بچا کر یہاں تک آیا ہوں۔ جیسے ہی تمہارے اس ملازم کا پیغام ملا۔'' وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

''میں چلتا ہوں اور میری مانو ابھی کچھ عرصہ تک یہ انتقام وغیرہ کی باتیں بھول جاؤ' اپنے ڈیڈ کو کہو تمہارے ویزے کا جلد از جلد بندوبست کریں اور یہاں سے نکل چلو ورنہ ایک بار مصطفیٰ کے ہاتھ لگ گئے تو پھر دوبارہ ضمانت بھی نہیں ہونے دے گا۔ سید ھا قتل کے کیس میں جا پھنسائے گا ویسے بھی تمہاری پرانی ساری فائلز پہلے ہی کھل چکی ہیں۔''

''میں کہیں بھی اکیلا نہیں تھا تم سب لوگ میرے ساتھ تھے۔''ایاز نے خفگی سے کہا۔

''مگر میرے یار بھی اچھے وقت کے دوست ہوتے ہیں' برے وقت میں کوئی بھی کسی کا ساتھ نہیں دیتا۔ میں پھر بھی تمہارے ساتھ ہوں مگر ہر بار ساتھ نہیں رہوں گا' اس لیے سمجھا رہا ہوں ابھی بھی وقت ہے سنبھل جاؤ تو بہتر ہوگا۔'' وہ کہہ کر اس کا کندھا تھپتھپا کر چلا گیا تھا' ایاز نے لب بھینچ کر اسے جاتے دیکھا تھا۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ ماہ)

بچھڑا کچھ اس ادا سے
شازیہ مصطفیٰ

پرانے رابطوں کو پھر نئے وعدوں کی تلاش ہے
ذرا ایک بار تو کہنا' محبت مَر نہیں سکتی
اگر ہم حسرتوں کی قبر میں ہی دفن ہوجائیں
تو یہ کتبوں پہ لکھ دینا' محبت مَر نہیں سکتی

"احمد حسن! اگر صبح کا بھولا گھر واپس آجائے تو اسے بھولا نہیں کہتے ہیں۔"

"اماں جی یہ آپ کہہ رہی ہیں' پتا ہے اس نے ہماری کتنی بے عزتی کروائی ہے ہم اس لڑکی سے نگاہ تک نہیں ملا پاتے ہیں۔" احمد حسن کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ عباد کو گریبان سے پکڑ کے باہر نکال دیں۔

"معافی مانگ تو لی ہے بچے نے' اتنا شرمندہ ہے اب بس بھی کرو۔" اماں جی کو اپنے پوتے کی اتری صورت پر رحم آنے لگا جو سر جھکائے مؤدب انداز میں لب بھینچے ہوئے تھا۔

"اس کی معافی سے کیا سب کچھ ٹھیک ہوجائے گا' اس معصوم بچی کو اس نے کتنے دکھ دیئے' ماں تو چل بسی تھی اور اس نے یہ غم دیا۔" انہوں نے تیز لہجے میں کہتے ہوئے اس پر نگاہ ڈالی زینب کا الگ بیٹے کی حالت دیکھ کر دل دکھ رہا تھا' پورے تین سال بعد وہ گھر لوٹا تھا سب نے ہی خوش ہوکر گلے لگایا تھا لیکن احمد حسن واحد ہستی تھی جنہیں بیٹے کی اس حرکت پر غصہ تھا' جو اپنا ولیمہ چھوڑ کے اسی دن گھر سے بغیر بتائے چلا گیا تھا کیسے کیسے انہوں نے لوگوں کا سامنا کیا تھا یہ کوئی ان سے پوچھتا۔

"ابو میں ازالہ کرنے کو تیار ہوں' مانتا ہوں غلطی کی ہے۔"

"کتنی آسانی سے کہہ رہے ہو ازالہ کرنے کو تیار ہوں' شرم تو نہیں آتی' ارے یتیم لڑکی کا کچھ تو خیال کرلیتے۔"

"اماں جی اس سے کہیں یہ یہاں سے چلا جائے' مجھے وہ سب یاد آرہا ہے......" وہ درشت لہجے میں بولتے عباد کو کمرے سے نکلنے کا اشارہ کرنے لگے۔ عباد نے تاسف بھری نگاہوں سے انہیں دیکھا۔

"تُو کیوں اداس ہوتا ہے' باپ ہے تیرا تھوڑا غصہ ہے مان جائے گا۔" اماں جی نے سر ہاتھوں میں تھامے عباد کے شانے پر تھپکی دی' وہ لاؤنج میں ہی صوفے پر بیٹھ گیا تھا کل رات ہی وہ آیا تھا سب ہی اس کی آمد سے خوش بھی تھے ایک طرف ابو کا غصہ کسی طور کم نہیں ہورہا تھا اور دوسری طرف سبرینہ تھی' جسے ایک سال پہلے دھتکار کے ہی چلا گیا تھا وہ بھی کوئی بات نہیں کررہی تھی۔

"میں کہہ تو رہا ہوں میں غلط تھا' میری سوچ غلط تھی۔" وہ روہانسا ہوگیا۔

"عباد! بس کرو اب تم جاکے آرام کرو' پہلے ہی تھکے ہوئے ہو۔" حمیرا نے اس کے الجھے بکھرے بالوں میں ہاتھ پھیرا' وہ افسردگی سے سوچ کے ہی رہ گیا کہ وہ ایسا کیا کرے کہ ابو مان جائیں۔

کمرے میں جیسے ہی آیا تو دیکھا ابھی تک کمرے میں نہیں آئی تھی نہ ہی کل آئی تھی اس کے کمرے کی ساری سیٹنگ ایسی ہی تھی جیسی وہ چھوڑ کے گیا تھا۔ وارڈ روب میں بھی اس کے سارے کپڑے اسی طرح لٹکے تھے جب پہلی رات عباد نے اپنا نائٹ سوٹ نکالنے کے لیے کھولا تھا وہ تیزی سے کمرے سے نکلا کہ پوچھے تو سبرینہ کیوں نہیں آرہی ہے۔

"امی! سبرینہ کہاں ہے؟" اس نے جھجکتے ہوئے ان سے پوچھا جو اس کے لیے دودھ بوائل کررہی تھیں۔

"سبرینہ! وہ تو سوگئی ہے' صبح اسے کالج بھی جانا ہوتا

ہے۔" وہ بتانے لگیں۔

"سو گئی ہے لیکن امی ......" وہ بولتے بولتے جھجک کے رکا۔

"سبرینہ! تمہارے جانے کے بعد پھر کبھی اس کمرے میں گئی ہی نہیں۔"

"کیا......؟" وہ تو سکتے میں آ گیا۔

"یہ دودھ ہے پی لو اور ہاں سو جانا کہیں جاگتے رہو۔" وہ فل سائز مگ اسے پکڑا کے کچن سے نکل گئی تھیں۔

❀......❀......❀

"بیٹا! ناشتا تو ٹھیک طرح کرلو۔" حمیرا بیگم نے اسے ایک ہی سانس میں چائے کا گھونٹ بھرتے دیکھا۔

"امی آج ویسے بہت لیٹ ہوگئی ہوں۔" اس نے اپنا شولڈر بیگ اٹھایا' دوپٹہ قرینے سے سر پر جمایا' پیچ کلر کے پرنٹڈ کپڑوں میں بہت سوبر سی لگ رہی تھی۔

"بھابی جلدی آئیے پھر آپ مجھے الزام دیں گی۔" فائز کی جھنجلائی ہوئی آواز آئی یونیورسٹی جاتے ہوئے وہ اسے کالج چھوڑتا تھا جہاں وہ لیکچرار تھی' یہ جاب بھی اس نے ابو کے کہنے پر شروع کی تھی کہ وہ کچھ مصروف رہے۔

"اچھا دادی جان' اللہ حافظ۔" وہ تیزی سے مڑی' اسی وقت عباد ڈائننگ ہال میں داخل ہوا۔ سبرینہ خفیف سی ہو کے سائیڈ پر ہوگئی' نگاہ جھکالی تھی مگر وہ مقابل تھا اس نے بغور اس کے سادہ سے سراپے کو دیکھا۔

"بھابی! دس منٹ اوپر ہوگئے ہیں۔" فائز پھر چیخا۔

سبرینہ اس کے قریب سے ایک ہوا کے جھونکے کی طرح گزری تھی عباد کو اس کی بھینی بھینی مہک اپنے اطراف میں محسوس ہونے لگی۔

"تم جلدی نہیں اٹھ گئے؟" امی نے حیرانگی سے پوچھا' وہ چونک گیا پھر دادی جان کے ساتھ والی چیئر پر بیٹھ گیا۔

"پوری رات نیند ہی نہیں آئی۔" اس نے لمبی جمائی لی' تھکن سے مضمحل بھی لگا۔ دادی جان کو اس پر ترس آنے لگا۔

"بڑی دلہن! یہ تم ٹھیک نہیں کررہی ہو' سبرینہ اس کی بیوی ہے اسے کہو کہ اب اپنے کمرے میں سوئے۔" انہوں نے نکتہ اعتراض اٹھایا۔

عباد نے فوراً امی کے تاثرات دیکھے جو خاموش کھڑی تھیں حالانکہ وہ خود رات کو احمد حسن سے اسی بات پر بحث کرچکی تھیں مگر ان کا حکم کوئی ٹال نہیں سکتا انہوں نے صاف منع کردیا تھا کہ جب عباد کو اس کی پروا نہیں تو یہ سب بھی نہیں ہوگا۔

"اماں جی! آپ ان کے ابو کا فیصلہ جانتی ہیں نا۔" انہوں نے ہلکے تاسف سے کہا۔

"امی! سبرینہ میری بیوی ہے' کیا مجھے اپنی بیوی سے ملنے کے لیے' بات چیت کرنے کے لیے ان سے پوچھنا پڑے گا۔" وہ چڑ گیا' اخبار جو پڑھنے کے لیے ساتھ لایا تھا زور سے ٹیبل پر پٹخا' دادی جان نے تاسف بھری نگاہوں سے اس کا غصہ سے لال بھبھوکا چہرہ دیکھا۔

"تمہیں پتا ہے نا وہ جو کہہ دیں اس پر عمل ضروری ہوتا ہے اس لیے عباد تم ان سے اب مزید کوئی ضد نہیں کرنا ورنہ سوچ لو بہت بڑا نقصان ہوسکتا ہے۔" وہ روہانسی ہوگئی تھیں' تین سال بعد تو بیٹے کی شکل دیکھی تھی' ڈرتی تھیں کہ احمد حسن غصہ میں آ کر کوئی انتہائی فیصلہ نہ کرلیں۔

"امی میں شرمندہ ہوں پلیز کم از کم مجھے اس سے بات تو کر لینے دیں آخر وہ کیا چاہتی ہے؟"

"بچے حوصلہ کر' تو صبر کر پریشان نہ ہو۔ میں تیرے باپ کی اکڑ کو جانتی ہوں تو سبرینہ سے آزادی سے بات کر دیکھتی ہوں وہ کیسے روکتا ہے۔"

"اماں جی یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں؟" حمیرا تو متوحش زدہ رہ گئیں۔

"بڑی دلہن میں احمد حسن کی ماں ہوں وہ جو غلط کرے گا میں اسے ٹوکوں گی بھی۔" وہ خاصی سنجیدہ تھیں پھر وہ خود نہیں چاہتی تھیں کہ ان کا پوتا پر مایوسی کا شکار ہو کر دوسری جگہ جائے۔

"لیکن اماں جی انہوں نے مجھے سختی سے کہا ہے کہ سبرینہ سے عباد بات نہ کرے' مجھے نظر رکھنی ہے۔"

"امی آپ بھی ایسا کررہی ہیں۔" وہ دم بخود سا ہوگیا'

اسے ایسا لگا کہ سارے ہی غیر ہوگئے ہوں' وہ لب بھینچ کے رہ گیا پھر وہ ناشتہ کے لیے بھی نہ رکا حالانکہ چچی جان نے بہت کہا لیکن وہ ڈائننگ ہال سے ہی نکل گیا تھا۔ امی اور اماں جی نے تاسف بھری سانس بھری تھی انہیں بیٹے کی بھی تو فکر تھی۔

❋ ❋ ❋

"بیٹھو میرے پاس۔" دادی جان نے اس کا ہاتھ پکڑ کے اپنے قریب بیڈ پر بٹھایا' وہ خاموشی سے بیٹھ گئی۔ اس کا قیام بھی انہی کے کمرے میں ہوتا تھا جب سے عباد اسے چھوڑ کے گیا تھا۔

"دیکھ بیٹی تُو یہ نہیں سمجھنا کہ مجھے تیرا خیال نہیں ہے جو میں ایسی بات کہہ رہی ہوں۔" انہوں نے تمہید باندھی۔

"دادی جان! آپ کی ہر بات میرے لیے قابلِ احترام ہے اور پھر آپ کو جو کچھ کہنا ہے پلیز بلا جھجک کہہ دیجیے۔" وہ سمجھ گئی تھی کہ عباد کی طرف داری میں ہی وہ کچھ بولنے والی تھیں۔

"تم عباد سے بات کرلیا کرو وہ بچہ بہت نادم ہے۔"

"دادی جان آپ کا حکم سر آنکھوں پر ٹھیک ہے' میں کرلوں گی بات لیکن ماموں جان۔" وہ بولتے بولتے قدرے توقف کے لیے رکی۔

"احمد حسن کو میں سمجھالوں گی بس تُو یہ کر عباد اگر مخاطب ہوا کرے تو اس کی بات سن لیا کر۔" انہوں نے اس کے کومل ملائم سے ہاتھوں پر اپنا نحیف سا ہاتھ رکھا۔ سبرینہ نے ان کے ہاتھ تھام لیے' اسے عباد سے شکایت تھی غصہ بھی تھا اس پر مگر وہ اپنی وجہ سے اپنے پیاروں کو دکھ دینا نہیں چاہتی تھی۔

"دادی جان...... دادی جان!" عباد انہیں پکارتا ہوا اندر داخل ہوا۔ سبرینہ جزبزسی ہوکے پہلو بدل کے رہ گئی' نگاہوں کا تصادم لحہ بھر کو ہوا مگر سبرینہ نے رخ دوسری جانب کرلیا۔

"کیا ہوگیا ہے۔" دادی جان نے اس کی سمت دیکھا جو خود بھی خفیف سا ہوکے چوکھٹ میں ہی رک گیا ان پندرہ دنوں میں آج وہ دوسری بار یوں آمنے سامنے ہوئے تھے۔

"سر میں شدید درد ہو رہا ہے پلیز جیسے آپ پہلے میرے سر میں تیل لگا کے مساج کیا کرتی تھیں' کردیں۔" وہ تیزی سے اندر آیا' سبرینہ اٹھنے لگی مگر دادی جان نے اس کا ہاتھ پکڑ کر جانے سے روک دیا۔

"سبرینہ بیٹی' تیل کی بوتل تو اٹھا کے دے ذرا۔"

عباد نیچے دادی جان کے قریب ہی بیٹھ گیا وہ تیل کی بوتل کیبنٹ سے نکال کے لے آئی تھی۔ دادی جان اس کے سر میں تیل لگانے لگیں اور وہ صبح کالج جانے کے لیے کپڑے وارڈ روب سے نکال کے پریس کرنے لگی عباد کی نگاہ مسلسل اس پر ہی تھی۔

"دادی جان اگر لوگوں کو اعتراض نہ ہو تو صبح کالج روزانہ میں چھوڑ دیا کروں۔" وہ بات ان سے کر رہا تھا مگر نگاہ سبرینہ پر جمائی ہوئی تھی۔

"ہاں ہاں کیوں نہیں بھئی تیری بیوی ہے یہ تجھ پر ذمہ داری بھی عائد ہوتی ہے۔" وہ جھٹ بولیں' سبرینہ کے ہاتھ رک گئے۔ وہ عباد کو سمجھ رہی تھی کہ اس سے معافی تلافی چاہتا تھا مگر ابو کے سخت آرڈر تھے کہ عباد کی وہ ایک نہ سنے گی۔

"دادی جان مجھے صبح ہی جانا ہوتا ہے۔" وہ منمنائی' پشت اپنی ہنوز عباد کی طرف ہی رکھی' دل تو اس کے ساتھ جانے کا سوچ کر ہی دھک دھک کرنے لگا تھا۔

"صبح مجھے جگایا بھی جاسکتا ہے کیوں دادی جان۔" اس نے تائید چاہی۔

"سبرینہ عباد ٹھیک کہہ رہا ہے' صبح صبح فائز اٹھنے میں کتنے نخرے کرتا ہے۔" وہ بھی تائید کرنے لگیں' سبرینہ نے کچھ نہ کہا' کپڑے پریس کیے پھر ہینگر میں لگا کے وارڈ روب میں لٹکائے۔

"دو تین سوٹ میرے بھی پریس کردو۔" عباد تنہائی ملتے ہی اس سے مخاطب ہوا وہ لب کاٹ رہی تھی پہلے وہ ساری ذمہ داریوں سے بری الذمہ ہوکے اسے یہاں بن باس کاٹنے کو چھوڑ گیا تھا اور اب......

"دے دیجیے گا' کردوں گی۔" اس نے مختصراً کہا۔

"کمرے میں آجاؤ۔" وہ سرگوشی میں گویا ہوا' سبرینہ نے چونک کے اس کے اتنی لگاوٹ اور ترنگ بھرے لہجے پر

غور کیا۔

"سوری اگر آپ کو کروانے ہیں تو اِدھر ہی دے دیں۔" وہ کچھ خفگی اور غصہ دکھانے لگی' عباد اس کے اتنے قریب آ گیا کہ اسے لگا کہ اس کی سانس رک رہی ہو' اماں جی ابھی تک واش روم میں تھیں۔

"کیوں کمرے میں آنے میں کیا قباحت ہے؟" اس کا سادہ سراپا اپنی سحر انگیز آنکھوں میں جذب ہوگیا۔

"ارے عباد تجھے صبح جلدی اٹھنا ہوگا سوچا جاکر۔" اچانک ہی اماں جی واش روم کا دروازہ کھول کر باہر نکلیں۔

عباد اور سبرینہ دونوں ہی گڑبڑا گئے' سبرینہ نے اپنا رکا ہوا سانس بحال کیا جب کہ وہ اپنے تیل چپڑے بالوں میں ڈریسنگ ٹیبل سے کنگھا اٹھا کے بالوں میں پھیرنے لگا۔

"سبرینہ! بچی اسے اپنے ساتھ ہی جگا دینا تاکہ تمہیں چھوڑ آئے۔"

"دادی جان! انہیں جگانے کے لیے کمرے میں تو جانا پڑے گا نا۔" لہجہ معنی خیز اور شرارتی بنالیا' وہ جھینپ سی گئی۔

"میں بات کروں گی دوبارہ احمد حسن سے' کب تک وہ تم دونوں پر پابندی لگاتا ہے ایک دن تو تم دونوں نے ساتھ ہی رہنا ہے نا۔" وہ بول رہی تھیں جب کہ سبرینہ شرم وحیا سے نگاہ تک نہیں اٹھا رہی تھی عباد کو اس کا شرمانا گھبرانا مزا دینے لگا۔

❀......❀......❀

صبح وہ عباد کو کیا اٹھاتی اس کی بھی آنکھ دیر سے کھلی اور پھر چھٹی ہی ہوگئی۔ سبرینہ کو افسوس بھی ہونے لگا اس ایک سال کے عرصہ میں اس کی یہ پہلی چھٹی ہوئی تھی' کافی بدمزا سی بھی ہوگئی تھی۔

"آج تو آپ گھر میں نظر آرہی ہیں اس لیے آج آپ کے ہاتھ کا ہم لنچ کریں گے۔" فائز نے بھی یونیورسٹی کی چھٹی کرلی تھی وہ بھی گھر میں ہی موجود تھا۔

"ہاں آج میں ہی کھانا پکاؤں گی۔" وہ کچن میں صبح سے ہی مصروف تھی اکثر سنڈے کو تو وہ کھانا پکاتی ہی تھی۔

"آج عباد کی پسند کی کوئی چیز بنالو۔" امی کچن میں چلی آئیں اور اسے ہدایت دینے لگیں۔ سبرینہ جزبز سی ہوگئی عباد نام پر تو دل کی رفتار ہی بدل جاتی تھی اب تو وہ قریب تھا تو اسے عجیب طرح کی گھبراہٹ بھی ہورہی تھی۔

"مجھے پتا ہی نہیں ہے کہ وہ کیا پسند کرتے ہیں۔"

"جایئے جاکے پوچھ لیجیے وہ لاؤنج میں بیٹھے ٹی وی سے شغل فرما رہے ہیں' تھوڑی دیر بیوی سے بھی......" فائز شرارت سے بولا۔

"فائز کیا بدتمیزی ہے' سوچ سمجھ کے تو بولا کرو۔" امی نے سرزنش کی تو وہ خجل سا ہوگیا جھٹ سبرینہ سے سوری بھی کیا۔

"دیکھو تم اس سے اتنا مت بچو وہ تمہارا شوہر ہے ایک نا ایک دن تو تم دونوں کو ایک ہونا ہی ہے اس لیے دور رہ کر دوریوں کو مت بڑھاؤ بلکہ بات کرکے ان دوریوں کو سمیٹو کیونکہ شادی کے بعد میاں بیوی الگ ہوکر کبھی نہیں رہ سکتے ہیں' ایک دوسرے کی ضرورت پڑتی ہے۔" فائز کے جانے کے بعد وہ اسے سمجھانے لگیں وہ سر جھکائے سنتی رہی۔

"آپ ایسا کریں پوچھ کے بتادیں' وہ کیا پسند کرتے ہیں؟" اس نے جھٹ کہا۔

"نہیں' تم پوچھو جاکے اور ہاں ذرا بھی ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے' تمہارے ماموں کو اماں جی نے سمجھا دیا ہے۔" وہ تسلی دینے لگیں۔

سبرینہ سرہلا کے رہ گئی کاسنی لان کے پرنٹڈ کپڑوں میں ملبوس قرینے سے دوپٹہ شانوں پر برابر کرکے جھجکتی ہوئی لاؤنج میں آئی تو دیکھا وہ صوفے پر بڑے آرام سے بیٹھا ٹی وی کے چینلز سرچ کررہا تھا' عباد نے نگاہ ترچھی کی اور اسے دیکھا' لب مبہم سے مسکرائے۔

"صبح تم جگانے کیوں نہیں آئیں؟"

"جی وہ میری بھی آنکھ نہیں کھلی تھی۔" وہ لب کاٹتی ہوئی گویا ہوئی۔ عباد کی والہانہ نگاہوں کی تپش چہرے پر محسوس کررہی تھی' ٹی وی اب آف کردیا تھا فان کلر کے قمیص شلوار میں ملبوس ہلکی ہلکی شیو میں وہ ڈیسنٹ اور چارمنگ لگ رہا تھا۔

"اسی لیے تو کہتا ہوں پاس آجاؤ تاکہ اٹھانے کی بھی ضرورت نہ پڑے۔" وہ معنی خیزی سے کہتا ہوا کھڑا ہوا'

سبرینہ تو دوقدم پیچھے ہی ہوگئی کیونکہ عباد کی بے باکی تو اس کے پسینے چھڑانے لگی تھی۔

"دوپہر میں کھانے میں آپ کیا پسند کریں گے؟"

"جو تمہیں پسند ہو وہ میں بھی پسند کرلوں گا۔"

"میری پسند مجھے تو یاد نہیں کہ میں نے کبھی اپنی پسند دوسروں پر واضح کی ہو کیونکہ ہمیشہ دوسروں کی پسند کو میں نے اپنی پسند ہی جانا ہے۔" اس کے اتنے گہرے طنز پر عباد نے خجل ہوکے بس اس کی آنکھوں میں ناگواری دیکھی۔

"پلیز آپ جو ہیں وہ رہیے کیونکہ آپ کبھی دوسروں کی پسند کے پابند نہیں ہوسکتے ہیں۔" اندر کی تلخی لب ولہجہ میں در آئی حالانکہ وہ عباد سے کوئی تلخ کلامی نہیں کرنا چاہتی تھی۔

"انسان اگر چاہے تو بہت کچھ کرسکتا ہے۔" عباد نے بھی پُراعتماد انداز میں اس کی بات کا جواب دیا۔

"آپ جیسے انسان سے سب توقع ہے کیونکہ جو شخص یہ کہہ کر جاسکتا ہے کہ ارینج میرج سے کامیاب لائف نہیں گزرتی' وہ سب کرسکتا ہے۔" وہ اسی کی بات یاد دلا کے شرمندہ کرنے لگی۔ شادی کی اولین شب اس نے یہی تو کہا تھا وہ بے چاری تو چپ سادھے رہی کیونکہ اس کا نہ باپ تھا اور نہ ماں جو نکاح کے ایک ہفتے بعد ہی چل بسی تھی' کتنا ارمان تھا اسے بسا ہوا دیکھنے کی۔

"سبرینہ! پلیز تم مجھے شرمندہ تو نہ کرو۔"

"میں شرمندہ نہیں کررہی ہوں بس آپ کو احساس دلارہی ہوں کیونکہ اگر آپ یہ سوچ رہے ہیں کہ میں وہ سب بھلادوں گی تو نہیں۔" اس نے تیز لہجہ میں اسے باور کرایا۔

"اگر تم میری محبت کے آگے وہ سب بھول گئیں تو......؟"

"آہ محبت......نہیں میں ایک مجبور آدمی کے ساتھ یہ بندھن نہیں نبھاسکتی۔" وہ یہ کہہ کر سے نکل گئی' امی نے بھی اس کی ساری گفتگو سن لی تھی وہ افسردہ سی ہونے لگیں' انہیں حالات سازگار ہونے کے بجائے بگڑتے ہوئے دکھائی دیے۔

❁......❁......❁

صبح سے موسم ابرآلود ہورہا تھا۔ شام کا وقت تھا' سارے ہی لان میں تھے وہ بھی ان لوگوں کو شرارتیں کرتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔

"بھابی! آج رات کو لانگ ڈرائیو پر چلیں۔" حمنیٰ تو ویسے ہی گھومنے پھرنے کی بہت شوقین تھی' اس کے قریب ہی پورچ کی سیڑھیوں پر بیٹھ گئی۔

"ماموں جان منع کرتے ہیں رات کو نکلنے پر۔"

"اگر آپ بھائی جان سے کہیں گی تو پھر نہیں منع کریں گے۔" وہ اس کے بازو میں اپنا ہاتھ ڈال کے بیٹھی۔

"ان سے تم خود کہہ دو۔" وہ مسکرائی۔

"کہہ تو میں دوں گی لیکن آپ بھی چلیں گی' ٹھیک ہے۔"

"حمنیٰ مجھے صبح کالج جانا ہوتا ہے پھر مجھے شوق بھی نہیں ہے۔" وہ منع کرنے لگی۔

"ارے تو چلنے میں کیا تمہاری انرجی ویسٹ ہوگی صرف سیٹ پر بیٹھی رہوگی۔" عباد کی غیر متوقع آمد ہوئی تو وہ اچھل ہی پڑی۔

"چلو حمنیٰ تم بھی کیا یاد کروگی تمہارا بھائی لانگ ڈرائیو پر لے کے چلتا ہے۔" وہ بھی سبرینہ کے قریب ہی پورچ کی سیڑھیوں پر آبیٹھا اور سبرینہ اس کے بیٹھتے ہی کھڑی ہوگئی کیونکہ ابھی تک ان دونوں میں اتنی بھی بے تکلفی نہ ہوئی تھی کہ وہ یوں ساتھ بیٹھتے۔

"ارے رکو تو......" عباد کو اس کی رکھائی بہت درد دے رہی تھی۔

"سوری مجھے کام ہے۔" وہ یہ کہہ کر اندر چلی آئی۔

"فائزہ اور ارقم نے دور سے ہی نظارا کیا وہ سمجھ تو رہے تھے کہ ان دونوں میں ابھی تک ان بن چل رہی تھی پھر ابو کی عقابی نگاہوں کی وجہ سے بھی عباد سبرینہ سے محتاط ہوکے بات کرتا تھا۔

"دیکھا چلی گئی ہیں' اب جائیں گی بھی نہیں۔" حمنیٰ منہ بسورنے لگی۔

"تم فکر ہی نہ کرو' چلو در یہ سے کہو تم دونوں کو لے چلتا ہوں۔" وہ اپنی اکلوتی بہن کا دل بھی توڑنا نہیں چاہتا تھا جب

کہ سبرینہ کا سرد مہر رویہ اسے کافی ناگوار گزر رہا تھا لیکن یہ سب بھی وہ اس کے سابقہ رویہ کی وجہ سے ہی کر رہی تھی۔

حمنی خوش ہوگئی پھر دریہ کے ساتھ وہ تیار ہونے چلی گئی تھی' بارش بھی ہلکی ہلکی ہو رہی تھی یہ منظر بہت ہی دلفریب لگ رہا تھا۔ سبرینہ اوپر ٹیرس سے کھڑی ان تینوں کو جاتا ہوا دیکھنے لگی عباد نے ایک اچٹتی نگاہ ڈالی تھی وہ فوراً ہی ہٹ گئی۔

"دیکھتا ہوں تم خود کو کب تک مجھ سے بچاتی ہو' میری بیوی ہو استحقاق تو ایک دن پورا رکھ لوں گا۔" وہ پُرسوچ انداز میں گاڑی ڈرائیو کرتا ہوا آہنی گیٹ سے نکل گیا۔ سبرینہ پھر ریلنگ کے قریب کھڑی ہوگئی تھی وہ خود پریشان تھی کہ آخری وہ کیوں کوئی فیصلہ نہیں کر پا رہی تھی۔ آج جب کہ عباد صرف اس کے لیے اپنے پچھلے تمام سرد اور ناگوار رویوں کی معافی مانگ چکا ہے تو وہ کیوں معاف نہیں کر پا رہی تھی یا شائد خود کا رد کیا جانا وہ بھی اولین شب جو کہ ایک لڑکی کے لیے بہت کچھ ہوتی ہے وہ اس رات کے دلفریب اور معنی خیز لمحوں کو فراموش کیے بس اس پر برس رہا تھا۔

"تم نہ آج میری پسند ہو اور نہ کبھی ہوگی میں اپنی پسند سے شادی کروں گا کیونکہ یہ زبردستی کے بندھن کبھی دلوں کو قریب نہیں لاتے ہیں۔ میں ارینج میرج کو نہ کل مانتا تھا اور نہ آج مانتا ہوں سنا تم نے۔" وہ اس کے ملکوتی حسن کو نظر انداز کیے اسے اپنے شعلوں سے لپکتے لہجے میں باور کروا رہا تھا اور وہ رو رہی تھی اس سے کب کسی نے رضا مندی لی تھی لیکن ذہن میں ہمیشہ یہی تھا کہ اپنی سوچیں اپنا تن من صرف شوہر کے لیے ہوگا وہ کبھی کسی غیر کو سوچے گی بھی نہیں۔ شادی کے بعد کی محبت کی تو وہ قائل تھی لیکن یہ شخص تو کچھ اور ہی سوچ رہا تھا۔

❀......❀......❀

"دیکھ احمد حسن اتنا بھی اولاد پر سختی نہ کر کہ وہ باغی ہو جائے۔" دادی جان انہیں سمجھا رہی تھیں جب کہ ان کا غصہ ہنوز برقرار تھا۔

"یہ تو سبرینہ کے ساتھ ناانصافی ہوگی فیصلہ کا اختیار اسے ہے کہ وہ اس کے ساتھ رہے گی یا نہیں پھر وہ تین سال سے اس کے بغیر بھی تو رہی ہے۔" وہ تیز لہجے میں بولے۔

"بات سمجھنے کی کوشش کرو وہ دونوں میاں بیوی ہیں اس طرح دور رہ کر تو کبھی بھی نہیں سمجھ پائیں گے۔"

"بھائی صاحب! اماں جی ٹھیک کہہ رہی ہیں عباد اور سبرینہ کو آپ اتنا پابند نہ کریں۔" عرفان حسن نے بھی اپنی ماں کی تائید کی۔

"عرفان! یاد ہے یہ عباد کیسے ہماری بے عزتی کر کے گیا تھا۔"

"اب تو آ گیا نا' لکیر پیٹنے سے فائدہ' وہ غلطی پر تھا مان رہا ہے ازالہ کا ایک موقع دیں اسے۔" انہوں نے نرم لہجے میں سمجھا کے انہیں ٹھنڈا کرنا چاہا اور پھر جیسے انہیں ماننے ہی بنی تھی۔

"عباد کو بلاؤ۔" وہ ایک دم بولے۔

امی جھٹ اسے بلا کے لے آئی تھیں عباد ندامت میں گھرا دادی جان کے کمرے میں چلا آیا جہاں گھر کے بزرگ جمع تھے۔

"تمہیں آخری بار سمجھا رہا ہوں خود کو درست کرلو۔" وہ خفیف سا ہو گیا سر اٹھانے کی اس میں ہمت ہی نہ تھی چچی جان سبرینہ کو بھی لے آئی تھیں وہ گھبرائی ہوئی تھی۔

"سبرینہ! بیٹا مجھے بتاؤ اس کے ساتھ تمہیں رہنا ہے یا نہیں' دیکھو زبردستی اور مجبوری میں فیصلہ نہیں کرنا ورنہ ہمیں بہت دکھ ہوگا۔" احمد حسن نے اس کے سر پر دستِ شفقت رکھا۔

سبرینہ تو ناسمجھی کی کیفیت میں مبتلا انہیں دیکھے گئی' شروع سے انہوں نے اپنی سگی اولاد کی طرح پیار کیا تھا لیکن اگر وہ زبردستی کوئی فیصلہ کرتی تو یہ بھی گوارا نہیں تھا۔ منافقت والی زندگی وہ نہیں گزار سکتی اس سے دلوں میں محبت نہیں نفرت پروان چڑھتی ہے۔

"مجھے نہیں رہنا۔" یہ کہہ کر وہ تیزی سے کمرے سے نکل گئی۔

عباد تو ہکا بکا رہ گیا' دادی جان کو سبرینہ سے ایسی امید نہ تھی امی' چچی جان اور چچا جان بھی متوحش زدہ رہ گئے۔

"سبرینہ کے اس فیصلے پر کوئی اس سے باز پرس نہیں کرے گا۔"

"لیکن ابو یہ تو......" وہ روہانسا ہوا۔

"سنا نہیں وہ تمہارے ساتھ نہیں رہنا چاہتی ہے کل تم نہیں رہنا چاہتے تھے آج وہ نہیں۔" ان کے لہجے میں طنز تھا عباد شرمندگی سے کٹ کے رہ گیا۔ وہ کمرے سے نکلے تو عباد گویا ہوا۔

"امی یہ میرے ساتھ ظلم ہے۔" وہ دم بخود تھا۔

"مجھے تو سبرینہ پر حیرانگی ہے۔" دادی جان تاسف بھری آواز میں گویا ہوئیں۔ چچی جان کو بھی افسوس تھا چچا جان تو خود اپنے بڑے بھائی کے اٹل فیصلے کے آگے لب کشائی بھی نہیں کرسکتے تھے۔

"میری کوئی اہمیت ہی نہیں ہے صرف اس کی ہے۔" وہ بھی تنگ گیا۔ دادی جان اور امی اسے کافی دیر تک سمجھاتی رہی تھیں لیکن وہ بات بات پر مشتعل ہو رہا تھا اسے سبرینہ کا جواب اپنی تضحیک لگا۔

"تو اپنا دل چھوٹا نہ کر سبرینہ تیری بیوی ہے تجھے اختیار ہے تو کیوں ڈرے گا۔" دادی جان اسے ہمت دلانے لگی تھیں۔

"عباد دیکھ بیٹا! سبرینہ سے ذرا بھی تلخ کلامی نہیں کرنا اگر تُو واقعی اسے سچے دل سے چاہتا ہے تو اس کا دل اپنے نرم لہجے سے جیتنا کیونکہ وہ لڑکی بہت حساس ہے ماں کی موت پر وہ اتنا روئی ہے کہ ہم سب نے بڑی مشکل سے سنبھالا تھا دیکھ خیال کرنا۔" وہ عباد کے غصے سے بھی آگاہ تھیں پھر ان کی تو خود خواہش تھی کہ ان کا بیٹا اور بہو ایک ساتھ نظر آئیں۔

❋....❋....❋

جب سے اس نے سب کے سامنے کہا تھا وہ سب سے ہی شرمندہ تھی عجیب دل میں بے چینی بڑھ گئی تھی لیکن عباد کے سخت اور ناگوار جملے جب سماعتوں میں گونجتے تو اسے غصہ آنے لگتا تھا آخر اس نے کیوں خیال نہیں کیا اور اب اگر وہ لوٹ کے آیا ہے تو کیوں اس سے صلح کی توقع رکھ رہا ہے۔

"بھابی! بھائی جان کے لیے چائے بنا دیں ان کے سر میں درد ہو رہا ہے۔" حمنی نے ڈرتے ڈرتے اسے کہا کیونکہ چائے بنانے کو عباد نے خاص طور پر کہا ہی سبرینہ سے تھا۔

"وہ مجھے کل کے لیکچر کی تیاری کرنی ہے۔" وہ بیڈ پر تکیوں سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی دادی جان عشاء کی نماز پڑھ کے ابھی فارغ ہوئی تھیں۔

"میں دریہ سے کہہ دیتی ہوں مجھے اپنا یونیفارم استری کرنا ہے آپ کو پتا ہی ہے لائٹ کتنی جاتی ہے۔" وہ مایوسی سے کہتی جانے لگی۔

"رکو حمنی!" جانے کیا سوچا پھر اسے آواز دی۔

"تم اپنا کام کرو میں بنا دیتی ہوں لیکن آ کے لے جانا۔" وہ اپنی فائل بند کر کے زرد دوپٹہ شانوں پر برابر کرتی ہوئی بیڈ سے اتری۔

دادی جان نے تشکر بھرا سانس لیا کہ وہ عباد کے کسی کام کے لیے تو راضی ہوئی ورنہ تو وہ کچھ کر ہی نہ رہی تھی۔

چائے بنانے وہ کچن میں آئی تو عباد پہلے سے موجود تھا یا شاید اسے قوی امید تھی کہ سبرینہ صاف انکار کردے گی وہ چائے کا پانی رکھ رہا تھا۔

"چائے میں بنا دیتی ہوں۔" کن انکھیوں سے دیکھتی ہوئی وہ رک رک کے بولی۔

"او کے بناؤ لیکن بنا کے کمرے میں لے آنا۔"

"میں کمرے میں نہیں لاؤں گی۔" جھٹ بولی تاکہ عباد کچن سے نکل ہی نہ جائے وہ تیکھے چتون سے دیکھتا ہوا اس کے قریب آ کے رکا سبرینہ کچھ حواس باختہ سی ہوئی ہونٹوں کو بھینچ لیا۔

"تم مجھے چیلنج کر رہی ہو۔"

"میں چیلنج نہیں کر رہی ہوں بلکہ آپ کو بتا رہی ہوں کہ کمرے میں بالکل نہیں لاؤں گی۔" کیبنٹ کھول کے کپ نکالا اور سنک میں رکھ کر دھونے لگی۔

"میں تو کمرے میں ہی پیوں گا اور تم لے کے آؤ گی سنا تم نے۔" وہ بھی ضدی لہجے میں بولتا سبرینہ کو سہا ہی گیا وہ ویسے ہی اس کی خمار آلود نگاہوں کی بے باکیوں سے الجھ جاتی تھی۔

"کیا ہوا چائے بن گئی؟" امی کو خدشہ تھا کہ عباد کی

موجودگی ضرور سبرینہ کو مشتعل کررہی ہوگی اس لیے وہ وہیں چلی آئیں۔

"امی چائے اپنی بہو کے ہاتھ میرے کمرے میں بھجوایئے گا۔" وہ یہ کہہ کر رکا نہیں لمبے لمبے ڈگ بھرتا نکل گیا' امی نے تو اپنا ماتھا ہی پیٹ لیا کہ عباد دن بہ دن ضدی ہوتا جارہا تھا اور سبرینہ اسے کوئی اہمیت نہیں دے رہی تھی۔

"دیکھو سبرینہ! تم اگر اسے نظر انداز کرو گی تو سوچو گھر میں ایک ہنگامہ ہوگا۔" وہ نگاہ چراتے ہوئے بول رہی تھیں' سبرینہ کپ میں چائے انڈیل رہی تھی سن کے وہ تو متوحش زدہ سی رہ گئی' جانے کیوں انہیں وہ خودغرض ہی لگی تھیں جو صرف اپنی اولاد کو ہی عزیز رکھ رہی تھیں۔

"یہ آپ کہہ رہی ہیں؟" اس کی حیرت بجا تھا۔

"تم یہ مت سمجھنا کہ ہم تمہارے ساتھ نہیں ہیں تم پر زبردستی نہیں ہے لیکن میں بھی ایک ماں ہوں اولاد کو کڑھتا دیکھتی ہوں تو میرا دل کٹتا ہے۔ تین سالوں بعد وہ آیا ہے ہر پل میں نے عذاب میں گزارا ہے بس میں نہیں چاہتی کہ وہ اُکتا کے دوبارہ یہاں سے چلا جائے۔" انہوں نے سبرینہ کے ہاتھ گلوگیر لہجے میں بولتے ہوئے تھام لیے وہ تو خود تذبذب کا شکار تھی خود کو خوش رکھے یا اس گھر کے لوگوں کا آخر وہ کرے تو کیا کرے لیکن دل تو عباد کی بے رخی بھولا ہی نہ تھا۔

وہ چائے بنا کے ٹرے اٹھا کر اوپر سیڑھیاں چڑھتی جارہی تھی' ممی حیرت واستعجاب سے اس کے بڑھتے قدم دیکھتی رہی جو بڑی سست روی سے چل رہی تھی۔ آہستگی سے جھجکتے ہوئے ہینڈل گھما کے اندر آ گئی تھی' عباد شاید اس کا منتظر کھڑا تھا' وہ گنگ سا اس کے سراپا کو دیکھے گیا نگاہ اس کی جھکی ہوئی تھی۔

"مجھے پتا تھا تم ضرور آؤ گی۔" وہ چہک کے شوخ سی آواز میں گویا ہوا۔ سبرینہ تو اندر ہی اندر دانت پیس رہی تھی جسے ذرا بھی اس کے احساسات اور جذبات کا خیال نہیں کل بھی وہ اپنی مرضی مسلط کر کے گیا تھا اور آج بھی حاکم اعلیٰ بنا اپنی مرضی مسلط کر چکا تھا۔

"اگر آپ یہ سوچ رہے ہیں کہ میں آپ کی دھمکی میں آ گئی ہوں تو ایسا کبھی نہیں ہوگا محض میں آپ کی امی کا خیال کر کے آئی ہوں کہ انہیں آپ کی بہت فکر ہے صرف آپ کی۔" لہجے میں تلخی کڑواہٹ اور طنز تھا' آنکھیں اس کی وحشت زدہ سی لگ رہی تھیں۔

"سوچ لو اس گھر میں صرف میری وجہ سے ہو۔"

"کیا مطلب ہے؟" وہ متوحش رہ گئی دل بھی دھڑک اٹھا۔

"مطلب واضح ہے جیسے نکاح نامے پر سائن کیے ہیں اسی طرح دوسرے پیپرز پر بھی ہوسکتے ہیں۔" وہ صرف اسے تنگ کررہا تھا مگر سبرینہ حواس باختہ سی اس کی بات سن کے سکتے میں ہی آ گئی' وہاں کھڑا رہنا اس کے لیے مشکل ہوگیا۔

❀......❀......❀

کل سے عباد کی باتوں نے اسے اور ہی غم زدہ کردیا تھا وہ کسی سے کچھ کہہ بھی نہیں سکتی تھی سارے ہی تو عباد کی فیور میں بولتے تھے وہ اگر کسی سے کہے تو کس سے کہے اور اگر عباد نے ایسا کوئی قدم اٹھا لیا تو وہ کہاں جائے گی کون ہے جو اس دنیا میں اسے اپنے پاس رکھے گا۔

"عباد حسن تم کل بھی خودغرض تھے آج بھی ہو میرے وجود کی دھجیاں بکھیر دی ہیں۔" وہ روتی رہی تھی صبح کالج بھی نہ گئی جب دل ہی نہ لگ رہا ہو تو کچھ کرنے کو طبیعت نہیں چاہتی ہے۔

"سبرینہ! میری بچی کیا بات ہے طبیعت تو ٹھیک ہے۔" دادی جان سے اس کا کلستا ہوا چہرہ مخفی نہ رہ سکا تو پوچھ بیٹھیں۔

"جی ٹھیک ہے۔"

"مجھے پتا ہے تُو کیوں پریشان ہے عباد نے کمرے میں بلایا تھا نا تیری مرضی کے خلاف' احمد حسن کو پتا چل گیا تھا صبح ہی اس نے بہت ڈانٹا ہے عباد بغیر ناشتے کے ہی گھر سے نکل گیا ہے۔" وہ بھی افسردگی سے بتا رہی تھیں سبرینہ نے حیرانگی سے سنا اسے پتا بھی نہیں چلا گھر میں ایسی بات ہوگئی ہے۔

"دیکھو بیٹی! تم ہماری بیٹی ہو اور ہم سب یہی چاہتے ہیں کہ تم خوش رہو پھر جب عباد نے اپنی غلطیاں مان لی ہیں تو یہ سراسر اس کے ساتھ ناانصافی ہے نا کہ وہ اپنی بیوی کو

مخاطب نہ کرے۔" سبرینہ لب کچل رہی تھی وہ سب کے جذبات بھی جانتی تھی کتنا اسے چاہتے ہیں لیکن یہاں بھی احمد حسن نے اس کی فیور کی تھی۔

"دادی جان! مجھے بتایئے میں کیا کروں، میرا دل نہیں مان رہا۔" اس نے بے بسی سے روتے ہوئے ان کی گود میں اپنا سر رکھ دیا۔ دادی جان کی آنکھوں سے اشک نکلنے لگے انہیں وہ بہت عزیز تھی ان کی بھانجی کی بیٹی تھی۔

"یہ تمہارا دل نہیں مان رہا یا تمہاری انا اور ضد نہیں مان رہی ہے، پتا ہے انا و ضد سے تو دل اجڑ جاتے ہیں، گھر اجڑ جاتے ہیں۔" ہولے ہولے اس کے بالوں میں انگلیاں پھیر رہی تھیں وہ سسک رہی تھی یہ بھی انہوں نے سچ ہی کہا تھا کہ یہ انا اور ضد ہی اسے روکے ہوئے تھے۔

"صبح سے دل میں ہول اٹھ رہے ہیں جانے کہاں چلا گیا ہے؟"

"میری وجہ سے انہیں ڈانٹ پڑی ہے نا۔" وہ شرمندگی سے گویا ہوئی۔

"بھابی...... دادی جان...... بھائی پر فائرنگ ہوئی ہے۔" فائز دوڑتا ہوا اندر آیا تھا، دونوں ہی گھبرا گئیں حسنین کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔

"کک...... کیا......؟" سبرینہ تیزی سے کمرے سے بھاگی تھی دیکھا تو گھر میں رونا دھونا مچا ہوا تھا احمد حسن اور عرفان حسن بھی تھے سب ہی جلدی جلدی اسپتال روانہ ہوئے، عباد سے نامعلوم افراد نے گاڑی چھیننے پر فائرنگ کردی تھی۔ سبرینہ کو لگ رہا تھا کہ جیسے جسم سے جان نکل گئی ہو اس کی کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ یہ سب اتنی اچانک کیسے ہوگیا اور پھر کل رات کی باتیں اور دادی جان کی باتیں سب اس کی سماعتوں میں گونج رہی تھیں گھر کے بڑے لوگ تو اسپتال میں تھے جب کہ حمنی، دربیہ، ارقم، روحیل گھر میں تھے۔

سبرینہ رو رو کے اس کی زندگی کی دعا مانگ رہی تھی جیسے وہ سب کی ذمہ دار تھی خود کو شرمندگی و ندامت کی اتھاہ گہرائیوں میں گرتا ہوا محسوس کر رہی تھی اس نے چند گھنٹوں میں جان لیا تھا کہ عباد اس کی زندگی میں کیا ہے جب وہ یہاں نہیں تھا تو ایک آس تھی کہ وہ آئے گا اور اب آ گیا تھا تو وہ ضد پر اڑی ہوئی تھی لب اس کی زندگی کے لیے ہی دعا گو تھے۔ حمنی تو مسلسل روئے جا رہی تھی اسے بھی سنبھال رہی تھی اور دادی جان کو بھی اور پھر سب کی دعاؤں اور ڈاکٹروں کی کوشش سے اس کے دائیں بازو پر لگی گولیاں نکال لی گئیں۔ سب نے ہی خدا کا شکر ادا کیا۔ ایک دم سے لگا کہ زندگی میں برقی رو دوڑ گئی ہو۔

❁......❁......❁

چوتھا روز تھا اسے اسپتال میں، سبرینہ کی کسی سے بھی کہنے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی کہ وہ بھی عباد کو ایک نظر دیکھنا چاہتی ہے شرمندہ الگ تھی۔

"کیا بات ہے آپ کب جائیں گی اپنے میاں کو ملنے؟" فائرہ نے معنی خیزی سے کہتے ہوئے سبرینہ کا اُترا ہوا چہرہ دیکھا، وہ بھی تو ان چار پانچ دنوں میں مرجھا سی گئی تھی۔

"وہ ڈانٹیں گے تو نہیں؟" معصومیت سے پوچھتی اس لمحے فائز کو وہ چھوٹی سی بچی لگ رہی تھی بے ساختہ قہقہہ ہی نکل پڑا۔

"کم آن بھابی! وہ کیوں ڈانٹیں گے بلکہ دو تین بار مجھ سے پوچھا تھا کہ تمہاری بھابی کیوں نہیں آئیں ابھی تک۔" اس نے شوخی سے کہا سبرینہ کو جیسے یقین ہی نہ آرہا ہو۔

"پھر چلو ابھی چلتے ہیں۔" وہ خوش ہوگئی مگر حمیرا کو دیکھ کر وہ رک سی گئی۔

"آج مجھے خوشی ہو رہی ہے کہ تم نے خود سے عباد کے لیے کچھ سوچا۔" انہوں نے بے اختیار اس کا ماتھا چوم لیا وہ جھینپ سی گئی۔

جلدی جلدی اس نے تیاری کی گلابی کاٹن کے پرنٹڈ سوٹ میں اس کی سادگی و خوب صورتی نمایاں ہو رہی تھی۔ شام پانچ بجے وہ اسپتال پہنچے تھے فائز اس کا ہاتھ پکڑے اسے اندر لے آیا تھا عباد آنکھیں بند کیے شاید اسی کے خیالوں میں تھا۔

"لیجیے بھائی جان آپ کی بیگم حاضر ہیں میں جب تک باہر بیٹھتا ہوں۔" معنی خیزی سے بولتا' سبرینہ کو وہ حیا کے حصار میں کر گیا عباد نے پٹ سے آنکھیں کھولی تھیں سامنے وہ سراپا سوال بنی کھڑی تھی۔

وہ مجرموں کی طرح اس کے سامنے کھڑی تھی عباد کی گہری تنقیدی نگاہیں اسی پر مرکوز تھیں اسی کی وجہ سے کتنی اذیتوں میں رہا تھا مگر چند دنوں میں اس نے انوکھا فیصلہ کیا تھا کہ سبرینہ کو یہاں سے دور اپنے ساتھ لے جائے گا شاید اسی طرح وہ اس کے قریب آجائے گی۔

"تماشہ دیکھنے آئی ہو کہ بچ کیسے گیا' ارے دعا کرتیں نا تمہاری جان چھوٹتی۔" اس نے طنزیہ کہا۔

"پلیز آئی ایم سوری۔"

"مجھے تمہاری کسی سوری کی ضرورت نہیں ہے' ترس کھانے آ گئی ہوتا کہ کوئی تمہیں کچھ نہ کہے۔" وہ غصے میں آ گیا۔

سبرینہ گھبرا گئی بیڈ پر وہ مجبور ولا چار لیٹا ہوا تھا بلڈ بھی اس کو چڑھ رہا تھا۔ چہرے کی شادابی کھو گئی تھی' بڑھی ہوئی شیو میں وہ اور کمزور لگ رہا تھا وہ اس کے بیڈ کے قریب چلی آئی۔

"یہ تو سب کی بڑائی ہے کہ مجھے ابھی تک بھی کوئی کچھ نہیں کہہ رہا ہے۔" وہ بھیگے بھیگے لہجے میں گویا ہوئی چہرے پر اضمحلال شرمندگی سب چھلک رہا تھا۔

"لیکن اب میں فیصلہ کر چکا ہوں تم یہاں نہیں رہو گی۔" نگاہ اس نے چھت پر ٹکا دی کچھ تو وہ بھی اسے جلانے اور تپانے کا مزا لے اسے بھی تو احساس ہو کہ وہ کس درد سے گزر رہا تھا۔

"پلیز ایسا نہ کریں۔" وہ تڑپ اٹھی۔

"اب ایسا ہی ہوگا پلیز یہاں سے چلی جاؤ جب تک میں یہاں ہوں خبردار جو مجھے اسپتال میں دیکھنے آئیں۔" ساتھ ہی نیا حکم بھی جاری کیا سبرینہ کے چہرے پر تو ایک رنگ آ رہا تھا دوسرا جا رہا تھا آواز اس کی بات پر اندر ہی دب گئی ہو وہ بھولے سے بھی اس پر نگاہ ڈالنا نہیں چاہ رہا تھا وہ لب کچلتی ہوئی مرے مرے قدموں سے نکل گئی تھی۔

"اب مزا آئے گا نا تمہیں صرف اپنے لیے روتا دیکھوں گا مگر صرف کچھ دنوں کے لیے اس کے بعد تو تمہیں ساتھ لے ہی جاؤں گا۔" وہ خود سے ہم کلام تھا فائز نے اندر آ کے جھانکا تو وہ سوتا ہوا بن گیا یقیناً سبرینہ سے متعلق ہی اسے کوئی بار پرس کرنی تھی مگر عباد نے کسی کو بھی نہ بتانے کا ارادہ کیا ہوا تھا کہ اس کے ارادے کیا ہیں۔

❀......❀......❀

ایک ہفتے بعد وہ اسپتال سے گھر آ گیا تھا سارے ہی اس کی دل جوئی میں لگے تھے رات گئے تک عباد کے پاس فائز' حمنی' ارقم' روحیل اور دریہ محفل جمائے بیٹھے رہتے تھے مگر وہ اندر ہی اندر اپنے آنسو اتارتی دادی جان کے کمرے میں ہی رہتی تھی۔ کالج سے لمبی چھٹی لے لی تھی' سب سمجھ بھی رہے تھے کہ وہ کیوں پریشان ہیں اور پھر سبرینہ میں جو حیران کن تبدیلی آئی تھی دادی جان کو زیادہ خوشی ہوئی تھی وہ چاہتی تھیں کہ وہ خود ہی عباد کے پاس چلی جائے ایسے میں بیوی کی ضرورت پڑتی ہے۔

"اماں جی آپ ہی سبرینہ سے کہہ دیں۔" حمیرا نے ہمت کی تو ان سے گویا ہوئیں۔

"ہاں آج میں کہوں گی اور دیکھ کیسے وہ عباد کے کھانے پینے کا بھی خیال کرنے لگی ہے یہ سب سے زیادہ خوشی کی بات ہے۔" وہ مطمئن تھیں کہ اگر وہ ابھی تک عباد کے پاس نہیں گئی تھی تو اس نے مکمل عباد کی ذمہ داری تو سنبھال لی تھی۔

"مجھے پتا ہے آپ کی بات نہیں ٹالے گی۔" انہیں قوی امید تھی پھر سبرینہ ان کے قریب زیادہ رہی ہے اس لیے بھی وہ اس کی ہر بات سے بھی آگاہ تھیں۔ رات کو سب کام سے فراغت ملنے کے بعد وہ تھکن سے چور ہو کر کمرے میں آ گئی تھی دادی جان عشاء کی نماز کے بعد تسبیح پڑھ رہی تھیں۔

"دادی جان آپ کے لیے دودھ ابھی لے آؤں یا تسبیح پڑھیں گی۔" وہ بیڈ کور کی شکنیں نکال رہی تھی انداز اس کا

خاصا مصروف بھی تھا۔

"تسبیح تو میں پڑھ چکی ہوں تم بعد میں لے آنا مجھے تم سے پہلے کچھ بات کرنی ہے۔" انہوں نے تسبیح چومنے کے بعد تخت پر ہی اپنی جائے نماز رکھ دی۔

"جی کہیے۔" وہ سمجھ تو گئی تھی وہ اب کیا بات کرنے والی ہیں اور سب کے دل کی خواہش بھی جان گئی تھی مگر عباد کے اتنے سرد رویے کی وجہ سے وہ مجبور تھی۔

"تم اب اپنے کمرے میں ہی سویا کرو کیونکہ عباد کی حالت ایسی ہے کہ اسے تمہاری ضرورت ہوگی۔" انہوں نے بلا تمہید ہی اس سے کہہ دیا وہ بیڈ کے سرے پر بیٹھی تھی لب بھینچے ہوئے تھے یہ تو اس کے بھی دل کی خواہش تھی کہ وہ اب اسی کے پاس رہے۔

"جی دادی جان! میں سمجھتی ہوں لیکن وہ......؟" بولتے بولتے وہ رکی۔

"عباد کی تم فکر نہ کرو میں نے اسے سمجھا دیا ہے تم جلدی سے جاؤ آج سے وہیں سونا۔" وہ اس کی نیم رضا مندی پاتے ہی جھٹ بولیں۔

سبرینہ نے بھی مزید کچھ نہ کہا اور پھر اب اسے ہی سب کچھ نارمل کرنا تھا' عباد کا دل بھی جیتنا تھا جو اس کی طرف سے بدگمان ہی ہوگیا تھا اسے جاتے ہوئے ایک حیا بھی آرہی تھی حمیرا اسے کمرے میں چھوڑ کر گئی تھیں۔

عباد نے اچٹتی نگاہ اس پر ضرور ڈالی جو شرمندہ سی اور کچھ جھجکتی ہوئی بھی لگی تھی وہ ایک لفظ بھی نہ بولی تھی اور نہ ہی اس نے مخاطب کیا۔

"ترس کھانے آگئی ہو نا کہ میں اپاہج ہوگیا ہوں۔" وہ تو تلخی سے پھٹ پڑا۔

اس وقت سبرینہ نے وحشت زدہ سی نگاہ اٹھائی' عباد بیڈ پر ڈبل تکیوں کے سہارے لیٹا تھا چہرے پر اس کے نقاہت اور کمزوری واضح تھی۔

"وہ......میں تو......" بمشکل اس کی آواز نکلی۔

"کوئی ضرورت نہیں ہے تمہیں مجبوری میں میرے ساتھ رہنے کی کیونکہ فیصلہ اب میں نے کرلیا ہے تمہیں یہاں سے نکالنا ضروری ہے۔"

"پلیز ایسے نہ کریں۔" وہ حواس باختہ سی ہوگئی اور رونے لگی۔

"میں ایسے ہی کروں گا تمہاری نظر میں میری کوئی اہمیت نہیں تھی۔ میرے سب گھر والوں کو اپنا حمایتی بنالیا میری تو جگہ بھی نہیں چھوڑی۔" جتنے طنز کے تیر تھے وہ اس پر اچھال رہا تھا' سبرینہ کے آنسو بھل بھل گرنے لگے اس لمحے عباد کو ترس بھی آرہا تھا مگر اسے بھی غصہ ہی سوار تھا جس نے ذرا بھی اس پر رحم نہیں کیا تھا کچھ تو حساب وہ بھی رکھتا تھا۔

❀......❀......❀

اس نے کالج سے بھی ریزائن دے دیا تھا مکمل خود کو گھر میں ہی مصروف کرلیا تھا' عباد کے سارے کام خود کرتی تھی اس کی جلی کٹی بھی وہ روز سنتی تھی مگر کسی کو بھی یہ ظاہر نہیں کیا تھا کہ عباد اس سے سرد رویہ رکھے ہوئے تھا۔

"بھائی جان اب آپ مکمل صحت مند ہوگئے ہیں ذرا ہمیں اسی خوشی میں ڈنر وغیرہ تو کروائیں۔" فائز نے نکھرے نکھرے عباد کو دیکھا جو مکمل صحت مند ہوگیا تھا اس کے زخم قدرے مندمل ہوگئے تھے۔

"کیوں نہیں مگر مجھے آج کچھ ضروری کام ہے کل کا پروگرام رکھ لیتے ہیں۔" وہ ڈائننگ ٹیبل سے اٹھا اسی وقت سبرینہ کی چور نگاہ اٹھی دیکھتی بھی تو وہ ڈر ڈر کے ہی تھی۔

"اب تُو اتنا بھی صحت مند نہیں ہوا کہ کام پر چل دے۔" دادی جان کو اس کی یہ بات جیسے پسند ہی نہ آئی' سب ہی ہنسنے لگے ڈنر سب ساتھ ہی کرتے تھے اور سب اس وقت موجود تھے۔

"دادی جان کچھ بہت ہی ضروری کام ہے۔" وہ مسکرایا۔

"سبرینہ کو بھی ساتھ لے کر جا۔"

"دادی جان! وہ اپنے کام سے جارہے ہیں۔" سبرینہ نے جھٹ مداخلت کی عباد نے مسکراہٹ روکی' وہ دادی جان کا مطلب بھی سمجھ رہا تھا۔

"احمد حسن جلدی اب دونوں کا ولیمہ کر ڈالو۔" یکدم ہی انہوں نے دھماکا کیا۔

"کیا......؟" عباد تو حیرانگی کا جھٹکا کھا کے رہ گیا جبکہ سبرینہ چیئر چھوڑ کر کچن میں ہی چلی گئی' خود کا موضوع گفتگو بننا اسے عجیب بھی لگ رہا تھا۔

"بالکل ٹھیک ہے اسی طرح پارٹی بھی ہوجائے گی۔" ارقم نے بھی جوش میں نعرے کے انداز میں فضا میں ہاتھ بلند کیا عباد نے اس کے بازو پر دھپ رسید کی۔

"قطعی نہیں' کیا ہوگیا ہے آپ کو؟"

"لو بھلا میں ٹھیک تو کہہ رہی ہوں تیرا ولیمہ بھی رہ گیا ہے۔" وہ تو جیسے مصمم ارادہ باندھ کے بیٹھی ہوئی تھیں۔

"بالکل نہیں' ابو! آپ ایسا کچھ نہیں کریں گے مجھے قطعی پسند نہیں ہے۔" وہ یہ کہہ کر رکا نہیں لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا ڈائننگ ہال سے نکلا تو رائٹ سائیڈ پر کچن میں سبرینہ پر نگاہ پڑ گئی جو ستون سے ٹیک لگائے کھڑی تھی فوراً ہی خجل سی ہوگئی۔

"تمہارا تو میں انتظام کررہا ہوں۔" طنز میں کٹیلا جملہ اچھالا تھا۔

"اپنا سامان باندھنا شروع کردو' سمجھیں۔"

"جی۔" وہ دھک سے ہی رہ گئی۔

اتنے میں امی اِدھر ہی آتی ہوئی نظر آئیں تو عباد تیزی سے نکل گیا جب کہ وہ لمبا سانس کھینچ کے کچن سمیٹنے میں لگ گئی تھی' سارا کام اس نے سمیٹا حمنی کو کچھ دیر پڑھایا اور پھر وہ اپنے کمرے میں آ گئی۔ عباد اس وقت کا گیا ہوا ابھی تک نہیں آیا تھا۔ وہ بیڈ پر لیٹے اس کی محو انتظار تھی جانے کس پہر اس کی آنکھ لگی تھی' اسی وقت وہ نہایت دبے پاؤں آیا تھا کمرے کی لائٹ آن تھی وہ بلیک پرنٹڈ کپڑوں میں اپنے ملکوتی حسن کے ساتھ بے خبر ہی سو رہی تھی۔ عباد نے کئی لمحے اسے بغور دیکھا اس کے چہرے پر اتنی ملاحت و معصومیت تھی کہ اکثر وہ چونک جاتا تھا تین سال وہ باہر گزار کر آیا تھا مگر اس کا معصوم اور روتا ہوا سراپا ڈسٹرب ہی کیے گیا تھا۔ وہ انا وضد کی وجہ سے پلٹ نہیں رہا تھا' خاندان میں طے کیا ہوا رشتہ قبول نہیں تھا مگر یہ لڑکی اس کی زندگی میں آتے ہی اپنی اہمیت قائم کرگئی تھی وہ مسلسل انکاری تھا مگر آج وہ اس کی اہمیت جان گیا تھا اس لڑکی نے اپنی چپ اور سادگی و معصومیت سے اس کا دل جیت لیا تھا' نگاہ تھی کہ پلٹنا گوارا ہی نہیں کررہی تھی مگر پھر خود کو کنٹرول کیا' چینج کیا' لائٹ آف کرکے نائٹ بلب آن کردیا' سبرینہ نے اسی وقت حرکت کی عباد سوتا بن گیا۔

"یہ کب آئے اور مجھے پتا بھی نہیں چلا۔" وہ سوچنے لگی۔

مگر پھر افسردگی سے آنکھیں بند کرلی تھیں اور عباد کے متعلق ہی سوچنے لگی کہ وہ ایسا کیا کرے کہ وہ اسے قبول کرلے۔

❁......❁......❁

عباد نے ابو سے قطعی لہجے میں کہہ دیا تھا کہ وہ ولیمہ بالکل نہیں کرائیں سب کتنا ہنسیں گے کہ تین سال بعد خیال آرہا ہے دادی جان کو غصہ بھی آیا لیکن عباد نے ہی منٹوں میں انہیں منالیا تھا۔

"سُن لڑکے! تیرے پہلے بچہ کا عقیقہ دھوم دھام سے ضرور ہوگا۔" انہوں نے گویا آرڈر جاری کیا سب ہی ہنسنے لگے جبکہ سبرینہ جھینپ گئی عباد بھی مسکرائے بنا نہ رہ سکا۔

"دادی جان پہلے بچہ کا کیا بھائی جان کے ہر بچے کا عقیقہ ہوگا۔" فائز نے شوخی سے کہا سارے ہی ہال میں محفل جمائے بیٹھے تھے۔

"پہلے ہمیں پارٹی تو دیں اپنی صحت یابی کی خوشی میں۔" ارقم کو یاد آیا تو بولے بنا نہ رہ سکا پھر سب نے ہی اس کی تائید کی۔

عباد نے پھر سب کو ہی چلنے کو کہا مگر بزرگ حضرات نے منع کردیا تھا اس طرح یہ جوان قافلہ اپنی شوخیوں اور شرارتوں کے ساتھ روانہ ہوگیا تھا۔ سبرینہ تو بالکل ہی گم صم سی ہوگئی تھی عباد اسے کوئی اہمیت ہی نہیں دے رہا تھا وہ کاسنی کپڑوں میں ملبوس سوگواری واپسی میں اس کے ساتھ ہی فرنٹ سیٹ پر بیٹھی تھی۔

"اگر موڈ نہیں تھا جانے کا تو منع بھی کرسکتی تھیں۔" کمرے میں آتے ہی اس نے پوچھا تو سر تا پا ہی سلگ گئی۔

''کس نے کہا میرا موڈ نہیں تھا۔'' وہ تڑخ کے گویا ہوئی۔

عباد کو وہ حیرت میں مبتلا کرگئی جو آج ایک دم ہی غصہ میں آگئی تھی ورنہ کتنے دنوں سے چپ کی مہر لگائے ہوئے تھی۔

''انداز تو تمہارے ایسے ہی تھے۔'' وہ شرٹ کے کف کھولنے لگا۔

''میرے انداز بالکل ٹھیک ہیں پہلے بھی ٹھیک تھے البتہ آپ ہی کے انداز شروع سے مشکوک تھے۔'' آج تو جانے اس میں کہاں سے اتنا اعتماد اور ہمت آگئی تھی اس سے دوبدو ہوگئی۔

''آواز نیچی رکھو۔''

''کیا...... میں کیوں رکھوں آواز نیچی...... اب تو میں سب کو بتاؤں گی شروع سے آپ نے میرے ساتھ ناانصافی ہی کی ہے۔'' وہ روہانسی ہوگئی۔

عباد کو تو اس کا یہ نیا روپ دیکھنے کو مل رہا تھا کل تک وہ خاموش اور غم زدہ سی تھی آج تو وہ لڑ ہی پڑی۔

''ناانصافی تو اب تم میرے ساتھ کررہی ہو جب تمہارا دل ہی نہیں تھا۔ میری جانب تو کیوں آئیں تم یہاں میں نے کہا تھا کہ مجھ پر مسلط ہوجاؤ۔'' وہ بھی درشت لہجے میں بول رہا تھا' سبرینہ بیڈ کے سرے پر بیٹھی لب کچل رہی تھی۔

''یہ اچانک ہی میری جانب تمہارا دل کیوں مائل ہوگیا۔'' انداز فہمائشی اور طنزیہ تھا۔

''میں محض آپ کے گھر والوں کی وجہ سے آپ کی جانب مائل ہوئی ہوں ورنہ نہ مجھے پہلے کوئی فکر تھی اور نہ اب ہے۔'' اس کی بات سن کے تو دل اور ہی خون کے آنسو رونے لگا کیسے وہ سرد مہر اور روکھا ہورہا تھا۔

''میرے گھر والوں کی فکر خوب کی تم نے۔'' اس نے طنز کیا۔

''آخر آپ چاہتے کیا ہیں مجھ سے یہ بتادیں۔'' روتے ہوئے گویا ہوئی۔

''فیصلہ......'' اس نے فوراً پشت پھیری۔

''پیپرز آنے والے ہیں سائن کرنے ہیں تم نے پھر میں اپنی مرضی کا مالک ہوں گا جو دل چاہے کروں گا' بہت تم نے مجھے تڑپایا ہے۔''

''کیسے پیپرز کیا مطلب ہے؟'' وہ تو اچھل ہی گئی اور پھر وہ اتنی احمق بھی نہیں تھی کہ پیپرز سائن اور فیصلہ نہ سمجھ سکتی۔

''جب آئیں گے تو دیکھ لینا اگر گھر میں شور مچایا کسی کو بتایا تو سوچ لینا میں پھر ذرا لحاظ نہیں کروں گا۔'' وہ چہرے پر سختی لیے اسے وارن کررہا تھا سبرینہ کو لگا کہ اس کی سانس رک رہی ہو وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے بے یقینی سے دیکھ رہی تھی جو وارفتگی سے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

''یہ رونا دھونا بند کرو سمجھیں۔'' نگاہ کو جھٹک کے وہ کمرے سے باہر نکل گیا' سبرینہ روتی رہی اس کی بے رخی سفاکی پر جو کل کی طرح ہی تھا پروانہ کرنے والا۔

❀......❀......❀

گھر میں وہ کیا کسی کو بتاتی بلکہ وہ تو سب کا سامنا ہی ڈرتے ہوئے کرتی تھی کہ کوئی اس کے چہرے کی مردنی نہ دیکھ لے اور پوچھ بیٹھے مگر کئی دنوں سے نیند نہیں آرہی تھی آنکھوں کے نیچے حلقے پڑگئے تھے جو احمد حسن نے ضرور محسوس کیے تھے۔

''کیا بات ہے سبرینہ! آپ کے آنکھوں کے نیچے کتنے حلقے پڑرہے ہیں' بیٹا کچھ کھاتی پیتی نہیں ہو۔'' وہ انہیں ان کے کمرے میں چائے دینے آئی تھی عباد بھی وہیں موجود تھا کوئی بزنس فائل پر ڈسکس ہورہا تھا۔

''جی نہیں' وہ نیند کی وجہ سے ہورہے ہیں۔'' اسے ان سے کہتے ہوئے شرم بھی آئی عباد نگاہ جھکائے بیٹھا تھا۔ حمیرا کی جانچتی اور پُرتشویش نگاہیں اس پر ہی تھیں۔

''تم باہر آؤ۔'' وہ جیسے کچھ سمجھ سی گئیں۔

''مجھے شک تو ہورہا تھا لگتا ہے تمہارا چیک اپ کروالوں۔'' کوریڈور میں آتے ہوئے انہوں نے سبرینہ کا چہرہ تُتا ہوا دیکھا وہ تو جھینپ ہی گئی کہ حمیرا کچھ اور ہی سمجھ رہی تھیں۔

''امی ایسی کوئی بات نہیں ہے۔'' وہ بوکھلا کر بولی۔

''چیک اپ کروانے میں کوئی برائی نہیں ہے۔''

سبرینہ کی سمجھ نہیں آرہا تھا کہ انہیں کیسے بتائے کہ وہ بات نہیں ہے بلکہ وجہ کچھ اور ہی ہے۔ زبردستی اس کا چیک اپ بھی کروالیا' سبرینہ تو شرم سے پانی ہورہی تھی۔

''نیند مکمل کرلیا کرو۔'' انہوں نے اسے سرزنش کی تھی۔

وہ سر جھکا کر رہ گئی کیونکہ حمیرا کچھ خاموش سی ہوگئی تھیں وہ سمجھیں کہ شاید کوئی خوشی کی خبر ہو۔

''عباد رات کو گھر جلدی آیا کرو حالت دیکھو اس کی' دیر تک جاگنے سے ہوئی ہے۔'' وہ اسے احساس دلا رہی تھیں کہ جیسے وہ سبرینہ کی جانب سے بے پرواہ ہے' وہ سر کھجانے لگا خفا جو ہورہی تھیں۔

''میری تو یہ دعا ہے کہ جلدی میں تمہارے بچوں کو بھی دیکھ لوں۔'' لہجے میں حسرت تھی۔

''بھابی! آپ کو دادی جان بلا رہی ہیں۔'' حمنی اسے بلانے چلی آئی۔

حمیرا دونوں کو ہی لاؤنج میں بٹھا کے سمجھا رہی تھیں چیک اپ کے لیے بھی عباد کے ساتھ ہی گئی تھیں' سبرینہ تو فوراً ہی بھاگ لی۔

''بیٹا! وہ بیوی ہے تمہاری اس کا خیال کرو۔''

''سوری امی! میں تو ہر طرح سے ہی خیال رکھ رہا ہوں۔'' وہ منمنایا۔

''بیٹا! تم کچھ مہینوں بعد اسے ساتھ لے کے کینیڈا چلے جاؤ گے جتنے دن وہ یہاں ہے ہمارے پاس اسے خوش تو رکھو۔'' انہوں نے اس کی شانے پر ہاتھ رکھ کر سمجھایا وہ سر ہلا کر رہ گیا۔

عباد نے اپنے اور اس کے جانے کے تمام کاغذات تیار کروالیے تھے دو سال کا اس کا وزٹ تھا سب ہی باخبر تھے ایک وہی بے خبر تھی۔

''ان کاغذات پر سائن کرو۔'' کاغذات ٹیبل پر پھیلے ہوئے تھے۔ سبرینہ نے چونک کے وحشت زدہ ہو کے دیکھا دل اس کا دھک دھک کرنے لگا یعنی فیصلے کی گھڑی آ گئی تھی۔

''جی کاغذات پر سائن......''

''ہاں جلدی کرو میرے پاس ٹائم نہیں ہے کل ہی مجھے سارا کام کروانا ہے کیونکہ سب گھر والوں ہی کی مرضی سے میں تم سے سائن کروا رہا ہوں۔'' ایک اور دھماکا کیا اس کی سماعتوں پر وہ چکرا کے ہی رہ گئی ایسا لگا کہ یہ سن کے ہی دل بند ہونے لگا ہو۔

''فارمل سی یہ زندگی نہیں گزاری جارہی ہے مجھ سے' جلدی کرو سائن میری جانب کیا دیکھ رہی ہو۔'' اس نے پین اسے پکڑا دیا۔

''نہیں کروں گی' کیوں کروں ہر بار آپ اپنا فیصلہ کیوں سناتے ہیں' کیوں کررہے ہیں ایسا۔'' وہ تو چیخنے لگی عباد بوکھلا گیا اس کی دیوانوں کی طرح حالت جو ہونے لگی تھی۔

''بند کرو آواز' تماشہ لگاؤ گی اتنی رات کو یہاں۔'' وہ دبے دبے لہجے میں اسے سرزنش کرنے لگا مگر سبرینہ تو سر پکڑ کر نیچے کارپٹ پر ہی بیٹھ کر رونے لگی۔

''تماشہ تو آپ نے بنایا ہے میری زندگی کا' اب آپ کے گھر والے بھی شامل ہوگئے ہیں۔'' اسے گھر والوں کا سن کے اور غصہ آنے لگا ورنہ بظاہر سب اس سے کتنی اپنائیت اور محبت سے پیش آتے ہیں اور جب کہ آج کا سارا دن وہ حمیرا کے ساتھ اسپتال میں چیک اپ کے لیے گزار کے آئی تھی پھر وہ سب کیا تھا۔

''نہیں کروں گی سائن' سنا آپ نے۔'' اس میں اتنی ہمت اور اعتماد دیکھ کر عباد چونک کے دیکھنے لگا اس کی رنگت پیلی ہوگئی تھی چہرے پر یاسیت الگ چھا رہی تھی وہ جانتا تھا وہ اس کے لیے ہی وہ خود کو اتنی تکلیف دے رہی تھی اس پر ترس آنے لگا تو پیپرز لے کر وہ کمرے سے نکل گیا۔

سبرینہ روتی رہی تھی کوئی بھی تو اسے اب اپنا ہمدردانہ لگا تھا سب ہی شاید اس کے سرد رویے سے بے زار ہوگئے تھے جب ہی عباد کا سب ساتھ دے رہے تھے وہ خوامخواہ اتنے سال خوش فہمی میں رہی کہ وہ سب اسے اپنے دل سے قریب رکھتے ہیں عباد تو ان کا اپنا تھا وہ تو پھر ان کی دور پرے کی تھی مضبوط رشتہ تو کوئی نہ تھا۔

صبح عباد کمرے میں آیا تو وہ بے سدھ پڑی تھی وہ گھبرا گیا سبرینہ کا وجود بالکل ساکت لگا' سانس بھی رک رک کے چل رہی تھی۔

''اوہ مائی گاڈ! یہ کیا ہوگیا۔'' وہ بیڈ پر پڑے اس کے وجود پر نگاہ ڈال کر زیرو بم سے محسوس کرنے لگا کہ سانس بھی ہے یا نہیں' فوراً ہی کمرے سے نکلا تھا اتنی صبح ڈاکٹر...... دادی جان ہال کمرے میں تھیں اس کی سمجھ نہیں آرہا تھا کیا کرے' واپس کمرے میں گیا اور سبرینہ کے بے سدھ وجود کو اپنی مضبوط بانہوں میں لیے وہ سیڑھیاں اترنے لگا۔

''عباد سبرینہ کو کیا ہوا ہے؟'' دادی جان تو گھبرا ہی گئیں۔

''پتا نہیں دادی آنکھ ہی نہیں کھول رہی ہے۔'' وہ باہر نکل گیا تھا' تھوڑی ہی دیر میں گھر میں شور مچ گیا عباد اسے قریب ہی اسپتال لے گیا تھا۔ گھر سے فائز' ارقم' روحیل اور احمد حسن بھی آگئے تھے۔

''ڈاکٹر اینی پرابلم۔'' عباد پریشان سا پرائیوٹ روم کے آئی سی یو کے باہر ٹہل رہا تھا ڈاکٹر کو آتے دیکھا تو پوچھ بیٹھا۔

''شدید ذہنی دباؤ کی وجہ سے ان کی ایسی حالت ہوگئی' بہرحال اب نارمل ہیں شام تک انہیں لے جاسکتے ہیں۔'' انہوں نے تسلی دی' عباد نے تشکر بھرا سانس بھرا مگر احمد حسن کی تنقیدی اور کڑی نگاہیں اسے چور بنارہی تھیں۔ وہ نگاہ چراتا ہوا اندر بڑھ گیا تھا' شام تک اسے ڈسچارج کردیا تھا' گھر آکر سبرینہ سب کے متفکر اور غمگین چہرے دیکھ کر افسردگی سے رونے لگی' جانے کیوں اسے سب جھوٹ فریب لگ رہا تھا۔

''سبرینہ! میری بچی کیا ہوگیا ہے کیوں روتی ہو۔'' دادی جان کے ہی کمرے میں اسے لیٹایا گیا تھا کیونکہ نقاہت کی وجہ سے وہ سیڑھیاں نہیں چڑھ سکتی تھی۔

''مجھے نہیں جینا' کوئی نہیں ہے میرا۔'' وہ چیخنے لگی۔ بیڈ پر دائیں بائیں حمنی اور دریہ بیٹھی تھیں جو اس کے ہاتھ پیر بھی دبا رہی تھیں' اچانک ہی وہ ہذیانی ہوگئی تھی۔

''کیسی بات کررہی ہے' ہم سب ہیں نا۔'' دادی جان نے اس کا چہرہ اپنے نحیف ہاتھوں میں پکڑا وہ خود صبح سے کتنی ہی بار اس کی وجہ سے روچکی تھیں جو بالکل بے ہوش سی تھی نہ آنکھ کھول کر کسی کو دیکھ رہی تھی۔

''نہیں ہیں' سب مجھے اس گھر سے نکالنا چاہتے ہیں۔''

''ارے اللہ نہ کرے جو ہم ایسا سوچیں بھی۔'' وہ تو حیرت زدہ ہی رہ گئیں' حمیرا اس کے لیے جوس لے کے آئی تھیں انہوں نے بھی سن لیا تھا۔

''آپ سب مجھ سے جھوٹی محبت کرتے ہیں۔'' اس نے روتے ہوئے کہا۔

''سبرینہ کیسی باتیں کررہی ہو بیٹی! ہم کیوں جھوٹی محبت کریں گے تم ہمارے لیے کیا ہو کوئی ہم سے پوچھے۔'' حمیرا نے جوس کا گلاس حمنی کو پکڑایا اور خود اس کے قریب بیٹھ گئی تھیں وہ اور شدت سے رونے لگی۔

''پھر آپ نے ان سے کیوں کہا کہ میں پیپرز پر سائن کروں۔''

''کیسے پیپرز......؟'' انہوں نے ناسمجھی سے کہا۔ اتنے میں عباد اس کی خیریت پوچھنے اندر آگیا' سبرینہ نے قہر برساتی نگاہ اس پر ڈالی وہ خجل سا ہوگیا۔

''پوچھیے ان سے طلاق نامے پر مجھ سے زبردستی سائن کروا رہے تھے۔''

''کیا......؟'' حمیرا تو متوحش زدہ سی رہ گئیں ایسی مکروہ بات دادی جان نے بھی بے یقینی سی نگاہ عباد پر ڈالی۔

''وہ امی طلاق نامہ نہیں تھا پاسپورٹ فارم تھا جو میں سائن کروا رہا تھا جانے یہ کیا الٹا سیدھا سمجھ بیٹھی تھیں۔'' وہ اپنے دفاع میں بولا۔

حمیرا کو بھی ساری بات سمجھ آگئی' غصیلی اور خفگی بھری نگاہیں ان کی عباد پر تھیں۔

''حمنی' دریہ تم دونوں جاؤ یہاں سے۔'' انہوں نے دونوں کے سامنے بات کرنا مناسب نہیں سمجھا وہ دونوں فوراً ہی اٹھ کر چلی گئی تھیں۔

''عباد تم سے مجھے اتنی کم عقلی کی امید نہیں تھی تم نے نہیں

بتایا اسے کہ تم اسے کینیڈا ساتھ لے کر جاؤ گے۔" وہ اسے سخت سنانے لگیں وہ شرمندگی سے سر کھجانے لگا سبرینہ نے چونک کر سنا۔

"وہ اصل میں نے سوچا کہ سرپرائز دوں گا۔"

"یہاں بچی کی جان پر بن آئی تمہیں سرپرائز کی پڑی تھی۔" دادی جان کو بھی اس کی یہ بات پسند نہ آئی تھی۔

"دیکھا مجھے پتا تھا یہ سبرینہ کو نہیں بتائے گا ہمیں بھی بتانے نہیں دیا۔" حمیرا نے سبرینہ کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرا تھا۔

سبرینہ کے آنسو نکل رہے تھے جو لب کچل کر روکنے کی ناکام کوشش کررہی تھی۔ عباد نے کن انکھیوں سے دیکھا بھی بھولے سے بھی نگاہ نہیں اٹھارہی تھی۔

"میری بیٹی کو زیادہ تنگ نہیں کیا کرو۔" حمیرا نے اسے اپنے گلے سے لگالیا وہ اور ہی زور زور سے رونے لگی تھی۔

"ہمدردی حاصل کرنے کا یہ اچھا طریقہ ہے۔" وہ اس کے رونے سے کھسیانے لگا۔

"چپ کرا یک تو اس کی جان نکال دی اس پر بھی اسے سنا رہا ہے۔" دادی جان نے عباد کے ایک دھپ رسید کی وہ سر کھجاتا ہوا باہر نکل گیا۔

❀......❀......❀

صبح وہ بڑے فریش انداز میں اٹھا تھا ہونٹوں پر شوخ سی دھن سیٹی پر بجا رہا تھا' سبرینہ کی طبیعت اب پہلے سے قدرے بہتر تھی وہ غسل کرکے باتھ روم سے نکلی دونوں کی نگاہوں کا تصادم ہوا کاسنی لان کے کپڑوں میں ملبوس اس کا سرخ وسپید سراپا نکھر کر اور پیارا لگ رہا تھا' وہ خفگی دکھاتی ہوئی اپنے گیلے بال تولیہ سے خشک کرنے لگی اس دوران عباد جان بوجھ کے اس کی راہ میں حائل ہوگیا۔ سبرینہ نے نگاہ نیچے رکھی اور سائیڈ سے نکل گئی۔

"دلیعنی تم چاہتی ہو میں ہاتھ جوڑ کے تم سے معافی مانگوں۔" عباد اسے دوبارہ اپنا غصہ دکھانے لگا' روزانہ ہی اسے کبھی ابو سے کبھی دادی جان سے ڈانٹ پڑ رہی تھی کیوں اسے اتنا تنگ کیا۔

"میں ایسا کچھ نہیں چاہتی ہوں۔" تولیہ اسٹینڈ پر لٹکایا اور بالوں کو سمیٹ کے کیچر لگایا' ڈھل کے سراپا اس کا اور زیادہ نکھر گیا تھا' بیماری کی وجہ سے وہ کچھ کمزور سی لگنے لگی تھی۔

"پھر یہ مجھے فضول کے نخرے کیوں دکھا رہی ہو۔"

"میں آپ کو کوئی نخرے نہیں دکھا رہی ہوں اور نا مجھے ایسا شوق ہے کہ آپ سے اپنے ناز نخرے اٹھواتی رہوں۔" انداز میں اس کے اعتماد تھا۔

سب گھر والوں کی حمایت حاصل تھی' سبرینہ نے سوچ لیا تھا دوبارہ وہ خود کو نہیں گرائے گی وہ اتنی بے وقعت نہیں ہے۔

"اوہ یعنی یہ ایک ہفتے میں زبان اس لیے کھل گئی کہ سب کی حمایت جو حاصل ہوگئی ہے۔" عباد نے تمسخر اڑا کے طنز کیا لب اس کے مسکرانے لگے۔

"آپ بھی یہ خوش فہمی نکال دیں کہ میں آپ کے ساتھ کینیڈا چلی جاؤں گی مجھے بھی آپ پر اعتماد نہیں رہا' پتا نہیں وہاں کوئی اپنے لیے چھوڑ آئے ہوں دو تین بچوں کے ساتھ۔" وہ جو اتنی ڈری سہمی رہنے لگی تھی آج اتنی ہمت آ گئی تھی کہ عباد کو دوبدو جواب دے رہی تھی وہ گنگ سا رہ گیا۔

"مجھے بھی آپ کے ساتھ نہیں رہنا اور نا ہی مجھے جانا ہے۔" دوپٹہ اٹھا کر وہ آنکھوں میں نمی لیے تیزی سے کمرے سے نکل گئی۔

عباد تو ہک دک سا رہ گیا' سبرینہ کا ایسا جارحانہ انداز اور وہ خود کو شرمندگی کی اتھاہ گہرائیوں میں گرتا ہوا محسوس کرنے لگا' جسے اتنے سال یہاں اپنے نام پر چھوڑ کے گیا وہ اتنی اندر سے ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوگئی تھی کہ اس سے اس حد تک بدظن ہوگئی تھی۔

اس نے تو سبرینہ کے لیے ابھی تک کچھ نہیں کیا تھا اس نے اس رشتے کا پاس رکھتے ہوئے سب کو اپنا گرویدہ بنالیا تھا ابو نے بھی صرف سبرینہ کی وجہ سے ہی تو معاف کیا تھا ورنہ وہ تو معافی کے قابل تک نہیں تھا ایک معصوم لڑکی کے ارمانوں کا قتل کرکے اس رات چپکے سے چلا گیا تھا' صرف اس وجہ سے وہ باپ کے طے کیے رشتے کو نہیں مانتا تھا وہ

پسند کی شادی کا قائل تھا مگر آج اسے پتا چل گیا تھا اریج میرج کو بھی تو لو میرج بنایا جاسکتا ہے۔

سبرینہ نے اپنی نازک موہنے سراپے سے اس کا دل جیت لیا تھا اس کے سارے کام خود کرتی تھی کالج تک سے ریزائن کردیا تھا اس لیے کہ اسے پسند نہیں تھا وہ تو مکمل اس کی پسند اور مرضی کے مطابق کررہی تھی اور اس نے تو ابھی تک اس کے لیے کچھ نہیں کیا تھا دل اندر سے اضطرابیت کا شکار ہوگیا اداسی بکھر گئی کتنا فریش اٹھا تھا مگر سبرینہ کے سرد رویے پر وہ رنجور سا ہوگیا۔ ناشتے کی ٹیبل پر خاموشی سے اس کے لیے وہی ناشتا لائی تھی مگر اپنے رویے سے کسی پر بھی یہ ظاہر نہیں کررہی تھی کہ ان دونوں میں خفگی و ناراضگی چل رہی ہے وہ نارمل ہی سب سے بات کررہی تھی فائز کی معنی خیز باتیں اسی طرح تھیں عباد مگر اس لمحے خاموش تھا جو سبرینہ نے محسوس کیا تھا۔

❁......❁......❁

سبرینہ نے حمیرا بیگم سے کہہ دیا تھا کہ وہ عباد کے ساتھ کینیڈا نہیں جانا چاہتی جس نے بھی سنا وہ متحیر زدہ رہ گیا۔ عباد نے سنا تو اسے تو سن کے غصہ تو آیا مگر اسے دکھ و ملال سا ہونے لگا۔ سبرینہ اس سے اس حد تک بدظن ہوگئی تھی کہ اس کے ساتھ رہنا تک نہیں چاہتی تھی وہ ابو اور امی کے سامنے کچھ نہیں کہنا چاہتا تھا۔

''کیا ڈرامے لگائے ہوئے ہو۔'' عباد پیچ و تاب کھا رہا تھا اسے دیکھ کر کچن میں آ گیا وہ روٹیاں پکا رہی تھی کیونکہ رات کو روم میں بھی رات گئے آتی تھی اسے بات کرنے تک کا موقع نہیں دیتی تھی۔ وہ حیرانگی سے عباد کے تپے ہوئے چہرے کو دیکھنے لگی جو اتنا غضب ناک لگ رہا تھا وہ کچھ ڈر سی گئی مگر خود کو نارمل ظاہر کرکے روٹیاں پکانے میں مصروف ظاہر کرنے لگی۔

''کیوں کررہی ہو ایسا؟''

''کیسا کررہی ہوں۔'' اس کے انداز میں اطمینان اور انجان بن تھا۔

''کینیڈا جانے سے جب کہ میں ساری تیاری مکمل کرچکا ہوں۔'' وہ اس کے انجان بننے پر دانت پیسنے لگا۔

سبرینہ نے نگاہ اٹھا کے اس کے لب و لہجے اور انداز پر غور کیا اس کے چہرے سے جھنجلاہٹ اور اکتاہٹ بھی چھلک رہی تھی۔

''میرا دل نہیں کرتا یہاں سے کہیں بھی جانے کو آپ کو جانا ہے تو آپ چلے جائیے میں آپ کو تو نہیں روک رہی ہوں میں پہلے بھی اکیلی تھی اب بھی رہ لوں گی میرے پاس سب موجود ہیں مجھے نہیں ضرورت آپ کی کیونکہ میں ان سب کے بغیر نہیں رہ سکتی نا ہی مجھے عادت ہے رہنے کی آپ کو تو عادت ہے سب کے بغیر رہنے کی رہ لیں آپ جاکر۔'' اس نے روٹیاں پکانے کے بعد برنر بند کیا روٹیوں کو رومال میں لپیٹ کے ہاٹ پاٹ میں رکھا سنک میں جاکر ہاتھ دھونے لگی۔

سبرینہ کی ایک ایک بات میں طنز تھا وہ چونک کر رہ گیا' کتنے آرام سے وہ اسے سب کچھ باور کرا گئی تھی کہ اسے ان رشتوں کی ضرورت نہیں ہے جب ہی جانے کی بات کررہا ہے۔

''میری وہاں جاب ہے۔'' لہجے میں حسرت و یاس پنہاں تھا۔

''آپ اپنی جاب جوائن کریں مگر میں ان سب کو چھوڑ کے نہیں جاسکتی۔'' نگاہ نیچی کیے اسے قطعیت بھرے لہجے میں انکار کرکے دھپ دھپ کرتی ہوئی چلی گئی۔ حمیرا بیگم باہر کھڑی سب سن رہی تھیں' انہیں عباد پر ترس آنے لگا' کتنا خوش تھا کہ وہ وہاں جاکر اسے اتنا خوش رکھے گا کہ وہ سب غم بھول جائے گی۔

''نہیں میں ان دونوں کو الگ نہیں ہونے دوں گی' سبرینہ کو سمجھانا ہے۔'' وہ مصمم ارادہ کرتے سبرینہ کے روم کی سمت بڑھ گئیں۔

''سبرینہ بیٹا کچھ کررہی ہو۔'' حمیرا بیگم اس سے مخاطب ہوتے ہوئے اندر چلی آئیں وہ وارڈروب کھولے جانے کیا کررہی تھی انہیں دیکھ کر گڑبڑا گئی وہ استفہامیہ نگاہوں سے ان کے پرتفکر چہرے کو دیکھنے لگی۔

''جی کچھ نہیں الماری کچھ الٹ پلٹ ہوگئی تھی طبیعت خراب ہونے کی وجہ سے کچھ بھی دیکھا ہی نہیں سوچا کہ کھانے میں تو ابھی ٹائم ہے جب تک یہ بھی ٹھیک کرلوں۔'' وہ مسکرا کے انہیں بیڈ پر بیٹھنے کا اشارہ کرنے لگی' حمیرا بیگم آہستگی سے بیٹھ گئیں سبرینہ سمجھ گئی ضرور وہ کچھ کہنا چاہتی ہیں۔

''سبرینہ بیٹا' جو تم کررہی ہو یہ ٹھیک نہیں ہے عباد نے غلط کیا ہے تمہارے ساتھ میں مانتی ہوں مگر اب تو وہ اپنے کیے پر شرمندہ ہے نادم ہے تم اسے معاف نہیں کرسکتیں۔'' انہوں نے سبرینہ کے نرم و ملائم سے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھام لیے وہ سر جھکا کررہ گئی۔

''تم یہ مت سمجھنا کہ میں عباد کی سائیڈ لے رہی ہوں' بیٹا میں ماں ہوں اس کی مجھے بہت فکر ہے اس کی بھی اور تمہاری اس لیے کہ وہ یہاں سے بددل ہوکر واپس نہ چلا جائے۔ تمہیں ساتھ لے کے جائے کیونکہ مجھے خوشی اس وقت زیادہ ہوگی جب تم بھی اس کے ساتھ ہوگی اور تم دونوں خوش رہو گے۔'' ان کی آواز بھیگ گئی آنکھوں میں نمی در آئی' سبرینہ نے تڑپ کے ان کے ہاتھوں پر اپنا ہاتھ رکھا۔

''مامی میں اس لیے ان کے ساتھ جانے سے منع نہیں کررہی ہوں کہ میں ان سے ناراض ہوں بلکہ اس لیے کہ میں آپ سب کے بغیر وہاں اکیلی کیسے رہوں گی' میں آپ سب کے بغیر نہیں رہ سکتی۔'' اس نے ان کے شانے پر اپنا سر رکھ دیا آواز اس کی بھرا گئی تھی وہ اپنی بات کسی کو ابھی تک سمجھا بھی تو نہیں سکی تھی کہ وہ کیا سوچ کے منع کررہی ہے۔

''سبرینہ عباد کی وہاں جاب ہے۔''

''مامی کیا وہ اپنے ملک میں رہ کر نہیں کرسکتے جاب ماموں جان کا بزنس ہے' فائز چھوٹا ہے وہ کب تک اکیلے سنبھالیں گیں۔'' وہ آنسوؤں کے درمیان ان سے اپنے دل کی بات شیئر کررہی تھی وہ تو اس گھر کے سارے مکین کی فکر کرتی تھی عباد تو پھر اس کا سب کچھ تھا وہ یہ دیکھنا چاہتی تھی وہ اس کا کتنا خیال کرتا ہے اور اپنا جانا بھی کینسل کرتا ہے یا نہیں۔

''ہوں یہ تم نے ٹھیک کہا میں بھی تو یہی چاہتی ہوں عباد میری نظروں کے سامنے رہے' بہت عرصہ وہ ہم سے دور رہ لیا ہے۔'' وہ سن کے خوش ہوگئیں دل ایک دم ہلکا پھلکا سا ہوگیا تھا۔

''تم اگر اسے خود سے جانے سے روکو گی' تو مجھے یقین ہے وہ مان لے گا۔'' ان کے لہجے میں یقین اور وثوق تھا۔

''آپ فکر نہیں کریں آپ کی خاطر میں انہیں روک لوں گی' آپ اداس نہیں ہوں مجھے شرمندگی ہورہی ہے۔'' اس نے ان کے آنسو اپنے آنچل سے صاف کیے' حمیرا بیگم کے لب مسکرا اٹھے اس کے سر پر شفقت اور پیار سے ہاتھ پھیرا اور اپنے شانے سے لگالیا۔

''مجھے فخر ہے کہ تم جیسی لڑکی میری بہو ہے ورنہ لوگ تو بیوؤں کا رونا روتے ہیں وہ ٹھیک نہیں ہے۔'' ان کے لہجے میں رشک چھلک رہا تھا۔ سبرینہ نے مسکرا کے انہیں دیکھا وہ بھی تو خود پر رشک کرتی تھی کہ اتنی اچھی محبت کرنے والی سسرال ملی ہے۔

❁.......❁.......❁

عباد نے خاموشی اختیار کرلی تھی دادی جان کے کمرے میں وہ گھنٹوں لیٹا رہتا' سبرینہ سے بھی وہ بات نہیں کررہا تھا۔ دریہ سے اپنے سارے کام کروارہا تھا' سبرینہ سمجھ رہی تھی یہ بھی ناراضگی اور خفگی کا انداز ہے۔

''کیا بات ہے تم دونوں کی بات چیت بند ہے۔'' دادی جان تو ہر وقت دونوں کو جانچتی اور تفتیشی نگاہوں سے دیکھتی رہتی تھیں۔

سبرینہ نے پہلو بدلا جبکہ عباد ٹانگ پر ٹانگ جمائے ان کے بیڈ پر لیٹا تھا' سبرینہ عباد کے لیے خود چائے بنا کے لائی تھی لیکن عباد نے پینے سے صاف انکار کردیا تھا۔

''نن...... نہیں تو دادی جان۔'' سبرینہ نے مسکرا کے ایسے تاثر دیا جیسے سچ میں کوئی بات نہیں' عباد کی اچٹتی نگاہ اٹھی وہ خفیف سی ہوگئی۔

''پھر تم دونوں کی بات چیت کیوں نہیں ہورہی ہے۔''

''میں تو کرتی ہوں کیوں آپ بھی بولیے نا؟'' سبرینہ

نے عباد سے بھی تائید چاہی جولاتعلقی اور سردمہری لیے ہنوز دراز تھا۔

"مجھے تمہاری طرح جھوٹ بولنے کی عادت نہیں ہے۔" ترنخ کے نروٹھے پن سے جواب دیا اور اٹھ کر روم سے نکل گیا۔

❁.......❁.......❁

صبح اس کی آنکھ اٹاخ پٹخ سے کھلی عباد جانے کیا کیا پھاڑ پھاڑ کے پھینک رہا تھا' سبرینہ تو اچھل کے اٹھ بیٹھی اتنی صبح وہ کیا کررہا تھا' کمبل دور کیا آنچل شانے پر ڈالا اور اس کے سر پر پہنچ گئی۔

"یہ کیا کررہے ہیں؟" اس نے حیرانگی میں مبتلا ہوکر اس کی حرکات سکنات کو استفہامیہ نگاہوں سے دیکھا' وہ کاغذات کے پرزے پرزے کررہا تھا۔

"پھینک رہا ہوں جب تم ہی ساتھ نہیں ہو تو میرا بھی جانا بے کار ہے۔" ہاتھ جھاڑ کے وہ کھڑا ہوگیا' بلیو نائٹ ڈریس میں ہلکی بڑھی ہوئی شیو کے ساتھ اتنا سوبر اور معتبر لگ رہا تھا' سبرینہ مبہوت سی رہ گئی۔

"میں نے آپ کو جانے سے تو نہیں روکا۔" سبرینہ کو خوشی بھی ہوئی کہ عباد کے دل میں وہ اہمیت رکھتی ہے جب ہی اس نے اپنا ارادہ بدل دیا تھا اسے یقین نہیں آرہا تھا۔

"تم نے یہ بھی تو نہیں کہا کہ آپ نہیں جائیے۔" عباد نے اس کی کمر میں بازو حمائل کرکے خود سے قریب کرلیا سبرینہ حواس باختہ سی رہ گئی' عباد کی اچانک افتاد پر جو اتنی لگاوٹ سے اس کے قریب آگیا۔

"مجھے امی نے سب بتادیا ہے مجھ سے ڈائریکٹ نہیں بول سکتی تھیں تمہاری مرضی کیا ہے۔" اس نے اس کی ناک دبائی۔

"خوش ہوجاؤ میں بھی نہیں جارہا۔" اس نے شوخ سی جسارت کی' سبرینہ چھوئی موئی سی ہوکر اس کے شانے سے لگ گئی۔

"میں نے تمہارا دل دکھایا تمہارے ارمانوں کا قتل کیا میں دیکھنا سب کا ازالہ کردوں گا کیونکہ سبرینہ تم ایک دم نہیں آہستہ آہستہ میرے دل میں اپنا مقام بناتی گئی ہو میرے گھر والوں کا تو دل جیت ہی لیا تم نے میرا بھی دل جیت لیا۔"

عباد نے اس کے ماتھے پر اپنے پیار کی مہر ثبت کی' سبرینہ کو یقین نہیں آرہا تھا کہ اس کی پیاسی زندگی کو وہ اس طرح سیراب کرے گا اس پر اوپر والے نے اپنی رحمتوں کی بارش شروع کردی تھی اس کے تن من دھن کا مالک اچانک سے یوں اسے سمیٹ لے گا اس نے سوچا نہیں تھا۔

"آپ نے میرے ساتھ بہت بُرا کیا ہے۔" اس نے شکوہ کیا۔

"اب دیکھنا سب سے اچھا بھی میں ہی کروں گا۔" شرارت اور معنی خیزی سے مسکرا کے اسے اپنے سینے میں سمولیا' سبرینہ نے پرسکون ہوکے اس کے سینے میں منہ چھپالیا۔

"میری سوچ غلط تھی کہ ارینج میرج کبھی کامیاب نہیں ہوتی' لو میرج ہی کامیاب رہتی ہے مگر آج مجھے خود پر رشک آرہا ہے کہ میری ارینج میرج لو میرج بن گئی ہے اور اتنی خوب صورت لڑکی کو میری بیوی بنادیا ہے۔" عباد نے دل سے اعتراف کیا۔

"دل سے کہہ رہے ہیں یا پھر کمپرومائز کررہے ہیں۔" سبرینہ نے سر اٹھایا۔

"کمپرومائز بھی محبت کا نام ہوتا ہے ویسے میں کمپرومائز نہیں کررہا ہوں' دل سے کہہ رہا ہوں۔" وہ اس کی بے یقینی سمجھ رہا تھا مگر سوچ لیا تھا سبرینہ کو اپنے ہر اقدام سے محبت کا اظہار کرتا رہے گا۔ عباد نے مسکرا کے اس کو اپنے بازوؤں کے حصار میں لے لیا۔

آج روپہلی صبح کا آغاز ہوا تھا کتنے برسوں بعد اس کی بے رنگ زندگی میں رنگوں کی برسات ہوئی تھی۔ سبرینہ نے آنکھیں بند کرکے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا' اس کا روٹھا سجن لوٹ آیا تھا۔

کچھ نہ مانگوں گا جو اس بات کو پورا کردے
جو نہیں میرا الٰہی، اسے میرا کردے
عمر بھر تیرے خیالوں میں یونہی کھویا رہوں
تجھ کو بھولوں تو یہ قدرت مجھے اندھا کردے

سورج کی سنہری کرنیں دھرتی پر نئی صبح کی نوید سنا رہی تھیں، پرندوں کی چہچہاہٹ سماعتوں کو سکون بخش رہی تھی۔ امیر علی نے گھر کا بیرونی دروازہ آہستگی سے کھولا اور اپنی صحن میں کھڑی ریڑھی کو دھکیلتے ہوئے سڑک پر لے آیا۔ ریڑھی کو کھڑا کر کے وہ واپس دروازے کی جانب بڑھا، لبوں پر پُراطمینان مسکراہٹ، مسلسل حرکت کرتی زبان ذکر الٰہی میں مشغول تھی۔

"عافیہ! دروازہ بند کرلو۔" اس نے دروازے کے دونوں پٹ ایک دوسرے میں پیوست کرتے ہوئے اپنی بیوی کو مخاطب کیا وہ چند لمحوں میں دروازہ اندر سے بند کرچکی تھی، وہ واپس پلٹا اور ریڑھی کے قریب آیا۔

"لو بھئی نیک نام لوگ بھی ہماری طرح صبح کو گھر سے نکلتے ہیں اور شام کو لوٹتے ہیں پر قسمت کی دیوی ہر کسی پر مہربان کہاں ہوتی ہے۔ کچھ لوگ اپنے کشکول میں صرف چند سکے ہی لکھوا کر لاتے ہیں..... " امیر علی کے لبوں سے مسکراہٹ معدوم ہوگئی البتہ زبان اب بھی مشغول ذکر تھی۔

وہ جو وقت مقررہ سے ایک گھنٹہ پہلے گھر سے صرف اس لیے نکلا تھا کہ بڑے بھائی کا سامنا نہ ہو، یہ بات بھول گیا تھا کہ منجھلے بھائی کی روانگی کا وقت عموماً یہی ہوتا تھا، گاہکوں سے وصولی کی غرض سے صبح صبح گھر سے نکلتے تھے امیر علی کی محنت بے کار گئی۔

"سنو..... اس دنیا میں جینے کے لیے تمہیں ہیرا پھیری سے کام لینا ہوگا ورنہ اپنے منتخب کردہ راستے پر خود ہی لڑکھڑا جاؤ گے۔" منجھلے بھائی کے لہجے میں اس کے لیے تفکر تھا، آنے والے وقت کا خوف تھا۔

"طیب بھائی! یہ راستہ میرا منتخب کردہ نہیں ہے، اللہ کا منتخب کردہ ہے اور وہ رازق ہے، تھوڑا یا زیادہ کا جھگڑا ہم کیوں کریں۔ ہمیں تو حلال و حرام کا شعور ہونا کافی ہے، باقی دینے کا معاملہ اس کی دست قدرت میں ہے۔" امیر علی ریڑھی کو شفاف سڑک پر دھکیلتے ہوئے پُریقین لہجے میں بولا۔

"ہوں..... " طیب علی نے استہزائیہ انداز میں اسے دیکھا۔ "امیر علی جب پلٹنا چاہو تو اپنے بھائیوں کو

یاد کرلینا۔"

"ان شاء اللہ میرا اللہ مجھے ہدایت سے سیراب کرے گا۔" طیب علی کی ریڑھی آگے بڑھ چکی تھی۔ امیر علی کا آخری جملہ اس سڑک کی فضاؤں میں گونج کر رہ گیا' امیر علی افسردہ سا اپنی منزل کی جانب چل پڑا۔

......☆☆☆......

"حافظ اکرام الٰہی" نام جتنا بڑا تھا ان کا اخلاق' اعمال اور طرز زندگی اتنا ہی سادہ تھا مگر کوئی نہیں جانتا تھا کہ ان کی رحلت کے بعد ان کی اولاد ان کے حافظ ہونے پر ایسا لیبل چسپاں کرے گی کہ ان کا نام لینے سے پہلے سود خوروں کے والد کا حوالہ دیا جائے گا۔ حافظ اکرام الٰہی کی تین اولادیں تھیں' نور الٰہی جس کے دل میں کبھی اللہ کا نور داخل نہیں ہو پایا تھا۔ طیب علی پاکیزگی سے پرے اس شخص کے دل میں کبھی اللہ کی وحدانیت کا احساس تک نہ جاگ پایا اور سب سے چھوٹا امیر علی' شادی سے پہلے اپنے دونوں بھائیوں کا ہمنوا و ہمراز تھا۔

شادی کے کچھ روز بعد اپنی بیوی عافیہ علی کو قرآن مجید ترجمہ کے ساتھ پڑھتے سنا تو اس کے اندر آندھیاں چلنے لگیں۔ سود خوروں کا انجام اللہ کی مبارک کتاب میں پڑھتی عافیہ علی نہیں جانتی تھی کہ اس کے شوہر پر آگہی کے در وا ہوگئے ہیں۔ بھلے وہ لوگ لین دین میں احتیاط برتتے تھے اور دنیا کے سامنے ایسے کسی کام میں ملوث نہیں تھے مگر جس نے اس کام کو حرام قرار دیا اس سے کیسے پردہ داری کرتے وہ جو دلوں کے راز جانتا ہے۔ اس کی نافرمانی کرکے وہ لوگ شاد اور مسرور تھے۔ امیر علی کے شب و روز بدل گئے سود خور کا انجام آخرت میں پڑھنے کے لیے ایک دن وہ لائبریری گیا اور وہاں اس پر یہ بات کھلی کہ وہ کتنے نقصان میں ہے امیر علی نے بھائیوں کو قائل کرنے کی ہر ممکن کوشش کر ڈالی لیکن ان کے دلوں پر سود کی ممانعت کی کوئی کوشش اثر انداز نہ ہوسکی' انہی دنوں سود خوروں کے متعلق ایک حدیث پڑھ کر امیر علی گم صم ہو کر رہ گیا۔

وہ راتوں کو اچانک اٹھ بیٹھتا' بال نوچنے لگتا' اپنے پیٹ پر ڈرتے ڈرتے ہاتھ رکھتا اور جلدی سے ہاتھ ہٹا لیتا' صحن میں آ کر یہاں وہاں دوڑنے لگتا' لمبے لمبے سانس لے کر تھک ہار کر جامن کے پیڑ کے نیچے بیٹھ کر ایسا روتا کہ پیڑ کی ٹہنیوں پر بیٹھی چڑیاں اپنے گھونسلوں میں بے چین ہو کر رہ جاتیں۔ خاموش نظروں سے اس مجنوں کو روتے چیختے چلاتے دیکھتیں جو دسمبر کی ٹھنڈی راتوں میں بے ترتیب حلیے اور ننگے سر و پاؤں زار و قطار روتا رہتا۔ امیر علی کی پیدائش کے چند دن بعد ہی اس کی ماں وفات پاگئی تھیں اس کی یہ حالت دیکھنے اور کڑھنے کے لیے صرف عافیہ ہی تھی' بھابیاں اس کے اس طرح رونے سے نالاں ہو چکی تھیں' ان کے بچے ڈر جاتے البتہ بھائیوں نے خاموشی اختیار کر رکھی تھی۔

کافی لوگوں نے مشورہ دیا کہ کسی معالج سے رجوع کریں' بھائی خاموش تماشائی بنے ہوئے تھے۔ ظاہر سی بات تھی نفسیاتی معالج وجہ پوچھتا تو وہ کیا بتاتے' زندگی کے شب و روز ایسے گزر رہے تھے۔

"آپ کو کیا ہوگیا ہے یوں رو رو کر آپ کیوں خود کو سزا دے رہے ہیں؟" عافیہ جانتی تھی کہ وہ لوگ سود خور ہیں وہ اٹھتے بیٹھتے امیر علی کے منہ سے پچھتاوے کے کلمات بھی سنتی تھی پر کبھی کریدنا مناسب نہ سمجھا۔ اب وہ بھی تھکنے لگی تھی حاملہ ہونے کے باوجود وہ اس کے لیے ہلکان رہتی گھر میں الگ بھابیوں کے طعنے سننے کو ملتے ایسے حالات میں اس کی امید صرف اس ذات سے تھی جسے ہر لمحہ اس نے یاد کیا تھا۔ تنہائی ہوتی یا محفل' اللہ کا ذکر اسے مسرور رکھتا۔

"عافیہ میں تباہ ہوگیا...... برباد ہوگیا......" امیر علی کے رونے میں شدت آ گئی۔

"کیا ہوا......؟" عافیہ سرد ٹھٹھرتی رات میں یکدم لرزی تو اسے ایسا لگا کہ اس کی رگوں میں سردی دوڑ گئی ہے۔

"عافیہ میں بھائیوں سے علیحدگی اختیار نہیں کرسکتا کہ شاید وہ ہدایت پالیں۔ میں حرام کے لقمے کھا کھا کر خود سے نظریں نہیں ملا پاتا' تمہیں پتا ہے میں نے سود خوروں کے متعلق کیا پڑھا؟" بھل بھل گرتے آنسو بے بسی پر اور

زیادہ بہنے لگے۔

"کیا پڑھا ہے آپ نے؟ بتائیں ناں......" عافیہ نے امیر علی کے توقف کرنے پر اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے استفسار کیا تھا۔

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ معراج کی رات میرا گزر ایک قوم پر ہوا جن کے پیٹ گھڑوں کی مانند تھے یعنی بڑے بڑے اور ان کے پیٹوں میں سانپ بھرے ہوئے تھے جو اُن پیٹوں کے باہر سے نظر آتے تھے۔ میں نے دریافت کیا "جبرئیل یہ کون ہیں؟ کہا۔ یہ سود خور ہیں۔" (احمد ابن ماجہ) میں کیا کروں؟" امیر علی پر ایک دیوانگی سی طاری تھی۔

عافیہ جانتی تھی کہ وہ پچھتاوں کے زیر اثر ہے اس لیے خاموشی سے اس کے ساتھ بیٹھ کر رونے لگی شاید اس کی زندگی میں اب صرف آنسو ہی بچے تھے جنہیں نادم ہو کر امیر علی بہاتا اور وہ اس کی اس حالت پر بہاتی تھی۔ امیر علی کی طبیعت میں دن بدن بگاڑ پیدا ہو رہا تھا وہ کھانا کھا کر قے کر دیتا' اپنے چہرے کو تکتا اور آخر میں پھر وہی رونا......

بھائیوں اور بھابیوں کے مشورے سے اسے بڑے تایا غلام مصطفیٰ کے گھر شفٹ کر دیا گیا۔ غلام مصطفیٰ کا گھر ان کے گھر کے بالکل سامنے تھا' ان کے تایا اور ان کی بیوی کو مرے سالوں بیت گئے تھے۔ غلام مصطفیٰ کی کوئی اولاد نہ تھی اس لیے ان کے مرنے کے بعد نور الٰہی نے اسے ڈیرہ بنا لیا جہاں پر وہ لوگ گاہکوں کو نپٹاتے اور کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوتی کہ اتنے معزز دکھنے والے لوگ سود کو فروغ دے رہے ہیں۔

"میرے اندر حس مر چکی ہے' گھٹن میرے سانسوں کے سلسلے کو بے ربط کرنے لگتی ہے۔ عافیہ کیا اللہ کے ہاں مجھ جیسے گناہ گاروں کی معافی ہو جائے گی...... کیا وہ مجھے معاف کر دے گا؟" امیر علی کی بے بسی انتہا پر پہنچی ہوئی تھی' بھائیوں سے اس نے ناطہ توڑ لیا تھا۔ پیٹ بھرنے کو محنت مزدوری کرتے امیر علی کو یہ بات بے چین رکھتی کہ وہ ایک سود خور تھا۔

"کیوں نہیں...... اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں فرمایا ہے کہ "اور بے شک میں بہت بخشنے والا ہوں۔" عافیہ اسے ٹھنڈے لہجے میں عظمت والے ربّ کی شان بیان کرتی تو امیر علی کو لگتا کہ وہ اپنے خدا کی رحمت کو ضرور پالے گا۔

"اللہ تعالیٰ نے ایک اور جگہ اپنی اسی کتاب میں فرمایا کہ "کچھ لوگ ایسے ہیں جو اپنی خطا کے اقراری ہیں جنہوں نے ملے جلے عمل کیے' کچھ بھلے اور کچھ بُرے سو اللہ سے امید ہے کہ ان کے حال پر رحمت کے ساتھ توجہ فرمائیں گے (القرآن)" تو آپ امید کے ساتھ نیک عمل کریں' اجر کا خانہ اس کے دربار میں ہمیشہ کھلا رہتا ہے سو اس رحیم سے رحم کی امید رکھیے۔" عافیہ کی آنکھیں اللہ تعالیٰ کی رحمت کے بارے میں سوچ کر چند لمحوں کے لیے جھلملا سی گئیں۔

عافیہ کی نصیحت آموز باتیں امیر علی پر اثر انداز ہونے لگیں وہ پھر ہر وہ عمل کرنے میں پہل کرتا جسے اللہ تعالیٰ نے پسند فرمایا۔ نور الٰہی اور طیب علی نے اس سے عجیب سی ضد باندھ لی تھی' اس کا مذاق اڑانا' اس کی حالت پر ہنسنا اور اسے یہ احساس دلانے کی کوشش کرنا کہ پُرکشش زندگی کو ٹھوکر مار کر آج وہ کہاں پہنچ گیا ہے ان کی عادت بنتا چلا گیا۔ امیر علی نے عافیہ کی سونے کی بالیاں بیچ کر ایک ریڑھی خریدی اور عافیہ کے جہیز کے برتنوں کو استعمال میں لاتے ہوئے چاول چھولوں کی ریڑھی لگالی' زندگی کے چھ سال ان کے دھوپ چھاؤں میں گزر گئے۔

......☆☆☆......

معمول کے مطابق امیر علی چاول چھولے بیچ کر شاداں سا گھر لوٹا' گلی محلوں میں چہل پہل آج کل کچھ زیادہ تھی۔ عیدالاضحیٰ کی آمد آمد تھی' اپنے جانوروں کو ٹہلانے کے بہانے نمائش بھی کررہے تھے اسے یہ سب بہت اچھا لگ رہا تھا۔

"خیریت ہے' گھر میں اتنی خاموشی......؟" امیر علی گھر آیا تو اسے گھر میں کچھ ٹھیک نہ لگا اس لیے استفسار کیا۔

"جی...... وہ......" عافیہ کو کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا کہ بات

کہاں سے شروع کرے۔

"بابا آگئے' بابا آگئے......" اس سے پہلے کہ امیر علی وجہ پوچھتا کہ اس کے تینوں بچے آ کر اس سے چمٹ گئے۔

"علی احمد کہاں جارہے ہو؟" امیر علی کا چھ سالہ بیٹا اس سے علیحدہ ہوکر کمرے کی طرف جانے لگا تو امیر علی نے ٹوکا۔

"بابا ابھی آیا۔" علی احمد کمرے میں گھس گیا اور عافیہ کچن میں چلی گئی۔

چند منٹ بعد علی احمد کمرے سے واپس آیا تو امیر علی حیران رہ گیا' ایک دو اور پانچ روپے کے کافی سکے اس نے ایک برتن میں اکٹھے کر رکھے تھے اور دس روپے کے چند نوٹ اس کی مٹھی میں دبے تھے۔ احمد علی نے وہ برتن امیر علی کے ہاتھوں میں تھمادیا اور ساتھ میں وہ نئے نوٹ بھی جو میٹھی عید پر اس نے اپنے بچوں میں تقسیم کیے تھے۔

"یہ سب کیا ہے......؟" امیر علی نے حیرت بھرے لہجے میں دریافت کیا۔

"بابا یہ سب پیسے ہمارے ہیں' ہم پچھلے سال سے جمع کررہے تھے۔" علی احمد سے چھوٹی ثانیہ نے سر سے سرکتے دوپٹے پر اپنا دایاں ہاتھ جماتے ہوئے معصوم سے لہجے میں جواب دیا' امیر علی نے وہ برتن پاس پڑی چارپائی پر رکھ دیا۔

"ہاں وہ تو ٹھیک ہے مگر کیوں؟"

"بابا یہ پیسے ہم نے قربانی کرنے کے لیے جمع کیے ہیں۔"

"ہاں پر اتنے پیسوں......" امیر علی نے علی احمد کو بات مکمل کرنے سے پہلے ٹوکا پر علی احمد کی آنکھوں میں چمکتے آنسو اسے خاموش کرگئے۔

"بابا عید آنے سے پہلے ہم گھر میں مقید ہونے پر مجبور ہوجاتے ہیں' آپ کو پتا ہے تایا جی کے بیٹے صائم نے پچھلے سال مجھ سے کہا تھا کہ ہم کبھی قربانی نہیں کرسکتے اور اسی دن میں نے خود سے عہد کرلیا تھا کہ بھلے پائی پائی جوڑوں پر اگلے سال قربانی کرنی ہے۔ بابا دنیا کی نظروں میں قربانی کا مفہوم بدل گیا ہے ہم باہر نہیں جاسکتے' کھیل نہیں سکتے کیونکہ گلیوں میں لوگ اپنے جانوروں کو ٹہلا رہے ہوتے ہیں۔ کیا یہ دکھاوا نہیں ہے؟" علی احمد کے سوال پر امیر علی چند سال پہلے کے مناظر میں کھوگیا جب وہ بڑی شان سے اپنے بھائیوں کے قربانی کے لائے گئے جانوروں کو ٹہلاتا' ایک دو اور تین تین چکر محلے کے لگتے اور تب تک گھر واپس نہ لوٹتا جب تک محلے کا ایک ایک فرد ان جانوروں کو دیکھ کر تعریفی جملہ' حسرت بھری نظریں نہ ڈال لیتا جب بھی قربانی کے جانور لائے جاتے' چھوٹا ہونے کے سبب اس کی ڈیوٹی تھی کہ انہیں اچھی طرح سے ٹہلائے۔

"بابا! ہم قربانی کریں گے ناں۔" ثانیہ کی آواز نے اسے حال میں لاکھڑا کیا تو وہ چونک کر رہ گیا۔

"بتائیے ناں بابا......!" ثانیہ نے امیر علی کے گلے میں بازو ڈالتے ہوئے لاڈ سے پوچھا تو نہ چاہتے ہوئے بھی اس کا سر اثبات میں ہل گیا۔

"بابا آپ بہت اچھے ہیں۔" علی احمد فرط محبت سے امیر علی سے لپٹ گیا۔

"عافیہ آج مجھے احساس ہورہا ہے کہ محض چہل قدمی کی غرض سے جانور لے جانا' کم حیثیت کو احساس کمتری میں مبتلا کرسکتا ہے۔ آج کل تو یہ فیشن بنتا جارہا ہے کہ جانور کو گھماؤ پھراؤ تب تک جب تک تمہارا حریف مکمل طور پر جل نہ جائے' حریف جلے نہ جلے غریب ضرور اپنی کم حیثیت پر افسردہ ہوجاتا ہے۔ نہیں علی احمد کی طرح کوئی نہ کوئی خواہش بھی پال لیتا ہے اور اگر خواہش مکمل نہ ہوئی تو بے راہ روی کو بھی فروغ مل سکتا ہے۔ نادانستگی میں مجھ سے کتنی بڑی بڑی غلطیاں ہوتی رہیں' مجھے گلی کے نکڑ پر ابراہیم کھوکھے والے کی وہ چھ سات سالہ بیٹی آج شدت سے یاد آرہی ہے جو میرے گھر سے نکلتے ہی کھوکھے پر آکر بیٹھ جاتی اور میرے جانوروں کو حسرت اور عجیب احساس محرومی سے تب تک دیکھتی رہتی جب تک میں گھر واپس نہ چلا جاتا۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ اس کے دل پر کیسی

تلواریں چلتی ہوں گی اور کبھی معلوم بھی نہ ہوتا اگر آج میرے ساتھ یہ معاملہ نہ ہوتا۔'' امیر علی آج کئی دنوں کے بعد رویا تھا' اپنے آپ پر' اپنی سوچ پر۔

''آپ کیوں رو رہے ہیں؟ آپ نے وہ سب نادانی میں کیا تھا اور آج کے لوگ دکھاوا کرتے ہیں' سورہ حج میں اللہ تعالیٰ اپنی مقدس کتاب میں ارشاد فرماتے ہیں ''اللہ تعالیٰ کے پاس ان قربانیوں کا گوشت یا خون نہیں پہنچتا بلکہ تمہارا التقویٰ پہنچتا ہے۔'' مگر آج کل ایسا نہیں ہوتا سب سے پہلے گوشت گھر میں رکھنا' ان لوگوں کو دینا جن سے آگے جا کر تعلقات بہتر بنانے ہیں' کہاں سے کتنا گوشت آیا' کس نے کیا دیا' کیا مذہبی روایات زعم اور اندھا دھند تقلید کی وجہ سے اپنا وجود نہیں کھو رہیں۔ ان سب باتوں سے قطع نظر غریب کی آس بھری ان نظروں کو فراموش کردیا جاتا ہے جو بڑی امید سے گھروں پر دستک دیتے ہیں اور جواب میں جھڑکیاں سننے کو ملتی ہیں۔ نجانے ہمارے اندر بے حسی کہاں سے آ گئی؟ غرباء اور مساکین کا خیال تک نہیں گزرتا۔'' عافیہ بھی اس کے غم میں برابر کی شریک تھی۔

☆☆☆

''ہمارے پاس اتنے پیسے کہاں ہیں کہ قربانی کا فریضہ سرانجام دیا جاسکے۔ آپ کو بچوں کو سمجھانا چاہیے تھا۔'' عافیہ نے دوسری صبح امیر علی سے کہا۔

''اللہ رازق ہے وہ ہمارے حال پر رحم فرمائے گا' اب میں چلتا ہوں تم دروازہ بند کرلو۔'' امیر علی ریڑھی کو دھکیلتے ہوئے باہر چلا گیا تو عافیہ پچھلے چند روز کی طرح اس کے اس طرح جلدی جانے پر کوئی نتیجہ اخذ نہ کرپائی۔

''سنو......'' امیر علی کے دل میں خیال بھی نہ تھا کہ آج بڑے بھائی سے سامنا ہوجائے گا' ان کے پکارنے پر وہ لمحہ بھر کو رکا تھا۔

''چاہو تو میں تمہیں بکرا لے دیتا ہوں۔'' نور الٰہی نے اپنے چہرے پر فاتحانہ مسکراہٹ سجا کر امیر علی کو دیکھا تھا۔

''نہیں بھائی صاحب! ہمیں اللہ دے گا۔'' امیر علی

دل ایک آئینہ ہے

دل ایک ایسے آئینہ کی مانند ہے جو ایک بار ٹوٹ جائے تو پھر ریزہ ریزہ ہوجاتا ہے۔ ان ریزوں کو اکٹھا کرنا اور جوڑنا ناممکن ہوجاتا ہے۔ اگر ریزوں کو جوڑ بھی لیا جائے تو ان کے درمیان ایک دراڑ سی رہ جاتی ہے جن کو جوڑنا ناممکن ہوجاتا ہے جو کبھی ختم نہیں ہوتی...... کبھی نہیں۔

عروسہ پرویز...... کالس

نے سادگی سے جواب دیا اور آگے بڑھنے لگا۔

''سنو...... اللہ تمہیں کب دے گا' کتنے سال بیت گئے اب تو ضد چھوڑ دو۔'' نور الٰہی کو اس کی بات ہٹ دھرم سی لگی تبھی ہنسی اڑاتے لہجے میں کہا تھا۔

''مایوسی کفر ہے' میں ناامید نہیں ہوں۔'' امیر علی کے لہجے میں ایمان کی مضبوطی تھی' چٹانوں کی سی سختی تھی نور الٰہی اسے دیکھ کر رہ گیا۔

''میں تو تمہارے بچوں کی آنکھوں میں لہراتی حسرتوں کو دیکھ کر کہہ رہا تھا باقی تمہاری مرضی۔'' نور الٰہی نے اپنے قدم شفاف سڑک کے مخالف سمت موڑ لیے' امیر علی اس کی بات میں گم ہو کر رہ گیا۔

شام کو گھر میں داخل ہوتے ہوئے امیر علی کا سامنا خالہ خیراں سے ہوگیا' ان کو سلام کرکے وہ گھر میں داخل ہوا تو عافیہ کی نظروں میں پہلی بار اسے کچھ عجیب سا نظر آیا' اپنا وہم گردانتے اس نے سلام کیا۔

''وعلیکم السلام!'' جواب مختصر تھا مگر ناراضگی سے بھرپور۔

''کیا ہوا؟'' بچے صحن میں کھیل رہے تھے ان پر اچٹتی سی نظر ڈال کر امیر علی نے استفسار کیا۔

''آپ آج کل جلدی کیوں جاتے ہیں...... سچ بتائیں نکاح کرلیا ہے کیا؟'' عافیہ نے سوال کیا۔

''کیا کہہ رہی وہ عافیہ! ہوش میں تو ہو۔'' امیر علی کی آواز باوجود کوشش کے اونچی ہوگئی۔

''آپ نے پہلے پہل خرچ میں تھوڑی کمی کی پھر منہ

اندھیرے اٹھ کر جانے لگے شک کا بیج کہیں پھلے پھولے نہ اس لیے میں نے صاف صاف پوچھا ہے۔ امید کرتی ہوں درست الفاظ میں جواب دیں گے۔" عافیہ کی باتوں کو سن کر امیر علی کے چہرے پر کئی رنگ آ کر گزر گئے مگر وہ تحمل سے سنتا رہا۔

"میں صبح جلدی اس لیے جاتا ہوں تاکہ بھائی صاحب سے سامنا نہ ہو وہ مجھے یہ احساس دلانے کی کوشش کرتے ہیں کہ میں نے غلط کیا۔ ادھر بکرا منڈی پر رش بڑی جلدی پڑتا ہے سو میں نے جلدی جانے کا معمول بنا لیا اور جہاں تک خرچ کم دینے کی بات ہے تو میں چند ماہ سے روزانہ ایک سو روپیہ کمیٹی کا دیتا رہا ہوں اور آج میرے نام کی کمیٹی نکل ہی آئی' یہ لو بیس ہزار روپے۔ کل جمعتہ المبارک ہے صبح علی احمد کے ساتھ جا کر ایک بکرا خرید لائیں گے' کتنا خوش تھا میں گھر آتے وقت مگر تم نے......" امیر علی نے ملامت بھری ایک نظر عافیہ پر ڈالی تو وہ نظریں جھکا گئی۔

"مجھے معاف کر دیں۔" عافیہ ہاتھوں کی انگلیوں کو ایک دوسرے میں پیوست کرتی شرمندگی سے بولی تو امیر علی کے چہرے پر دلفریب مسکراہٹ بکھر گئی۔

"ایسے نہیں۔"

"پھر کیسے......؟" عافیہ نادانی میں بولی۔

"میرے پاس آ کر۔" عافیہ امیر علی کی بات سن کر بلش سی ہو گئی۔ "تم نے خود پوچھا تھا' دیکھو عافیہ تم جا نہیں سکتیں۔" عافیہ نے امیر علی کی شرارت کو سمجھتے ہوئے باہر کی طرف دوڑ لگا دی' پیچھے امیر علی دیر تک ہنستا رہا تھا۔

بکرا آ گیا تھا اس کی خاطر مدارت میں جتے اپنے بچوں کو دیکھ کر دونوں میاں بیوی مطمئن تھے۔

"اس سال بکرا منڈی پر کچھ زیادہ رش ہے' لوگ بکرا منڈی سے جانور لیں یا نہ لیں' منڈی کے باہر ریڑھیوں سے ضرور کچھ نہ کچھ لے کر کھاتے ہیں۔ زندگی کے اس سفر میں ان ریڑھی والوں کے یہ چند دن سیزن کے تصور کیے جاتے ہیں۔" امیر علی کے چہرے پر پُر اطمینان مسکراہٹ تھی۔

"یہ تو آپ ٹھیک بات کہہ رہے ہیں ایک بات پوچھوں آپ سے......" عافیہ نے سوالیہ نظروں سے امیر علی کو دیکھا تھا۔

"پوچھو عافیہ! تمہیں اجازت کی ضرورت نہیں۔"

میں یہ پوچھنا چاہ رہی تھی کہ میٹرک پاس شخص کو اپنی نصابی کتب میں سود خوری کا مطلب و مفہوم پڑھنے کا موقع کیسے نہیں ملا؟" عافیہ کے ذہن میں گردش کرتا سوال آج لبوں سے پھسل ہی گیا' یکدم ماحول میں سنجیدگی در آئی۔

"ٹھیک کہہ رہی ہو تم جب سود کے متعلق پڑھتا تھا تو سمجھنے کی صلاحیت نہیں تھی۔ میٹرک کرتے ہی بھائی صاحب نے حساب کتاب کی ڈائری تھمادی' دونوں بھائی پرائمری پاس تھے اور میرے میٹرک کرانے کا مقصد بھی یہی تھا کہ میں حساب کتاب سنبھالوں۔ بابا کو گزرے برسوں بیت چکے تھے ان کی ہدایات' ان کی نصیحتوں پر وقت کی دھول تہہ در تہہ جمتی چلی گئی۔ میری زندگی میں تم آئیں اور یہ دھول آگہی کی روشنی سے چھٹ گئی' پچھتاوے کے سمندر مجھے لہروں پر بار بار پٹختے اور میں اندر تک زخمی ہو جاتا۔ میری روح تڑپ تڑپ جاتی اور میں اس تڑپ کا حصہ بنتا چلا گیا' اللہ سے معافی کا ذریعہ تمہاری باتوں سے بنا' میں زندگی بھر تمہارا مشکور رہوں گا۔" امیر علی کی آواز رندھ گئی' عافیہ کا ہاتھ تھامے نم آنکھوں سے شکریہ ادا کیا تو عافیہ کے اندر بھی سکون سا اتر گیا۔

"اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے جس نے آپ کو ہدایت سے فیض یاب فرمایا' میرا عمل دخل صرف شریک سفر کے سمجھانے تک محدود تھا۔ دلوں کی میل تو وہی صاف کرتا ہے جسے اختیار قدرت ہے۔" عافیہ نے اپنے پروردگار کا شکر ایک بار پھر ادا کیا اور ہر گزرتے دن کے ساتھ عافیہ کا شکر ادا کرنے کا دورانیہ پہلے سے زیادہ مضبوط اور منظم ہوتا جا رہا تھا۔

"آپ کے بھائی آپ کو یوں پریشان کیوں کرتے ہیں؟" عافیہ کو امیر علی کی گفتگو یاد آئی تو استفسار کیا۔

"وہ چاہتے ہیں کہ حساب سنبھالنے کے لیے میں دوبارہ ان کے ساتھ مل جاؤں ظاہری بات ہے وقت گزرا ہے تو کام میں بھی تیزی آ گئی ہے بس اس لیے وہ چاہتے ہیں کہ ان کا حساب کتاب پھر سے سنبھال لوں۔ نوکر رکھ کر خود کو ذلیل کرانے کا سامان کبھی جمع نہیں کیا کیونکہ نوکر ان کے راز کو پالیتا اور کبھی بھی ان کے حساب کتاب کی پوٹلی کو بھرے بازار میں الٹ دیتا اور ان کے چہروں پر سیاہی مل دیتا۔ کتنی احتیاط برتتے ہیں لوگ دنیا کی نظروں میں گرنے سے بچنے کے لیے...... کاش ایسا اہتمام ہوجاتا کہ وہ لوگ راہ نجات پالیتے۔ کتنی کوشش کیں میں نے مگر......" امیر علی افسردہ سا ہوکر سامنے کھیلتے بچوں کو تکنے لگا۔

"اللہ نے چاہا تو روشنی کے سفر میں وہ آپ کے ہمقدم ضرور ہوں گے۔" عافیہ نے دل کی گہرائیوں سے اس اکیلے بھائی کے لیے دعا مانگی تھی جو اپنے بھائیوں سے بچھڑ کر ان کے برباد ہونے پر دل کھول کر ماتم کرتا تھا۔

"ان شاء اللہ ایسا ضرور ہوگا۔" امیر علی نے آسمان کی نیلاہٹ کو فرط عقیدت سے تکتے ہوئے پُریقین لہجے میں کہا تھا۔

❀......❀......❀

آج "یوم العرفہ" تھا' دوسرے ممالک میں کہیں کہیں عید کی تیاری آج آخری مراحل پر پہنچ کر سنت ابراہیمی کا فریضہ انجام دینے اور اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کا ذریعہ بنی ہوئی تھی۔ نور ہاؤس میں بھی خوب چہل پہل تھی گھر میں موجود ہر چیز کی صفائی کی جارہی تھی' نوکر چاکر یہاں وہاں اٹھا پٹخ مچائے اپنے مالکوں کی تعظیم میں جتے ہوئے تھے' لان میں پڑی کرسیوں پر گھر کے چاروں بڑے افراد مختلف سرگرمیوں میں مصروف تھے' زندگی بظاہر مکمل تھی۔

"بیگم صاحبہ چائے......" رافعہ (نوکرانی) چائے لائی تو سب کو متوجہ ہونا پڑا۔

"رافعہ......" نور الٰہی کی بیوی فاریہ نے اپنی نوکرانی کو مخاطب کیا تو پیالیوں میں چائے انڈیلتی رافعہ نے سوالیہ

> **باتوں سے خوشبو آئے**
>
> ❖ زندگی کے ہر موڑ پر جھکنا سیکھو اور صلح کرنا سیکھو کیونکہ ہمیشہ جھکتا وہی ہے جس میں جان ہوتی ہے اور اکڑنا تو مُردے کی پہچان ہے۔
>
> ❖ محبت اور عزم جو ہم دوسروں سے حاصل کرتے ہیں دراصل ہمارے اپنے کردار کا تحفہ ہوتے ہیں۔
>
> ❖ مستقبل وہ نہیں جو ہم کل کے لیے بناتے ہیں بلکہ وہ ہے جو ہم آج سرانجام دیتے ہیں حال میں اچھے کام کریں اور مستقبل میں اچھا پھل حاصل کریں۔
>
> ❖ زندگی ایک مکمل کتاب ہے اور غلطی کتاب کا صرف ایک ورق ہے تو ایک ورق کے لیے مکمل کتاب ضائع مت کریں۔
>
> نمرہ نعیم......کراچی

نظروں سے انہیں دیکھا۔

"دور دراز کے لوگ اپنے پیاروں کے ساتھ عید مناتے ہیں' مالی چاچا ہمارا ڈرائیور اور کچن سنبھالنے والی ماسی بھی اپنے اپنے گھر چلے گئے' تم کیوں نہیں گئیں؟" پیالیاں سبھی کو پکڑاتی رافعہ تلخی سے مسکرادی۔

"بس مالکن لمبی کہانی ہے' جانے دیں۔"

"بحیثیت مالکن میرا فرض ہے کہ نوکروں کی خبر گیری کرتی رہا کروں۔ تم بتانا نہیں چاہتی ہو تو اور بات ہے۔" فاریہ نے چائے کی چسکی لیتے ہوئے شش و پنج میں مبتلا رافعہ کو دیکھا۔

"جانے دو...... مردوں کی موجودگی میں ہچکچا رہی ہے تم بھی ناں۔" نور الٰہی نے آہستگی سے بیوی کو منع کیا۔

"ایسی کوئی بات نہیں ہے مالکن جس سے پردہ داری کی جائے' بس یہی سوچ رہی ہوں میری باتیں کہیں آپ کو بُری نہ لگیں خیر اب اگر آپ نے پوچھ ہی لیا ہے تو بتائے دیتی ہوں۔" رافعہ نے خود کو ذہنی طور پر تیار کرنے کو توقف کیا تو چائے پیتے تمام افراد نے اس کی جانب دیکھا۔

"مالکن ہم غریب لوگ ہیں ان پڑھ دیہاتی ہیں' گنوار لوگوں کو اتنا علم کہاں کہ کیا درست ہے مگر کیا غلط

ہے اس بات پر ضرور توجہ دیتے ہیں' میرے سسر سود خور ہیں۔'' نور الٰہی کے گلے کو جیسے گرم گرم چائے چیرتی گزر گئی' اگلے ہی لمحے وہ زور زور سے کھانسنے لگے مگر جلد ہی صورت حال نارمل ہوگئی۔ فاریہ کی نگاہیں اب بھی سوالیہ انداز میں ٹکی تھیں۔

''مالکن میرے شوہر نے بھی اس کام میں ان کا ساتھ دیا' میں نے دن رات اپنے شوہر کو سمجھایا پر شاید بھٹکے ہوئے لوگوں کو صحیح راستہ نظر نہیں آیا کرتا جبھی غلط راہ پر چلتے چلے جاتے ہیں۔ میں نے دس سال ایسے ہی ان سے لڑائی جھگڑا کرتے گزار دیئے' میرے بچے بڑے ہو رہے تھے حرام کھا کر وہ بھی غلط کام ہی کرتے' اس لیے میں نے انہیں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے چھوڑ دیا' طلاق لے لی ان سے۔'' رافعہ کی آنکھیں نم ہوگئیں' طیب علی اور نور الٰہی کی نظریں جھک گئیں' ان کی بیویوں کو کہاں علم تھا کہ چند سال میں پچیس مرلے کے چار کمروں والے گھر میں آج جو کمروں کی لمبی سی لائن لگی ہے وہ کمائی کہاں سے آئی ہے؟

''اچھا کیا تم نے رافعہ...... تمہاری جگہ اگر میں ہوتی تو اس شخص کو وہ سزا دیتی کہ آنے والی نسلیں اس لعنت سے دور بھاگتیں۔'' طیب علی کی بیوی نے ازراہ ہمدردی کہا تھا مگر میز پر پیالی رکھتے طیب علی کی نظروں میں تحیر کے کئی رنگ سمٹ آئے۔

''مالکن آپ کو پتا ہے ہمارے گاؤں میں قربانی کس طرح ہوتی ہے؟''

''نہیں تو...... تم ہی بتاؤ۔'' فاریہ نے دلچسپی ظاہر کرتے ہوئے اپنی جون میں کہا تھا۔ نور الٰہی کی گھوری بے کار گئی تھی جو انہیں رافعہ کو مزید کریدنے سے باز رکھنا چاہتا تھا۔

''مالکن وہاں قربانی کرنے والے چند لوگ جمع ہو کر مشورہ کرتے ہیں اور جس کے گھر صحت مند گائے یا بھینس ہو اسے معاوضہ دے کر ہر کوئی اپنا ایک حصہ یا دو حصے اپنی استطاعت کے لحاظ سے رکھ لیتے ہیں۔ میرے سسر کو کبھی کسی نے قربانی میں اس لیے شامل نہیں کیا کہ کیا پتا اس کی قربانی قابل قبول ہے بھی یا نہیں' کسی نے کبھی بھی ان کو حصہ لینے نہیں دیا آخر تھک ہار کر وہ اب بکرا لے لیتے ہیں۔'' رافعہ کی باتیں دونوں بھائیوں کو شرمندگی کی اتھاہ گہرائیوں میں دھکیل گئیں' ان پڑھ دیہاتیوں کو بھی اچھے بُرے کی تمیز ہے اور وہ......

''مالکن! ذلت اور رسوائی کا جو سامان آخرت کے لیے انہوں نے جمع کر رکھا ہے میں ان کی شریک سفر ہونے کی حیثیت سے بھی گناہ گار ہو سکتی تھی' اس لیے میں نے طلاق کا مطالبہ کیا اور روز روز کی چخ چخ سے تنگ آئے میرے شوہر نے ایک لمحہ ضائع کیے بغیر طلاق دے دی اور میں نے کراچی آ کر یہاں گھروں میں کام کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ آپ کے سسر جی کا نام حافظ کرم الٰہی سے ہی آپ کی نیک سیرتی ظاہر ہوتی ہے آخر حافظ صاحب نے اپنے بچوں کو جو تعلیم دی ہوگی وہ اسی پر عمل کر کے زندگی گزار رہے ہوں گے بس یہی سوچ کر میں آپ کے گھر میں کام کرنے لگی۔''

رافعہ کا ایک ایک لفظ نور الٰہی اور طیب علی کے اندر کو جھنجوڑ رہا تھا ان کے والد کا حوالہ ان کی ذات پر لگی دھول پر ذرا بھی نہ سج رہا تھا۔ ساری دنیا یہاں تک کہ اپنی بیویوں تک کو شریک راز نہ کرنے والے آج اپنی ہی نظروں میں گر گئے تھے' اپنے چھوٹے بھائی کو محض اس لیے پریشان کرتے تھے کہ کہیں وہ کسی کو ان کی اصلیت سے آگاہ نہ کردے۔ آج کسی تیسرے نے ان کے گالوں پر وہ طمانچہ مارا تھا جس کی گونج نے دل کے تار ہلا دیئے تھے۔

''بھائی صاحب! میں نہیں جانتا کہ زندگی میں آپ کو کبھی پلٹنے کا موقع ملے گا بھی یا نہیں اگر کبھی فرصت ملے تو ان کتب کا مطالعہ ضرور کیجیے گا' کبھی کبھی دنیا داری نبھاتے نبھاتے ہم دین داری کو پس پشت ڈال دیتے ہیں۔ میں ہمیشہ دعا گو رہوں گا کہ اللہ آپ کو راہ ہدایت کا وہ سفر عنایت فرمائے جسے پانے کے بعد آپ کبھی بھی نہ بہکیں آمین۔''

یہ الفاظ آج ان دونوں بھائیوں کے ذہنوں میں کسی تازہ یادگار کے طور پر روشن ہوئے تو دونوں ہی شرمندہ تھے اس سے پہلے کہ رافعہ کی طرح ان کی بیویاں انہیں چھوڑ دیں اس سے پہلے کہ خسارے کی تجارت میں نفع کمانے کی

گنجائش ختم ہوجائے اس سے پہلے کہ وہ دونوں سانسوں کی دی مہلت کو گنوادیں انہیں سدھرنا تھا۔

عید کی صبح نکھری نکھری اور ہر برائی کو دور کرنے والی ثابت ہوئی۔ طیب علی اور نور الٰہی نے بیوی بچوں کے سامنے اپنے گناہوں کی لسٹ رکھ دی ساتھ ہی معافی نامہ بھی۔

انہوں نے حیرت اور بے یقینی سے ان بکھرے بکھرے دونوں بھائیوں کو دیکھا جو ہاتھ جوڑے معافی طلب کررہے تھے ندامت کے لمبے سے لیکچر سے گزار کر ان کی بیویوں نے معافی دے دی ان کے دلوں سے منوں بوجھ اتر گیا مگر ابھی بوجھ باقی تھا جو شاید اس بوجھ سے بھی کئی گناہ زیادہ تھا۔ اللہ کی عدالت میں معافی کا سامان کرنے کا بوجھ اپنے چھوٹے بھائی کو منانے کا بوجھ جو لوگ سود لے چکے تھے ان کا قرض اتارنے کا بوجھ اللہ سے مدد طلب کرنے وہ نماز عید کے لیے روانہ ہوگئے۔

"بہت خوب صورت عورت کو اس کا مجازی خدا عید کی مبارک باد پیش کرتا ہے۔" کچن میں ضروری کام نپٹاتی عافیہ کے کانوں میں ہلکی سی سرگوشی نے اسے ڈھیروں شرم دلادی۔

"بابا ہماری برائی آپ کے کانوں میں کیوں کرتے ہیں؟" اس سے پہلے کہ عافیہ حقیقت کی دنیا میں لوٹتی علی احمد کے جملے نے دونوں کو چونکادیا۔

"کیا مطلب......؟" امیر علی خجل سا ہوگیا جبکہ عافیہ ہنسی چھپانے میں بے حال سی ہو کر منہ پھیر گئی۔

"بابا میری ٹیچر کہتی ہیں اگر کوئی کسی کے کان میں سرگوشی کرتا ہے تو سامنے والا یہی سمجھتا ہے کہ اس کی برائی ہورہی ہے چاہے سرگوشی میں اس انسان کا ذکر تک نہ ہو۔ آپ ایسی سرگوشیاں مت کیا کریں جن سے ہمارے ذہنوں میں ایسے سوال آئیں۔" علی احمد تو چلا گیا جب کہ امیر علی ہونقوں کی طرح لائٹ پنک کلر کے سوٹ میں

نیلم شرافت

السلام علیکم! ڈیئر قارئین! کیسے ہیں آپ لوگ؟ میرا نام نیلم شرافت ہے لیکن نک نیم نیلی اور پری ہے میں یکم جنوری 1994ء کو دنیا میں تشریف لائی' ماشاء اللہ ہم چار بہنیں اور چار بھائی ہیں۔ سب سے بڑی آپی فوزیہ ان کی شادی ہوگئی ہے اپنے گھر میں بہت خوش ہیں ان کے بعد نمبر آتا ہے ثوبیہ راؤ کا جو اب بی ایس سی کے بعد جاب ہولڈر ہے ان کی منگنی ہوگئی ہے پھر نمبر آتا ہے نیلم پری یعنی کہ میں (ہاہاہا) پھر انعم ان سے چھوٹے تین بھائی عامر' عاقب' بلال اور سب سے بڑے بھائی ولی ہیں جو کہ ہم سب سے بہت پیار کرتے ہیں میں تو ان کی لاڈلی ہوں خدا ان کو اور ان کے کاروبار کو ترقی دے آمین۔ میں سیکنڈ ائیر کی اسٹوڈنٹ ہوں مجھے پڑھنے کا بے حد شوق ہے ماشاء اللہ سے ہمارا گھرانہ بہت خوشحال گھرانہ ہے۔ میرا اسٹار حوت ہے اب میں خامیوں اور خوبیوں کی طرف آتی ہوں' خوبی یہ ہے کہ غصہ آئے تو چند لمحوں میں ختم ہوجاتا ہے۔ اعتبار جلد کرلیتی ہوں۔ میری فیورٹ ڈش بریانی ہائے بریانی کی دیوانی ہوں' کلر میں سفید کلر بہت پسند ہے اور لباس میں فراک اور پاجامہ بہت پسند ہیں۔ موسم بہار پسند ہے فیورٹ سنگر راحت فتح علی ہیں ان کی غزلیں تو کمال کی ہیں۔ تنہائی بہت پسند ہے' فرینڈز بہت کم بناتی ہوں۔ ام حانی' ثمرین نواز' ثمرہ ملک' مصباح عباسی' تہمینہ عباسی بیسٹ فرینڈز ہیں۔ ام حانی تو میری جان ہے ہر بات شیئر کرتی ہوں ان سے اب تو شادی ہوگئی ہے' موٹی کی فیورٹ رائٹر میں عمیرہ احمد' نازیہ کنول نازی' بہت پسند ہیں اور نازیہ کنول نازی کا مکمل ناول "برف کے آنسو" بہت اچھا ناول لکھا ہے آپ نے۔ میری دعا ہے کہ اللہ آنچل کو دن دگنی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے' آمین اور آپ سب لوگوں کو عید الاضحیٰ کی بھی مبارک باد دیتی چلوں۔ اللہ ہر انسان کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے' آمین۔ اب ہوجائے صبا آرزو کی بات تو صباء کس نے آپ کی آنکھوں کی تعریف کی تھی ان کی آنکھیں تو ٹھیک تھیں (ہاہاہا) ویسے ہی پوچھ رہی تھی' بہت اچھا ہے آپ کا تعارف۔ اچھا اب اجازت چاہتی ہوں' میرا تعارف آپ لوگوں کو کیسا لگا ضرور بتایئے گا' اللہ حافظ۔

ملبوس اپنی بیوی کو دیکھنے لگا۔

"یہ تو سراسر زیادتی ہے ارے اب اپنی بیوی سے بات کرنے پر بھی پابندی ہوگی۔ نہیں میں...... میں احتجاج کروں گا۔" امیر علی نے مصنوعی غصہ دکھاتے ہوئے آنکھیں نکالیں پر عافیہ کی ہنسی کو اب بریک لگنے مشکل ہوگئے۔

"دیکھ لوں گا تمہیں بھی......" امیر علی کچن سے باہر آیا تو دروازے پر دستک ہورہی تھی۔

"آرہا ہوں بھئی ایک تو دروازہ بجانے کے تمام شرعی حکم کہیں جا سوئے ہیں اور......" امیر علی کا باقی کا جملہ منہ میں ہی رہ گیا اس کے سامنے اس کے دونوں بھائی بیویوں اور بچوں کے ہمراہ مسکرا رہے تھے۔

"کون ہے......؟" عافیہ کچن سے باہر آئی تو حیران رہ گئی اس کے دونوں بیٹے اپنے چاچا اور تایا کی بانہوں میں مسرت سے کھیل رہے تھے۔ فاریہ آگے بڑھیں اور متحیر سی عافیہ کو گلے لگا کر عید مبارک کہا تو اس نے بھی حیرانی کو چھپاتے ہوئے عید مبارک کے الفاظ اپنے دل کی گہرائیوں سے ادا کیے اطمینان کی لہر ان کے چہرے پر دیکھ کر امیر علی کوئی نتیجہ اخذ نہ کرپایا۔

"آپ نے کیا سمجھا کہ میں عید کے مبارک دن کو آپ کی اس حقیر سی پیشکش کو قبول کرلوں گا۔" طیب علی نے کھاتے کے رجسٹر جیسے ہی میز پر رکھے امیر علی نے ان کا موقف جانے بغیر گرج کر کہا۔

"ارے نہیں امیر علی۔"

"بس بھائی صاحب! میں آپ کی عزت اس لیے نہیں کرتا کہ آپ مجھے مجبور کردیں۔" نور الٰہی کی بات کاٹ کر تیزی سے امیر علی نے کہا تو اس کے دونوں بھائی ایک دوسرے کو دیکھ کر رہ گئے۔

"ہم یہاں تم سے معافی مانگنے آئے ہیں اور یہ رجسٹر ان لوگوں کے ہیں جنہیں قرضہ واپس کرنا ہے جو رقم ان سے لی جاچکی ہے انہیں واپس کرنی ہے اور اس کام کے لیے تم سے بہتر شخص اور کہاں ملے گا جن کے قرض نہیں اترے ان کے گھر جا کر ان کو معاف کردیا جائے گا۔ امیر علی پلیز ہماری مدد کرو۔" نور الٰہی نے اپنے بھائی کو خاموش دیکھ کر جلدی جلدی اپنا مدعا بیان کیا تو ماحول میں یکدم خاموشی چھا گئی۔

امیر علی کی آنکھوں میں پہلے بے یقینی پھر حیرت اور آخر میں مسرت کے رنگ اتر آئے آگے بڑھ کر اپنے بڑے بھائی کے گلے لگا تو سبھی افراد کی پلکیں نم ہوگئیں پیسے کی لالچ کا چشمہ جیسے ہی اترا انہیں اپنا چھوٹا بھائی اعلیٰ مسند پر بیٹھا نظر آیا جس کے سامنے بڑے بھائی اپنا اپنا کشکول لیے معافی کے طلب گار تھے اور اس نے ایک ہی کوشش میں ان کی تمام غلطیاں درگزر کر کے انہیں اپنا لیا تھا انہیں معاف کردیا تھا۔

سارا دن خاصا مصروف گزرا تھا خواتین کچن میں اور مرد حضرات ایک دوسرے کے ساتھ خوش گپیوں میں مصروف تھے۔

"امیر علی ہمیں معاف کردو ہم نے ہر لحہ تیرا مذاق اڑایا اور تُو کسی پتھر کی طرح رہا جو کسی کے جذبات کا جواب اسی انداز میں نہیں دے پاتا جس انداز میں اسے ٹھوکر ماری جاتی ہے۔" نور الٰہی کے بندھے ہاتھوں کو دھند لائی آنکھیں زیادہ دیر نہ دیکھ سکیں امیر علی نے بندھے ہاتھ پکڑ کر چوم لیے دو آنسو ان ہاتھوں کی پشت پر آن گرے۔

"بھائی صاحب جو انسان اللہ کو اپنا سب کچھ مان لے اس کی زندگی اس کا ہر مسئلہ اس کے ربّ کے حضور پیش کردیتی ہے۔ وہ انسان بس خدا کو یاد کرتا ہے اور زندگی اس یاد الٰہی کا قرض اس کو مسرتوں کی صورتوں میں عطا کرتی ہے۔ انسان "روشنی کا سفر" بآسانی کرنے لگتا ہے اور زندگی تمام رکاوٹوں کو ہٹا دیتی ہے۔"

"دعا کرنا ہم بھی "روشنی کے سفر" کے مسافر ٹھہریں آمین۔" نور الٰہی کی امید بھری آواز پر دونوں بھائیوں نے بیک وقت آمین کہا تھا۔

میں اس حصار سے نکلوں تو اور کچھ سوچوں
تمہارے پیار سے نکلوں تو اور کچھ سوچوں
رچا ہوا ہے تیرا عشق میری نس نس میں
میں اس غبار سے نکلوں تو اور کچھ سوچوں

''چلو ٹھیک ہے، میں انتظار کر رہی ہوں' اپنا خیال رکھنا۔ بھائی صاحب کو سلام کہنا اور بچوں کو پیار' اللہ حافظ۔'' ناصرہ نے مسکراتے ہوئے کہا اور پھر موبائل کی سیاہ ہوتی اسکرین کو دیکھ کر سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیا اور سر بیڈ کی پشت سے ٹکا دیا۔

''کس کا فون تھا؟'' اخبار پڑھتے ہوئے آصف صاحب نے اخبار سے نظریں ہٹا کر عینک اتاری اور اپنی نڈھال ہوتی نصف بہتر کو تکنے لگے۔

''آسیہ کا فون تھا' سردیوں کی چھٹیوں میں آ رہی ہے۔'' ناصرہ نے آنکھیں موندے موندے ہی جواب دیا۔

''یہ تو اچھی خبر ہے۔ ایک عرصہ بعد آپ کی بہن سے ملاقات بھی ہو جائے گی اور آپ کی مراد بھی بر آ جائے گی۔'' نیم دراز آصف مکمل طور پر اٹھ کر بیٹھ گئے اب وہ بیگم کی طرف متوجہ تھے۔

''ہاں خوش تو میں ہوں' سات آٹھ سال بعد آ رہی ہے جب سے شادی ہو کر دبئی گئی ہے تو ملنے کو ترس گئی۔ کتنے برسوں میں ملنے کا سبب پیدا ہوتا ہے' امید تو بندھی ہے مگر اندیشہ یہ ہے کہ بر آتی ہے یا نہیں۔'' ناصرہ بیگم کا لہجہ ہنوز پژمردہ تھا۔

''ارے اس نے وعدہ کیا ہے نا بلکہ صاف طور پر اپنے آنے کا مقصد بھی بیان کیا ہے۔'' آصف نے انہیں کسی طور تسلی دینا چاہی مگر وہ ماں تھیں جس کا دل ہمہ وقت اندیشوں میں گھرا ہچکولے لیتا رہتا ہے۔

''آصف میری دعا قبول ہو گی نا...... میری بچی کے نصیب کھلیں گے۔'' نہ چاہتے ہوئے بھی دو آنسو ان کی آنکھوں سے نکل پڑے۔

''کیوں نہیں' آپ کو اپنے اللہ پر بھروسہ نہیں' دونوں بچیاں ہماری ہی ہیں پھر یہ تو اوپر والے کی مرضی ہوتی ہے ناصرہ بیگم! بطور انسان ہمارا فرض ہے کہ ہم اپنے ربّ کی رضا میں راضی ہوں۔ اب آپ بلاوجہ کی ٹینشن لے کر اپنا بی پی ہائی نہ کریں' اللہ پر توکل کریں اور سو جائیں۔''

آصف نے ناصرہ کے پیشانی پر آئے بال سنوارے اور سائیڈ لیمپ آف کرکے تکیہ پر سر رکھ کر آنکھیں موند لیں تو ناصرہ بھی زیر لب دعائیں پڑھتے ہوئے نیند کی وادیوں میں گم ہوگئیں۔

❁ ❁ ❁

آسیہ ناصرہ کی چھوٹی بہن تھیں جو شادی کے بعد دبئی چلی گئی تھیں مگر دوری نے بھی دونوں بہنوں کی محبت کو کم ہونے نہیں دیا تھا وجہ شاید یہ بھی تھی کہ وہ صرف دو ہی بہنیں تھیں جو عمروں کا فرق کم ہونے کے باعث ہمجولیاں بھی تھیں۔ شادی کے بعد آسیہ کو جتنی بار بھی پاکستان آنے کا موقع ملا وہ سسرال سے نمٹ کر بہن سے ضرور ملتیں۔ شاید یہی وجہ تھی کہ اس رشتے کو اور مضبوط تر کرنے کے لیے آسیہ نے اس رشتے کو سمدھیانے کا رنگ دینے کا سوچا۔ آسیہ کا ایک ہی بیٹا تھا جبران...... جبران گو کہ ماں کی اکلوتی اولاد تھا لیکن اس کے باوجود وہ ماں باپ کا انتہائی فرمانبردار تھا۔ خوش شکل، خود اعتماد اور مکمل طور پر خود مختار ہونے کے باوجود اس نے ماں کی خواہش کو اپنا فرض جان کر سر جھکا لیا۔ ناصرہ کے تین بچے تھے عفان جو کہ جبران کا ہی ہم عمر تھا، عفان سے چار سال چھوٹی عمارہ اور اس سے دو سال چھوٹی گھر بھر کی لاڈلی ماہین۔ بچے تو ناصرہ کے بھی فرمانبردار تھے اپنی جانب سے بیٹے اور بیٹیوں کی اچھی تعلیم و تربیت میں ناصرہ بیگم نے کوئی کمی نہ رکھی تھی مگر ایک نہج ایسی تھی کہ ناصرہ بیگم کا اوپر والے کی مرضی کے آگے کوئی زور نہ چلا۔ وہ تھی دو بیٹیوں کی شکل و صورت میں واضح فرق، ایک طرف ماہین تھی مزاج کی تو شوخ و چنچل تھی مگر ساتھ ہی نام کی طرح خوب صورت، کتابی چہرہ، لمبے سیاہ کرلی بال جو چہرے کی خوب صورتی میں اور اضافہ کرتے اور اوپر سے گہری سبز آنکھیں، ناصرہ بیگم دل ہی دل میں اللہ کا شکر ادا کرتیں اور دن میں کئی بار اس کی بلائیں اتارتے نہ تھکتی تھیں مگر جب ان کی نظریں عمارہ کی طرف اٹھتیں تو دل اللہ کی بارگاہ میں سوالی بن جاتا وہ یکا یک شاکی ہونے لگتیں۔ عمارہ رنگت میں تو مار کھائی ہوئی تھی مگر نین نقش بھی کچھ خاص نہ تھے البتہ اس کی آنکھیں بادامی اور بھوری تھیں۔ کم عمری سے ہی ماہین کے کئی رشتے آنے لگے تھے مگر ناصرہ بیگم غیر خاندان سے آئے رشتوں کے حق میں نہ تھیں اور جو خاندان سے تھے ان میں کئی امیدواروں کو ناصرہ نے یہ کہہ کر ٹال دیا تھا کہ ابھی تو وہ پڑھ رہی ہے پھر بچیوں کا دھیان بٹ جاتا ہے جب کہ در پردہ وہ آسیہ کو مایوس نہیں کرنا چاہتی تھیں۔

آسیہ وقتاً فوقتاً بچیوں کو ویب کیم پر دیکھتیں، باتیں کرتیں مگر انہوں نے کسی قسم کا عندیہ ظاہر نہ کیا تھا کہ ان کا انتخاب کون ہوگا گو کہ ناصرہ بیگم کو اندازہ تو تھا کہ سب کی طرح آسیہ کا ووٹ بھی ماہین کے حق میں ہوگا مگر ہر بار کی طرح انہوں نے آس لگالی تھی کہ شاید...... شاید اب وقت آ گیا ہو۔

❁ ❁ ❁

اپنے وعدے کے مطابق ٹھیک پندرہ دن بعد آسیہ کراچی پہنچ گئیں، عفان انہیں ائرپورٹ لینے گیا۔ جبران بھی ان کے ہمراہ ہی تھا، البتہ آسیہ کے میاں شہباز بزنس کی کچھ مصروفیات کے سبب نہ آسکے تھے، ناصرہ بیگم بھی شدید چاہت کے باوجود ائرپورٹ نہ آسکی تھیں کیونکہ بدلتے موسم کے باعث ان کے جوڑوں میں شدید درد تھا۔ عفان مہمانوں کو لے کر گھر پہنچا تو دونوں بہنوں کے عرصے بعد ملاپ کے رقت آمیز مناظر نے بچوں کو بھی رنجیدہ کردیا، ایسے میں آصف نے ماحول کو بدلنے کی غرض سے دخل اندازی کی۔

''ارے بھئی ناصرہ بیگم! بہن تھکی ہاری آئی ہے اور تم ہو کہ اس کی خاطر مدارت کے بجائے اسے مزید نڈھال کیے جارہی ہو۔ جاؤ ماہین بیٹی! کافی لے کر آؤ۔'' آصف کے احساس دلانے پر ناصرہ واقعی شرمندہ سی ہوکر کہنے لگی۔

''اوہ ہاں، میں بس ذرا جذباتی ہوگئی، معاف کرنا جبران بیٹا! خیال ہی نہیں رہا، جاؤ بیٹا عفان، جبران کو کمرے میں لے جاؤ۔ ذرا فریش ہوجائے میں وہیں

کافی بھجواتی ہوں۔"

"میں تو بھئی پہلے اپ کے ساتھ لاؤنج میں بیٹھ کر ماہین بیٹی کے ہاتھ کی کافی پیوں گی پھر اندر چل کر آرام سے لیٹ کر ہم دونوں بہنیں باتیں کریں گے اور بھائی صاحب یہاں ٹی وی دیکھیں گے۔ کیوں ٹھیک کہا نا میں نے آصف بھائی!" آسیہ نے ہنستے ہوئے کہا تو آصف بھی "جو حکم سالی کا" کہہ کر مسکرا دیئے اتنے میں ماہین بھی کافی بنا کر لے آئی اور آسیہ کے پہلو میں ہی بیٹھ گئی۔

"اُف خالہ جان میں کس قدر خوش ہوں کیا بتاؤں آپ کو میری ایک ہی خالہ ہیں اور وہ بھی اتنی دور۔ پتا ہے کتنا یاد کرتی ہوں میں آپ کو؟" ماہین ایسے ہی آرام سے کھل کر اپنے جذبات کا اظہار کردیتی تھی۔ آسیہ نے نٹ کھٹ سی بھانجی کو بانہوں میں بھر کر ماتھے پر بوسہ دیا۔

"اسی لیے تو میں آ گئی اپنی گڑیا کے پاس۔"

"ارے آپا! عمارہ بیٹی نظر نہیں آ رہی۔" یکا یک آسیہ کو خیال آیا۔

"ہاں وہ اسکول میں پڑھاتی ہے نا اور آج کل امتحان چل رہے ہیں تو جانا بھی ضروری تھا ورنہ وہ بھی بڑی ایکسائیڈ تھی، یہاں پرائیوٹ اسکولز کے ٹائمنگ زیادہ ہیں، آدھے گھنٹے بعد چھٹی ہوگی تو گھر پہنچنے تک پورے تین بج جائیں گے۔" ناصرہ نے تفصیل بتاتے ہوئے دو بجاتی وال کلاک کی طرف دیکھا تو آسیہ نے سر ہلاتے ہوئے کافی کا کپ اٹھالیا، جبران اور عفان بھی آ کر شامل ہوگئے۔ ماہین کچن کی طرف چلی گئی، کافی کا دور ختم ہوا تو جبران اٹھ کھڑا ہوا۔

"اچھا خالہ جان! اب مجھے اجازت دیجیے، پانچ بجے میری میٹنگ ہے، مجھے اسلام آباد روانہ ہونا ہے۔"

"ارے بیٹا یہ کیا...... کھانا تیار ہے کھا کر جاؤ اور خالہ کے پاس نہیں رکو گے؟" ناصرہ حیرانی کے عالم میں خود بھی اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"نہیں خالہ جان! آپ نے ریفریشمنٹ ہی اچھا کروادیا ویسے میں سفر سے پہلے لنچ نہیں لیتا سینڈوچز

سے کافی سہارا مل گیا۔ لنچ کیا تو طبیعت بوجھل ہوجائے گی' کافی لمبی ڈرائیو ہے اور میں آپ کے پاس ضرور رکوں گا مگر ابھی پندرہ دن کی مہلت دے دیجیے بہت اہم کام نمٹانے ہیں' نہیں تو واپسی پر پاپا کے ہاتھوں درگت بن جائے گی۔'' جبران نے کچھ اس لہجے میں کہا کہ سب ہی ہنس پڑے پھر وہ سب کو الوداع کہہ کر چلا گیا۔

آسیہ فریش ہونے کے لیے کمرے کی جانب بڑھ گئیں' ناصر بھی نماز پڑھنے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئیں' عفان جبران کو سی آف کرنے گیا اور ماہین نے کچن کی راہ لی تو آصف صاحب ٹی وی آن کر کے ٹاک شو دیکھنے میں مگن ہوگئے۔

''امی' خالہ آجائیں کھانا تیار ہے۔'' کچھ دیر بعد ماہین نے آواز لگائی تو سب لوگ ڈائننگ ٹیبل پر جمع ہونے لگے۔

''السلام علیکم خالہ جانی! کیسی ہیں آپ' سفر کیسا رہا؟'' آسیہ کو آتا دیکھ کر ٹیبل پر برتن سیٹ کرتی عمارہ آگے بڑھی تو آسیہ نے اس کا ماتھا چوم لیا۔

''وعلیکم السلام! جیتی رہو' میں بالکل ٹھیک ہوں' تم سناؤ تھک جاتی ہوگی' نازک سی تو ہو۔'' آسیہ نے سانولی سلونی اور دبلے پتلے سراپے کی مالک عمارہ کو محبت سے دیکھتے ہوئے کہا جو نہایت پھرتی سے ٹیبل پر لوازمات لگانے میں بھی مصروف تھی۔

''ارے نہیں خالہ جانی! میں ایسا کون سا پہاڑ کھود کر آتی ہوں' ویسے بھی کیوٹ کیوٹ سے بچوں کو پڑھانے میں بڑا مزہ آتا ہے۔ ان کی معصوم سی باتوں سے تو ذہن فریش ہوجاتا ہے پھر آدھے دن کی تو جاب ہے آکر آرام کرلیتی ہوں۔'' عمارہ نے متانت سے جواب دیا تو آسیہ مسکرادیں اور ناصرہ اپنی فرمانبردار بیٹی پر واری جانے لگیں۔

''میری بچی بہت محنتی ہے اور قابل بھی بہت ہے۔ اس کی میڈم اور کولیگز اس کی محنت اور کارکردگی کی بہت تعریف کرتی ہیں۔''

''ظاہر ہے آخر میری بھانجی ہے' ذہین تو ہونا ہی تھا' کیوں؟'' آسیہ نے شرارت سے کہا تو عمارہ بھی مسکرادی۔

''چلیں بھئی کھانا شروع کریں' ٹھنڈا ہوجائے گا۔'' آصف نے اپنی کرسی سنبھال کر بریانی اور کوفتوں کی ڈش آسیہ کی جانب بڑھاتے ہوئے کہا۔

''ارے بھائی صاحب آپ بیٹھیے میں لے لوں گی' آپا آپ نے بہت تکلف کرلیا۔'' آسیہ نے کوفتے پلیٹ میں ڈالتے ہوئے کہا تو ناصرہ نے عمارہ کی طرف اشارہ کیا۔

''میں نے تو کچھ نہیں کیا بھئی' تم جانو اور تمہاری بھانجی۔ رات میں آدھی تیاری کرگئی تھی ماہین نے بس بریانی دَم دے دی ہے البتہ میٹھا میری ماہین بہت شوق سے کھاتی بھی ہے اور بناتی بھی ہے۔''

''خالہ جانی مجھے سویٹ ڈشز تیار کرنے میں بہت مزہ آتا ہے' میرے پاس بہت سی ریسپیز ہیں' آپ کو بنا کر کھلاؤں گی۔ البتہ یہ بریانی وغیرہ اور کوفتے' یہ مشکل کام مجھ سے نہیں ہوتے' اتنے سارے مسالحے پیسو اور پتا نہیں کیا کیا...... یہ تو بس آپی ہی کرسکتی ہیں ان فیکٹ کچن میں گرمی میں دیر تک کھڑے رہنے کا کافی اسٹیمنا ہے ان میں۔'' ماہین یونہی تفصیلاً گفتگو کرنے کی عادی تھی جب کہ ناصرہ اسے اکثر اس کے باتونی پن پر ٹوکا کرتی تھی مگر آصف صاحب اپنی چھوٹی لاڈلی بیٹی کے سر پر ہاتھ پھیر کر بیگم کو خاموش کردیتے۔

''ارے اس چڑیا سے تو میرے گھر میں رونق ہے اسے مت ٹوکا کریں۔''

''آپ بگاڑ کر ہی دم لیں گے اسے' لڑکیوں کو ناپ تول کر بولنا چاہیے ایسے ہر وقت کی بے تکی ہانکنے کی عادت سسرال میں شرمندہ کرسکتی ہے۔'' ناصرہ بیگم دونوں باپ بیٹی کو گھرکنے سے پھر بھی باز نہ آتیں۔

''توبہ ہے امی! آپ کی ہر بات کا قافیہ سسرال

سے جا کر کیوں ملتا ہے' انسان کا اپنا بھی کوئی مزاج ہوتا ہے ہر کسی کے عادات و اطوار مختلف ہوتے ہیں۔'' عمارہ کو ناصرہ بیگم کا ہر وقت کا سسرال نامہ پڑھنا قطعاً پسند نہیں تھا۔

''بیٹا لڑکیوں کو تو جانا ہی پرائے گھر ہوتا ہے' اس حقیقت سے بھلا کس کو انکار ہوسکتا ہے۔ مزاج اور فطرت بے شک بدلے نہیں جاسکتے لیکن عادات و اطوار میں سدھار تو ممکن ہے ورنہ بعد میں ماؤں کو ہی بیٹیوں کی غلط تربیت و پرورش کے طعنے ملا کرتے ہیں اور ماں باپ کا تو فرض ہے اچھے بُرے کی تمیز سکھانا' چاہے اولاد کو بُرا لگے یا بھلا۔ میں اپنے فرض سے تو پہلو تہی نہیں کرسکتی۔'' ناصرہ بیگم سنجیدگی سے کہتیں تو دونوں بیٹیاں پشیمان اور شرمندہ ہوکر ان کے زانو میں آ بیٹھتیں۔

''سوری امی......!'' ایسے میں آصف مسکرا کر کہتے۔

''دیکھا کیسی تمیز دار اور باشعور بیٹیاں ہیں میری آپ یونہی پریشان ہوتی رہتی ہیں۔'' اور ناصرہ بیگم اپنا پسندیدہ جملہ دہرا کر انہیں ہمیشہ کی طرح لاجواب کردیتیں۔

''کیا کروں ماں ہوں نا...... اولاد کے معاملے میں دل یونہی اندیشوں میں گھرا رہتا ہے۔''

❁......❁......❁

کھانے کے بعد لڑکیاں برتن سمیٹنے لگیں' عفان اور آصف میچ دیکھنے میں لگ گئے تو دونوں بہنیں کمرے میں آ گئیں۔ کتنی ہی باتیں تھیں' دل کے راز تھے' دکھ سکھ کی کہانیاں تھیں۔ جو کہنی سننی تھیں' لاکھ انٹرنیٹ اور موبائل نے دوریوں کو ختم کرڈالا ہو مگر جو لطف محسن و غم خوار کے ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر گفت و شنید میں ہے بھلا جدید ٹیکنالوجی اس کا متبادل کیسے ٹھہر سکتی تھی۔ سو خوب باتیں کیں اور کرتے کرتے جانے کب محوِ خواب ہوگئیں' عصر کے قریب آ کر عمارہ نے دونوں کو نماز کے لیے اٹھایا اور خود نماز پڑھنے چلی گئی' آسیہ اور ناصرہ نماز پڑھ کر لاؤنج میں آ گئیں۔

''سنو میں ذرا ان کے ساتھ بازار تک جارہی ہوں'

سنہری باتیں

❁ محبتوں میں شدت اس وقت تک رہتی ہے جب تک وصال نہ ہو' جب ہجر محبت میں سے تفریق ہوجاتا ہے تو محبت میں کشش ختم تو نہیں البتہ بہت قلیل رہ جاتی ہے۔

❁ جب عورت والدین کے گھر سے رخصت ہورہی ہوتی ہے تو دوسری طرف عورت کی ''میں'' ختم ہورہی ہوتی ہے۔

❁ زندگی ایک عجیب سفر ہے' جس کے کسی اسٹیشن کا پتا نہیں چلتا کہ کہاں پر گاڑی رکے گی۔

❁ عورت کی سادہ آنکھیں جھکی پلکیں اس کی حیا کی دلیل ہیں۔

❁ جب تم پر برا وقت آئے تو اچھے وقت کو یاد کرو۔

ثوبیہ نواز اعوان...... اسلام آباد

روشن خیالات

❖ تم میں سے بہترین شخص وہ ہے' جس نے قرآن سیکھا اور دوسروں کو سکھایا (حضرت محمد ﷺ)

❖ دلوں کو فتح کرنے کے لیے تلوار کی نہیں عمل کی ضرورت ہوتی ہے (شیکسپیئر)

❖ مالدار بننا چاہتے ہو تو اپنی ضروریات کو کم کرو (بطلیموس)

❖ علم ایک ایسا سمندر ہے جس میں چھلانگ لگانے کے بعد ہی اس کی وسعت و عظمت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ (شہید حکیم محمد سعید)

❖ علم اگر سینوں میں بند کیا جائے تو تباہ ہوجاتا ہے۔ (ابو ریحان البیرونی)

آنسہ غلام نبی...... ہری پور

عفان کسی دوست کے پاس گیا ہے تم بچیوں کے ساتھ بیٹھ کر ٹی وی دیکھو۔ میں گھنٹے بھر میں واپس آجاؤں گی۔'' ناصرہ نے چادر اوڑھتے ہوئے کہا تو آسیہ بولیں۔

''ارے آپا ضرور جائیے مگر سن لیجیے کہ میرے لیے کسی

WWW.PAKSOCIETY.COM

قسم کا تردد مت کیجیے گا بلکہ بےفکری سے جائیے۔ میں ہوں نا بچیوں کو دیکھنے کے لیے اور میری فکر مت کیجیے یہ میرا اپنا گھر ہے جو دل چاہے گا سو کروں گی۔"

"ضرور' اللہ حافظ۔" ناصرہ ہاتھ ہلا کر دروازے سے نکل گئیں تو آسیہ اٹھ کر عمارہ کے پاس کچن میں چلی آئیں جہاں وہ غالباً رات کے کھانے کی تیاریوں میں مصروف تھی۔

"عمارہ بیٹی تم تو بڑی مصروف رہتی ہو۔"

"خالہ یہ تو روزمرہ کے کام ہیں' اب اچھا نہیں لگتا نا کہ امی کام کریں اور ہم بیٹھے رہیں۔ صبح کی تو مجبوری ہے مگر شام میں پوری کوشش ہوتی ہے کہ میں امی کو آرام پہنچا سکوں۔" عمارہ نے پیاز کاٹتے ہوئے متانت سے جواب دیا۔

"بہت اچھی بات ہے بیٹا! ویسے بھی بیٹیاں ماؤں کا بایاں ہاتھ ہوتی ہیں' مائیں انتظار کرتی ہیں کہ بیٹیاں کب بڑی ہوں اور ان کی خانگی ذمہ داریوں کے بوجھ کو بانٹ لیں بالکل ایسے جیسے باپ بیٹوں کے بڑے ہونے کا انتظار کرتے ہیں اور مجھے تو بیٹی کی کمی کا بہت احساس ہوتا ہے ویسے تو جبران اپنے خاصے کام خود کر لیتا ہے مگر پھر بھی کچن میں مجھے بہت اکیلا پن محسوس ہوتا ہے۔ خیر سے اب بہو اچھی آجائے تو دل کی یہ خواہش کسی نہ کسی طرح پوری ہو جائے۔" آسیہ نے گہری سانس لی اور عمارہ دھیمے سے مسکرا دی۔

آسیہ نوٹ کر رہی تھیں کہ اس نے پیاز نہایت باریک کاٹی تھی اس کے کام میں سلیقہ اور محنت چھلک رہا تھا اور اس کے چہرے پر پھیلی مسکراہٹ بتا رہی تھی کہ اسے کام سے کسی قسم کی اکتاہٹ یا بیزاری محسوس نہیں ہو رہی تھی۔

"ارے خالہ آپ کچن میں کیوں کھڑی ہیں' ادھر آجائیں نا۔" ماہین نے ٹی وی آن کر کے آسیہ کو لاؤنج میں بلا لیا تو آسیہ اس کے ساتھ صوفے پر جا بیٹھیں۔

"سالن دم پر رکھ کر تم بھی یہیں آجاؤ عمارہ!" لاؤنج سے کچن کا منظر بھی صاف نظر آرہا تھا۔

"جی خالہ! آپ ٹی وی دیکھیں میں آٹا گوندھ کر آتی ہوں۔" عمارہ نے پرات میں آٹا نکالتے ہوئے جواب دیا تو آسیہ ٹی وی کی جانب متوجہ ہو گئیں۔

ماہین کسی ڈرامے کی ری ٹیلی کاسٹ ہونے والی قسط دیکھ رہی تھی وہ ڈرامے میں آنے والے سین کی تفصیل پہلے سے ہی آسیہ کو بتانے لگتی تو آسیہ کو اندازہ ہوا کہ ماہین وہ ڈرامہ پہلے بھی دیکھ چکی ہے۔ اسی دوران ناصرہ بھی واپس آگئیں تو عمارہ اسکول کے بچوں کی چیک کرنے والی کاپیاں لے کر لاؤنج میں آبیٹھی۔

سردیوں میں دن چھوٹے ہوتے ہیں اس لیے وقت گزرنے کا پتا ہی نہیں چلتا شام کی چائے پیتے پیتے ہی مغرب کی اذان ہو گئی تو ٹی وی بند کر کے سب نماز کی ادائیگی کے لیے اٹھ گئے۔ رات ہونے کے ساتھ ٹھنڈ بڑھنے لگی تھی تو آسیہ اور ناصرہ پیروں پر کمبل ڈالے کمرے میں ہی لیٹ گئیں' ایک بار پھر دونوں بہنوں کو باتوں کا موقع مل گیا تھا۔

❀……❀……❀

آسیہ کو نوخیزی کی عادت تھی' سو دوسری صبح جلدی اٹھ گئیں۔ وہ صبح کی خنکی انجوائے کرتے شال لپیٹے ٹیرس میں آئیں تو عمارہ کو دیکھ کر چونک گئیں۔

"ارے آج تو اتوار ہے' تم پھر بھی جلدی اٹھ گئیں' آرام سے اٹھتی نا۔"

"خالہ عادت ہو گئی ہے' مجھے یہاں پودوں کے ساتھ بیٹھنا اچھا لگتا ہے۔ صبح کی خاموش فضا میں کیسی مدھر موسیقی ہوتی ہے نا' روح کے اندر اترتی ہوئی اور یہ ہوا کس قدر فرحت بخش ہوتی ہے' دل و دماغ میں سکون اترتا محسوس ہوتا ہے۔" عمارہ نے گہری سانس اپنے اندر اتارتے ہوئے کہا تو آسیہ ایک جذب کے ساتھ مسکرا دیں۔

"بڑی خوب صورت اور گہری باتیں کرتی ہے میری بھانجی۔" عمارہ جھینپ کر رہ گئی اور ٹیرس سے باہر جھانکنے لگی تو آسیہ بغور اس کا جائزہ لینے لگیں۔

"ڈارک گرین ویلوٹ کے پلین سوٹ پر وہ میرون اور براؤن کمبی نیشن کی پشمینہ شال اپنے گرد لپیٹے بہت پروقار لگ رہی تھی‘ اس کے چہرے پر پھیلی متانت اس کے باطن کے صاف شفاف ہونے کی گواہ تھی وہ سانولی ضرور تھی مگر چہرے پر موجود نمک مدمقابل کو اس پر نظریں ٹکائے رکھنے پر مجبور کردیتا تھا‘ اس کے دیگر نقوش جاذب نظر نہ تھے مگر اس کی ذہانت سے بھری ہلکی بھوری بادامی آنکھیں دلوں پر نقش ہوجانے کے لیے کافی تھیں۔ عمارہ کو آسیہ کی گہری نظروں کا احساس ہوا تو ان کا دھیان بٹانے کی غرض سے بولی۔

"چلیں خالہ‘ کافی پیتے ہیں پھر میں ناشتا لگاؤں گی‘ جب تک سب اٹھ بھی جائیں گے۔" وہ آسیہ کا ہاتھ پکڑے اندر لے آئی‘ کافی بنائی اور صبح کا اخبار ان کے سامنے لاکر رکھ دیا اور خود ناشتا بنانے کچن میں چلی گئی۔ ناشتا کرکے عمارہ نے جھاڑو سنبھال لی اور ماہین نے ڈسٹنگ شروع کردی‘ موسم کی مناسبت سے آصف نے پائے کی فرمائش کردی تو ناصرہ بیگم کچن میں آگئیں۔ عفان اور آصف اسپورٹس چینل لگا کر بیٹھ گئے اتنے میں آسیہ کسی کا فون سننے لاؤنج سے باہر چلی گئیں‘ کچھ دیر بعد واپس آکر انہوں نے سب کو جبران کی واپسی کا سرپرائز دے ڈالا۔

"ارے واہ یہ تو بڑی اچھی خبر سنائی آسیہ تم نے۔" ناصرہ واقعی بہت مسرور تھیں۔

"ہاں بس اتفاقاً پہلا ہی پروپوزل کلائنٹ کو پسند آگیا تو کام فوراً نمٹ گیا۔" آسیہ نے بتایا تو عفان بھی کھل اٹھا۔

"شکر خالہ ورنہ میں تو بور ہورہا تھا‘ اتنے دنوں بعد تو جبران سے ملاقات ہوئی تھی‘ آج ہم بیڈمنٹن کھیلیں گے۔"

"ہاں ضرور مگر اپنے سارے ارمان جلد پورے کرلینا کیونکہ ہم دو دن بعد عاقب بھائی اور سارہ بھابی کی طرف چلے جائیں گے۔" آسیہ نے سسرالی رشتے داروں کا ذکر

ثمرہ بٹ

تمام آنچل اسٹاف و پڑھنے اور لکھنے والوں کو میرا سلام۔ مابدولت کو ثمرہ بٹ کہتے ہیں میں 6 جولائی کو لودھراں کے گاؤں نرائن والہ میں صبح کے وقت پیدا ہوئی۔ ہم تین بہنیں اور تین بھائی ہیں مجھ سے بڑی بہن اور بھائی ہے پھر مابدولت خود اس کے بعد چھوٹا بھائی فیضان اور سائرہ ہیں اینڈ میں عثمان رضا ہے۔ میں نے سیکنڈ ائیر کے ایگزام دیئے ہیں۔ اب آتے ہیں خامیوں اور خوبیوں کی طرف‘ خامیاں تو مجھ میں بہت زیادہ ہیں اس میں سرفہرست غصہ ہے۔ مجھے چھوٹی چھوٹی باتوں پر غصہ بہت زیادہ آتا ہے اس کے علاوہ میری بہن کہتی ہے کہ تم سست‘ کاہل اور کام چور ہو۔ خوبیاں سوچنے پر بھی یاد نہیں آتیں۔ کپڑوں میں لانگ شرٹ اور ٹراؤزر پسند ہے‘ کلرز میں وائٹ‘ بلیک اور فریش ریڈ پسند ہے۔ کھانے میں جو بھی بن جائے کھالیتی ہوں۔ پسندیدہ سنگرز میں راحت فتح علی خان‘ جواد احمد‘ ابرارالحق‘ افشاں زیبی اور ندیم عباس پسند ہیں۔ پسندیدہ شاعروں میں علامہ اقبال‘ شاعرہ نازیہ کنول نازی پسند ہیں۔ اب آتے ہیں فرینڈز کی طرف‘ میری فرینڈز میں کوثر پروین‘ انیلہ راؤ‘ سدرہ اسحاق‘ کنیز فاطمہ اور کزنز میں سے کچھ فرینڈز ہیں۔ آخر میں آپ قارئین اور فرینڈز کے لیے دعا کہ ہمیشہ خوش رہو اور ہمیں ہمیشہ اپنی دعاؤں میں یاد رکھنا‘ میرا تعارف پڑھ کر آپ سب کو کیسا لگا‘ ضرور بتانا‘ اللہ حافظ۔

کیا تو ناصرہ سمیت بچوں کے چہرے بھی بجھ گئے۔

"یہ کیا آسیہ! ابھی آئے ہوئے دن ہی کتنے ہوئے ہیں تمہیں اور جانے کو پَر تولنے لگیں۔" ناصرہ مغموم ہوگئیں۔

"ارے آپا! آپ کو پتا ہے سسرال کا معاملہ ہے جانا ضروری ہے پھر ہفتے بھر کی بات ہے ابھی تو مہینہ پڑا ہے۔"

"آسیہ صحیح کہہ رہی ہے سب طرف دیکھنا پڑتا ہے۔"

آصف نے آسیہ کے موقف کی حمایت کی تو ناصرہ سر ہلا کر رہ گئیں۔

دوپہر کے کھانے پر جبران بھی آ پہنچا' وہ بھی خاصا ملنسار اور خوش گفتار تھا' چھوٹے چھوٹے چٹکلوں سے اس نے کھانے کی ٹیبل کو کشتِ زعفران بنا دیا تھا۔

❀......❀......❀

عفان اور جبران دیر سے گھر آئے' ڈنر کر کے سب لوگ اپنے کمروں کی طرف جانے لگے تو آسیہ بولیں۔

''عمارہ اور ماہین...... بیٹا تم لوگ کچن کا کام ختم کر کے کمرے میں آنا' مجھے کچھ ضروری بات کرنی ہے۔''

''جی۔'' دونوں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

آدھے گھنٹے بعد عمارہ اور ماہین دونوں ناصرہ کے بیڈ روم میں موجود تھیں جہاں آسیہ بہن کے سرہانے بیٹھی تھیں۔

''بیٹا میں جو کچھ تم لوگوں سے کہنے جا رہی ہوں اس کے لیے میں نے آپا سے باقاعدہ اجازت لی ہے' شاید تم لوگوں کے علم میں یہ بات ہو کہ اس بار میں ایک خاص مقصد کے تحت یہاں آئی ہوں۔'' آسیہ نے رک کر ماہین اور عمارہ کو دیکھا تو انہوں نے سر جھکا دیا۔

''عمارہ بیٹی تم نے ٹھیک کہا تھا کہ خالص نیتوں کا پھل خالص ہوتا ہے' میٹھا ہوتا ہے۔ تمہیں پتا ہے گھر بنانے کے لیے اور رشتوں کو قائم رکھنے کے لیے سب سے زیادہ کیا چیز ضروری ہوتی ہے......؟'' وہ لحہ بھر رکیں پھر گویا ہوئیں۔ ''ایثار' قربانی...... اپنی ذات کی نفی کرنے کا حوصلہ جو تم میں' میں نے دیکھا' آصف بھائی کی ریٹائرمنٹ کے بعد جس طرح تم نے خود سے گھر کے مالی حالات کی بہتری کے لیے جاب کا اسٹیپ لیا اس سے پتا چلتا ہے کہ تمہارے دل میں دوسروں کے لیے کس قدر احساس ہے اور پھر ساتھ ہی ساتھ کچھ نہ جتا کر' اپنی بساط سے بڑھ کر تم نے جس طرح دیگر ذمہ داریاں بھی خوش اسلوبی سے سنبھالی ہوئی ہیں مجھے اس بات کا ادراک کرا گئی ہیں کہ میری بہو کے روپ میں تم سے بڑھ کر کوئی نہیں ہو سکتا

لیکن چندا تم نے سنا ہوگا نا کہ دلہن وہی جو پیا من بھائے تو خود پر بھی توجہ دینا سیکھو۔'' آسیہ نے عمارہ کا فرطِ حیا سے سرخ چہرہ چومتے ہوئے کہا۔

''اور میری ماہین گڑیا تم صورت میں' گفتار میں تو کسی سے کم نہیں' تمہاری ہنسی اور تمہاری پیاری پیاری باتیں مجھے ہمیشہ یاد آتی رہیں گی مگر بیٹا عورت کو خود پر توجہ دینے کے ساتھ ساتھ گھر اور گھر والوں پر توجہ دینا بھی ازحد ضروری ہے۔'' انہوں نے ماہین کو بانہوں میں بھر لیا۔

''آسیہ آج تم نے میری بچیوں کو وہ سبق دے دیا جو بطور ماں میں آج تک نہ دے پائی کہ زندگی میں اعتدال اور توازن کا ہونا کس قدر ضروری ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ میں نے عمارہ کو کبھی خود پر توجہ دینے کو نہیں کہا تو ماہین کو بھی کبھی دیگر ذمہ داریوں کا احساس نہیں دلایا۔'' ناصرہ بیگم جذباتی ہو کر سسکنے لگیں۔

''آپا جان! کوئی بھی انسان مکمل نہیں ہوتا اور خالہ بھی تو ماں ہوتی ہے اس لیے جو آپ نہ کہہ سکیں میں نے اپنی بچیوں سے کہہ دیا۔ اب رونا دھونا بند کریں اور تیاریاں کریں۔'' آسیہ نے بہن کے آنسو پونچھے تو وہ جھجکتے ہوئے بولیں۔

''آسیہ...... جبران کا بھی نقطہ نظر معلوم کر لیتیں۔''

''ارے میری پیاری آپا! میرے اس فیصلے میں سو فیصد رضا مندی ہے اس کی بلکہ وہ تو مٹھائی بھی لے آیا تھا' بے صبرا کہیں کا۔'' آسیہ بولیں تو ماہین اور عمارہ ہنس پڑیں۔

''میں مٹھائی لے کر آتی ہوں تا کہ سب کا منہ میٹھا کیا جائے۔'' آسیہ کمرے سے باہر نکلیں تو ناصرہ نے اپنی بانہیں وا کر دیں اور عمارہ اور ماہین ماں کے گلے جا لگی تھیں۔

کوئی غمگسار ہوتا
حمیرا نگاہ

سپنوں سے دل لگانے کی عادت نہیں رہی
ہر وقت مسکرانے کی عادت نہیں رہی
یہ سوچ کر کہ کوئی منانے آئے
اب ہم میں روٹھ جانے کی عادت نہیں رہی

"نو نیور ماما......" وہ تو ساری بات سن کر ہی ہتھے سے اکھڑ گیا تھا۔

"ثمر! زنیرہ اچھی بچی ہے اور پھر اچھا ہے گھر کی بات گھر میں ہی رہ جائے۔" مہر نے اسے سمجھانا چاہا۔

"جب ایک دفعہ نہیں کہہ دیا تو پھر بحث کی کوئی گنجائش نہیں نکلتی ماما اور پلیز آپ بار بار کہہ کر مجھے کچھ غلط کہنے پر مجبور مت کریں۔" اس نے بے اختیار اپنا سر اپنے ہاتھوں میں تھاما اور بیڈ کے کونے پر ٹک گیا۔

"ثمر! تم جانتے ہو نا کہ میں نے کتنی مشکل زندگی گزاری ہے اگر تمہاری وجہ سے کچھ آسانیاں پیدا ہونے جارہی ہیں تو پلیز مت روکو انہیں۔" وہ لجاجت سے بولیں تو ثمر نے نم آنکھوں سے ماں کی طرف دیکھا۔

"آپ بہت معصوم ہے ماما! ان کی چالاکیاں نہیں سمجھتیں۔ آپ کا خیال ہے کہ اس طرح آپ کی زندگی میں آسانیاں پیدا ہوجائیں گی ایسا کچھ نہیں ہوگا ماما! سارہ تائی زنیرہ کے ساتھ مل کر آپ کی زندگی مزید مشکل کردیں گی۔" اس نے ماں کو سمجھانا چاہا۔

"تم ہر بات کا منفی پہلو کیوں سوچتے ہو ثمر! ہمیشہ اچھا سوچو اور اچھے کی امید رکھو۔"

"جس شخص نے زندگی ہی منفی رویوں میں گزاری ہو وہ بھلا مثبت کیسے سوچ سکتا ہے ماما!" اس نے سوالیہ نگاہیں مہر پر ٹکادیں۔

"تم میری کل کائنات ہو۔ میری دعاؤں کا ثمر ہو مجھے کسی نئی آزمائش میں مت ڈالنا بیٹا!" وہ اس کے کندھے سے سر ٹکاتی بھرائی آواز میں بولتی چلی گئیں تو اس نے بے اختیار ماں کی پیشانی چوم لی۔

"آپ کا بیٹا کبھی آپ کا سر نیچا نہیں ہونے دے گا ماما! آپ کی تربیت پر کبھی کوئی حرف نہیں آئے گا آپ کا یہ مان، یہ فخر کبھی نہیں ٹوٹے گا ماما!" وہ ماں کو بازوؤں کے حصار میں لیے بولتا چلا گیا جب کہ سوچ کسی اور طرف محو پرواز تھی کہ جس نے لبوں پر ایک حسین مسکراہٹ سجادی تھی۔

❁......❖❖......❁

"تم نے بات کی ثمر سے؟" بیڈ پر بیٹھے ڈھیروں فائلیں سامنے پھیلائے جہانزیب احسن نے مہر کو کمرے میں داخل ہوتے دیکھا تو پوچھے بغیر نہ رہ سکے۔

"جی......" وہ یک لفظی جواب دے کر خاموش ہوگئیں۔

"تو کیا کہا اس نے؟" جہانزیب کی ساری توجہ مہر کی طرف مبذول ہوچکی تھی، مہر بیڈ کے کنارے پر بیٹھ گئیں۔

"اسے سوچنے کے لیے کچھ ٹائم چاہیے جہانزیب!" وہ کافی دیر سوچنے کے بعد بولیں۔

"ہوں......لیکن اگر کافی سوچنے کے بعد بھی اس کا جواب نہ میں آیا تو انجام جانتی ہو اس کا۔" مہر جو کارپٹ پر نظریں جمائے بیٹھی تھیں انہوں نے ایک دم جہانزیب کی طرف دیکھا۔

"جج......جی......" وہ گڑبڑائیں۔

"تو اس کا انجام کچھ اچھا نہیں ہوگا مہر حسن! مجھے زنیرہ کتنی عزیز ہے خوب اچھی طرح جانتی ہو تم اور یہ بھی جانتی ہو کہ زارا بھی مستقل سارہ سے آس لگائے بیٹھی ہے عذیر

کے لیے اور سارہ کا جھکاؤ بھی اسی طرف ہے یہ تو میں ہوں جو انہیں روکے بیٹھا ہوں کہ میں نے شروع سے زنیرہ کو اپنی بہو کے روپ میں دیکھا ہے اس لیے ثمر کو تمام باتیں اچھی طرح سمجھا دینا۔" انہوں نے تمام پہلو مہر کے سامنے رکھے اور فائلیں سمیٹ کر باہر نکل گئے۔ وہ وہیں بے دم ہو کر رونے لگیں یہ بھی نہ کہہ سکیں کہ......

"تم نے تو کبھی اسے بیٹوں کا سا پیار ہی نہ دیا، مان ہی نہ دیا تو اب یہ سب کچھ کیونکر......" بھل بھل گرتے آنسو اس کا چہرہ تر کرنے لگے تھے۔

"اگر ثمر نہ مانا تو کیا انجام ہوگا اس قصے کا......" وہ جتنا سوچتی جارہی تھیں الجھن میں اضافہ ہی ہوتا جارہا تھا۔

"تو کیا جہانزیب بھی چاچو کی طرح...... نہیں کبھی نہیں......" اس کے ذہن کے دریچوں میں کسی بھولی بسری بات نے دستک دی تو اس کی سانسیں اٹکنے لگیں اس نے ایک دفعہ پھر ثمر سے حتمی بات کرنے کی ٹھان لی۔

...❖...

"ثمر پلیز مان جاؤ نا بیٹا! آخر زنیرہ میں کیا خرابی ہے گھر کی بیٹی ہے۔" وہ پانی کا جگ اس کے سامنے رکھتے ہوئے بولیں تو ثمر نے چاولوں سے بھرا چمچ واپس پلیٹ میں رکھ دیا۔

"ماما! آپ تو میری حالت سمجھنے کی کوشش کریں بابا تو ویسے ہی شروع سے ایسے ہیں، کم از کم آپ تو ایسی باتیں کر کے میرا دل نہ جلائیں۔" مہر کے دل کو کچھ ہوا وہ چولہے کا برنر بند کر کے اس کی طرف لپکی۔

"دیکھو ثمر!" اس نے کرسی کھینچ کر اس کا رخ ثمر کی طرف کیا اور بیٹھتے ہوئے بولیں تو ثمر نے اس کی بات کاٹ دی۔

"معذرت کے ساتھ ماما کہ میں آپ کی بات کاٹ رہا ہوں لیکن مجھے لگا کہ میں آپ کو اپنی پسند سے آگاہ کر دوں۔ ماما میں...... میں سونیا کو پسند کرتا ہوں اور وہ بھی...... آپ بات کریں بابا سے اگر زنیرہ ان کی بھتیجی ہے تو سونیا بھانجی ہے اور میرا خیال ہے کہ بابا کو اس رشتے پر کوئی انکار نہیں ہونا چاہیے۔" ثمر کی بات نے جہاں اس کے لبوں پر ایک طمانیت بھری مسکراہٹ سجائی تھی، وہیں جہانزیب کا خیال آتے ہی وہ پھر سوچوں میں الجھ گئیں۔

"لیکن اگر وہ نہ مانے تو......" وہ کسی ان دیکھے احساس کے ڈر سے بولیں تو ثمر نے تسلی بھرا ہاتھ اس کے ہاتھ پر رکھا۔

"وہ مان جائیں گے ماما! اور اگر نہ مانے تو بھی میں سونیا سے ہی شادی کروں گا کیونکہ پھوپی رمنا اور داور ماموں میری پسند سے متعلق جانتے ہیں۔" اس کے لبوں پر جو مسکراہٹ بکھری ہوئی تھی مہر نے تاعمر اس کے قائم رہنے کی دعا مانگی تھی۔ مہر نے اپنا دوسرا ہاتھ ثمر کے ہاتھ پر رکھ دیا۔

"آئی لو یو ماما!" اس نے جھک کر اپنے لب ماں کے ہاتھ پر رکھ دیئے۔

"آئی لو یو ٹو ماما کی جان!" وہ اس کی پیشانی کا بوسہ لیتے ہوئے بولیں۔

"چائے دے دیں، ریلی باتوں سے پیٹ نہیں بھرنے والا۔" وہ مہر کو چھیڑتے ہوئے بولا تو وہ مسکرا کر اٹھ کھڑی ہوئیں۔ مہر کا مطمئن چہرہ ایک مرتبہ ثمر کو بھی مطمئن کر گیا تھا، یہ جانے بغیر کہ یہ اطمینان مستقل نہیں بلکہ عارضی ہے۔

...❖...

"ثمر یہاں آؤ۔" وہ بازوؤں پر اوورآل اور ہاتھ میں اسٹیتھو اسکوپ پکڑے جونہی لاؤنج میں داخل ہوا جہانزیب احسن نے اسے پکارا وہ سیدھا ڈرائنگ روم کی طرف بڑھا جہاں سارہ تائی، دادو اور ماما بھی موجود تھیں۔

"جی بابا!" وہ جہانزیب کی طرف متوجہ ہوا۔

"تم نے کیا کہا ہے مہر سے رشتے کے متعلق۔" اس نے ماں کی طرف دیکھا جس کی نم آنکھیں کوئی اور ہی کہانی سنا رہی تھیں، وہ ماں کی طرف لپکا۔

"کیا ہوا ماما! کسی نے کچھ کہا آپ سے؟" اس نے اوورآل اور اسٹیتھو اسکوپ وہیں سامنے گلاس ٹیبل پر رکھا۔

"پلیز ماما بولیں نا......" وہ ماں کی چپ سے پریشان

ہوا تو باپ کی طرف لپکا۔
"کیا ہوا ہے ماما کو؟"
"تم نے زنیرہ سے شادی سے انکار کیوں کیا؟" انہوں نے غصے سے پوچھا۔
"یہ میری زندگی ہے میں آپ کے سامنے جوابدہ نہیں ہوں۔" وہ بھی اسی انداز میں بولا۔
"باپ ہوں میں تمہارا، حق رکھتا ہوں تم پر۔" جہانزیب دہاڑے۔
"اوہ...... بریکنگ نیوز آپ باپ ہیں میرے اور حق رکھتے ہیں مجھ پر یاد کیجیے مسٹر جہانزیب احسن! آج تک آپ نے اپنا کوئی فرض پورا کیا ہے جو حق جتانے آئے ہیں اگر کوئی پورا کیا گیا فرض یاد آجائے تو میں بھی آپ کا حق دینے سے گریز نہیں کروں گا۔" وہ جہانزیب احسن کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولتا چلا گیا۔
"ثمر......" وہ دہاڑے۔
"آہستہ سر! پلیز آہستہ میں بہرہ نہیں ہوں اور میں آپ سے اس سے بھی زیادہ اونچی آواز میں بات کرسکتا ہوں لیکن کیا کروں اپنی ماں کی وجہ سے مجبور ہوں کہ اس معصوم عورت نے بہت اونچی مسند پر بٹھا رکھا ہے آپ کو۔" وہ مہر کی طرف اشارہ کرتے بولا۔
"ارے لڑکے باؤلا ہوگیا ہے کیا، کس لہجے میں بات کررہا ہے باپ سے۔" صفیہ بیگم جہانزیب کی والدہ بولے بغیر نہ رہ سکیں، ثمر نے اپنا رخ ان کی طرف موڑا۔
"پلیز آپ ہم باپ بیٹے کے بیچ میں مت بولیے آج ہمیں دو دو ہاتھ کرلینے دیجیے تاکہ جو حساب ایک دوسرے کی طرف نکلتے ہیں وہ کلیئر ہوجائیں۔" اس نے انگلی اٹھا کرداری کو خبردار کیا۔
"یہ کس لہجے میں بات کررہے ہو ماں ہیں یہ میری۔" جہانزیب نے اسے تمیز کے دائرے میں لانا چاہا۔
"ماں...... ماں ہیں یہ آپ کی اور یہ عورت...... یہ عورت جو دن رات لبوں کو سیئے اس گھر میں رہنے والوں کی خدمت میں کسی جانور کی طرح جتی رہتی ہے یہ میری ماں ہے اگر آپ اپنی ماں کی شان میں گستاخی برداشت نہیں کرسکتے تو میں بھی معاف نہیں کرسکتا۔" اس کی آواز بھرا گئی۔
"تم مجھے صرف یہ بتاؤ کہ تم زنیرہ سے شادی کرو گے یا نہیں۔" جہانزیب اصل بات کی طرف آئے۔
"اگر میرا جواب نا میں ہوا تو......"
"تو...... تو نتائج کی ذمہ داری تم پر ہوگی۔" جہانزیب کی بات سن کر مہر ایک دم ثمر کی طرف لپکی تھیں اس نے ثمر کو بازوؤں میں تھاما۔
"ٹھیک ہے آپ......" مہر نے اسے جھنجوڑتے ہوئے اس کی بات کاٹی۔
"نہیں ثمر! نہیں......" اس نے روتے ہوئے سر کو دائیں بائیں ہلایا۔
"کیا ہوگیا ہے آپ کو ماما! کچھ نہیں ہوگا۔" وہ ماں کو بازوؤں کے حلقے میں لیتے بولا پھر جہانزیب کی طرف متوجہ ہوا۔
"مجھے یہ رشتہ منظور نہیں ہے آپ کو جو بھی فیصلہ کرنا ہے کرلیں، میں شادی کروں گا تو سونیا سے اور آپ زیادہ سے زیادہ کیا کرسکتے ہیں مجھے اس گھر سے نکال دیں گے نا تو نکال دیں خدا کی زمین بہت بڑی ہے۔" اس نے ساری بات دوبدو ہوکر کی تھی مہر تھر تھر کانپ رہی تھی۔
"نہیں! میں صرف تمہیں اس گھر سے نہیں نکالوں گا اگر تم نے زنیرہ سے شادی نہ کی تو میں مہر کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اپنی زندگی سے بے دخل کردوں گا۔" وہ ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے بولے ثمر نے بے دم ہوتی ماں کو دیکھا۔ "یہ حتمی فیصلہ ہے میرا تمہارے پاس دو دن ہیں اچھی طرح سوچ لو۔" ثمر کی آنکھوں میں خون اتر آیا تھا اس نے بے دم ہوتی ماں کو سنبھالا۔
"اگر میری ماں کو کچھ ہوگیا نا تو میں آگ لگادوں گا اس گھر کو۔" وہ بھرائی آواز میں گرج کر بولا تھا پھر مہر کو لے کر اپنے کمرے کی جانب چل دیا۔

❁......❖❖......❁

"تو یہ فیصلہ ہے تمہاری خدمت کا اور وفا شعاری کا مہر

حسن!'' وہ جوں جوں سوچتی جارہی تھی آنسو رکنے کا نام نہیں لے رہے تھے اس سارے قصے کی شروعات کہاں سے ہوئی تھی اس نے زشتہ زندگی کی کتاب کے ورق پیچھے کی طرف پلٹے اورتاسف سے بیڈ کراؤن سے ٹیک لگا کے آنکھیں موندلیں۔

حسن علی اوراحسن علی دو ہی بھائی تھے حسن علی کا تعلق پولیس ڈیپارٹمنٹ سے تھا' دونوں بھائیوں کی شادی بڑے تایا کی بیٹیوں سے ہوچکی تھی۔ حسن علی کا ایک بیٹا داور اور احسن علی کے تین بچے تھے بڑا شاہ زیب چھوٹی رمنا اور سب سے چھوٹا جہانزیب۔ زندگی ہنسی خوشی گزر رہی تھی جب ایک دن حسن علی کو کسی اہم آپریشن کے سلسلے میں شہر سے باہر جانا پڑا اور تین دن بعد جب وہ واپس آئے تو ان کے ساتھ سیمی تھی سب اس وقت احسن علی کے گھر شاہ زیب کی برتھ ڈے پارٹی پر موجود تھے سب سے پہلا سوال ان کی شریک حیات رضیہ بیگم نے ہی پوچھا تھا انہوں نے ساری کہانی سنائی تو جہاں وہ ششدر ہوئیں وہیں پہلی انگلی صفیہ بیگم نے اٹھائی تھی۔

''یہ کیسے ہوسکتا ہے بھلا' آپ ایسا کیونکر کرسکتے ہیں حسن بھائی!'' وہ بے یقینی کی سی کیفیت میں بولی تھی حسن علی نے اپنا جھکا سر اٹھایا اور بولے تو صرف اتنا کہ......

''آپ لوگ جو کہنا چاہتے ہیں کہہ سکتے ہیں میں یقیناً آپ سب کا مجرم ہوں لیکن اس وقت میرے پاس کوئی چارہ نہیں تھا۔''

''ایسی کون سی افتادہ آپڑی تھی آپ پر آپ نے کسی سے مشورہ لینا تو کجا کسی کو بتانا بھی مناسب نہ سمجھا اور اب جب یہ سب کچھ کرلیا تو بتانے آپہنچے ہیں' ہم آپ سے یہ امید نہیں رکھتے تھے حسن بھائی!'' احسن علی نے اپنے لہجے میں سختی سموتے ہوئے افسوس بھری نظروں سے ساری بات مکمل کی۔

''تم سب کا ردعمل یہی ہونا چاہیے لیکن میں اس وقت مجبور تھا۔'' انہوں نے دوٹوک بات کی۔

''مجبور تھے...... ایسی کیا مجبوری تھی میری بہن کی خدمت میں کوئی کمی رہ گئی تھی...... اولاد نہیں تھی آپ کی یا آپ کی مرضی کے بغیر آپ کی شادی کی گئی تھی بولیے جواب دیجیے' کہاں کمی تھی......'' صفیہ بیگم نے تنفر بھری نظر حسن علی پر گاڑ دی۔

''مجبوری تھی اگر میں سیمی کو اپنی چادر کی امان نہ دیتا تو گدھ نوچ لیتے اسے۔'' انہوں نے تحمل سے سمجھانا چاہا لیکن صفیہ ایک دم بھڑکی تھی۔

''اس کے باپ بھائیوں کا کام تھا اسے چادر کی امان دینا نہ کہ آپ کا......''

''میں قانون کا محافظ ہوں صفیہ! اور اس وقت مجھے یہی بہتر لگا تھا۔'' انہوں نے ایک بودی دلیل دی۔ رضیہ بیگم خاموشی سے بیٹھی ان کی گفت وشنید سن رہی تھیں اور آنسو بھل بھل چہرے کو بھگوتے دوپٹے میں جذب ہورہے تھے اور سیمی ایک طرف نظریں جھکائے اپنی سزا کی منتظر تھی۔

''قانون کے محافظ کا یہ فرض ہے تو پھر جائیے جتنی بھی بے آسرا و بے سہارا پڑی ہیں سب کو اپنے نکاح میں لے لیجیے تاکہ آپ کے فرائض میں کوتاہی نہ ہو۔'' وہ استہزائیہ انداز سے بولی۔

''مجھے تم سب کو تکلیف دینے کا افسوس ہے لیکن اس وقت میرے پاس اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں تھا کہ اس کو چادر کی امان دینے والے ہی اس کے خون کے پیاسے اور اس کی جان کے دشمن ہورہے تھے۔''

''آپ اپنا فیصلہ سنایئے کہ اب آپ کیا چاہتے ہیں؟''

''کیسا فیصلہ......؟'' حسن علی کا ماتھا سلوٹ زدہ ہوا۔

''آپ کو رضیہ یا سیمی میں سے کسی ایک کو رکھنا ہوگا' میری بہن کی دو وقت کی روٹی بھاری نہیں ہے مجھ پر اگر ہمارا بھائی نہیں تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ آپ کو کوئی پوچھنے والا ہی نہیں۔'' صفیہ تنفر سے بولتی چلی گئی۔

''تم ہوش میں ہو' جانتی ہو کیا کہہ رہی ہو۔'' وہ سٹپٹائے۔

''تو پھر ٹھیک ہے آپ اس عورت کو طلاق دے کر

یہاں سے چلتا کریں۔"

"یہ ناممکن ہے۔"

"اگر یہ ناممکن ہے تو پھر رضیہ کا اُس گھر میں جانا بھی ناممکن ہے۔" صفیہ نے دوٹوک فیصلہ سنایا۔

"چلو سیمی......" وہ سیمی کی طرف لپکے پھر رضیہ کی طرف مڑے۔

"فیصلہ تمہیں کرنا ہے رضیہ! اگر تم یہاں رہنا چاہتی ہو تو شوق سے رہو لیکن داور اس گھر میں نہیں رہے گا۔" رضیہ نے نم آنکھوں سے حسن علی کی طرف دیکھا پھر بولی۔

"نہیں حسن! مجھے اپنا گھر برباد نہیں کرنا' مجھے بھی آپ کے ساتھ جانا ہے حسن!" وہ بھی کھڑی ہوگئی۔ صفیہ اور احسن علی نے سٹپٹا کرایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

"جانتی ہیں آپ کیا کہہ رہی ہیں؟" صفیہ نے بہن کو ہوش میں لانا چاہا۔

"تمہارے پاس علم مجھ سے زیادہ ہوگا صفیہ لیکن میرے پاس تجربہ زیادہ ہے' میں دوسری خالدہ نہیں بننا چاہتی جو چھت جو امان مجھے حسن فراہم کرسکتے ہیں کوئی دوسرا انہیں دے سکتا اور پھر احسن ہے تو حسن کا بھائی ہی نا......کل کو اگر بھائی کی محبت نے جوش مارا تو میں کہاں جاؤں گی۔ مجھے مت روکنا صفیہ! کیوں کہ میں نہیں رکوں گی۔ عورت اگر دل وسیع کرلے تو اس میں زمین وآسمان سب سما سکتے ہیں مجھے تو صرف ایک سیمی کو اپنے گھر میں تھوڑی سی جگہ دینی ہے۔" اس نے نہایت تحمل سے ساری بات مکمل کی اور آگے بڑھ کر سیمی کو گلے سے لگالیا۔

"چلو سیمی! اپنے گھر چلیں۔" حسن کی نظروں میں جہاں وہ معتبر ٹھہری تھی وہیں اس نے اپنا مقام زیادہ مضبوط کرلیا تھا۔

رضیہ نے سیمی کو قبول کیا تو سیمی نے بھی اس کی خدمت میں کوئی کمی نہ چھوڑی وہ سوتنیں کم اور سہیلیاں زیادہ بن گئیں۔ رضیہ نے داور کے ننھے دماغ میں یہ بات بخوبی بٹھادی تھی کہ وہ اس کی چھوٹی امی ہیں اور اسے انہیں بھی بیٹے کا سامان اور عزت دینی ہے۔ صفیہ کے دل میں نفرت کے اُگے خودرو پودے کو ختم نہیں ہونا تھا سو نہ ہوا اور پھر سیمی رضیہ اور حسن علی کو مہر نام کا تحفہ دے کر خود ایک نہ ختم ہونے والے سفر پر روانہ ہوگئی۔ حسن سے زیادہ رضیہ بولائی بولائی پھرتی روتی کرلاتی مہر کو گود میں بھر کر ڈھیروں پیار کرتی۔

سیمی چلی گئی لیکن صفیہ کے دل میں بھری نفرت نہ گئی' اسے ایک نیا شکار مہر کی صورت مل گیا۔ رضیہ کے کہنے پر حسن وہاں سے شفٹ کرگیا کیونکہ رضیہ نہیں چاہتی تھی کہ صفیہ کی شعلہ اگلتی آنکھوں سے مہر کو کوئی نقصان پہنچے۔

بچپن رخصت ہوا جوانی نے دہلیز پر اپنے پاؤں جمادیئے' شاہ زیب اور سارہ کی شادی ہوئی تو ساتھ ہی رمنا بھی رخصت ہوکر حسن علی کے گھر آ گئی' جہاں کچھ رشتے مزید مضبوط ہوئے تھے وہاں مہر کا رشتہ کمزور کا کمزور ہی رہا۔ داور اسے بہت محبت کرتا تھا اور رمنا نے اسے نند سے زیادہ بہن اور دوست سمجھا۔ حسن علی اسے بھی جلد از جلد اپنے گھر کا کر دینا چاہتے تھے لیکن جہاں کوئی اچھا رشتہ ملنے کی امید ہوتی وہیں صفیہ بیگم اور سارہ کچھ نہ کچھ ایسا کرتیں کہ بات بنتے بنتے بھی نہ بن پاتی کہ ہمیشہ وہی معتوب ٹھہرائی جاتی۔

رضیہ حسن کو تسلی دیتی تو وہ پھیکی مسکراہٹ مسکرا دیتا اور پھر ایک روڈ ایکسیڈنٹ میں جب رضیہ جان سے ہاتھ دھو بیٹھی اور حسن زندگی کی آخری سانسیں لے رہا تھا تو اس نے احسن علی سے وعدہ کیا کہ وہ اس کی مہر کا خیال رکھے گا اور اسے اپنی بہو بنائے گا۔ احسن نے مرتے بھائی کی آخری خواہش پوری کرنے کا فیصلہ کیا تو گھر میں ایک بھونچال آ گیا' جہانزیب اور صفیہ بیگم کسی صورت نہیں مان رہے تھے سارہ بھی ان کے ہمراہ تھی جب کہ احسن علی' شاہ زیب اور رمنا ایسا ہی چاہ رہے تھے جب کوئی تدبیر کام نہ آئی تو احسن علی نے مرد ہوتے اپنا آخری گر استعمال کیا جو کارگر ثابت ہوا۔ جہانزیب ماں کو اس عمر میں ذلت سے بچانے کے لیے شادی پر راضی ہوگیا اور مہر اس کا متوقع ردعمل سوچ سوچ کر ہی پاگل ہورہی تھی کہ آنے والی منزل اسے گزشتہ منزل سے زیادہ کٹھن اور پرپیچ لگ رہی تھی۔

لڑکیاں لاکھوں سپنے سجائے بابل کی دہلیز پار کرکے پیا

آنگن میں قدم رکھتی ہیں مگراس کے دل کی طرح اس کی آنکھیں بھی خشک اور ویران تھیں نہ کوئی سپنا تھا نہ کوئی امید۔اس نے بابل کی دہلیز پار کی اور پیا آنگن میں قدم رکھ دیئے چند قدموں کا فاصلہ صدیوں کی مسافت لگنے لگا تھا۔ رمنا کی ڈھیروں تسلیوں اور داور کی دعاؤں کے باوجود وہ جانتی تھی کہ باپ کا کیا ہمیشہ بیٹی کے سامنے آتا ہے۔اسے عمر بھر اسی نفرت کی آگ میں جھلسنا تھا وہ صرف اچھے کی امید رکھ سکتی تھی ایسی امید جو نہ چاہتے ہوئے بھی اسے رکھنی تھی۔

''اگر جہانزیب کچھ کہیں تو برداشت کرلینا مہر! اس یقین کے ساتھ کہ اس گھر کا سب سے مضبوط ووٹ بابا جانی کی صورت تمہارے ساتھ ہے اور اس امید کے ساتھ کہ خدا چاہے تو نفرت سے ڈھکی زمین کو پل بھر میں محبتوں سے مہکا دے۔'' رمنا نے اسے تسلی دی اور باہر نکل گئی اس کا سر ہمیشہ کی طرح آج بھی اثبات میں ہلا تھا۔

''ویلکم ٹو مائی ہوم سویٹ ہوم!'' جہانزیب نے کمرے میں داخل ہوتے ہی تاک کر پہلا وار کیا تھا وہ سنبھل کر بیٹھ گئی۔ وہ دروازہ بند کرکے سیدھا اسی کے پاس آیا تھا چند لمحے اس کے سر پر کھڑا رہ کر کچھ سوچتا رہا اور پھر بالکل اس کے سامنے بیٹھ گیا۔

''یہ تمہاری رونمائی کا تحفہ۔'' اس نے ایک مخملی کیس نکالا اور پھینکنے کے عالم میں اس کے سامنے ڈال دیا اور تکیہ اٹھا کے سر کے نیچے رکھ کر پرسکون انداز میں لیٹ گیا۔

''جانتی ہو تم اس وقت بہت خوب صورت لگ رہی ہو۔'' مہر نے حیران نظروں سے اس کی طرف دیکھا تھا زخم لگا کر مندمل کرنے کا کوئی نیا انداز تھا اس کا لیکن اس کے اگلے الفاظ نے بے ساختہ اسے نظریں جھکانے پر مجبور کردیا۔

''میری جگہ کوئی اور ہوتا تو یقیناً یہی جملہ بولتا لیکن میں ایسا کچھ نہیں کہوں گا۔'' اس کی آنکھوں میں مرچیں سی لگنے لگی تھیں، جہانزیب نے چند لمحے اس کی طرف دیکھا اور پھر مسکراتے ہوئے بولا۔

''ویسے ایک بات تو ہے مہر حسن! تمہاری خوب صورتی کو خراج تحسین پیش نہ کرنا تمہارے ساتھ بہت بڑی زیادتی ہوگی۔ تم چینج کرلو میں اماں کے پاس سے ہو کر آتا ہوں۔'' وہ گہری سانس بھرتا باہر نکل گیا اس نے کیس کھولا تو چھوٹی چھوٹی بالیاں جگمگا رہی تھیں، آنکھوں کے ساحل سے دو موتی باہر نکلے اور اس کے چہرے پر نشان چھوڑتے قیمتی لباس میں جذب ہوگئے، اس نے کیس بند کیا اور ٹوٹے دل کو سنبھالتی وارڈ روب کی طرف بڑھ گئی۔

زندگی لمحہ بہ لمحہ چلتی جارہی تھی ہر آنے والے دن کے ساتھ دکھوں کا ایک نظر نہ آنے والا ہجوم بھی امڈ آتا مگر اس نے آنسو چھپا کر جینا سیکھ لیا تھا۔ داور بھیا اس کا مسکراتا چہرہ دیکھ کر اس کی ابدی خوشیوں کی دعا کرتے اور رمنا مزے سے کہتی۔

''دیکھا میں نہ کہتی تھی کہ سب کچھ ٹھیک ہوجائے گا۔'' وہ نم آنکھوں سے مسکراتی تو رمنا بھابی سمجھتیں کہ یہ تشکر کے آنسو ہیں نہ تو کبھی چچی جان نے اس سے زیادہ بات چیت کی تھی اور نہ ہی سارہ بھابی نے کیونکہ وہ بھی مہر کے وجود سے نفرت کرنے والوں میں شامل تھی۔ جہانزیب کا رویہ جو بھی تھا اس کے ساتھ، مہر نے ہمیشہ یہی کوشش کی تھی کہ اس کی بھنک بھی کسی کو نہ پڑے وہ اپنی آنکھوں کے سارے موتی اپنے کمرے تک ہی محدود رکھتی اور دل کے زخم چھپائے سب کی خدمت میں لگی رہتی۔ چچا جانی سے لے کر شاہ لالہ کے دونوں بچوں تک کے سارے کام اس نے اپنے ذمہ لے لیے تھے کہ شاید گھر کے کاموں میں الجھ کر تھوڑی دیر کے لیے ہی سہی وہ جہانزیب کے کڑوے کسیلے جملوں کی بازگشت سے نکل سکے مگر بے سود سورج سوا نیزے پر کھڑا اسے چاروں طرف سے گھیرے ہوئے تھا پھر وہ خود کو بھلا کیسے بچا پاتی۔ بمشکل پوری کرتی سانسوں میں خدا نے اسے کسی نئے آنے والے کی سانسوں کی نوید دی تو تشکر سے سربسجود ہوگئی۔

جہانزیب نے رپورٹس دیکھیں تو بجائے خوش ہونے کے وہ اس پر چڑھ دوڑا۔

''میں یہ سب کچھ نہیں چاہتا......'' وہ پھٹی پھٹی نگاہوں

سے اس کی طرف دیکھتی رہ گئی۔

"ولل...... لے...... لیکن جہانزیب...... یہ...... یہ تو......" اس نے درشتگی سے اس کی بات کاٹ دی۔

"میں نے کہا نا کہ میں یہ سب کچھ نہیں چاہتا ایک بار کا کہا تمہیں سمجھ نہیں آتا۔" اس کی بات کے جواب میں مہر نے عجیب نظروں سے اس کی طرف دیکھا اور پھٹ پڑی۔

"اگر آپ یہ سب کچھ نہیں چاہتے تھے تو پھر آئے روز ڈرامہ کرنے کی کیا ضرورت تھی اگر مجھے میری حدود بتائی تھیں تو پھر مجھے انہی میں رہنے دیا ہوتا۔ نہ آپ نے اپنے فرائض پورے کیے ہوتے نہ آج یہ سب کچھ ہوتا ہر طرف سے وبال تو میرے لیے ہی ہے نا۔"

"اوہ تو گویا آپ بھی زبان رکھتی ہیں یعنی چیونٹی کے بھی پر نکل آئے ہیں۔ واہ مہر حسن واہ! یعنی اب تم مجھے بتاؤ گی کہ میرے حقوق و فرائض کیا ہیں؟" وہ استہزائیہ انداز میں بولا تو مہر نے بے ساختہ نظریں چرائیں۔

"سنو مہر! اگر میں یہ سب کچھ نہیں چاہتا تو نہیں چاہتا لیکن اگر تم ایسا چاہتی ہو تو تمہاری مرضی لیکن ایسا سوچنے سے قبل یہ بات اپنے دماغ میں اچھی طرح بٹھا لو کہ پھر اس بچے کے نان و نفقہ سمیت تمام ذمہ داریاں تم پر عائد ہوں گی صرف تم پر...... اس بچے کا مجھ سے کوئی تعلق کوئی واسطہ نہیں ہوگا۔" وہ کاٹ کھانے والی نظروں سے اس کی طرف دیکھتا ہوا بولا اور باہر نکل گیا۔ مہر وہیں کارپٹ پر بیٹھتی چلی گئی۔

"یاالٰہی! کیسا امتحان ہے جو ختم ہونے میں ہی نہیں آرہا۔ کہاں جاؤں میں، کس سے کہوں اپنے دکھ، زخموں سے چھلنی دامن کس کو دکھاؤں۔ میرے مالک! رحم فرما مجھ پر رحم فرما۔" وہ وہیں کارپٹ پر سربسجود ہوگئی۔

"مہر...... مہر کیا ہوا؟" رمنا اس کے کمرے میں داخل ہوئی تو اسے یوں کارپٹ پر پڑے دیکھ کر اس کی طرف لپکی۔ اسے اوپر اٹھایا تو آنسوؤں سے تر بتر چہرہ دیکھ کر اس کی جان نکل گئی۔

"بھابی......" وہ اس کے ساتھ لپٹی اور روتی چلی گئی۔

"کچھ تو بولو مہر! کیا ہوا؟" مہر نے رمنا سے الگ ہو کر سائیڈ ٹیبل پر پڑی رپورٹس اسے پکڑائیں۔

"ارے پگلی! یہ تو خوشی کی بات ہے اور تم نے تو مجھے ڈرا ہی دیا، میں سمجھی نہ جانے ایسی کیا بات ہوگئی۔" رمنا نے محبت سے اسے پچکارا۔

"جہانزیب یہ سب کچھ نہیں چاہتے، ان کا کہنا ہے اگر میں نے اس بچے کو پیدا کیا تو اس کی ذمہ داری مجھ پر ہوگی ان کا اس بچے کے ساتھ کوئی تعلق، کوئی واسطہ، کوئی رشتہ نہیں ہوگا۔" وہ ہچکیوں کے درمیان بولتی چلی گئی۔

"دماغ ٹھیک ہے اس کا۔" رمنا کے غصے کا گراف ایک دم بلند ہوا تھا، مہر نے بے اختیار نظریں جھکالیں۔

"میں بات کرتی ہوں اس سے۔ سمجھ کیا رکھا ہے اس نے کہ اسے کوئی کچھ کہنے والا ہی نہیں۔" رمنا اٹھنے لگی تو مہر نے اسے پکڑ کر وہیں بٹھالیا۔

"نہیں بھابی! آپ ان سے کچھ مت کہیے گا میں نہیں چاہتی کہ اس بات کی بھنک بھی سارہ بھابی یا چچی جان تک پہنچے، اس طرح جہانزیب کو اور شہہ ملے گی میں خود ہی ان سے بات کروں گی۔" وہ اپنے آنسو صاف کرتی بولی تو رمنا نے نم آنکھوں سے اس کی طرف دیکھا جس کی کوئی غلطی ہی نہیں تھی جو کسی کا بھگتان اپنی ذات پر بھگت رہی تھی۔

❁......❖❖......❁

"میں نے تمہیں کہا تھا نا کہ اس بوجھ سے چھٹکارہ حاصل کرو۔" مہر واش روم سے نکلی تو جہانزیب اسے دیکھ کر بولا۔ آفس کے کام کے سلسلے میں وہ دو ماہ بعد کراچی سے واپس لوٹا تھا، اس نے سائیڈ ٹیبل پر پڑی الٹرا ساؤنڈ رپورٹ دیکھ کر بولنا ضروری سمجھا تھا۔

"آپ کب آئے، کھانا کھائیں گے۔" اس نے جہانزیب کی بات پر سرے سے کوئی توجہ ہی نہ دی اور تین بجاتے کلاک کی طرف دیکھ کر بولی۔

"یہ میری بات کا جواب نہیں ہے۔"

"پلیز جہانزیب میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔" اس نے ہلکا سا احتجاج کیا۔

"تو کس نے کہا ہے کہ طبیعت خراب کرو۔" وہ بات کو

پھر اسی رخ پر لے آیا۔

''میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ اگر یہ بچہ اس دنیا میں آیا تو میرا اس سے......''

''تو آپ کا اس بچے سے کوئی تعلق نہیں ہوگا نہ اس کے نان ونفقہ کی ذمہ داری آپ پر عائد ہوگی آپ کی جائیداد پر اس بچے کا کوئی حق نہیں ہوگا۔'' اس نے درشتگی سے اس کی بات کاٹ کر خود ہی ساری بات مکمل کی تھی۔ ''آپ نے جس دن یہ بات کی تھی میں نے اسی دن آپ کو نہ صرف اس بچے کے بلکہ اپنے بھی سارے حقوق وفرائض سے آزاد کردیا تھا۔ ساری زندگی کوئی خوشی نہیں دیکھی میں نے جہانزیب پیدا ہوئی تو ماں مرگئی' بڑی امی نے بہت محبت دی اور بابا نے بھی لیکن......لیکن احساس کے رشتوں کی کمی ہمیشہ ان دونوں کی محبت پر حاوی ہوجاتی۔ ان سب کی باتیں سن کر میرا اندر لہولہان ہوجاتا لیکن میں ہونٹ پر ہونٹ پیوست کیے خاموشی سے سنتی رہتی اور زہریلے تیر اپنے اندر اتارتی رہتی کہ شاید میری قسمت میں یہی لکھا ہے لیکن اب نہیں بالکل نہیں' میں اپنے بچے کا خرچ خود اٹھاؤں گی اس کا آپ سے کوئی تعلق نہیں ہوگا لیکن میں وہ گناہ نہیں کروں گی جس کے کرنے سے ساری عمر میری ممتا تڑپتی رہے۔'' اس نے آنسوؤں سے لبریز آنکھیں اس کے چہرے پر ٹکائیں' ساری بات مکمل کی اور باہر نکل گئی۔ جہانزیب نے سائیڈ ٹیبل پر پڑی رپورٹ کی طرف دیکھا کچھ سوچا اور باہر چل دیا۔

''کھانا......'' وہ کچن میں رکھی دو کرسیوں میں سے ایک پر بیٹھتے ہوئے بولا۔ مہر نے چپ چاپ کھانا میز پر رکھا اور خود اس کے لیے چائے بنانے لگی۔ اس نے خاموشی سے ہاتھ کھانے کی طرف بڑھادیا۔

❁......❖❖......❁

زندگی اپنی ڈگر پر چل رہی تھی جہانزیب نے اس کے احساسات کی پروا کیے بغیر کتنی ہی مرتبہ اسی بات کو دہرایا لیکن وہ چپ چاپ ایک کان سے سن کر دوسرے سے نکال دیتی جب دل زیادہ بھرآتا تو رمنا کے سامنے بیٹھ کر دل کا بوجھ بانٹ لیتی۔ داور جب بھی اس کی طرف دیکھتا اسے محسوس ہوتا کہ وہ خوش نہیں لیکن وہ اپنے آپ کو تہہ در تہہ خوشی کی چادر میں یوں لپیٹ لیتی کہ داور کو اپنا شک شک ہی لگتا پھر اس کی زندگی میں وہ دن آ ہی گیا جب جہانزیب تمام صورت حال جاننے کے باوجود کراچی کے لیے فلائی کرگیا' صفیہ بیگم اور سارہ نے اس کی خبر تک نہ لی' وہ درد سہتی سہتی بے حال ہوگئی تو بڑی مشکل سے بھائی کے گھر کا نمبر ملایا فون داور نے ہی اٹھایا تھا۔

''بھائی...... بھائی......!'' وہ صرف اتنا ہی بول پائی کہ اس کی چیخیں آسمان کو چھونے لگیں' داور نے ریسیور وہیں پٹخا اور رمنا کو لے کر اس کی طرف بھاگا وہ جب وہاں پہنچے تو وہ اپنے بیڈ روم میں درد سے بے حال بے ہوش پڑی تھی انہوں نے جیسے تیسے اسے گاڑی میں ڈالا اور اسپتال لے گئے۔ داور نے احسن علی کو فون کردیا تھا وہ اور شاہ زیب دونوں فوراً اسپتال پہنچے تھے ان دونوں کو جہاں مہر کی فکر ہورہی تھی وہیں جہانزیب کی بے حسی بھی ماررہی تھی۔ داور بہن کی زندگی کے لیے دعائیں مانگ رہا تھا تو رمنا کو کچھ سمجھ ہی نہیں آرہی تھی کہ وہ اپنی ماں اور بھائی اس کی تکلیف کا کیسے حساب لیں؟

خدا نے شاید ان کی نم آنکھوں اور تڑپتے دلوں پر رحم کھایا تھا اور اسے زندگی کے ساتھ ساتھ بیٹے سے بھی نواز دیا۔ رمنا کو نہ چاہتے ہوئے بھی جہانزیب کو فون کرنا پڑا لیکن جواب سن کر اسے دھچکا لگا' فون ایک کھٹاک سے بند کیا گیا تھا اس نے کچھ سوچتے ہوئے گھر کا نمبر ملایا' فون سارہ نے اٹھایا تھا جو کبھی اس کی بہت گہری سہیلی ہوا کرتی تھی رشتوں کی نوعیت تبدیل ہوئی تو احساسات بھی بدل گئے۔

''سارہ! میں رمنا۔''

''میں بلاتی ہوں مہر کو۔''

انہیں پانچ گھنٹے ہوئے تھے اسپتال گئے ہوئے اور گھر والوں کو خبر تک نہ تھی اس گھر میں رہنے والے مہر کے وجود سے اتنے لاعلم تھے اسے جہاں مہر کی بے بسی پر رونا آیا'

وہیں سب کے رویوں پر طیش بھی آیا۔

"مہر اسپتال میں ہے سارہ! بیٹا ہوا ہے اگر امی پوچھیں تو بتا دینا۔" اس نے اپنے آنسوؤں پر قابو پاتے ساری بات مکمل کی اور فون رکھ دیا۔

مہر کو کمرے میں شفٹ کر دیا گیا اور رمنا اس کے پاس بیٹھی اس سے نظریں چرا رہی تھی۔

"آپ کو پریشان نہیں ہونا چاہیے بھابی! میں اسی سب کی امید کر رہی تھی اگر ایسا نہ ہوتا تو شاید مجھے حیرت ہوتی۔" رمنا نے ترحم بھری نظروں سے اس کی طرف دیکھا اور اس کے ڈرپ لگے ہاتھ پر محبت سے تھپکی دی۔

"تم ٹینشن نہ لو، ہم ہیں نہ تمہارے لیے فکر مند ہونے کے لیے۔"

"جی......" مہر نم آنکھوں سے مسکرا دی۔

بچے کا نام "ثمر" تجویز کیا گیا کہ وہ ثمر ہی تو تھا مہر کے صبر کا' اس کی قوتِ برداشت کا۔ دو دن اسپتال میں رہنے کے بعد رمنا اسے اپنے ساتھ لے آئی' احسن علی کسی صورت نہیں مان رہے تھے لیکن رمنا نے انہیں منا لیا' جہانزیب ہفتے بعد واپس آیا لیکن اس نے ایک کال کر کے بھی اس کی خیریت پوچھنے کی زحمت نہ کی۔ صفیہ بیگم اور سارہ میں سے کوئی نہیں آیا تھا' پندرہ دن بعد جہانزیب ڈھیروں کھلونے لیے رمنا کی طرف آیا تو رمنا کو ایک ان دیکھی خوشی نے گھیرا تھا "شاید اسے ہی خون کی کشش کہتے ہیں" اسے سب کچھ اچھا ہونے کی امید ہوئی تھی۔ وہ جلدی سے ثمر کو اٹھا لائی۔

"دیکھو تو کتنا پیارا ہے۔"

"میرا اس بچے سے کوئی تعلق نہیں آپا! یہ صرف مہر کا بچہ ہے۔"

"کیا کہہ رہے ہو تم؟"

"میں ٹھیک کہہ رہا ہوں مہر کو اپنی ضد کا انجام دیکھنا چاہیے۔" اس کا لہجہ مضبوط تھا۔

"کھلونوں کی یہاں کمی نہیں ہے جہانزیب احسن! ثمر کے ماموں کے پاس اتنی دولت ہے کہ وہ دنیا بھر کے کھلونے اس کے قدموں میں ڈھیر کر سکے۔" داور جو کچن میں اپنی نگرانی میں مہر کے لیے سوپ بنوا رہا تھا باہر نکل آیا۔

"یہ رمنا آپ کے بچوں کے لیے ہیں؟"

جہانزیب سٹپٹایا۔

"پھر بھی ہمیں ان کی ضرورت نہیں ہے۔" داور نے غصے پر قابو پاتے جواب دیا۔

"میں آپ کے بھانجے کے لیے نہیں میں اپنے بھانجے بھانجی کے لیے لایا ہوں۔" اس کا غصہ عود کر آیا۔

"تم ایسا کرو اپنی بہن کو بھی لے جاؤ اور بھانجے بھانجیوں کو بھی میں......"

"پلیز داور لالہ! کیا کر رہے ہیں آپ' اس سب میں رمنا بھابی کا کیا قصور ہے؟"

"تمہارا کیا قصور تھا مہر! جو یہ سب کچھ تمہارے ساتھ ہو رہا ہے۔" رمنا مہر کی دل جوئی کو آگے بڑھی۔

"میری وجہ سے آپ لوگ اپنا گھر خراب مت کریں' میں تو قسمت ہی اپنی ماں جیسی لکھوا کر لائی تھی ہر عورت ایسی نہیں ہوتی کہ اسے حسن علی جیسا ساتھی مل جائے۔"

"تم ایسا کیوں سوچتی ہو مہر! ابھی تمہارا بھائی زندہ ہے اور اتنا کمزور نہیں کہ لوگ جو دل چاہے کرتے پھریں۔" داور لالہ نے ایک کاٹ دار نظر جہانزیب کے وجود پر ڈالی۔

"میں چلتا ہوں آپا!"

"مجھے بھی لے چلیں جہانزیب! میری طبیعت اب ٹھیک ہے۔" اس نے لمحوں میں فیصلہ کیا۔

"نہیں! تم نہیں جاؤ گی جب تک خالہ جان خود تمہیں لینے نہ آ جائیں اس وقت تک۔" داور نے اپنا فیصلہ سنایا۔

"انا آڑے آ جائے تو گھر ٹوٹ جایا کرتے ہیں لالہ! مجھے ثمر کے لیے سب کچھ برداشت کرنا ہے پلیز مجھے مت روکیے گا۔" اس نے فیصلہ سنایا اور اپنا سامان سمیٹنے لگی' جہانزیب نے بھی کچھ سوچ کر اسے ساتھ لے جانے کا فیصلہ کیا تھا کہ شاید اس طرح بابا جانی کا موڈ ہی کچھ بہتر ہو جاتا' اماں کو تو اس نے بہلا پھسلا کر منا ہی لینا تھا داور اور رمنا کے روکنے کے باوجود مہر نہیں رکی' ثمر کو اٹھایا اور

جہانزیب کے ساتھ گھر آ گئی۔

گھر میں اس کا استقبال ازلی خاموشی نے کیا تھا' جہانزیب سیدھا ماں کے کمرے میں گیا تھا وہ اپنے کمرے میں چلی آئی' ثمر کو بیڈ پر لٹایا اور اس کا سامان سیٹ کرنے لگی۔ دروازہ کھلنے کی آواز آئی تو پیچھے مڑ کر دیکھا سارہ اور شاہ زیب دونوں تھے۔

"مبارک ہو مہر!" نہ جانے کس دل سے سارہ نے اسے مبارک باد دی تھی۔

"شکریہ بھابی!" وہ عاجزی سے بولی شاہ لالہ نے آگے بڑھ کر ثمر کو اٹھالیا' سارہ کی شعلہ اگلتی آنکھوں سے وہ ایک دم سٹپٹائی اور ثمر کو اٹھانے کو ہاتھ بڑھا دیئے۔

"آپ کے کپڑے خراب کردے گا لالہ! مجھے دے دیں۔"

"ارے رہنے دو مہر! اتنا حق بنتا ہے اس کا۔" شاہ لالہ ثمر کو پیار کرتے بولے' سارہ دو چار رسمی جملے بول کر باہر نکل گئی۔

"مہر کسی چیز کی ضرورت ہو تو بلا جھجک کہنا۔"

"نہیں لالہ! فی الحال تو کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے۔" وہ مسکرا کر بولی تو وہ ثمر کو پیار کرتے مسکرا دیئے۔

"تم خود امی کے پاس چلی جانا مہر! وہ اپنے کمرے میں ہیں۔"

"جی لالہ!" وہ ثمر کو ان سے لیتے ہوئے بولی تو انہوں نے اپنا ہاتھ اس کے سر پر رکھ دیا۔

"میں بچوں کو اسکول سے لے آؤں' سدا خوش رہو۔" شاہ زیب لالہ کے باہر نکلنے کے بعد وہ ثمر کو اٹھائے چچی کی طرف چلی آئی۔

"السلام علیکم چچی جان!" صفیہ بیگم صوفے پر بیٹھی اون سلائیاں پکڑے شاہ لالہ کے بڑے بیٹے کا سویٹر بن رہی تھیں' پاس ہی ان کے قدموں میں جہانزیب بیٹھا تھا۔

"وعلیکم السلام!" انہیں چاروناچار سلام کا جواب دینا پڑا' انہوں نے ثمر کی طرف دیکھنا بھی گوارا نہ کیا وہ چند لمحے وہاں کھڑی رہی پھر جانے کو مڑ گئی۔

"ذرا کچن کی خبر لو مہر! سارہ بے چاری کتنے دنوں سے گھن چکر بنی ہوئی ہے' اسے بھی دو چار گھڑیاں آرام کی دے دو۔" وہ چپ چاپ باہر نکل گئی۔

اس نے سوچا تھا کہ شاید ثمر کو دیکھ کر ان کی محبت بیدار ہو جائے لیکن وہاں محبت تھی ہی کب جو بیدار ہوتی اس نے کمرے میں آ کر ثمر کو بیڈ پر ڈالا اور کمرے کی صفائی میں جت گئی' کمرے کو اس کی اصل حالت میں واپس لا کر اسے شدید بھوک کا احساس ہوا وہ ہاتھ منہ دھو کر کچن کی طرف گئی لیکن وہاں خالی برتن اس کا منہ چڑا رہے تھے۔

"اوہ تو مہر حسن! تم پر یہ وقت بھی آنا تھا۔" اس نے دل میں سوچا اور فریج کی طرف لپکی لیکن فریج تو لاک تھا اس کی آنکھیں نمکین پانیوں سے بھر گئیں۔ اس نے سلیب سے گلاس اٹھایا اور پانی سے بھر کر اپنے کمرے میں چلی آئی۔ کیلشیم کی گولی کھولی اور پانی کے اندر ڈال دی گلاس خالی کر کے سائیڈ ٹیبل پر رکھا اور چپ چاپ ثمر کے پاس لیٹ گئی۔ جہانزیب رات بھر کمرے میں نہیں آیا تھا' صبح اس کی آنکھ ثمر کے رونے سے کھلی وہ اس کی ضروریات سے فارغ ہو کر کچن کی طرف بڑھی لیکن وہاں کی صورت حال میں جو واحد تبدیلی آئی تھی وہ یہ تھی کہ کچن لاکڈ تھا وہ انہی قدموں پر واپس لوٹ آئی' سارہ اور چچی جان صبح صبح ہی کہیں جا چکی تھیں۔

دوپہر تک اس کا بھوک سے برا حال تھا سارہ اور چچی جان پتا نہیں کب آئیں' ثمر بھی بھوک کی وجہ سے رونے لگا تھا۔ اسے فیڈ کروایا تو کمزوری اور بڑھ گئی اس نے کچھ سوچ کر فون اٹھایا تو فون ڈیڈ پڑا تھا۔

"اوہ میرے خدایا!" اس نے بے اختیار اپنا سر اپنے ہاتھوں میں دے لیا اسے کھٹکے کی آواز آئی تو دروازے میں جہانزیب کھڑا تھا ثم آنکھیں اس پر ٹکائیں۔

"آپ کہاں تھے جہانزیب!"

"اسے اٹھاؤ یہاں سے۔" اس کی بات مکمل نظر انداز کر کے اس نے ثمر کی طرف اشارہ کیا' اس نے آگے بڑھ کر ثمر کو اٹھالیا۔ جہانزیب جوتے اتار کر بیڈ پر لیٹ چکا تھا'

ثمر ایک دفعہ پھر بھوک سے رونے لگا۔

"اسے باہر لے جاؤ مہر! میں رات بھر آفس میں تھا مجھے سخت نیند آ رہی ہے۔" وہ بے تاب آنسوؤں پر قابو پاتی باہر نکل گئی۔

صفیہ بیگم اور سارہ دونوں کی واپسی شام کو ہوئی شاہ زیب لالہ کے دونوں بچے ثمر کے اردگرد ہو گئے وہ ڈرتی ڈرتی صفیہ بیگم کے کمرے میں گئی۔

"چچی جان رات کے لیے کیا بناؤں؟" وہ مودب کھڑی بولی' چچی جان نے پہلے تو نخوت سے سر جھٹکا پھر جہانزیب کو آتا دیکھ کر بولیں۔

"بڑی جلدی خیال آ گیا تمہیں کچن کا؟"

"امی میں اور لالہ ایک آفیشل ڈنر پر انوائٹ ہیں اور بابا کل آئیں گے۔" جہانزیب انہیں اپنے جانے کا بتانے لگا۔

"تو ٹھیک ہے پھر کچھ نہ بناؤ' بچوں کو دودھ دیں گے اور سارہ اور میں نے اتنی لیٹ کھانا کھایا ہے اب کہاں گنجائش ہے مزید کچھ کھانے کی' تم جاؤ۔" اور وہ ایسی بدنصیب کہ انہی قدموں پر واپس لوٹ آئی یہ بھی نہ کہہ سکی میں نے کل سے کچھ نہیں کھایا' مجھے خوراک کی ضرورت ہے' میرا بچہ بھوک سے بلکنے لگتا ہے۔ ثمر ایک مرتبہ پھر بھوک کی وجہ سے رونے لگا تھا وہ اسے بانہوں میں لیے چپ کروانے کی ناکام کوشش کرنے لگی جب جہانزیب کمرے میں آیا۔

"جہانزیب!" اس نے اسے بلانا چاہا لیکن جہانزیب نے درشتگی سے اس کی بات کاٹ دی۔

"پلیز مہر! اس وقت میرا دماغ خراب مت کرنا' مجھے ایک بزنس ڈیل کرنی ہے اور اسی پر میرے مستقبل کا دارو مدار ہے۔" وہ وہیں ہونٹ کاٹتی خاموش ہو گئی بھل بھل گرتے آنسوؤں کو بے دردی سے رگڑا۔

"اسے باہر لے جاؤ مہر!" وہ ثمر کے رونے کی آواز کی وجہ سے ڈسٹرب ہو رہا تھا' مہر نے دروازے کی طرف قدم بڑھا دیے۔

"میرے کپڑے کل شام تک دھو کر استری کر دینا' ہو سکتا ہے مجھے کچھ دنوں کے لیے کراچی جانا پڑے۔" اس نے اپنی بات مکمل کی اور الماری سے کچھ نکالنے لگا وہ باہر نکل گئی جب تک جہانزیب کمرے میں رہا وہ کمرے کی طرف نہ آئی۔ جہانزیب کے جانے کے تھوڑی دیر بعد داور لالہ اور رمنا بھابی بچوں سمیت آ گئے۔ سحر اور وصی دونوں ثمر کے اردگرد ہو گئے' ثمر اور زور زور سے رونے لگا۔

"اس کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا۔" داور لالہ ثمر کو گود میں لیتے بولے۔

"جج...... جی......" وہ اٹکتے ہوئے صرف اتنا ہی کہہ سکی۔ رمنا نے اس کی طرف دیکھا تو وہ بے اختیار نظریں چرا گئی' رمنا کو کسی گڑبڑ کا احساس ہوا۔

"مم...... میں آپ کے کھانے کو کچھ لاتی ہوں۔" وہ اٹھنے لگی تو رمنا نے اسے پکڑ کے واپس بٹھا دیا۔

"تم داور سے باتیں کرو میں امی اور سارہ سے مل لوں۔" رمنا بچوں کو ساتھ لے کر باہر نکل گئی۔

"تم ٹھیک ہو نا مہر! خوش تو ہو نا۔" داور نے ثمر کو پیار کرتے کرتے بھی ساری توجہ مہر پر مرکوز رکھ کے کہا۔

"جی لالہ!" وہ دو لفظی جواب دے کر خاموش ہو گئی۔

"تو پھر تمہارے چہرے پر مسکراہٹ کیوں نہیں ہے تم کل کی نسبت آج بہت کمزور لگ رہی ہو۔" وہ اس کے چہرے پر نظریں جمائے بولے تو وہ گڑبڑا گئی۔

"وہاں تو بتول خالہ تھیں نا ثمر کو سنبھالنے کے لیے اور یہاں تو مجھے خود ہی اس کے سارے کام کرنے پڑتے ہیں خوامخواہ وہم ہو رہا ہے آپ کو۔" وہ پھیکی مسکراہٹ سے بولی۔

"کوئی مسئلہ ہو تو کہہ لینا مہر! بھائی ہوں تمہارا ماں جایا نہ سہی باپ جایا تو ہوں نا۔"

"نہیں لالہ! پلیز نہیں آپ بھائی ہیں میرے اور میں آپ کی بہن ہوں۔" دو آنسو اس کے دکھ پر ماتم کرتے باہر نکلے تھے۔

"نہیں مہر! رونا نہیں میں ہمیشہ تمہیں خوش دیکھنا چاہتا ہوں بہت خوش۔" اندر داخل ہوتی رمنا اس کے

آنسو دیکھ چکی تھی۔

"یہ لیجیے۔" اس نے ہاتھ میں پکڑی ٹرے سامنے رکھی' دو گلاس جوس ایک پلیٹ میں سیب کے ٹکڑے اور ساتھ میں دودھ۔

"بچے کدھر چلے گئے؟" مہر اٹھنے لگی تو رمنا نے پکڑ کر واپس بٹھا دیا' اس کی بھوک ایک دم جاگ اٹھی تھی۔

"بچے ٹی وی پر کارٹون دیکھ رہے ہیں تم اچھے بچوں کی طرح یہ سیب کھاؤ اور دودھ پیو۔" مہر نے حیران نظریں رمنا پر ٹکائیں۔

"یہ گھورنا بند کرو اور کھاؤ۔" اس نے پلیٹ اس کے سامنے کی اور دودھ کا گلاس اس کے ہاتھ میں تھما دیا۔

"داور! ہم مہر کو کچھ دنوں کے لیے ساتھ لے چلتے ہیں پھر چھوڑ جائیں گے۔"

"ہاں یہ ٹھیک ہے تم اپنا اور ثمر کا سامان پیک کرلو۔" داور نے پرسوچ انداز میں جواب دیا۔

"لیکن ابھی تو میں کل آئی ہوں۔" اور پھر جہانزیب کو کل کراچی جانا ہے وہ چلے جائیں میں پھر آجاؤں گی۔" وہ منمنائی۔

"تم ان لوگوں کی پروا کرنا چھوڑ دو مہر! جو تمہاری پروا نہیں کرتے۔" رمنا مستحکم انداز سے بولی تو داور نے حیران نظروں سے رمنا کی طرف دیکھا۔

"امی کا رویہ پہلے سے بھی خراب ہوگیا ہے مہر کے ساتھ۔" رمنا شرمندہ شرمندہ بولی۔

"تم تیاری کرواپنی' میں خالہ سے مل کر آتا ہوں۔"

"کیا ہوگیا ہے آپ کو داور لالہ! بھابی کو خوامخواہ کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔" وہ مدھم آواز میں اس طرح بولی کہ آواز بمشکل داور کے کانوں تک پہنچی۔

"غلط فہمی میں تو تم ہمیں رکھنا چاہ رہی ہو میرا خیال غلط تھا کہ ثمر کو دیکھ کر یہ پتھر دل لوگ نرم ہوجائیں گے۔ تم کل آئی ہو نا یہاں بولو کتنے وقت کا کھانا کھایا ہے تم نے اور ثمر..... ثمر کو کوئی مسئلہ نہیں یہ بھوک کی وجہ سے چڑچڑا ہو رہا ہے۔" رمنا اسے غصے سے دیکھتے بولی تو وہ بھی دوبدو بولے بغیر نہ رہ سکی۔

"پلیز بھابی! آپ کیوں میرا گھر خراب کرنے پر تلی ہیں۔"

"نہیں اب مزید کچھ نہیں' تم اس گھر میں تبھی آؤ گی جب سب تمہیں اور ثمر کو اس گھر کا فرد تسلیم کریں گے۔" رمنا نے نم آنکھوں سے اپنا حتمی فیصلہ سنایا۔

"چلو مہر!" داور نے اسے چلنے کو کہا۔

"نہیں...... میں اپنا گھر چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤں گی۔" وہ چیخ اٹھی۔

"ضد نہیں کرو مہر! چلو ہمارے ساتھ۔" رمنا شاید کچھ اور ہی سوچ رہی تھی۔

"اگر ضد ہے تو ضد ہی سی آپ لوگ جو بھی سوچیں کریں لیکن پلیز میں پسند نہیں کرتی کہ کوئی کتنا ہی میرا اپنا ہو وہ میری زندگی میں دخل اندازی کرے اس لیے برائے مہربانی آپ لوگ مجھے بار بار ایک بات کہہ کر کچھ غلط کہنے پر مجبور مت کریں۔" وہ بھرائی آواز میں بولتی چلی گئی داور نے اس کے سر پر محبت بھری تھپکی دی' ثمر کو اس کی گود میں ڈالا اور رمنا سے بولا۔

"چلو رمنا!" وہ دونوں آگے پیچھے باہر نکل گئے' مہر وہیں بیڈ پر بیٹھی اور بے آواز روتی چلی گئی۔

❁......❖❖......❁

مہر نے تو یہ سوچ کر ایسا فیصلہ لیا تھا کہ شاید وہ اور ثمر اپنے گھر میں رہیں تو جہانزیب اور صفیہ بیگم کے رویے میں کسی قدر لچک آجائے لیکن نتیجہ رہا مہر تو حالات سے سمجھوتہ کرہی چکی تھی لیکن ثمر جوں جوں بڑا ہو رہا تھا یہ سارا ماحول چھوٹی سی عمر میں اسے بڑی بڑی باتیں سوچنے پر مجبور کررہا تھا' گھر میں سب سے زیادہ محبت اسے دا جی کرتے تھے پھر تایا جی اور ماما تو تھیں ہی محبت کے پیکر میں ڈھلی ہوئی۔ تایا جی کے تینوں بچے اس سے بہت محبت کرتے تھے' خاص طور پر اس سے دو سال چھوٹی زنیرہ تو اس کا بہت خیال رکھتی تھی۔ ددھیال کے مقابلے میں ننھیال سے متعلق اس کی رائے یکسر مختلف تھی' وہ اپنے

ماموں کا لاڈلا تھا اور پھوپی رمنا کی تو اس میں جان تھی بہت سی چیزیں جن کے لیے وہ گھر میں ترستا تھا وہ اسے ماموں کے گھر با آسانی مل جایا کرتی تھیں۔ پھوپی اس کے ناز اٹھاتی تو ماموں کے تینوں بچے سب سے بڑی سحر پھر وصی اور سونیا اس سے بہت محبت کرتے تھے وہ تایا جی کے بچوں احمد‘ رضا اور زنیرہ سے محبت کے باوجود ماموں کے بچوں سے زیادہ قریب تھا‘ اسے اپنی دادی سے بہت خوف محسوس ہوتا تھا جو کسی ظالم بڑھیا کی طرح سارا دن اس کی ماما کو کاموں میں الجھائے رکھتی تھیں اور اس کے بابا......

بہت عجیب رشتہ تھا اس کا ان سے‘ وہ اس کے بجائے تایا کے بچوں میں زیادہ دلچسپی لیتے تھے اور تایا جی کی بیٹی زنیرہ تو ان کی گود سے اترنے کا نام ہی نہ لیتی تھی اسے زنیرہ سے عجیب سی چڑ ہوتی تھی شاید وہ یہ سمجھ رہا تھا کہ اس کے حصے کی محبت زنیرہ پر لٹائی جا رہی ہے۔ وہ منہ سے کچھ نہ کہتا لیکن تمام حالات کو دیکھ کر دل ہی دل میں کڑھتا رہتا۔ رزلٹ اس کا تایا کے بچوں سے بہت اچھا ہوتا تھا شاید اس نے اپنی ماں کا اور پھوپی کا کہا ذہن میں بٹھا لیا تھا کہ اسے بڑا آدمی بن کر اپنے سے جڑے واحد رشتے اپنی ماں کے دکھوں کا مداوا کرنا ہے۔ اس کا بھی دل کرتا تھا جیسے تایا جی اپنے بچوں کے لیے چیزیں لے کر آتے ہیں اس کے بابا بھی اس کے لیے کچھ لے کر آئیں لیکن اس کی ماما کہتیں کہ اس کے بابا بہت مصروف ہیں اور وہ سوچتا رہ جاتا کہ یہ کیسی مصروفیت ہے کہ وہ پورا پورا دن بھی گھر پر گزار دیں تو ان کے پاس اسے دیکھنے کا بھی وقت نہیں جوں جوں وہ بڑا ہو رہا تھا حالات کا تجزیہ کر رہا تھا میٹرک کرنے تک وہ اپنے باپ کی ماں سے متعلق ناپسندیدگی کا اندازہ لگا چکا تھا۔

دادا جی کی وفات کے بعد تو اسے یوں لگا کہ حالات پہلے سے بھی زیادہ خراب ہو چکے ہیں اس رات پہلی دفعہ اس نے اپنی صلح جو ماں کو اس کے تعلیمی کیریئر کے لیے اس کے باپ سے لڑتے دیکھا تھا جو کچھ اس کے باپ نے کہا تھا اسے یقین نہیں آ رہا تھا وہ اب مکمل سمجھ بوجھ رکھتا تھا‘ ایف ایس سی کے دوسرے سال میں وہ خوب محنت کر رہا تھا کہ اس کا میرٹ بن جائے اور اس کا میڈیکل میں داخلہ ہو جائے۔ احمد ایم بی اے فائنل میں تھا وصی اور رضا بی سی ایس آنرز کے اسٹوڈنٹ تھے‘ اپنے باپ کی درشتگی سے کی گئی باتیں سننے کے بعد اس نے ایک انتہائی فیصلہ کیا تھا۔ اس رات دیر سے آنے کا جواز دوستوں کے ساتھ کمبائن اسٹڈی کو بنایا تھا لیکن بھونچال اس دن آیا جس دن رمنا پھوپی ان کے گھر آئیں‘ وہ بھی اتوار کی چھٹی کے باعث گھر پر ہی تھا۔

”تم آج کل شام کو کہاں ہوتے ہو؟“ انہوں نے اسے کچن میں کھانا کھاتے دیکھا تو اس کے پاس بڑے ریلیکس موڈ میں بیٹھ کر پوچھا۔

”اپنے دوستوں کے ساتھ۔“ وہ مطمئن انداز میں بولا تو رمنا نے مہر کی طرف دیکھا۔

”تمہاری ماں کو پتا ہے۔“

”جی۔“ وہ یک لفظی جواب دے کر خاموش ہو گیا۔

”اپنی ماں کی تکلیفوں میں مزید اضافہ مت کرنا ثمر! تم جانتے ہونا......“

”میں اپنی ماں کی تکلیفوں کو کم کرنے کے لیے ہی اتنی محنت کر رہا ہوں۔“ اس نے ان کی بات کاٹی۔

”اس طرح تمہاری پڑھائی کا حرج ہو رہا ہے ثمر!“ رمنا کی بات سن کر مہر نے بے اختیار ثمر کی طرف دیکھا تھا وہ بھی ماں کی طرف ہی دیکھ رہا تھا اس نے بے ساختہ نظریں چرائیں۔

”کیا مطلب بھابی!“ مہر نے اس کی نظریں چرانا محسوس کر لیا تھا۔

”صاحب زادے آج کل اپنے تعلیمی اخراجات پورے کرنے لیے ہوم ٹیوشنز کا سہارا لے رہے ہیں۔“ رمنا نے گویا کوئی دھماکہ کیا تھا مہر نے باری باری دونوں کی طرف دیکھا۔

”آپ...... آپ کو کس نے بتایا؟“

”میں کل عالیہ کی طرف گئی تھی وہیں پتا چلا کہ عالیہ کے دیور کے بچوں کو جناب آٹھ ہزار ماہوار پر تین گھنٹے

پڑھاتے ہیں۔"

"ثمر......" مہر نے ثمر کو پکارا تو وہ اٹھ کر اس کے پاس چلا آیا۔

"پلیز ماما...... میں شرمندہ نہیں ہوں لیکن آپ کے سامنے جوابدہ ضرور ہوں پلیز آپ ناراض مت ہوئیے گا۔" وہ نم آنکھوں سے بولا تو مہر نے اسے ساتھ لگالیا۔

"اگر تمہیں کسی چیز کی ضرورت تھی تو ہم سے کہا ہوتا ثمر! کیا ہماری محبتوں میں کوئی کمی آ گئی تھی بیٹا!" رمنا شکوہ کیے بنا نہ رہ سکی۔

"اور اگر کل ماموں بھی بابا کی طرح میرے وجود کو ماننے سے انکار کردیتے تو......" ثمر نے گویا کوئی بم پھوڑا تھا جوان کے حواسوں پر آ کر پھٹا تھا۔

"یہ کیا کہہ رہے ہو ثمر......!" مہر بولی۔

"میں ٹھیک کہہ رہا ہوں ماما! میں نے اس رات آپ کی اور بابا کی ساری باتیں سن لی تھیں وہ مجھ سے محبت نہیں کرتے مجھے محسوس ہوتا تھا لیکن پھر میں نے سوچا شاید ان کی محبت کا یہی انداز ہو کیونکہ میری کئی ضرورتیں کہے بنا ہی پوری کردی جاتی تھیں۔ دادا جی کے جانے کے بعد پتا چلا کہ میری ضرورتیں کون پوری کرتا تھا۔ بابا مجھ سے محبت نہیں کرتے نہ سہی لیکن انہیں مجھ سے نفرت کا بھی کوئی حق نہیں۔ کوئی حق نہیں۔" وہ بھرآئی آواز میں بولتا ایک دم کچن سے باہر نکلا تھا۔

"بھابی میں تو یہ سب کچھ ثمر کے لیے کر رہی تھی اور میرا بچہ پھر بھی عدم تحفظ کا شکار ہو رہا ہے۔" مہر بے اختیار رونے لگی تھی رمنا نے اسے پکڑ کر کرسی پر بٹھایا۔

"چپ کر جاؤ مہر! اللہ سب بہتر کرے گا میں داور سے بات کرتی ہوں۔" وہ اسے محبت سے پچکارتے ہوئے بولی جب اس کی اپنی سوچوں کے تانے بانے جا کر کہیں اور ہی الجھے تھے......!

❁ ❖❖...... ❁

"واؤ! آج ثمر صاحب کیسے دفتر آ گئے؟" وہ تایا جی کے آفس میں داخل ہوا تو اس پر پہلی نظر احمد کی پڑی جو کوئی فائل پکڑے شاہ زیب احسن سے کچھ ڈسکس کر رہا تھا۔ ایم بی اے کے فائنل پیپرز کے بعد احمد شاہ زیب کا سارا وقت باپ اور چچا کے ساتھ دفتر میں ہی گزر رہا تھا۔

"مجھے بابا سے ملنا تھا۔" وہ مدہم آواز میں بولا تو شاہ زیب نے حیران نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"جی تایا جی! مجھے ان سے اپنے ایڈمیشن کا ڈسکس کرنا ہے۔" وہ سپاٹ لہجے میں بولا۔

"احمد! تم یہ فائل لے جاؤ' جہانزیب کو میرے روم میں بھیجنا اور اس سے اسلام آباد والے پراجیکٹ کی فائل لے کر ان دونوں پراجیکٹس کا موازنہ کرو کہ کس میں کتنا فالٹ ہے۔"

"جی بابا!" احمد فائل لے کر باہر نکل گیا تو وہ ثمر کی طرف متوجہ ہوئے۔

"بیٹھ جاؤ بیٹا! کیا کرنا ہے ایڈمیشن کا اپنے تایا سے ہی مشورہ کرلو۔" وہ مسکرا کر بولے تو وہ سنجیدہ سنجیدہ صورت لیے بیٹھ گیا۔

"کیا لو گے؟" انہوں نے پوچھا۔

"کچھ نہیں تایا جی!"

"ثمر کیا مسئلہ ہے بیٹا! بولو۔" شاہ زیب احسن کو کسی گڑبڑ کا احساس ہوا۔

"تایا جی میں آپ کی نہیں بابا کی ذمہ داری ہوں اور میرا مسئلہ انہیں ہی حل کرنا چاہیے۔" وہ دوٹوک انداز سے بولا تو وہ خاموش ہو گئے۔ جہانزیب کمرے میں آئے تو ثمر کو دیکھ کر لمحہ بھر کو رکے پھر بڑھ کر کرسی سنبھال لی۔

"آپ نے بلایا تھا بھائی!" وہ شاہ زیب کی طرف متوجہ ہوئے تھے۔

"ثمر کی بات سنو اس کا مسئلہ حل کرنے کی طرف دھیان دو میں آفس کا راؤنڈ لگا کر آتا ہوں۔" وہ ان دونوں کو روم میں چھوڑ کر باہر نکل گئے۔

"کیا مسئلہ ہے۔" وہ ماتھے پر تیوریاں چڑھائے بولے تو ثمر نے سامنے بیٹھے باپ کو غور سے دیکھا۔

"کیا میں آپ کا بیٹا نہیں ہوں۔" جہانزیب کو اس

سوال کی توقع نہیں تھی اس لیے گڑبڑا گئے۔

"کیا مطلب؟"

"مطلب کو چھوڑیں آپ صرف ہاں یا نہ میں جواب دیں۔"

"میرا ٹائم ویسٹ مت کرو ثمر! تم جس کام سے آئے وہ وہ کہو مجھے میٹنگ کے لیے جانا ہے۔" جہانزیب احسن نے کھڑے ہوکر اپنی رسٹ واچ پر نظر ڈالی۔

"مجھے میرے سوال کا جواب مل گیا ہے جہانزیب صاحب! لیکن میں اصل کہانی جانے بنا آرام سے نہیں رہوں گا۔"

"کیا بدتمیزی ہے یہ......" جہانزیب دھاڑے۔

"کیسی بدتمیزی! ابھی تو آغاز ہوا ہے انجام ہونا ہے۔ مجھے کل لاہور جانا ہے لسٹ میں میرا نام آچکا ہے مجھے اپنی ایڈمیشن فیس جمع کروانی ہے اس لیے مجھے بلینک چیک چاہیے سارا پراسیس ہونے کے بعد جو بچے گا آپ کو واپس کردوں گا۔" وہ بھی اٹھ کھڑا ہوا۔

"تمہارے خرچ کی ذمہ داری مجھ پر نہیں ہے یہ سب تم اپنی ماں سے......"

"جی اپنی ماں سے ہی کہتا اگر اس کا شوہر کچھ مخصوص رقم اس کے ہاتھ پر رکھتا ہوتا یا پھر اپنے باپ سے کہتا اگر اسے مجھ سے محبت ہوتی تو...... کیا کروں مجبوری ہے سیٹھ صاحب! کہ آپ کے آگے ہاتھ پھیلانے پڑے۔" اس کا انداز طنزیہ تھا۔

"تمہیں کسی نے تمیز نہیں سکھائی کہ بڑوں سے بات کیسے کرتے ہیں۔" اس کا انداز دیکھ کر ان کا غصہ عود کر آیا تھا۔

"تمیز...... بچوں کو تمیز ان کے والدین سکھاتے ہیں لیکن میری ماں...... اسے تو رات دن لوگوں کی خدمت کرنے سے ہی فرصت نہیں اور میرا باپ وہ تو شاید میری پیدائش سے پہلے ہی گزر گیا تھا پھر تمیز کون سکھاتا۔" اس نے پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے بڑے سکون سے ساری بات مکمل کی۔

"دفعہ ہوجاؤ تم یہاں سے اور آئندہ میری نظروں کے سامنے مت آنا۔" انہوں نے دروازے کی طرف اشارہ کیا۔

"جی ضرور لیکن وہ چیک......" وہ ابھی بھی اطمینان سے بولا تھا۔

"تمہیں یہاں سے ایک پھوٹی کوڑی بھی نہیں ملے گی اب جاؤ یہاں سے۔"

"آپ بھول رہے ہیں سر کہ میں اٹھارہ سال کا ہوچکا ہوں اور اب میں آپ سے اپنا وہ حق لے سکتا ہوں جو میرے دادا جی آپ کے حوالے کرکے گئے تھے۔"

"تم یہاں سے جاتے ہو یا......" وہ دھاڑے۔

"کیوں نہیں سر! لیکن میں معافی چاہتا ہوں کہ مجھے چیک ابھی چاہیے کل مجھے لاہور جانا ہے اور اگر آپ نہیں دیں گے تو یاد رکھیے گا آپ کی اور میری اگلی ملاقات کورٹ میں ہوگی۔" جہانزیب احسن نے کچھ سوچ کر چیک بک نکالی دستخط کیے اور پچاس ہزار کا چیک اس کی طرف بڑھایا۔

"آئی ایم سوری مجھے بلینک چیک چاہیے۔" وہ بھی ثمر تھا اپنے باپ کی طرح اپنے نام کا ایک۔

"میرے پاس فی الحال اتنے ہی ہیں۔" وہ غصے پر قابو پاتے بولے۔

"میں فقیر نہیں ہوں احسن انڈسٹریز کے ہاف پرافٹ کا مالک ہوں۔" اس نے انہیں کچھ باور کرانا چاہا تھا جہانزیب کا دل چاہا کوئی چیز اس کے سر پر دے مارے۔

"یہ لو۔" اس نے ایک خالی چیک اس کی طرف بڑھایا تو اس نے چپ چاپ تھام لیا۔

"شکریہ سر!"

"سنو......" وہ باہر نکلنے لگا تھا جب اس کے قدم ان کی آواز سن کر رکے۔

"کون سے کالج میں ایڈمیشن ہوا ہے؟" اس نے حیرت سے ان کی طرف دیکھا۔

"کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج۔" وہ باہر نکل گیا

جہانزیب احسن کے چہرے پر ایک عجیب سی مسکراہٹ آٹھہری تھی۔

❀......❖❖......❀

"بالآخر تم نے اپنا رنگ دکھانا شروع کر ہی دیا نا مہر حسن!" شام کو جہانزیب گھر آیا تو سیدھا مہر کے پاس آیا تھا جو اپنے کمرے میں ہی استری لگائے اس کے اور ثمر کے کپڑے استری کر رہی تھی۔ وہ کچھ نہ بولی جانتی تھی کہ وہ ثمر کی بات ہی کر رہا ہوگا۔

"میں تم سے مخاطب ہوں مہر بیگم! دیواروں سے باتیں نہیں کر رہا۔" وہ ایک بار پھر چیخا۔

"سن رہی ہوں میں۔" اس نے اپنا کام جاری رکھا۔

"آخر تم چاہتی کیا ہو؟" وہ تنگ آ کر بولا تھا مہر نے ایک نظر اس کی طرف دیکھا مگر بولی کچھ نہیں۔ جہانزیب کو ایک دم تپ چڑھی تھی اس نے استری کا پلگ باہر نکال دیا۔

"اپنے بیٹے کو سنبھالو اگر ہاتھ سے نکل گیا تو سر پکڑ کر روؤ گی۔" جب تک اس کی بات مکمل ہوئی ثمر بھی کمرے میں داخل ہو چکا تھا۔ مہر نے ثمر کو اندر آتے دیکھا تو جلدی سے بولی۔

"میں اسے سمجھا دوں گی آئندہ یہ ایسا کچھ نہیں کرے گا۔"

"میں نے کوئی غلط کام نہیں کیا' اپنا حق لیا ہے اور جہاں تک میری ماما کے رونے کا تعلق ہے وہ دور گزر چکا سر! اب آپ لوگوں کی باری ہے کہ سر پکڑ کر روئیں یا گھٹنوں میں سر دے کر۔" وہ باپ کے دوبدو بولا تھا۔

"ثمر......" جہانزیب ایک دم اس کی طرف بڑھا تھا اس نے ہاتھ فضا میں بلند کیا تو مہر نے آگے بڑھ کر جہانزیب کو پیچھے کی طرف کھینچا۔

"پلیز جہانزیب!"

"چھوڑ دیں ماما! آج انہیں یہ شوق بھی پورا کر لینے دیں' محبت تو دے نہیں سکے نفرت ہی سہی۔ کوئی پوچھے تو میں اپنا خالی دامن تو شرمندگی سے نہیں دکھاؤں گا نا اتنا تو کہہ سکوں گا کہ میرے باپ نے مجھے خالی دامن نہیں رہنے دیا' نفرت ہی سہی لیکن دی تو......" وہ نم آنکھوں سے بولا۔

"تم......تم دور ہو جاؤ میری نظروں کے سامنے سے۔" وہ غصے سے بولے۔

"اتنی جلدی نہیں سر! اپنے ماں کے وجود پر لگے ایک ایک زخم کا حساب لوں گا۔" وہ بھی ڈھیٹ ابن ڈھیٹ تھا۔

"ذلیل انسان! جاؤ یہاں سے۔" ثمر کو اس وقت وہ کسی جاہل انسان سے بھی بدتر لگ رہے تھے۔

"ثمر! تم جاؤ یہاں سے۔" مہر نے ثمر کو وہاں سے جانے کا کہا اس نے شکایتی نظروں سے ماں کی طرف دیکھا اور باہر نکل گیا۔

"یہ پانی پی لیں۔" مہر نے پانی کا گلاس جہانزیب کی طرف بڑھایا تو اس نے پانی سے بھرا گلاس نیچے دے مارا۔

"یہ سب کچھ تم کر رہی ہو نا' میرے بیٹے کو میرے خلاف کر کے تمہیں کیا ملے گا مہر! کیا ملے گا؟" اس نے کسی ہارے کھلاڑی کی طرح اپنا سر اپنے ہاتھوں میں تھام لیا اور مہر تو اس کے انہی الفاظ میں گم تھی ابھی تک "میرا بیٹا۔" تو کیا جہانزیب نے ثمر کو اپنا بیٹا تسلیم کر لیا۔

اس نے کہیں پڑھا تھا کہ اگر حق مانگنے سے نہ ملے تو چھین لو اور اس نے اب چھیننا شروع کر دیا تھا اس کا میڈیکل میں ایڈمیشن ہوا تو وہ لاہور ہاسٹل میں شفٹ ہو گیا اس نے ساری توجہ پڑھائی پر لگا دی۔ سال کس طرح وقت کے تھال میں گرتے چلے گئے اس کی تعلیم مکمل ہوئی اور جس دن اسے میڈیکل کی ڈگری ملی اس نے اپنی ماں کا سر عاجزی سے مزید جھکا ہوا دیکھا۔ مہر نے سمجھا کہ وہ زندگی کی آزمائش میں سرخرو ہو گئی لیکن جہانزیب نے جب اس سے کہا کہ وہ ثمر سے زنیرہ کے رشتے کی بات کرے تو ثمر سب کچھ سننے کے بعد ہتھے سے اکھڑ گیا۔

وہ یکلخت حال میں واپس لوٹ آئی۔

"تو کیا میری ساری ریاضت بے کار گئی' میری عمر بھر کی محنت اکارت چلی گئی' وہ محبت جو میں نے اس کے گھر کے مکینوں پر بغیر کسی صلے کے لٹائیں کیا یہی تھا اس کا انعام۔ کیا میری طرح میرے بیٹے کی خواہشیں بھی ناسور

بن کراسے تڑپاتی رہیں گی' کیا اس کی زندگی بھی رشتوں کے بجائے کام میں گزرے گی؟ یا اللہ! کیا ہو رہا ہے یہ سب کچھ۔"

یہی چند فقرے اس کے ذہن میں کسی جھکڑ کی صورت چل رہے تھے' اسے آج دو دن ہو گئے تھے بغیر کچھ کھائے پیئے نہ تو وہ ثمر کا سامنا کر سکی تھی اور نہ ہی کرنا چاہ رہی تھی۔ اس نے تو مجبوریوں بھری زندگی گزاری تھی لیکن اپنے بیٹے کے لیے وہ ویسی زندگی بھلا کیسے چاہ سکتی تھی اگر ثمر نا کرتا تو اس کی ماں کا گھر برباد ہوتا اور اگر ہاں کرتا تو اس کا دل اس کی ساری زندگی برباد ہو جاتی۔ وہ جتنا سوچتی اتنا ہی الجھتی جب کہ دوسری طرف ثمر کا بھی یہی حال تھا لیکن گزشتہ حالات کو دیکھتے وہ ایک فیصلے پر پہنچ چکا تھا اور اس کے فیصلے میں رمنا اور داور نے اس کو اپنے بھرپور تعاون کا یقین دلایا تھا اور اب اسے اپنے اس یقین کو آزمانا تھا جو دل کے کسی کونے کھدرے میں اس کے باپ سے متعلق چھپا بیٹھا تھا۔ وہ اپنا فیصلہ سنانے کو تیار بیٹھا تھا جانتا تھا کہ اس کی ماں کے لیے مشکل ہوگا کہ اس کا بیٹا اس کے لیے...... لیکن وہ مطمئن اور آسودہ تھا کہ اس کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا بلکہ دوسرے لفظوں میں وہ اس ایک آپشن کے علاوہ کچھ اور کرنا ہی نہیں چاہتا تھا۔

وہ سب اس وقت لاؤنج میں تھے جہانزیب' دادی' مہر ثمر اور سارہ تائی۔ ایک بات تو طے تھی کہ وہ فیصلہ جو بھی کرتا اسے ایک مرتبہ اپنے باپ کو اس کا ماضی ضرور دکھانا تھا وہ ماضی جس میں اس کی ماں اس کی شریک حیات تھی لیکن اس نے کسی ان چاہے بوجھ کی سی زندگی گزاری۔

❁......❖❖......❁

"تو پھر کیا فیصلہ کیا تم نے اور تمہاری ماں نے۔" چند لمحے خاموش رہنے کے بعد جہانزیب نے ثمر سے پوچھا۔

"میں زنیرہ سے شادی کرنے کے لیے......" اس نے نم آنکھوں سے ماں کی طرف دیکھا پھر باپ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولا۔

"کبھی تیار نہیں ہوں گا' یہ بھول ہے آپ کی کہ میں آپ کی کسی بات کے دباؤ میں آ کر اپنی ساری زندگی برباد کروں گا۔"

"کیا یہ تمہارا حتمی فیصلہ ہے۔" جہانزیب اس کی بات سننے کے بعد تیوریاں چڑھائے بولے۔

"جی حتمی اور آخری فیصلہ......" وہ ماں کی طرف دیکھ کر پل بھر کو لرزا لیکن مہر کے ہونٹوں پر آئی اداس مسکراہٹ نے اس کے فیصلے کو تقویت بخشی تھی۔

"جانتے ہو تم کہ اس کے بعد میرا فیصلہ کیا ہوگا؟" جہانزیب نے ایک آخری موقع لے کر اسے خوف زدہ کرنا چاہا۔

"جی جانتا ہوں اور یہ بھی جانتا ہوں کہ آپ اس سے زیادہ کچھ کر بھی نہیں سکتے کیونکہ کمزور مرد کے پاس اپنی بات منوانے کا آخری حربہ یہی رہ جاتا ہے۔ آپ کل کی دیتی آج دیجیے کم از کم میری ماں کی جان تو اس کی دوزخ سے چھوٹے گی۔" وہ دوبدو بولا۔

"اس معاشرے میں طلاق یافتہ عورت کا مقام جانتے ہو تم؟" جہانزیب نے ایک اور وار سے زیر کرنا چاہا۔

"اس گھر میں ساری زندگی میری ماں نے کسی طلاق یافتہ اور بیوہ کی سی ہی زندگی گزاری ہے' کوئی ایک خوشی بتائیے جو انہیں آپ کی ذات سے ملی ہو۔ ان کا قصور کیا تھا یہی کہ یہ اس عورت کی بیٹی تھیں جو دادی کی بہن پر سوتن بنا کر لائی گئیں۔ آپ نے کبھی دھیان دیا کہ یہ جو آپ کے نام پر لائی گئی ہیں ان کے حقوق کے آپ کی ذمہ تھے چلیے چھوڑیئے آپ نے تو کبھی بحیثیت باپ اپنی ذمہ داریاں پوری نہ کیں اگر آج میں ایک کامیاب انسان ہوں تو اس کا سارا کریڈٹ میری ماں کے بعد اس شخص کو جاتا ہے جو میری ماں کا صرف باپ جا یہ ہے اگر میں عدم تحفظ کا شکار نہیں ہوا تو اس شخص کی وجہ سے جو آپ کی بہن کا شوہر ہے۔ اگر میں زندہ سلامت آپ کے سامنے کھڑا ہوں تو اس میں کوئی خباثت نہیں بھری ہوئی۔ ارے کیسے باپ ہیں آپ کہ آج تک جنہوں نے آپ کے بیٹے کو دھتکارا آپ انہی کی خوشیوں کے لیے اپنے ہاتھوں اپنا گھر

اجاڑنے چلے ہیں۔" وہ بھرائی آواز سے بولتا جارہا تھا لاؤنج میں داخل ہوتا شاہ زیب اس کی طرف بڑھا تھا۔

"ثمر!" شاہ زیب نے اسے بے اختیار اپنے بازوؤں میں لیا جب کہ جہانزیب احسن تو خود سے نظریں ملانے کے قابل بھی نہیں رہا تھا۔

احمد رضا اور زنیرہ بھی آوازیں سن کر اندر آ گئے تھے۔

"میری ماں کا دوسرا قصور یہ تھا کہ یہ آپ کی مرضی کے بغیر مجھے اس دنیا میں لانے کا سبب بنی' یہی قصور تھا نا۔" وہ تڑپ کر شاہ زیب کے بازوؤں سے نکلا اور روئے سخن باپ کی طرف موڑا۔

"جس کی سزا انہیں یہ دی گئی کہ انہیں بھوکا رکھا جانے لگا' فریج کو لاک کیا جاتا تو کچن پر نظروں کا پہرہ ہوتا۔ یہاں بھی رمنا پھوپی کا بڑا پن کام آیا میری ماں کے لیے میکے سے چوری چھپے کھانا آنے لگا۔ کبھی اس عورت نے اپنے لب کھولے' کبھی آپ سے کوئی شکوہ' کوئی شکایت کی' نہیں نا...... جانتے ہیں کیوں؟" اس نے سوالیہ نظروں سے باپ کی طرف دیکھا جو کسی شکست خوردہ کھلاڑی کی طرح صوفے پر گرنے کے انداز میں بیٹھا تھا۔

"کیونکہ انہیں یقین تھا کہ شکایت کی صورت میں بھی سارا قصور انہی کے کھاتے میں لکھا جائے گا۔" اس نے نہایت تیزی سے اپنے آنسو صاف کیے پھر صوفے پر چپ چاپ بیٹھی آنسو بہاتی ماں کو کھڑا کرتے بولا۔

"میں زنیرہ سے شادی نہیں کروں گا اس لیے نہیں کہ وہ آپ کی پسند ہے بلکہ اس لیے کہ وہ اس عورت کی بیٹی ہے جس نے کبھی میری ماں کو سکھ کی سانس نہیں لینے دی۔" تمام باتوں سے بے خبر زنیرہ نے جس انداز سے ماں کی طرف دیکھا تھا سارہ کا جی چاہا زمین پھٹے اور وہ اس میں سما جائے وہ مزید وہاں نہ رک سکی جب کہ رضا اور احمد ابھی تک الجھے ہوئے تھے کہ معاملہ کیا ہے۔

"میں یہ سب لاکھ کوشش کے باوجود بھی نہیں بھول سکتا کیونکہ میں فرشتہ نہیں انسان ہوں اور میں نہیں چاہتا کہ کوئی اور مہر حالات کی بے چارگی کا شکار ہو اور کوئی اور ثمر اپنی ہی پیدائش پر خود کو خطاوار سمجھے۔ آپ کے سامنے دونوں باتیں ہیں اچھی طرح سوچ کر فیصلہ کیجیے گا ہم ماں بیٹا ماموں کی طرف جارہے ہیں اگر آپ اپنے اسی فیصلے پر برقرار رہتے ہیں تو طلاق کے کاغذات بھیج دیجیے گا اور اگر اس عورت کی ریاضتوں کا خیال اور ٹوٹے بکھرے بیٹے کی محبت جوش مارے تو دو دن بعد ماموں کی طرف آ جائیے گا میں ساری رنجشیں بھلائے اور بانہیں کھولے آپ کو اپنا منتظر ملوں گا۔"

"ثمر......" احمد نے اسے روکنا چاہا۔

"نہیں بھائی! پلیز بہت محبت کرتا ہوں میں آپ دونوں سے' میں نہیں چاہوں گا کہ میرے الفاظ کی درشتگی سے آپ کے دلوں کو ٹھیس پہنچے۔" وہ نم آنکھوں سے بولا اور ماں کو لے کر چل دیا۔

"وہ اتنا کچھ بول گیا اور تم خاموشی کا مجسمہ بنے سنتے رہے۔" سارہ بولی تھی۔

"بس کردیں ماما بس کردیں' ساری زندگی دادی اور آپ نے چچی کے خلاف محاذ کھولے رکھا اب اپنے بچوں کی زندگیوں کو بنیاد بنا کر ان کی خواہشوں پر تو سیاست نہ کھیلیں۔" غصے کا تیز رضا بپھر اٹھا تھا۔ شاہ زیب کو کچھ کہنے کی ضرورت ہی نہیں پڑی تھی کہ بیٹے خود ہی ماں کو سمجھانے کے لیے کافی تھے۔

"تم سب پر تو جادو کردیا ہے اس عورت نے۔" وہ پاؤں پٹختی اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئیں۔

"فیصلے کی ڈور آپ کے ہاتھ میں ہے چاچو پلیز ایسا کوئی فیصلہ نہ کیجیے گا جو عمر بھر کے لیے پچھتاؤں کی اذیت آپ کے ہمراہ کردے' ہمیں ثمر بہت عزیز ہے اور ہم اسے کھونا نہیں چاہیں گے۔" احمد نے ثمر سے محبت کے سبب اپنا فیصلہ سنا دیا تھا۔

"تم اسے پیار سے سمجھاؤ جہانزیب! ثمر بچہ ہے سمجھ جائے گا۔" صفیہ بیگم نے زبان کھولی تو رضا نے عجیب سی نظروں سے دادی کو دیکھا۔

"وہ بچہ نہیں رہا دادی! بڑا ہوگیا ہے اپنے پاؤں پر کھڑا

ہے اور چاچو آپ کو تو فخر ہونا چاہیے کہ آپ کا بیٹا بہادر ہے حق کو حق بات کہنے کی ہمت رکھتا ہے کاش...... کاش آپ بھی ثمر جتنے بہادر ہوتے تو آج حالات اس رخ پر نہ ہوتے۔'' رضا کی بات سن کر جہانزیب نے بے اختیار سر جھکالیا تھا۔

''میرا مقصد آپ کو شرمندہ کرنے کا نہیں چاچو! فیصلہ تو آپ کو ہی کرنا ہے لیکن...... دو دن بعد ثمر کا اور سونیا کا نکاح ہے مجھے پھوپی نے فون کر کے بتایا تھا اور ہم دونوں بھائی اس تقریب میں ضرور شریک ہونا چاہیں گے کہ وہ ہمارا بھائی ہے۔'' ان دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا اور جہانزیب کے لیے سوچوں کے نئے در وا کرتے باہر نکل گئے۔

❁......❁❁......❁

''ثمر!'' اس نے پکارا تو ثمر نے فوراً سے بیشتر پیچھے مڑ کر دیکھا۔

''بابا......'' وہ آگے بڑھ کر ان سے لپٹ گیا ایک عجیب سی خوشی نے جہانزیب کو اپنے حصار میں لیا تھا۔

''مجھے یقین تھا آپ ضرور آئیں گے۔'' وہ عقیدت سے بولا تو اس کی پیشانی چومتے جہانزیب کی آنکھوں سے کئی آنسو وہیں محبت کی بنجر زمین کو سیراب کر گئے۔

''اچھا بھلا وہ کیونکر......'' وہ نم آنکھوں سے بولے۔

''یہ یقین مجھے اس محبت نے دیا تھا بابا! جو مجھے آپ سے تھی جو مجھے آپ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی۔'' وہ مسکرا کر ساری بات کھول گیا۔ جہانزیب نے جی بھر کر اس کے دلکش سراپے کو اپنی آنکھوں میں سمایا۔

''مجھے معاف کردو ثمر!''

''پلیز بابا! نہیں...... آپ مجھے شرمندہ کررہے ہیں، معافی تو مجھے مانگنی چاہیے کہ نہ جانے اس دن آپ سے کیا کچھ کہہ دیا۔'' اس نے بے اختیار نظریں جھکائیں۔

''نہیں تم نے تو میری آنکھیں کھول دیں، مجھے فخر ہے کہ تم میرے بیٹے ہو۔ میرا مان ہو۔'' وہ نم آنکھوں سے مسکرا کر بولے تو وہ بھی مسکرا دیا پھر انہیں لے کر اسٹیج کی طرف بڑھ گیا جہاں سونیا دلہن بنی بیٹھی تھی جہانزیب کو اس طرف آتے دیکھ کر دلہن بنی سونیا کا دوپٹہ ٹھیک کرتی مہر کے ہاتھ پل بھر کو رکے تھے۔

''السلام علیکم!'' جہانزیب کی آواز بہت قریب سے آئی تھی۔ رمنا بھائی کے استقبال کو آگے بڑھی۔

''باقی لوگ نہیں آئے۔''

''ہم آئے ہیں پھوپی بھلا اتنی بڑی خوشی ہماری شرکت کے بغیر مکمل ہوسکتی تھی۔'' احمد اور رضا کے درمیان چلتی زنیرہ بولی تو وہ سب ہنس دیئے۔

''ہمیں معاف کردو مہر!'' صفیہ بیگم مہر کو گلے سے لگاتی بولیں۔

''نہیں چچی جان! بڑے چھوٹوں سے معافی مانگتے اچھے نہیں لگتے۔'' وہ آنسو شکرانے میں سربسجود ہوگئے تھے۔

آج وہ سب ساتھ تھے رنگ و بو کا سیلاب تھا خوشیاں رقصاں تھیں اور خوشبوئیں مہک اٹھی تھیں۔ سب خوش تھے سارہ بھی مہر سے معافی مانگ چکی تھی آج اس کو اس کی تمام ریاضتوں کا صلہ مل چکا تھا۔ اس کی وفائیں ضائع نہیں ہوئی تھیں اس کا بیٹا اس کے پاس تھا اس کے ساتھ تھا پھر جہانزیب کہ جسے زبان سے کچھ کہنے کی ضرورت ہی نہیں پڑی تھی مہر نے اس کا مان رکھتے ہوئے خود ہی مسکرا کر اس کے حوصلوں کو تقویت دے ڈالی تھی۔

ثمر اور سونیا کا نکاح کر فرض ادا کیا گیا اور پھر ہر طرف سے مبارک باد کی صدا گونج اٹھی اور پھر دیگر رسومات کے بعد ثمر کو سونیا کا پاس بیٹھایا گیا تو وہ شرمگیں مسکراہٹ کے ساتھ خود میں سمٹی جارہی تھی، پیچھے کھڑی مہر نے محبت بھری نظر ان دونوں پر ڈالی اور وہی نظر جہانزیب نے مہر پر...... رضا نے سارا منظر کیمرے کی آنکھ میں مقید کرلیا تھا۔ اس یقین کے ساتھ کہ نارسائی کا جنگل پھلا نگتے پھلانگتے کبھی نہ کبھی ہمارے قدم محبتوں کی سرزمین کو چھو ہی لیتے ہیں......!

مجھے حکم ہے اذاں
اُم مریم

چاہا ہے اس کو روح کی سچائیوں کے ساتھ
زندہ ہوں اپنی ذات کی تنہائیوں کے ساتھ
روکا نہیں تھا اس کو بچھڑتے وقت بھی
اپنی وفا پہ ناز تھا سچائیوں کے ساتھ

گزشتہ قسط کا خلاصہ

فاطمہ تمام احوال زینب کو سناتی ہے کہ عباس اسے عریشہ کا قاتل سمجھتا ہے جبکہ دوسری طرف زینب یہ تمام باتیں عباس کو بتانے اور ان غلط فہمیوں کو دور کرنے کا کہتی ہے لیکن فاطمہ اس سب کے لیے تیار نہیں ہوتی جبکہ دروازے کے باہر کھڑا عباس فاطمہ کی تمام باتیں سن کر بھی اسے سازش کا نام دے کر نظر انداز کردیتا ہے۔ دوسری طرف فراز شرجیل کے گھر کے لیے روانہ ہوتا ہے اور وہاں پہنچ کر اس کا سامنا جس شخص سے ہوتا ہے وہ حیران ہی رہ جاتا ہے۔ امامہ اور لاریب زارون کو اپنے ہمراہ لے جانا چاہتی ہیں جس پر شرجیل انہیں اجازت دے دیتا ہے۔ اسپتال سے واپسی پر عباس کا سامنا فراز علوی سے ہوجاتا ہے وہ عباس کے ساتھ فاطمہ کو دیکھ کر چونک جاتا ہے اور یہ سن کر مزید متاثر نظر آتا ہے کہ فاطمہ نے اسلام قبول کرلیا ہے وہ ان دونوں کو ساتھ دیکھ کر بے حد مسرور نظر آتا ہے جبکہ عباس کا لہجہ انتہائی سرد رہتا ہے۔ سکندر دوسرے گھر میں شفٹ ہونے کے لیے تیاری کرتا ہے لیکن ساتھ ہی فراز اور نبیل کو بھی اپنے ہمراہ رکھنا چاہتا ہے۔ فراز باتوں کے دوران سکندر کو ابراہیم احمد، فاطمہ اور عباس کے متعلق بھی بتاتا ہے جبکہ سکندر بے دھیانی میں اسے سنتا رہتا ہے جب ہی تائی اماں سکندر کے جانے کا سن کر حیران رہ جاتی ہیں وہ سکندر کو صالحہ سے شادی کرنے کا کہتی ہیں جبکہ سکندر اپنی شادی کا ذکر کرکے ان کے تمام ارمانوں پر پانی پھیر دیتا ہے۔ فاطمہ کی خراب طبیعت کا سن کر اماں جان اور عباس کی دونوں بہنیں اچانک وہاں پہنچ جاتی ہیں اماں جان عباس کی بے پروائی پر اسے سخت سناتی ہیں جبکہ فاطمہ بوکھلا جاتی ہے ایسے میں عباس اپنا غصہ فاطمہ پر اتارتا ہے۔ ابراہیم احمد باتوں کے دوران فراز سے اپنی بہن کیتھی کی گمشدگی کا ذکر کرتے پریشان ہوتا ہے جب ہی فراز اس کی مدد کرنے کے ارادے سے تمام کوائف جاننا چاہتا ہے اور ابراہیم کے نام سے نندنی کا نام سن کر وہ چونک جاتا ہے کیونکہ نندنی گریوال سے تو وہ بخوبی واقف تھا جب ہی دوسری طرف ایمان کے ہوش میں آنے کی خبر سن کر ان کی بات درمیان میں ہی رہ جاتی ہے۔ بابا جان اور دیگر افراد بھی ایمان سے ملنے پہنچ جاتے ہیں جبکہ ایمان ان سب کو سامنے پاکر نہایت خوش ہوتی ہے۔ امامہ کی وقاص سے شادی کا سن کر اسے حیرت ہوتی ہے لیکن لاریب وقاص کے رویہ کی تبدیلی کا بتا کر اسے اطمینان دلاتی ہے جبکہ دوسری طرف لاریب کی سکندر سے شادی بھی ایمان کے لیے کافی حیران کن بات ثابت ہوتی ہے لیکن لاریب ایمان کو مزید پریشانیوں سے بچانے کی خاطر اپنے خوش ہونے کا تاثر دیتی ہے۔ سکندر ان تمام حالات میں خود ترسی کا شکار ہوجاتا ہے کہ اسے کسی نے بھی خوشیوں میں شریک نہیں کیا جب ہی بابا جان سکندر کے دفتر پہنچ کر اسے حیران کردیتے ہیں۔ اس کارنامے کے پیچھے بھی فراز کا ہاتھ ہوتا ہے وہ ہی انہیں یہاں تک لاتا ہے۔ شرجیل کا یکسر بدلا ہوا انداز ایمان کو نئی خوشی فراہم کردیتا ہے۔ دوسری طرف ابراہیم احمد کا فون عباس کو سخت اشتعال میں مبتلا کردیتا

ہے۔ فون بند کر کے وہ کڑے تیوروں میں فاطمہ سے استفسار کرتا ہے کہ ابراہیم کون ہے اور امریکا نژاد یہ شخص اسے کس حیثیت سے جانتا ہے۔ فاطمہ عباس کے روپ میں سخت گیر شوہر کو دیکھ کر بوکھلا جاتی ہے اسے لگتا ہے کہ وہ اپنی صفائی میں کچھ بھی نہ بول پائے گی کیونکہ ابراہیم نامی کسی شخص کو وہ جانتی تک نہ تھی۔

(اب آگے پڑھیے)

"وہ ملنے آیا ہوا ہے تم سے...... چلو۔" عباس کے لہجے میں غیر معمولی سختی اور سرد پن تھا۔ اس نے اس کا بازو کہنی سے پکڑ کر اسے دروازے کی جانب دھکا دیا۔ فاطمہ لڑکھڑائی۔ وہ اتنی خوف زدہ تھی کہ اس پل اس کی ہر صلاحیت اس کا ساتھ چھوڑ چکی تھی۔ عباس انتہائی جارحانہ طریقے سے تقریباً گھسیٹتا ہوا اسے ساتھ لایا تھا۔

"ابھی تمہارے سارے سچ اور جھوٹ کھل کر سامنے آجائیں گے۔ لیکن یاد رکھو، اگر تم جھوٹی نکلیں تو میں جان سے مار ڈالوں گا تمہیں۔" ڈرائنگ روم کے دروازے پر رک کر عباس نے اسے تیز نظروں سے گھورتے ہوئے کہا۔ لہجہ انتہائی تلخ تھا۔ فاطمہ نے ہراساں نظروں سے اسے دیکھا۔

اس کی نظر کسی مجرم کی مانند جھکی ہوئی اور رنگت زرد ہو رہی تھی۔ ابراہیم نے اس ڈری سہمی مگر یکسر تبدیل حلیے والی اس نئی انوکھی کیتھرائن کو دیکھا جو اب فاطمہ تھی۔ جس کا لباس خالصتاً مشرقی اور شرم و حیا کے سب تقاضوں کے عین مطابق تھا۔ جو اپنے حسین و باوقار اور بے حد گریس فل ہم سفر کے پہلو میں کھڑی تھی۔ شعوری یا لاشعوری طور پر اس کے دل نے مشرف با اسلام ہونے کے بعد اپنی ماں سریتا دیوی اور اپنی بہن کیتھرائن کا ایسا ہی تصور قائم کیا تھا اس کا دل بے اختیار اللہ کے آگے سر بسجود ہوا تھا۔ اس کی ایک تمنا تو اس تعریفوں والے رب نے مکمل طور پر پوری کر دی تھی۔

"کیتھرائن...... نہیں، نہیں فاطمہ، فاطمہ تم نے مجھے پہچانا نہیں میں ابراہیم احمد ہوں تمہارا بھائی، بھول گئیں تم؟" وہ بے اختیار آگے بڑھا تھا اور جھکے سر والی خائف سی فاطمہ کے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔ اس پل وہ کچھ ایسا مشکور ایسا مسحور تھا کہ عباس کو یکسر فراموش کر گیا تھا جو ساکن کھڑا تھا۔ ابراہیم احمد کے الفاظ نے اسے خود اس کی نظروں میں عجب شرمندگی سے دوچار کر ڈالا تھا۔ اس نے الجھ کر ایک خفت بھری نگاہ فاطمہ پر ڈالی، وہ خاموش لب بھینچے دونوں بہن بھائی کا ملاپ دیکھتا رہا۔ جو واقعی اس وقت اسے فراموش کر چکے تھے۔

اس نے خوشی سے نہال ہوتی فاطمہ کو دیکھا شک و شبہ کی گنجائش ہی کہاں تھی اس شفاف لڑکی کا کردار بھی اس کی صورت کی طرح بے داغ تھا۔ وہ اس پر شک کر کے ہمیشہ شرمندہ ہوا تھا اور یہ لڑکی ہمیشہ کی طرح سر بلند باوقار کھڑی تھی۔

"ڈیڈ کیسے ہیں بھائی، مجھے سب سے زیادہ وہی یاد آتے ہیں۔" اس نے پھر فاطمہ کو دیکھا جو ابراہیم کے بازو سے لگی بیٹھی تھی جیسے کوئی بے حد آسودہ اور بے فکری لڑکی ہو۔ تب ہی ابراہیم اس کی جانب متوجہ ہوا اور یکدم خجل ہوا مگر پھر تپاک سے اسے ملنے لگا۔

"آئی ایم سوری ایکچولی اتنی ایکسائٹمنٹ تھی کہ میں آپ......!" ابراہیم احمد نے اس سے مصافحہ کرتے ہوئے سلام کے بعد اسی خجالت آمیز انداز میں کہنا چاہا تو عباس آہستگی سے مسکراتا اس کا ہاتھ تھپک کر رہ گیا۔

"اٹس آل رائٹ میں سمجھ سکتا ہوں، تشریف رکھیے آپ۔" ابراہیم احمد کی شخصیت میں کچھ ایسا وقار ایسا دبدبہ اور مقناطیسیت تھی کہ عباس اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکا کچھ دل پر جمے میل کے دھل جانے کے باعث شرمندگی کا فطری سا تاثر بھی تھا۔ اس نے بہت گرمجوش انداز میں ابراہیم احمد کا ہاتھ تھام لیا اور صوفے پر بٹھایا۔

"فاطمہ کے حوالے سے آپ سے ملنا مجھے روحانی مسرت سے ہمکنار کر رہا ہے، عباس صاحب! مجھے خوشی ہے میری بہن کا شریک حیات ایسا بھرپور اور شاندار ہے

شکر ہے اللہ کا، ورنہ میں واقعتاً اس کی جانب سے فکر مند تھا اللہ آپ کو ہمیشہ شاد و آباد رکھے کتنا عرصہ ہوا آپ کی شادی کو؟'' ابراہیم احمد اپنے مخصوص انداز سے ہٹ کر گفتگو کر رہا تھا۔ فاطمہ مسکراتی نظروں سے اسے دیکھتی رہی۔

''بہت زیادہ عرصہ تو نہیں ہوا ہمارے دو بچے ہیں ماشاء اللہ فاطمہ بچوں کو ان کے ماموں سے نہیں ملوائیں گی آپ؟'' عباس حیدر کے جواب نے فاطمہ کو ششدر کر ڈالا تھا صاف ظاہر تھا کہ وہ اس پر بھی دوسری شادی والا معاملہ عیاں نہیں کرنا چاہتا تھا۔ عجیب تھا یہ شخص کبھی مہربان تو کبھی سرے سے ہی ناآشنا۔

''سلیم سے چائے کا بھی کہہ دیجیے گا۔'' عباس نے نرمی سے ٹوکا۔

❁ .... ❁ .... ❁

''ہم کل چل رہے ہیں گاؤں، وہیں سے باقاعدہ تمہاری رخصتی ہوگی سکندر کے ہمراہ۔ بابا جان نے بتایا ہے مجھے کہ تم بہت پرابلم کری ایٹ کرتی رہی ہو ان کے لیے۔'' ایمان کے کہنے پر وہ سر جھکائے بیٹھی انگلیاں مسلتی رہی، سکندر کل بھی آیا تھا یہاں ایمان کی خیریت دریافت کرنے وہ دانستہ یا نادانستہ سامنے نہیں آئی۔ اب پتا نہیں یہ جھجک گریز اور حیا تھی یا پھر شرمندگی کا کوئی تاثر، اس نے یہ بھی نہیں سوچا تھا سکندر اس کے متعلق کیا تاثر لے کر یہاں سے گیا ہوگا۔

''وہ اچھا انسان ہے لاریب، سب سے بڑھ کر بہت محبت کرتا ہے تم سے، محبتوں کی قدر تو کرنی چاہیے نا یا پھر میں سمجھوں کہ تم ابھی تک......!''

''پلیز باجو...... مجھے مزید کانٹوں پر مت گھسیٹیں۔'' اس نے کہا تو ایمان نے سرد آہ بھری۔

''چلو تمہاری وجہ سے ہی سہی مگر سکندر کو اس کی اصل پہچان اور مقام تو مل گیا لیکن سن لو اب تم انہیں ہرگز بھی تنگ نہیں کرو گی۔'' ایمان اس کے ہمراہ مارکیٹ آئی تھی ضروری شاپنگ کے بعد اب اس کی برین واشنگ جاری تھی مگر اس آخری بات پر لاریب جھنجلا گئی تھی۔

''ہاں بالکل ہاتھ پیر باندھ کر ڈال دو مجھے اس شخص کے آگے تاکہ وہ پرانے بدلے تو چکا سکے۔'' اسے پتا نہیں کیوں اتنا غصہ آنے لگا تھا دل الگ بھرا جاتا تھا عجیب کیفیت تھی جسے وہ خود سمجھ نہ پائی۔ غم نہ خوشی بس ایک خالی پن تھا، ایمان اس کی کیفیات سے بے خبر تھی جبھی دھیرے سے ہنس دی۔

''یہ بات تم سکندر کے علاوہ کسی اور کے لیے کہتیں تو میں یقین کر سکتی تھی۔'' اس اندھے یقین پر لاریب کے دماغ میں انگارے سے سلگے، اس نے بھنا کر اسے دیکھا۔

''مجھے سمجھ نہیں آتی آخر اس شخص نے کیا گھول کر پلا دیا ہے آپ سب کو؟''

''محبت کو سمجھتے ہیں، ہم بس اتنی سی بات ہے، بہتر ہے اب تم بھی سمجھ لو، ویسے ایک بات ہے سکندر بہت بدل گیا ہے ریئلی، کل آیا تھا نا، میں تو حیران رہ گئی۔ اتنا گڈ لکنگ لگ رہا تھا کہ پہلی نظر میں پہچان ہی نہ پائی، خیر شاندار تو وہ ہمیشہ سے تھا مگر شخصیت پالشڈ ہونے کے باعث مزید چارمنگ ہوگئی ہے۔'' ایمان کے لہجے میں سچی ستائش کے رنگ تھے۔ لاریب نے دانستہ خاموشی اختیار کیے رکھی۔ ایمان کی اس بات سے تو وہ بھی سو فیصد متفق تھی۔ واقعی سکندر بہت تبدیل ہو گیا تھا ہر لحاظ سے اس نے اپنے کمرے کی کھڑکی سے اسے دیکھا تھا جانے کس جذبے سے مغلوب ہو کر بلیک پینٹ کوٹ میں ملبوس سانولی نکھری رنگت اور تیکھے کھڑے نقوش کے ساتھ غضب کی اسمارٹنس اسے پہلے سے بہت منفرد بہت الگ بنا رہی تھی۔ سب سے اہم چیز اس کی آنکھوں کی سرد مہری اور چہرے کی بے نیازی کا تاثر تھا۔ بہت سے منفی خیال تھے جو اسے بے چین کرتے تھے مگر وہ ہر بار سر جھٹک جاتی تھی۔

''ویسے ہے نا یہ مزے کی بات کہ ہم دیورانی جٹھانی بن گئی ہیں۔ شرجیل بتا رہے تھے سکندر کی خواہش ہے ہم سب مل کر ایک گھر میں رہیں۔'' ایمان کے مسکرا کر کہنے پر لاریب محض اسے دیکھ کر رہ گئی۔

"ہاں، اب وہ اس قابل تو ہے کہ دوسروں کے فیصلے کر سکے۔" اس نے سلگ کر سوچا۔

"مجھے بھوک محسوس ہورہی ہے آؤ پہلے کچھ کھاتے ہیں۔" ایمان نے اس کا ہاتھ پکڑا اور قریبی ریسٹورنٹ کی جانب بڑھ گئی۔ گلاس ڈور دھکیل کر اندر داخل ہوتے لاریب سے کوئی بہت عجلت میں باہر آتا زور سے ٹکرایا تھا کچھ ایسے کہ اس کے کان سے لگا ہوا سیل فون اس تصادم میں چھوٹ کر دور جا گرا۔ لاریب نے جھلا کر غصے میں سر اونچا کیا مگر منجمد ہوکر رہ گئی سکندر اس کے سامنے کھڑا اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ یہ اس کی اس پرتپش نگاہوں کا ہی احساس تھا کہ لاریب کی لانبی پلکیں لرز کر حیا بار انداز میں جھکی اور چہرے پر تمتماہٹ کی دھنک بکھرتی چلی گئی ایمان کی شرارت آمیز کھنکار پر سکندر صرف چونکا ہی نہیں خفت زدہ ہوکر رہ گیا تھا۔

"بھئی اب کیا کریں، ہم ہماری کوشش تو پوری تھی دلہن کو اچھی طرح سے دلہا سے چھپایا جائے مگر سارا کام ہی چوپٹ ہوگیا۔" ایمان کی مچلتی مسکان اور شریر نظریں لاریب کو پوری طرح کنفیوز کرنے کا باعث تھیں جبھی اس نے غیر محسوس انداز میں ایمان کے وجود کی آڑ لی تھی۔ البتہ اس کے برعکس سکندر اس وقتی کیفیت سے نکل کر بے حد نارمل بلکہ بے حد سنجیدہ نظر آرہا تھا وہی گمبھیر سنجیدگی جس میں کل بھی اس نے سکندر کو پایا تھا۔

"آپ کی طبیعت ٹھیک ہے اب؟" ایمان سے محو گفتگو وہ بہت خوبی سے لاریب کو نظرانداز کررہا تھا جس کی پلکیں لرزتی تھیں اور اوپر نہیں اٹھتی تھیں ایمان دھیرے سے ہنس پڑی۔

"یہ سوال تو تمہیں میرے بجائے لاریب سے کرنا چاہیے تھا کل بھی تم اس سے نہیں مل پائے تھے۔ موقع اچھا ہے کرلو اس سے دو باتیں۔" سکندر نے دیکھا ایمان کی آنکھیں بھرپور شرارتی انداز میں جگمگا رہی تھیں وہ کم از کم اسے ہرٹ نہیں کرسکتا تھا۔

"ایسے تو بہت مواقع آئے بھی اور آئیں گے بھی آپ

اپنا خیال رکھیے گا چلتا ہوں کچھ جلدی ہے۔'' وہ گھڑی دیکھ رہا تھا ایمان نے بھنویں اچکا کر لاریب کی طرف نظر کی جو جھکے سر جھکی پلکوں کے ساتھ گریزاں سی کھڑی تھی۔ اسے اپنی اس کیفیت پر جھنجلاہٹ بھی ہورہی۔

''کیوں نہیں، لیکن بہتر ہوتا تم ہمارے ساتھ ٹھہرتے، سکندر میں لاریب کا ویڈنگ ڈریس بھی لے رہی ہوں اپنی پسند کا کلر ہی بتادو۔'' ایمان نے پھر اسے گفتگو میں گھسیٹا تو وجہ یہی تھی اسے ان کے معاملات کی گمبھیرتا کا اندازہ نہیں تھا سکندر جو معذرت کرنے والا تھا اس آخری فقرہ پر چونک کر متوجہ ہوا۔

''ان تکلفات میں پڑنے کی کیا ضرورت ہے ہماری باقاعدہ شادی ہوچکی ہے شاید آپ کو پوری بات معلوم نہیں۔'' لاریب پر ایک جھنجلائی اور جھلستی نظر ڈال کر وہ بظاہر نارمل انداز میں کہہ رہا تھا تو ایمان کا ہی لحاظ تھا ورنہ اس کے لہجے میں جو سرد مہری تھی وہ لاریب ضرور محسوس کرسکتی تھی۔

''لیکن میں نے لاریب کو دلہن بنے نہیں دیکھا تھا اب ہم باقاعدہ دلہن بنا کردیں گے تمہیں اپنی لڑکی۔'' وہ اسی مگن و سرشار انداز میں ہنس کر کہہ رہی تھی۔ سکندر نے ہونٹ بھینچ لیے ایک بار پھر معذرت چاہی اور پلٹ کر چلا گیا۔ لاریب پر کوئی خصوصی نگاہ ڈالے بنا۔ لگتا ہی نہیں تھا یہ وہی سکندر ہے لاریب کے اندر پہلے حیرانی پھر سناٹے اترنے لگے۔

''دیکھا تم نے کتنا گریس فل اور شاندار ہورہا ہے اپنا سکندر، اب بالکل جچے گا تمہارے ساتھ، یہاں تک کہ تم پورے فخر سے اسے عباس حیدر سے بھی متعارف کرا سکتی ہو۔'' ایمان کی بات پر لاریب نے کسی کرب سے گزرتے ہوئے بے دردی سے ہونٹوں کو کچلا تھا۔

❁.......❁.......❁

عباس کھڑکی میں کھڑا لاؤنج میں بچوں کے ساتھ مصروف فاطمہ کو دیکھ رہا تھا۔ دیا اس کی گود میں تھی جبکہ اسامہ اپنے کھلونوں میں مصروف، صاف ستھرے بے حد پیارے بچے وہ خود نیٹ اینڈ کلین، ابھی کچھ دیر پہلے نہائی تھی غالباً جبھی ہلکی نمی لیے بالوں کا سیاہ آبشار پشت پر سیدھا گرتا اس کی دلکشی و سحر انگیزی میں اضافے کا باعث بن رہا تھا۔ وہ اسے دیکھے گیا۔ کیا تھی وہ بے حد عجیب و منفرد کم از کم اس کی سمجھ سے تو بالاتر تھی۔ اگر محض اس کی خاطر وہ ہر نقصان جھولی میں ڈال کر راستے کی ہر مشکل کو عبور کرآئی تھی تو دریا کے پاس پہنچ کر یہ قناعت، یہ صبر انوکھا تھا سمجھ میں قطعی نہ آنے والا کم از کم اس میں تو اتنا صبر نہیں تھا۔ اسے عجیب سا احساس گھیرنے لگا۔ اس کی آنکھیں نم ہونے لگیں تو اس نے رخ پھیرا اور کھڑکی سے ہٹ کر الماری کھول کر کھڑا ہوگیا۔ مہرون مخملیں جلد کے سنہرے رنگ سے مزین البم میں عریشہ کی لاتعداد تصویریں یادگار کی صورت میں موجود تھیں۔ اس کے دل کے داغ لو دینے لگے۔ اس کی سحر طراز آنکھیں سے آنسو گرنے لگیں۔

''میں تمہیں نہیں بھول سکتا عریشہ میں تمہاری جگہ کسی اور کو نہیں دے سکتا۔'' عریشہ کی ایک ایک تصویر کو بار بار چومتا وہ پھر حال سے بے حال تھا وہ پھر خود کو فراموش کررہا تھا۔

''میں تم سے شرمندہ ہوں میں نے تمہاری ناپسندیدگی کے باوجود اس لڑکی کو اپنی زندگی میں شامل کرلیا وہ میری خوشی کبھی نہیں تھی۔ وہ میری خوشی کبھی بن بھی نہیں سکے گی۔ وہ جیسے میری مجبوری تھی جیسے ہے ویسے ہی رہے گی۔ عریشہ پلیز میرے اس عمل پر مجھ سے خفا نہ ہونا۔'' وہ اسی وحشت کے حصار میں تھا جب اس کا سیل فون گنگنانے لگا۔ عباس نے توجہ نہیں کی دل درد سے بوجھل تھا اور وجود میں نارسائی اور دائمی جدائی کا احساس اپنے نوکیلے پنجے گاڑھ رہا تھا۔ فون پانچویں بار پھر بجنا شروع ہوا، اسے نا چاہتے ہوئے بھی اٹھنا پڑا۔

''السلام علیکم!'' اس نے کال ریسیو کی مگر لہجے کی نمی اور تھکن پر قابو نہیں پاسکا نمبر انجان تھا۔

''وعلیکم السلام، ساحر کیسے ہو، ملنے آرہا ہوں تمہیں گھر پر ہی ہونا۔'' دوسری جانب سے بڑے نخوت بھرے انداز

اور روکھے لہجے میں گفتگو کا آغاز ہوا تھا۔ عباس نے بے طرح الجھ کر سیل فون کان سے ہٹا کر از سرے نو نمبر دیکھا۔

"آپ...... معذرت خواہ ہوں آپ...... پلیز اپنا نام بتانا پسند فرمائیں گے۔" اس کے بھاری لہجے میں ہچکچاہٹ در آئی تھی۔ دوسری جانب یکلخت گمبھیر سناٹا چھا گیا۔

"میں سعید احمد ہوں، عریشہ کا بھائی۔" لہجے کے طنز میں سرد مہری بھی شامل ہوگئی۔ عباس کے چہرے کے تاثرات میں بہت تیزی سے تبدیلی رونما ہوئی تھی۔

"فرمایئے کیسے یاد کیا آپ نے؟" اس کا لہجہ روڈ تھا۔ عریشہ کی موت اور اس کی غفلت کے بعد جو کچھ ہوا تھا اس کے بعد ان رشتوں کی گنجائش باقی نہیں رہی تھی۔ اس نے ملازموں کے بتانے پر کہاں یقین کیا تھا۔

عریشہ کے ساتھ ساتھ اس کا ہر حوالہ بھی اس کے لیے معتبر اور اہم تھا۔ ہر عیب ہر شک سے پاک، جبھی فاطمہ سے بچے واپس چھین کر اس نے اسی مان اسی زعم میں انہیں ننھیال کے حوالے کرنا چاہا تھا۔ تب وہ باتیں تمام تر حقیقت کی تلخی کے ساتھ اس پر واضح ہوگئی تھیں۔ جنہیں کسی اور کی زبانی سن کر اسے یقین نہ آسکا تھا۔ پھر اب دوبارہ سے بحال کیا جانے والا یہ رابطہ اس کی سمجھ سے بالاتر تھا۔

"آرہا ہوں تمہارے پاس، پھر بتا بھی دیتا ہوں۔" اب کہ انہوں نے کسی قدر بے تکلف انداز اور صلح جو لہجے میں کہا تھا عباس نے سیل فون کان سے ہٹا کر رابطہ منقطع کیا اور فون میز پر ڈال دیا۔ سگریٹ سلگا کر کش لگاتے ہوئے وہ سعید صاحب کی اس اچانک آمد کے مقصد کو سوچنے پر مجبور ہوا تھا۔ آدھے گھنٹے بعد ہی ملازم نے سعید کی آمد کی اطلاع دی تھی۔ عباس نے سگریٹ ایش ٹرے میں پھینکا اور اٹھ کر کھڑا ہوا۔

"السلام علیکم! کیسے مزاج ہیں۔" اسے ڈرائنگ روم کے دروازے سے اندر داخل ہوتے دیکھ کر سعید احمد اس سے بہت تپاک سے ملے اس کے برعکس عباس کا انداز لیا دیا اور سپاٹ تھا۔

"تشریف رکھیے۔" سلام کا جواب دیتے اس نے صوفے کی جانب اشارہ کیا۔

"اللہ کا شکر ہے تم اب ٹھیک ہو ساحر ورنہ چند ماہ قبل تو تمہیں دیکھ کر یہ کہنا محال تھا کہ تم پھر سے نارمل زندگی کی طرف پلٹ آؤ گے۔" سعید صاحب کے انداز میں اس کے سحر انگیز سراپے کے لیے واضح ستائش کا رنگ تھا۔ عباس خاموش رہا اسے ان کی اس بات کے ساتھ بہت کچھ ایک ساتھ یاد آیا۔ اپنی دیوانگی بھری وحشتیں، ان لوگوں کی خود غرضی، بے حسی اور سفا کی اور کسی نازک سے وجود کی ہمدردی و محبت سے لے کر تو جہ و بساط سے بڑھ کر قربانیاں بھی اس کی آنکھیں جانے کس احساس کے تحت جلیں، کس جذبے کے ساتھ سرخ تر ہوئیں، وہ منتظر رہا کہ وہ خود ہی اپنی آمد کے بارے میں بتانے کی زحمت کریں۔

"مجھے بچوں کی بہت فکر تھی ساحر، دراصل بچے اتنے چھوٹے ہیں کہ ماں کے بغیر نہیں رہ سکتے گورنس جتنی بھی اچھی سہی مگر بہرحال ملازمہ ہوتی ہے اور کبھی ماں ثابت نہیں ہوسکتی۔" وہ تمہید باندھ رہے تھے۔ عباس ہونٹ بھینچے سنجیدہ نظروں سے انہیں تکتا رہا۔ حالانکہ اس کے اندر بہت کھولن تھی۔ اس کے پاس ان کی سنگدلی اور بے حسی کو جتلانے کا یہ بہترین موقع تھا مگر عباس کے مزاج میں سطحی پن نہیں تھا وہ شروع سے اعلیٰ ظرفی کا قائل تھا یہ عادت اسے بہت سے مقامات پر شرمندگی سے بچا کر ایک ممتاز درجہ عطا کرتی رہی تھی۔

"میں علینہ کے متعلق سوچ رہا ہوں، دونوں بچے، بہن کی اولاد ہیں اس کے گویا اپنے ہی بچے سیانوں نے کہا ہے ماں مرے ماسی جیے، تمہارا کیا خیال ہے؟" اپنی بات کہہ کر وہ اسے تکنے لگے، ان کی بے شرمی، ڈھٹائی کمال درجے کی تھی عباس کا ضبط ہارنے لگا۔ اس کے ہونٹ بھینچے ہوئے تھے اور آنکھوں میں سرخیاں گہری ہورہی تھیں مگر وہ خاموش تھا سعید صاحب کو اس کی اس خاموشی سے الجھن ہوئی تھی۔

"کچھ کہونا ساحر۔" وہ اپنی جگہ جز بز ہونے لگے۔

''آئی تھنک آپ کو میری اور بچوں کی اتنی فکر کرنے کی اول تو ضرورت نہیں ہے پھر بھی آپ کی تسلی کے لیے بتا دوں کہ میں شادی کر چکا ہوں فاطمہ میرے بچوں کی بہترین ماں ثابت ہو رہی ہے آپ کو غالباً اور تو کچھ نہیں کہنا ہوگا۔'' سعید صاحب کے رنگ بدلتے چہرے کو اطمینان آمیز نظروں سے تکتا وہ جتنا پرسکون تھا سعید صاحب کو اسی قدر بے چینی نے آن لیا تھا۔

''کب کی تم نے شادی؟'' وہ شدید طیش میں ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑے ہوئے۔

''آئی تھنک یہ میرے پرسنل میٹر ہیں مسٹر سعید ضروری نہیں کہ میں انہیں تفصیلاً آپ سے ڈسکس کروں۔ سلیم مہمان کو چائے پیش کرو اور ان کے جانے کے بعد گیٹ اچھی طرح بند کر لینا۔'' اپنی جگہ چھوڑتے ہوئے اس نے سعید صاحب کو ایک ساتھ بہت کچھ جتلایا تھا۔ پھر خانساماں کو مخاطب کیا جو اس وقت چائے کے لوازمات سمیت پہنچا تھا ہتک اور ذلت کے شدید احساس نے سعید صاحب کو دہکا کر رکھ دیا۔

''بات سنو ساحر، تم ایسے نہیں جا سکتے۔'' عباس کو اٹھ کر دروازے کی سمت جاتے دیکھ کر سعید صاحب ایک طرح سے اس پر جھپٹے تھے اور اس کے کوٹ کا کالر پکڑ کر کچھ ایسے جارحانہ انداز میں کھینچا کہ عباس جہالت کے اس مظاہرے پر گرتے گرتے بچا تھا۔

''واٹ نان سینس مسٹر سعید، آپ کو ایٹی کیٹس کا بھی لحاظ نہیں ہے۔'' وہ زور سے دھاڑا سعید صاحب نے جیسے سنا ہی نہیں حقیقتاً ان کی ذہنی حالت بگڑ سی گئی تھی۔

''تم ایسا نہیں کر سکتے اللہ جانے کس عورت کو نکاح کر کے اٹھا لائے ہو ہم اپنے بچے کسی ناقابل بھروسہ انجان عورت کے سپرد کیسے کر سکتے ہیں۔ تم ذرا تو عقل سے کام لو ساحر، چھوڑ دو اس عورت کو اور......!''

''ایکسیوزمی مسٹر سعید ڈونٹ کراس یور لمٹس او کے، میں بتا چکا ہوں کہ یہ خالصتاً میرے ذاتی معاملات ہیں، اطلاعاً عرض ہے کہ وہ میرے بچے ہیں، میں ان کا باپ اور سرپرست ہونے کی حیثیت سے ان کے متعلق ہر فیصلہ کرنے کا حق محفوظ رکھتا ہوں بہتر ہے اب آپ تشریف لے جایئے۔'' سعید صاحب کا تحکم بھرا مداخلت کرتا انداز اسے بھڑکا گیا۔ جبھی وہ طیش کو دبائے اتنی تلخی سے بات کر رہا تھا۔

''تم نے بہت غلط کیا ساحر، مزید غلط تمہارا رویہ ہے میں بخشوں گا نہیں تمہیں، بتا رہا ہوں، بہت برا انجام سامنے آئے گا تمہارے یاد رکھنا۔'' سعید کے لہجے میں سفاکی در آئی تھی۔ مگر عباس متاثر نہیں ہو سکا۔

''بہتر ہے آپ یہ دھمکیاں کسی اور کو دیں، جایئے یہاں سے۔'' عباس ان کے انداز و اطوار پر بھپر سا گیا تھا۔ سعید صاحب تن فن کرتے سنگین نتائج کی دھمکیاں دیتے رخصت ہو گئے تھے عباس پلٹا تو اس کی سبز آنکھوں میں ہلکا سا تفکر چھلک آیا تھا۔ عریشہ کی فیملی کی نفسیات کو سمجھتے ہوئے کسی بہتر حکمت عملی اور احتیاط کو اپنانا ضروری تھا۔ وہ اب مزید کسی نقصان کا متحمل نہیں ہو سکتا تھا۔

جس طرح نازک حالات میں ان لوگوں نے یہاں لوٹ مار کی تھی اس سے وہ اندازہ تو کر سکتا تھا ان لوگوں کے نزدیک رشتوں سے زیادہ دھن دولت اہم تھی۔ عریشہ سے بھی وہ اسی دوران مہنگے ترین تحائف وصول کرتے تھے۔ آئے دن منعقد ہونے والی برتھ ڈے اور اینورسری، نیو ایئر اور دیگر فضول پارٹیز میں۔ عریشہ اپنے بہن بھائیوں اور ماں کو نہ صرف ہوٹلنگ کراتی بلکہ تحائف میں گولڈ کی چیزیں فراخدلی سے دے دیا کرتی عباس نے بھی ٹوکنا مناسب نہیں سمجھا تھا۔

عریشہ اس کے لیے سب کچھ تھی وہ معمولی گھر کا فرد نہیں تھا کہ ان باتوں کو ایشو بنا کر اس سے جھگڑا کرتا مگر اس وقت اسے برا ضرور لگا تھا جب عریشہ نے وہ قیمتی نیکلس بھی علینہ کو صرف اس وجہ سے دے دیا تھا کہ علینہ کو وہ پسند آ گیا تھا اس روز وہ عباس کے کہنے پر تیار ہوئی تھی تو عباس نے اسے وہی نیکلس پہننے کا کہا تھا۔

''یار چیزیں الماریوں میں بند کر کے رکھنے کو تو نہیں

دیتا تمہیں، کم از کم ایک بار تو پہن کر دکھایا کرو مجھے۔‘‘ اور جواب میں وہ کیسے بے فکرے انداز میں ہنسنے لگی تھی۔

’’اب میں کیسے پہن سکتی ہوں عباس، وہ تو علیز نے لے لیا ہے۔‘‘ اور عباس ٹھٹک گیا تھا وہ سلور گولڈ کا نیکلس تھا جس میں ڈائمنڈ لگے ہوئے تھے عباس نے کتنی چاہت سے اس کے لیے دبئی کے مہنگے ترین شاپنگ مال سے خریدا تھا اور عریشہ کے نزدیک اس کے لاکھوں کی مالیت کے محبت سے خریدے گئے تحفے کی اتنی سی قدر تھی کہ بہن کو تھما دیا تھا۔

’’واٹ؟‘‘ وہ حیرت سے چیخا تو عریشہ آنکھیں پھیلا کر اسے کتنے غصے سے تکنے لگی تھی۔

’’اس کی مالیت کا شاید اندازہ نہیں تھا تمہیں عریشہ کہ تم......!‘‘ مگر عریشہ نے اس کی بات پوری نہیں ہونے دی تھی۔ کتنا بھڑک اٹھی تھی وہ یکدم۔

’’کتنی ہلکی بات کر رہے ہیں آپ عباس، آپ کو شاید اندازہ نہیں ہے میں تو شرمندہ ہو کر رہ گئی ہوں علینہ سنے گی تو کیا سوچے گی بھلا میرے بارے میں کہ میرا شوہر جتنا مالدار ہے دل کا اتنا ہی کنجوس ہے۔ اف...... میری تو ساس نندیں بھی ساتھ نہیں کہ میں سمجھ لیتی یہ ان کے پڑھائے اسباق ہیں۔‘‘ عریشہ کا ردعمل اتنا شدید تھا کہ بجائے خود شرمندہ ہونے کے اس نے عباس کو خوامخواہ کی شرمندگی میں مبتلا کر ڈالا اور صرف یہیں پر اکتفا نہیں کیا تھا الٹا خود منہ پھلا کر بیٹھ گئی تھی۔ عباس کو ہی اسے جتن کر کے منانا بھی پڑا تھا۔

یہ عریشہ کا رویہ ہی تھا کہ چند ماہ بعد عریشہ کی والدہ نے چالیس لاکھ روپے ادھار مانگے داماد کو کاروبار کرانے کے بہانے تو عباس کو تمام تر ناگواری کے باوجود صرف عریشہ کی ناراضی سے بچنے کی خاطر رقم کا انتظام بھی کرنا پڑا تھا اور خوش اخلاقی کا مظاہرہ بھی۔ اس کے باوجود اس کے دل میں عریشہ کی جانب سے بدگمانی نہیں آسکی تھی تو وجہ یہی تھی کہ اس کی خالص اور کھری محبت بدگمانی شکوک اور تلخی کی گنجائش نہیں رکھتی تھی لیکن وقت اور حالات نے ثابت کیا تھا کہ اس کی تمام تر اعلیٰ ظرفی کے باوجود کم حوصلہ مفاد پرست لوگ اپنی روش سے باز نہیں آتے۔

’’پپا...... پپا۔‘‘ اسامہ چھوٹے چھوٹے قدموں سے بھاگتا اس سے آ کر لپٹا تو عباس اپنی اذیت ناک سوچوں کے حصار سے نکلا اور خفیف سا چونکتے ہوئے اسامہ کو دیکھا پھر جھک کر نرمی سے اسے بانہوں میں بھر لیا۔ جو اپنی توتلی زبان میں جانے کیا کہنے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ ابھی ایک سال کا ہوا تھا اور مما پپا کے سوا کوئی لفظ بولنا نہیں سیکھ سکا تھا۔ عباس نے جھک کر اس کا گال چوما۔

’’اسامہ بیٹے چپس بن گئے ہیں آپ کے آ جایئے۔‘‘ فاطمہ اسے پکارتی ہوئی اندر داخل ہوئی تھی مگر اسے عباس کی گود میں پا کر وہیں دروازے کے پاس تھم گئی۔

’’بچوں کو پارک لے کر جانے کی ضرورت نہیں ہے چاہے کتنی بھی ضد کریں اس کے علاوہ گھر پر بھی محتاط رہنا، اوکے؟‘‘ عباس اسامہ کو اٹھائے اس کے پاس آ گیا۔ اسے دیکھے بغیر اسامہ کو اسے تھماتے وہ سنجیدہ لہجے میں ہمکلام تھا۔ فاطمہ چونکی اور پریشان کن نظروں سے اسے دیکھا۔ یوں جیسے کچھ کہنا چاہتی ہو مگر حوصلہ ناپید تھا۔

’’کوئی آ کر بچوں سے ملنے کا کہے تو منع کر دینا چاہے وہ کوئی بھی رشتہ دار ہو، سمجھ لیا۔‘‘ عباس کی اگلی تنبیہ ایسی تھی کہ فاطمہ کے الرٹ ہو جانے والے حواس اضطراب بھی سمیٹ لائے اس نے بے چین ہو کر پھر عباس کو دیکھا۔

’’سب خیریت ہے ناں؟‘‘ عباس کو یہ سوال ناگوار گزرا تھا۔ جبھی تیز نظروں سے اسے گھورا۔ فاطمہ کو فی الفور اپنی غلطی اور بے مائیگی کا احساس ہوا تھا۔

’’مجھے فضول سوال پسند نہیں ہیں جو کچھ کہا جائے بہتر ہے اس سے غرض رکھا کرو۔‘‘ فاطمہ نے خفت زدہ چہرے کے ساتھ سر کو اثبات میں ہلایا اور اسامہ کو لیے پلٹ گئی۔ عباس کسی متفکرانہ سوچ میں مبتلا سگریٹ سلگا رہا تھا۔

❁......❁......❁

چمن و باغ سب ہنس پڑے گل مسکرائے
بہت بہت شکریہ آپ تشریف لائے

اس کا استقبال امامہ نے بے حد پر جوش اور شرارتی مسکراہٹ کے ساتھ کیا تھا سکندر کے چہرے پر خفیف سی مسکراہٹ بکھرتی چلی گئی۔

"کیسی ہیں آپ چھوٹی بی بی؟" بابا سائیں سے ملنے کے بعد وہ اس کی سمت متوجہ ہوا تو اس کی روشن آنکھوں میں تبسم اتر رہا تھا۔

"الحمدللہ، آپ کے سامنے ہوں فٹ فاٹ، آپ سنایئے، ماشاءاللہ بہت جچ رہے ہیں۔" امامہ نے اسے سر تا پا دیکھا بلیک ٹو پیس میں اس کا دراز وجیہہ سراپا بے حد اٹریکٹیو دکھائی دیتا تھا وہ محض انکساری سے مسکرانے لگا۔

"میں آپ کا شکر گزار ہوں بابا سائیں کہ میری غیر موجودگی میں آپ نے بابا اور اماں کا خیال رکھا۔" سکندر کا بات کرنے کا وہی سابقہ انداز تھا۔ ویسا ہی قابل احترام لہجہ وہی جھکی ہوئی مودب نظریں وہ اب بھی ہر لحاظ سے وہی تھا۔ بابا سائیں کے ہر انداز سے اس کے لیے محبت چھلک رہی تھی وقت نے ثابت کیا تھا خدا کا یہ انتخاب بہترین تھا۔

"پہلی بات تو یہ ہے کہ اس میں شکریہ کی کوئی بات نہیں، یہ لاریب کی ذمہ داری تھی جو اس نے نبھائی میرا اس میں کردار بس اتنا ہے کہ تمہاری غیر موجودگی میں، میں نے بچی کو وہاں چھوڑنا مناسب نہیں سمجھا۔" بابا سائیں کے پر رسان انداز میں امامہ شرارتی انداز میں کھنکاری اور بھنوؤں کو جنبش دے کر اسے تکنے لگی۔

"تو اب آپ کو اگر شکریہ ادا کرنا ہے تو بجو کا کریں یا پھر گھر والی بات سمجھ کر نظر انداز کر دیں گے؟" وہ ہنس رہی تھی سکندر محض مروتاً مسکرایا تھا پھر اماں اور بابا سے ملنے کا کہتا وہاں سے اٹھ کر آ گیا اماں بابا کے قیام کے کمرے کی جانب بھی امامہ نے ہی اس کی رہنمائی کی تھی اور وہیں سے پلٹ گئی۔ دستک کو اٹھا سکندر کا ہاتھ اسی زاویے پر تھم گیا نیم وا دروازے سے اندرونی منظر نظر آ رہا تھا۔

"میں نے آپ کا بیگ تیار کر دیا ہے اماں، بابا جان بتا رہے تھے سکندر آپ کو لینے آ رہے ہیں بابا نہا لیں تو آپ بھی تیار ہو جایئے گا۔" بیگ کی زپ بند کر کے سیدھی ہوتی

وہ جیسے ہی پلٹی دروازے کی چوکھٹ پر سکندر کو کھڑے دیکھ کر جو رنگ اس کے چہرے پر اترے تھے وہ سکندر کو اپنی نظر کا دھوکہ محسوس ہوئے۔ بھلا اس کے روبرو وہ کیوں شرمانے لجانے لگی۔ اس کا تنفر اپنی جگہ قائم تھا۔ جبھی کچھ خاص تاثر دیے بغیر وہ بڑھ کر اماں سے ملنے میں مصروف ہو گیا تھا۔

"آپ خفا تو نہیں ہیں نا اماں کہ اتنا عرصہ میں آپ سے رابطہ نہیں کر سکا۔" لاریب کو نظر انداز کیے وہ پوری طرح سے انہی میں مگن تھا لاریب جھکی نظروں اور جھکے سر کے ساتھ ماں بیٹے کے لاڈ کا مظاہرہ دیکھ رہی تھی۔ اماں کے والہانہ انداز میں محبت بھی تھی خوشی وانبساط بھی وہ بار بار سکندر کی پیشانی چومتی اور دعاؤں سے نوازتی تھیں۔

"بابا کہاں ہیں؟" سکندر کے سوال پر اماں نے واش روم کی سمت اشارہ کیا پھر لاریب پر نظر ڈال کر سکندر سے مخاطب ہوئی تھیں۔

"بچی بھی چلے گی نا ہمارے ساتھ؟"

"آپ کی طبیعت ٹھیک رہتی ہے نا اماں اور بابا کیسے ہیں؟" سکندر نے دانستہ اس سوال کو نظر انداز کر ڈالا تو لاریب کو عجیب سے توہین آمیز احساس نے جکڑ لیا۔ اسے پورا یقین ہوا وہ دانستہ ایسا کر رہا ہے اس نے نگاہ بھر کے اس کے پرکشش مگر سرد مہر چہرے کو دیکھا اور ہونٹ بھینچے تیزی سے پلٹ کر کمرے سے نکل گئی۔

"بی بی جی۔" راہداری عبور کرتے ہوئے اس نے ملازمہ کی پکار پر تھم کر گردن موڑی۔

"جامعہ کی معلمہ عفیفہ خاتون آپ سے ملنے آئی ہیں، ڈرائنگ روم میں بٹھایا ہے۔"

لاریب نے گہرا سانس بھرا' گاؤں میں لڑکے اور لڑکیوں کے ہائی اسکول کے ساتھ دینی تربیت کے لیے مدرسہ کی بھی تعمیر جاری تھی۔ یہ سب کام لاریب نے ہی شروع کرائے تھے۔ عفیفہ خاتون جامعہ کی معلمہ تھیں گاؤں کی وہ بچیاں جو قرآن پاک ناظرہ یا حفظ کرنے کی خواہش مند تھیں ان کے لیے عارضی طور پر کسی کرائے کے گھر میں

باقاعدہ آغاز کیا جاچکا تھا عفیفہ اسی سلسلے میں لاریب سے اکثر ملنے آتی تھیں۔

"تم چائے بنا کر بھیجو اماں کے کمرے میں سکندر آئے ہوئے ہیں اور ادھر عفیفہ آپی کے لیے بھی۔" ملازمہ نے سر کو اثبات میں ہلایا اور مڑ گئی۔ عفیفہ خاتون کے ہمراہ ایک نوجوان لڑکی بھی تھی جو عربی ٹیچر کے طور پر اپلائی کرنا چاہ رہی تھی۔ لاریب کو پندرہ بیس منٹ وہاں لگے تھے جس وقت وہ انہیں رخصت کر کے واپس اپنے کمرے میں جارہی تھی اماں کے کمرے سے نکلتا سکندر ایک دم اس کے پھر سامنے آ گیا۔

"بات سنو لاریب۔" لاریب نے جیسے قدم بڑھانے چاہے سکندر نے ٹوکا تھا چہرے پر سنجیدگی کا مخصوص تاثر تھا۔ لاریب کا دل اچانک معمول سے ہٹ کر دھڑکا اور چہرے پر جانے کس جذبے کے تحت سرخی پھیل گئی۔ اس کی نظریں مستقل لاریب کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں لاریب کے دل کی دھڑکن تیز ہونے لگی۔

"باباسائیں کے اس فیصلے سے بے خبر تو نہیں ہوں گی آپ وہ آپ کو پھر میرے ساتھ بھیجنا چاہتے ہیں۔" سکندر کا لہجہ اس کے چہرے کی مانند دبیز سنجیدگی کی لپیٹ میں آیا ہوا تھا البتہ تمام تر اعتماد کے باوجود لاریب کنفیوژ ہورہی تھی۔ حیا کا بہت زورآور ریلا اسے خود میں سمٹنے اور سرخ پڑنے پر مجبور کر گیا تھا۔

"میں اس مرتبہ آپ پر ہرگز جبر نہیں چاہتا، الحمدللہ میری حیثیت پہلے کی مانند نہیں ہے کہ میں کوئی بات نہ منوا سکوں آپ بتائیں اگر آپ کو اس فیصلے پر اعتراض ہے تو......!" سکندر کا لہجہ سنجیدہ تھا۔ اس کے باوجود لاریب کو اس پل اس کا سامنا دشوار محسوس ہونے لگا وہ فطری طور پر حجاب کے حصار میں گھر گئی تھی۔

"مجھے ہرگز بھی کوئی اعتراض نہیں ہے شادی تو ہوچکی ہے ہماری، اب تو ایسا فارمیلٹی کے طور پر بھی نہیں ہوسکتا۔" اس نے جھکی نظروں کے ساتھ بے حد حقیقت پسندی سے جواب دیا تھا۔ وہ کہہ کر آگے بڑھ جانا چاہتی تھی کہ سکندر نے اس کا راستہ پھر روک لیا لاریب نے ایک پل کو حیران نظریں اٹھائیں۔

"باباسائیں نے تمام جائیداد آپ تینوں کے نام کردی ہے آپ کا حصہ مجھے دے رہے تھے مگر میں انکار کرچکا ہوں لینے سے، کیا اتنی سے بات یہ ثابت کرچکی ہے کہ مجھے آج ہی نہیں کبھی بھی آپ کی دولت وجائیداد سے کوئی غرض کوئی مقصد نہیں تھا۔"

سکندر جیسے ٹھان کر آیا تھا وہ اسے جتلا کر رہے گا ہر بات، اس کے خوفناک لہجے کی سنجیدگی نے لاریب کو صرف ہک دک نہیں کیا تھا ماضی کی کس شدت پسندانہ یاد نے وجود پر کوئی چابک بھی رسید کیا تھا وہ کسی قدر گم صم ہوکر یوں سکندر کو تکنے لگی جیسے اس سے اس بات کی توقع نہ کررہی ہو۔ سکندر نے جواباً سرد نظروں سے اسے دیکھا۔

"مجھے سمجھ نہیں آرہی مجھے اس موقع پر آپ کا شکریہ ادا کرنا چاہیے احسان مند ہونا چاہیے یا نہیں بہرحال آپ کی بدولت میں آج اس قابل ہوا ہوں کہ سر اٹھا کر آپ کے سامنے کھڑا ہوسکوں، مزید یہ کہ آپ مجھے باخوشی قبول کرسکیں۔" اس کا لہجہ گہرا طنز سموئے ہوئے تھا۔ لاریب ہونٹ بھینچے منجمد کھڑی رہ گئی۔ وہ ہرگز بھی اسے اس رویے میں غلط نہیں سمجھ سکتی تھی۔ شعوری یا لاشعوری طور پر سارا اعقاد ساری تلخی سکندر کے اندر اس کے بے جا اور شدید سلوک نے بھرا تھا۔ اسے ان آخری لمحوں میں سکندر کی مایوسی و دلگیری نہیں بھولی تھی۔ جب وہ اسے چھوڑ کر اپنی شناخت پانے کو جارہا تھا۔

"ابھی وقت گزرا نہیں ہے فیصلہ کیا جاسکتا ہے اگر میرے لیے گنجائش نہ نکلے تو اپنے وعدے کے مطابق آپ کی پسند کا فیصلہ کردوں گا اچھی طرح سوچ کر مجھے آگاہ کردیجیے گا۔" اپنی بات اس سرد مہر انداز میں کہہ کر وہ پلٹ کر مضبوط قدم اٹھاتا چلا گیا تھا۔ لاریب دیوار کا سہارا لے کر کھڑی ہوگئی۔ نقصان کا احساس بہت شدید تھا۔ جن آنکھوں میں اس نے ہمیشہ نرم جذبے دیکھے تھے ان میں حقارت و تلخی پانا بہت کٹھن تھا مگر اب یہ بھی طے تھا کہ اس

نے راستہ تبدیل نہیں کرنا تھا اگر یہ قدرت کا انتخاب تھا تو اسے قبول کرنے میں ہرگز کوئی قباحت نہیں تھی۔

❀......❀......❀

فاطمہ نے اپنے آس پاس گونجتے سناٹے کو محسوس کیا اور بے دم سی ہو کر بیٹھتی چلی گئی۔ اس کے دونوں گال ایسے دہک رہے تھے جیسے کسی نے آگ سلگا دی ہو۔ ابھی کچھ دیر قبل عباس حیدر کا ہاتھ پھر اس پر اٹھا تھا کتنا وحشت آمیز غیض بھرا مگر بے بس انداز تھا اس کا۔

''کہا تھا نا کہ کیئر فل رہنا مگر تم......!'' اس نے سرخ رنگت سمیت دانت بھینچے۔

''یاد رکھنا اگر میرے بچوں کو معمولی سا بھی گزند پہنچا تو تمہیں بھی زندہ نہیں چھوڑوں گا۔'' اسے زور سے جھنجوڑتا ہوا وہ کتنا حواس باختہ لگ رہا تھا۔ فاطمہ تو اتنی سہمی ہوئی تھی کہ جواب میں کوئی وضاحت کوئی صفائی بھی نہیں دے سکی۔ جبکہ عباس جیسے آندھی طوفان کی طرح آیا تھا۔ ویسے ہی راستے میں آئی ہر شے کو ٹھوکروں سے اڑاتا چلا بھی گیا فاطمہ تھر تھر کانپتی وہیں گرنے کے انداز میں بیٹھ گئی۔

کچھ دیر قبل اس کے گمان تک میں یہ بات نہیں تھی کہ اس پر کیا قیامت ٹوٹنے والی ہے۔ عباس کے جانے کے بعد اس نے معمول کے مطابق دونوں بچوں کو کھلانے کے بعد نہلایا اور انہیں لیے کچن میں آ گئی تھی۔ اپنے لیے ناشتہ تیار کرتے وہ سلیم سے دوپہر کے کھانے کا مینو سیٹ کر رہی تھی جب یکدم باہر شور برپا ہو گیا تھا۔

جس میں فائر کی آوازیں بھی شامل تھیں اس سے قبل کہ فاطمہ کچھ سوچ سمجھ سکتی ایک ہٹا کٹا آدمی ہاتھ میں ریوالور لیے وہیں گھس آیا تھا فاطمہ کی خوفزدہ چیخوں پر وہ حقارت زدہ تاثرات کے ساتھ اسے تکتے ہوئے سرد انداز میں غرا کر بولا۔

''سائیڈ پر کھڑی ہو جاؤ لڑکی، ورنہ جان سے ہاتھ دھو بیٹھو گی۔'' فاطمہ کے ہاتھ پیر ٹھنڈے ہونے لگے۔ جو خیال ان کے حوالے سے ذہن میں آیا وہ ڈکیتی کا تھا لیکن اس خوفناک مونچھوں والے کو بچوں کی جانب لپکتے دیکھ کر فاطمہ کے وجود میں بجلیاں بھر گئیں۔

''چھوڑو میرے بچوں کو، خبردار جو ہاتھ بھی لگایا انہیں۔''

وہ چیل کی طرح جھپٹی تھی مگر اس آدمی کا کھینچ کر مارا ہوا طوفانی تھپڑ فاطمہ کو کسی بے جان شے کی مانند اچھال کر کئی فٹ دور پھینک گیا۔ وہ کچھ اس طور تیورا کر گری تھی کہ حواس بحال نہیں رکھ سکی۔ پھر جب تک اس کے مختل حواس قابو میں آئے نقصان ہو چکا تھا۔ وہ وحشی انسان روتے بلکتے بچوں کو لے کر غائب ہو چکا تھا تمام ملازمین سراسیمہ جبکہ فاطمہ کی تو حالت ہی غیر ہونے لگی تھی۔ چند لمحے پتھرائی ہوئی نظروں سے اطراف میں دیکھتے رہنے کے بعد وہ ہذیانی انداز میں چلاتی ہوئی باہر کی جانب دوڑی تو ملازمہ نے بڑی مشکلوں سے اسے پکڑا تھا۔

''چھوڑو، وہ بچوں کو پتا نہیں کہاں لے گئے ہیں۔'' وہ حلق کے بل روتے ہوئے چیخی اس کا چہرہ سراسیمگی کا اشتہار بنا ہوا تھا اور لہجے میں آنسوؤں کی آمیزش کے ساتھ خدشات جھلکتے تھے۔

''سر کو فون کیا ہے میم، آتے ہوں گے وہ۔'' ملازمہ نے اپنے تئیں اسے تسلی سے نوازا مگر اس کا ہولتا دل کسی طور بھی قرار نہ پا سکا عباس کی متوقع خفگی کا خیال ہی سوہان روح تھا۔

''گارڈ کی موجودگی میں وہ غنڈے اندر کیسے گھس آئے؟'' آواز اس کے حلق سے پھنس کر نکلی تھی خوف ہر لمحہ اس کے وجود میں اپنے پنجے گاڑھ رہا تھا۔

''وہ گارڈ کو بھی زخمی کر گئے ہیں گولیاں لگی ہیں اسے احسان بابا اسپتال لے کر گئے ہیں۔'' فاطمہ کو ملازمہ کی اطلاع پر قدموں تلے زمین سرکتی محسوس کرنے لگی اگلے چند لمحوں میں جب عباس اس کے سامنے پہنچا تو اس کے فولادی چہرے کا خوفناک تلخ اور زہریلا تاثر دیکھ کر فاطمہ کی رہی سہی ہمتیں بھی جیسے جواب دینے لگی تھیں۔

''کیسے ہوا یہ سب تمہاری موجودگی میں کیسے لے گئے وہ میرے بچوں کو کہا بھی تھا میں نے کہ......!'' وحشت آمیز جنونی انداز میں اس نے فاطمہ کی سنے بغیر اس کے

چہرے پر پے در پے تھپڑ رسید کیے تھے فاطمہ اس کی ناراضی کی توقع تو رکھتی تھی مگر اس درجہ اشتعال آمیز تنفر کی نہیں۔ اگر مسلح گارڈ کچھ نہیں کرسکا تھا تو فاطمہ تو پھر ایک نازک سی بے حیثیت لڑکی تھی مگر یہ بات عباس کو کون سمجھاتا۔ اس کی نظروں کا دہکتا آتش فشاں فاطمہ کو لمحوں میں جلا کر خاکستر کر گیا تھا۔

"یاد رکھنا اگر میرے بچوں کو کچھ ہوا تو میں تمہیں بھی نہیں چھوڑوں گا۔" اس کی سرد غراہٹ میں چھپی وحشت سختی، تلخی اور جنوں خیزی فاطمہ کے حواس چھین کر لے گئی تھی۔ عباس کے چلے جانے کے بعد وہ کچھ دیر سراسیمہ کھڑی رہی تھی۔ آنکھوں میں موجود خوف جسم و جاں میں وحشت بھر رہا تھا۔ اس پل بات صرف خوف کی نہیں تھی وحشت بھی تھی بات اس طرح اس پر آئی تھی کہ تمام تر بے گناہی کے باوجود وہ مجرم گردانی جارہی تھی۔

عباس واقعی اسے بچوں کے حوالے سے محتاط کرچکا تھا۔ وہ جتنی بھی لاچار بے بس تھی مگر مجرم تو تھی۔ خوف کے عالم میں وہ دیوار کے ساتھ نیچے کارپٹ پر بیٹھ گئی۔ دونوں بازو گھٹنوں کے گرد لپیٹتے وہ کانپ رہی تھی۔ بے کسی کا یہ ایسا عالم تھا کہ ایک بار پھر چہار سو اندھیرا چھانے لگا۔ ایک تاریک دلدل، جس میں وہ ہر لحہ نیچے دھنستی جارہی تھی معاً اس کی آنسوؤں سے چھلکتی متوحش نظریں ٹھٹک گئیں۔ سامنے دیوار پر سنہری سینری میں آویزاں آیت کریمہ اس کی توجہ اس اندھیرے میں چمک کر اپنی جانب مبذول کرانے لگی۔

"اور مدد حاصل کرو صبر سے اور نماز سے، بے شک یہ بہت دشوار ہے مگر عاجزی کرنے والوں پر نہیں۔"

یہ تو اللہ کی دی ہوئی ہدایت اور ترغیب تھی اسے یکدم خدا یاد آیا وہ اللہ جو ہر مشکل میں ہر تکلیف میں ہی اسے یاد آتا تھا تو وہ بغیر کسی ہچکچاہٹ کے اس کے دربار میں حاضر ہوتی رہی تھی اور کامران لوٹتی رہی تھی۔ وہ اللہ تو اب بھی موجود تھا اور یقیناً اس کا منتظر بھی وہی ہر بار اسے بھول جاتی تھی اس کے اندر ایک نئی توانائی اترنے لگی۔ وضو کے ارادے سے اٹھ کر واش روم میں جاتے وہ ایک بار پھر اللہ سے مدد مانگنے اللہ سے فریاد کرنے والی تھی۔

❀......◈......❀

ایک بار پھر اسے بہت دھوم دھام سے رخصت کیا جارہا تھا۔ عداوتیں مٹ گئی تھیں تو دلوں میں پھر سے گنجائش نکل آئی۔ بڑی حویلی سے اماں جان کے علاوہ ان کی بیٹیوں نے بھی اپنے شوہروں اور بچوں کے ساتھ اس تقریب میں شرکت کی۔ لاریب سادگی چاہتی تھی مگر یہاں اس معاملے میں ایمان اور امامہ نے اس کی ایک بھی نہیں سنی جبھی اسے مہندی بھی لگائی جارہی تھی اور دیگر سنگھار بھی۔

ہر آسائش پوری تھی مگر لاریب کا دل خوشیوں اور واہموں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ سکندر کا رویہ اسے تشویش کے ساتھ خوف میں بھی مبتلا کررہا تھا۔ ایمان شرجیل کے ہمراہ جبکہ امامہ وقاص کے ساتھ موجود تھی۔ وقاص کا گریز اس کی جھکی نگاہیں اور شرمسار انداز امامہ کی سب باتوں کی صداقت کی گواہی دیتے تھے مگر وہ یقین کرنے پر آمادہ نہیں ہوتی تھی۔ وہ تو وہ ایمان بھی مضطرب تھی مگر دونوں میں سے کسی نے بھی وقاص کو کچھ جتلانا ضروری نہیں سمجھا تھا۔

اس کے ہاتھوں پیروں پر بنے مہندی کے نقش و نگار خشک ہوگئے تو لاریب ہاتھ دھونے اٹھ گئی۔ تولیے سے ہاتھ خشک کرتی وہ باہر آئی تو کمرا خالی تھا۔

اس کا سر بھاری سا ہو رہا تھا۔ چائے کی طلب محسوس کرکے وہ خود کچن کی جانب آگئی تاکہ کسی ملازمہ کو چائے کا کہہ سکے مگر اس سے پہلے ہی راہداری کے موڑ پر وقاص سے بالکل غیر متوقع سامنا ہوگیا تھا۔ اسے روبرو پاکر لاریب کے چہرے پر تلخی و ناگواری ابھری جسے محسوس کرتا وقاص بے اختیار ہونٹ بھینچ گیا۔

"پلیز لاریب میری بات تو سنیں۔" لاریب تیزی سے واپس مڑی تھی جب وقاص نے بے حد اذیت سے گزرتے اسے پکارا مگر وہ ان سنی کرتی تیزی سے بڑھتی چلی گئی۔ وقاص اس کے پیچھے جانا چاہتا تھا کہ اپنے دھیان

میں کمرے کا دروازہ کھول کر ایمان زارون کو اٹھائے باہر آئی تھی۔ دونوں ایک دوسرے کو یوں آمنے سامنے پا کر ٹھٹکے ایمان کے چہرے پر گھبراہٹ کے ساتھ ناگواری کا بھی تاثر ابھرا تھا جبکہ وقاص کی اضطرابی کیفیت بڑھتی چلی گئی تھی۔

''کیسی ہیں آپ، امامہ بتا رہی تھی آپ کی طبیعت......!''

''میں اب بالکل ٹھیک ہوں، ایکسکیوز می۔'' رکھائی کا بھرپور مظاہرہ کرتی وہ سائیڈ سے ہو کر گزرنا چاہتی تھی کہ وقاص نے پھر اسے بے چینی سے پکارا تھا۔

''مجھے آپ سے معذرت کرنی تھی ایمان اس سب پر جو......!''

''اب اس کی اتنی خاص ضرورت نہیں ہے، وقاص حیدر، میرا ذاتی خیال ہے کہ تمہیں جو ہمارا نقصان کرنا تھا کر چکے میں نہیں سمجھتی اس سیاہی کو اپنے منہ پر مل کر بھی میں اپنا بچاؤ کر پائی، امامہ کی صورت وہ نقصان دوگنا ہو کر پھر میری جھولی میں آن گرا۔'' اس کا لہجہ جتنا بھی تلخ سہی مگر اس میں آنسوؤں کی نمی کا تاثر غالب آ گیا تھا۔ وقاص کی رنگت واضح طور پر پھیکی پڑی اور چہرے پر تغیر چھا گیا۔

''آپ حق بجانب ہیں یہ سب سوچنے پر، مگر مجھے صرف ایک التجا کرنی ہے آپ سے ایک موقع تو دیں نا مجھے میں پوری کوشش کروں گا ان تمام شکایات کو دور کرنے کی۔'' اس کے ملتجی لہجے میں کسی درجہ نرمی و خفت تھی۔ ایمان کو پہلی بار اس کے لہجے و انداز کی تبدیلی کا احساس ہوا تو چونک کر اسے بغور دیکھا تھا۔ وہ تو سرتاپا تغیرات کی لپیٹ میں تھا۔ لباس سے لے کر بولنے چلنے اور تاثرات سمیت۔ اسے یاد تھا وہ کس طرح گردن اور سینہ تان کر کھڑا ہونے کا عادی تھا۔ اس کی ایکسرے کرتی نظروں سے وہ پناہ مانگا کرتی تھی۔ جو اس وقت مستقل جھکی ہوئی تھیں۔ اس کا لباس قیمتی ضرور تھا مگر اس میں سادگی تھی، چہرے کے تاثرات میں نرمی و حلاوت نے اس کی وہ خوب صورتی جو کرختگی اور تنفر کے باعث دب جاتی تھی اجاگر ہو گئی تھی۔ وہ اس تبدیلی کی وجہ سمجھنے سے قاصر رہ کر بھی اس کے لیے دل میں گنجائش رکھ کر سوچ رہی تھی۔

''موقع تو آپ کو مل گیا ہے وقاص صاحب امامہ سے شادی کر کے خود بخود۔ ہمارے لیے اس سے بڑھ کر کوئی اطمینان کی بات نہیں ہو سکتی کہ آپ امامہ کو خوش رکھیں اسے ہم سب نے نازک کلی بنا کر اپنے پاس رکھا تھا اب اگر وہ آپ کے پاس ہے تو ہماری امید اور خواہش کا مرکز آپ کو اللہ نے بنا دیا۔ یہی ریکویسٹ ہے خدارا اسے کبھی ہرٹ نہ کیجیے گا۔'' ایمان کے الفاظ نے وقاص کو گویا زندگی کی خوش خبری دی تھی وہ بے حد ممنون و مشکور انداز میں مسکرانے لگا۔

''آپ بالکل فکر نہ کریں اللہ نے چاہا تو میں آپ کی توقعات پر پورا اتروں گا، ان شاء اللہ۔''

''تھینکس وش یو گڈ لک۔'' ایمان نے مسکرا کر کہا اور آگے بڑھ گئی۔ وقاص کا دل اللہ کے حضور تشکر سے بھر گیا۔

❁......۞......❁

بارہ گھنٹے کی مسلسل بھاگ دوڑ اور دردسری کے بعد جا کر پولیس سعید احمد کی تحویل سے دونوں بچوں کو نکلوانے میں کامیاب ہو سکی تھی۔ اس دوران عباس کے اعصاب مسلسل کشیدگی کی زد پر رہے تھے۔ جیسے ہی ایس پی صاحب نے بچوں کو اس کے حوالے کیا وہ بے اختیار ریلیکس ہوا تھا باری باری دونوں بچوں کو اٹھا کر پیار کرتے وہ پولیس آفیسر کا شکریہ ادا کرتا کچھ ضروری کارروائی کے بعد واپس اپنی گاڑی میں بیٹھ گیا۔

بچے باپ کے پاس آ جانے کے باوجود سہمے ہوئے نظر آ رہے تھے عباس نے راستے میں گاڑی روک کر بچوں کو چپس چاکلیٹ اور جوس کے پیکٹ دلائے تھے تب جا کر وہ ذرا بہلے۔

''رضیہ بچوں کو ان کے کمرے میں لے جاؤ اور فیڈ کرانے کے بعد سلا دو۔'' عباس کمرے میں آیا تو فاطمہ اس وقت بھی جائے نماز پر بیٹھی ہوئی تھی اجلے دلکش چہرے پر ان چند گھنٹوں کے اندر زردیاں کھنڈ گئی تھیں عباس کو بچوں کے ساتھ آتے دیکھ کر اس کی بجھی ہوئی آنکھوں میں جیسے دیے جھلملا گئے تھے وہ تیزی سے اٹھ کر جیسے ہی بچوں

کی جانب آئی عباس نے اس پر تند و تیز نظر ڈالتے ہوئے ملازمہ کو مخاطب کیا تھا جو وہیں موجود تھی اور فاطمہ کو کچھ کھانے پر اصرار کررہی تھی جس نے خود پرتب سے پانی کا ایک گھونٹ بھی لینا حرام کرلیا تھا۔ فاطمہ عباس کے لہجے و انداز کی سرد مہری و بے رخی کو محسوس کرتی اپنی جگہ پر ہی پتھر کی ہوگئی۔

''ان کا خصوصی خیال رکھیے گا، میں مزید کوئی کوتاہی برداشت نہیں کرسکتا۔'' بچوں کو فاطمہ کے پاس جانے سے روکتا وہ قطعیت بھرے تحکم انداز میں رضیہ سے ہی مخاطب تھا۔ عباس کے تیوروں سے خائف ہوتی رضیہ روتے بلکتے بچوں کو لے کر چلی گئی جو فاطمہ کے پاس آنے کو مچلے رہے تھے۔

''تم کیوں کھڑی ہواب یہاں؟ میں اور میرے بچے بھی تمہارے بغیر بہت اچھی زندگی گزار سکتے ہیں۔'' کوٹ اتار کر پھینکتے ہوئے عباس نے اس کے سکتہ زدہ چہرے کو دیکھ کر تنفر آمیز انداز میں کہا اور گویا اس کو ایک بار پھر اس کی اوقات یاد کرائی فاطمہ نے آنسوؤں سے چھلکتی نظروں سے اسے ایک نظر دیکھا مگر اس کی کٹیلی نظروں کو محسوس کرتی ہونٹ بے دردی سے کچلتی رہی۔

''مجھے معاف کردیں پلیز میرا قصور......!'' اس کی بات ادھوری رہ گئی اس کا سیل فون گنگنانے لگا تھا عباس نے اس پر قطعی توجہ دیے بغیر کال ریسیو کی۔

''السلام علیکم اماں جان۔'' فاطمہ نے وحشت بھری نظروں سے اسے دیکھا۔ وہ اس سے، اس کی کیفیات و اذیت سے آج بھی اتنا ہی بے نیاز تھا جتنا ہمیشہ نظر آتا تھا۔ تمام فاصلے آج بھی برقرار تھے۔

''یہاں میں کچھ مسائل میں گھرا ہوا ہوں اماں جان آئی ایم سوری میں نہیں آسکوں گا۔ بلکہ میرا وہاں نہ آنا ہی زیادہ بہتر ہے۔'' وہ بری طرح سے جھنجلایا ہوا نظر آنے لگا۔ فاطمہ آنسو پونچھتی اسے دیکھے گئی۔

''آپ اتنی سی بات پر خفا کیوں ہوتی ہیں اماں جان، آپ کو کم از کم میرے مسائل کو تو سمجھنا چاہیے۔'' اس نے جھلا کر کہا پھر کچھ دیر دوسری جانب کی بات سنتا رہا ایش گرے سوٹ میں غضب کی مردانہ وجاہتوں کے ہمراہ اپنے نپے تلے انداز میں محوِ گفتگو یہ شخص ابھی بھی دل کی دھڑکنوں کو منتشر کرنے کی بھرپور صلاحیت رکھتا تھا۔

''یہ بھی ممکن نہیں تھا اماں جان، پلیز اسے آخری کوتاہی سمجھ کر معاف کردیں۔'' تھکے ہوئے انداز میں کہتا وہ بالوں میں ہاتھ پھیر رہا تھا۔

''اوکے فائن، تھینکس اماں جان، جی جی، السلام علیکم!'' اس نے سلسلہ منقطع کیا اور سیل فون بستر پر پھینکا اور خود شرٹ کے بٹن کھولتا ہوا جیسے ہی مڑا فاطمہ کو ہنوز وہاں موجود پا کر اس کی آنکھوں کی سرخی جیسے لہو میں بدلنے لگی۔

''تم......!'' اس نے دانت کچکچائے۔

''آخری بار معاف کردیں عباس، وعدہ کرتی ہوں آئندہ اپنی جان پر بھی کھیل کر......!''

''ان ڈائیلاگ کی ضرورت نہیں ہے سمجھیں، اور یہ آنسو بھی مجھے رام نہیں کرسکتے تمہارے حسن کے ہتھیار کی طرح یہ بھی بے کار ہے اندازہ تو ہوجانا چاہیے تھا تمہیں۔'' کتنا کاٹ دار لہجہ تھا اس کا فاطمہ شرم سے کٹ مری تھی رنگت بالکل فق ہوگئی۔ پتا نہیں وہ ہمیشہ اس کا نظریہ اس کے جذبات سمجھنے میں کیوں اتنا قاصر رہا تھا۔

''اب جاؤ یہاں سے کب تک یونہی سر پر سوار رہوگی؟ جانتا ہوں جو حماقت کی ہے تم نے اس میں سب کشتیاں جلا آئی ہو، مستقل عذاب بن کر مسلط رہوگی مجھ پر مگر فی الحال تو جان چھوڑ دو۔'' وہ اتنا ذہنی طور پر اپ سیٹ تھا کہ اس کی ہستی کو تاراج کرکے رکھ دیا اور احساس تک نہ کرسکا یہ تذلیل فاطمہ کو اندر تک ادھیڑ کر رکھ گئی تھی۔ ہر روز ایک نیا انداز اذیت کا ہر شب ایک نیا طریقہ سبکی کا ایجاد کرتا تھا یہ شخص کیا واقعی وہ اتنی ہی بھاری تھی اس پر؟

کیا واقعی وہ اتنا ہی بے زار تھا اس سے...... کیا وہ اس قدر نفرت کرتا تھا فاطمہ سے؟ وہ سوچتی رہی اور روتی ہوئی بے جان قدموں سے باہر آئی اور سیڑھیوں پر بیٹھ گئی۔ عجیب خالی پن تھا اس کی نظروں میں جیسے کچھ لمحے قبل

آخری پونجی بھی لٹادی ہو۔

تہی دست، تہی داماں ایسے لاچار انسان کی طرح جس کے سر پہ آسمان ہونہ ہی پیروں تلے زمین، کیا حماقت تھی کیا جنون تھا جس میں سب کچھ داؤ پر لگادیا...... ہستی کا غرور، عزت نفس، وقار اور...... اور اپنے سب پیارے بس اس ایک شخص کی خاطر جس نے اسے ہمیشہ اپنے جوتے کی نوک پر رکھا تھا اور بار بار ٹھوکریں کھائی تھیں، اس کے لیے سب کچھ تباہ کرلیا احساس زیاں اس کی آنکھوں سے قطرہ قطرہ بہنے لگا۔

سب سے بڑھ کر اللہ کے احکامات اللہ کی خوشنودی، اللہ کی رضا عباس اور اللہ کے درمیان چناؤ کا جب بھی موقع آیا اس نے اپنی اس نادانی اس حماقت و جذباتیت میں جنوں خیزی میں ہر بار اللہ کے بجائے عباس کو چن لیا تھا کیسا گھاٹے کا سودا تھا یہ پھر بھی بھلا ذلت اس پر مسلط نہ ہوتی؟ اس کی آنکھیں زار و قطار بہنے لگیں۔ اسے یاد آیا جب مسلمان ہونے کے بعد اس نے زینب سے نماز اور کلام پاک سیکھنے کا آغاز کیا انہی دنوں اس پر عباس کے بچوں کی ذمہ داری آ پڑی تھی اس نے نماز اور قرآن کو چھوڑا اور سرخوشی کی کیفیت میں بچوں کو سنبھال لیا۔ یہ اس کے نزدیک بہترین کامیابی تھی صدیوں کا ہجر بھولنے کے بعد وصل کی جانب بڑھتا ہوا رستہ۔

پھر دوبارہ جب عباس کی جانب سے ذلت و رسوائی پانے کے بعد اس نے اللہ کی طرف پلٹ جانا چاہا، ایک بار پھر اس پہ آزمائش آ پڑی، چاؤ کی آزمائش، اس نے پھر دنیا کو چنا اور دین کو چھوڑ دیا۔ بھلا اس سے بڑھ کر بھی اس کے لیے کوئی خوشی کامیابی اور کامرانی کی دلیل ہوسکتی تھی کہ عباس حیدر اس سے شادی کی خواہش لے کر آ گیا تھا وہ سپنا پورا ہونے جا رہا تھا جسے اس کی آنکھیں بھی دیکھنے سے ڈرتی تھیں وہ کیسے اچانک پورا ہونے جا رہا تھا۔ ایک بار پھر اس نے اللہ کی راہوں سے قدم واپس موڑ لیے ایک بار پھر اس کے ہاتھ میں اللہ کی رسی آئی مگر وہ گرفت مضبوط کرنے کے بجائے اسے چھوڑ بیٹھی...... مگر جب اللہ کی طرف سے بندے کو آگاہی ملتی ہے تو پھر گھٹا ٹوپ اندھیروں میں بھی جگنو جگمگانے لگتے ہیں۔ شمعیں جل اٹھتی ہیں۔ فاطمہ کے دل میں بھی یہی آگہی جاگ اٹھی تھی جبھی وہ ایسے چونک اٹھی جیسے گہری نیند سے جاگ گئی ہو۔

تاخیر سے سہی مگر بہر حال اس نے اپنی حقیقت پہچان لی تھی۔ اسے اس بات کی خوشی تھی رب نے اس کا شمار ان لوگوں میں نہیں ہونے دیا تھا جو ٹھوکر کھا کر گرنے والوں میں شامل ہوجایا کرتے ہیں۔

❁......✺......❁

ہر سو گہما گہمی تھی، مختلف رسومات کی ادائیگی کے بعد اریبہ اور سمعیہ اسے سکندر کے بیڈ روم میں چھوڑ گئی تھیں، وسیع و عریض شاندار بیڈ روم جس کا ماحول بے حد خوابناک لگ رہا تھا اس کے وجود کی روشنی سے بھی جگمگا اٹھا تھا گویا۔

لاریب نے تکیے سے ٹیک لگاتے ہوئے اطراف کا جائزہ لیا اور عجیب سے احساسات کا شکار ہوکر رہ گئی۔ رسموں کے دوران بھی اپنی کزنز کی ہنسی مذاق میں سکندر بے حد لیا دیا اور سنجیدہ محسوس ہوتا تھا۔ یہاں تک کہ اس کی منہ پھٹ کزن نے یہاں تک کہہ دیا تھا کہ وہ اس شادی سے خوش نہیں لگتا اور لاریب اس پل کتنی خائف ہوگئی تھی۔

لاریب نے سکندر کے سبھی رشتہ داروں اور ایمان کے سسرالیوں کو عجیب و غریب محسوس کیا تھا۔ ناک بھوں چڑھاتیں غیبتیں کرتیں عورتیں اور بدمزاج غصیلے مرد، وہ اب اندازہ کرسکتی تھی ایمان نے وہاں کس قدر کٹھن وقت گزارا ہوگا۔ وہ تو یہ سوچ کر خائف ہوئی جاتی تھی اگر سکندر نے ان عجیب و غریب لوگوں کو یہاں بھی اپنے ساتھ اس گھر میں رکھ لیا تو کیسے فیس کرے گی وہ ان سب کو جنہوں نے ایمان کو اس نوبت تک پہنچا دیا تھا مگر ان کو ذرا بھی جو شرمندگی یا ملال ہو، ایمان تندرست ہونے کے بعد ابراہیم احمد کے سمجھانے پر شرجیل کے یہاں ملنے گئی تھی مگر وہاں انہوں نے ٹھیک طرح بات کرنا بھی گوارا نہیں کیا، مگر ابراہیم احمد کی تاکید تھی کہ انہیں ان اہم رشتوں سے قطع تعلقی اختیار نہیں کرنی چاہیے اور ان کے حقوق بھی ادا

کرنے چاہیے۔ خود ابراہیم سریتا دیوی کی اتنی شدید نفرت کے باوجود ان سے ملنے جاتا تھا اور فون پر بھی خیریت دریافت کیا کرتا سریتا دیوی کے تمام تر ناروا سلوک کے باوجود وہ سمیعہ کو بھی وہاں ان کے پاس لے جانے کا ارادہ رکھتا تھا۔

یہ سب باتیں لاریب کو ایمان سے ہی پتا چلی تھیں۔ دروازے کے باہر قدموں کی چاپ کو پا کر لاریب کا دل ہی اچھل کر حلق میں نہیں آیا ہتھیلیاں بھی پسینے میں بھیگ گئیں۔ اگلے لمحے سکندر اندر آ گیا مگر اس کی جانب نگاہ ڈالتے ہی وہ یکدم بھڑک اٹھا تھا کچھ ایسے کہ اسے بھی اس آگ میں گھسیٹ لیا۔

''یہ روایتی شادی نہیں تھی جو آپ اس طرح بیٹھی ہیں میں حیران ہوں آپ میں اتنی تبدیلی کی وجہ کیا ہے آخر، آپ تو تب بھی میری اس طرح منتظر نہیں ہوئی تھیں جب آپ کو ہونا چاہیے تھا یاد ہے آپ کو ہماری شادی کی پہلی رات؟'' اسے بیڈ پر اپنے انتظار میں پا کر وہ تمام ضبط گنوا چکا تھا لاریب کی آنکھیں ایسے جل اٹھیں جیسے ان میں کسی نے مٹھی بھر مرچیں جھونک دی ہوں وہ خاموش تھی۔ اس کا خوب صورت چہرا ہر گزرتے لمحے متغیر ہوتا جا رہا تھا مگر سکندر کو ہرگز بھی اس سے کسی قسم کی ہمدردی محسوس نہیں ہوئی یہ لڑکی بہر حال کبھی بے بس نہیں ہو سکتی تھی کبھی ہار نہیں سکتی تھی وہ بھی اس کے آگے ابھی تو اس نے اسے بے بس کرنا تھا اسے ہرانا تھا۔

''میں جب تک باتھ لیتا ہوں تم اٹھ کر میرے لیے کافی بنا کر لاؤ میں سونے سے قبل کافی پینے کا عادی ہوں۔'' اسے پلکیں جھکائے آنسو ضبط کرنے کی کوشش میں ہلکان پا کر وہ زہر خند لہجے میں بولا جس نے ایک لمحے کو سہی مگر لاریب کو بھی ہونق کر دیا تھا۔ سکندر نے اس حیرانی اور استعجاب کو محسوس کر لیا تھا جبھی بولا تو اس کے خشونت زدہ لہجے میں تلخی و تنفر سمٹ آیا تھا۔

''کیوں، کچھ انوکھا کہہ دیا میں نے، یا پھر شادی میں کوئی گستاخی ہوگئی ہے؟'' اس کے لہجے کی برہمی اور حقارت ایسی تھی کہ تمام تر ضبط کے باوجود بھی لاریب کا دل اس درجہ بکی پر بھرا سا گیا۔ کچھ کہے بغیر وہ اٹھی تو زیورات بج اٹھے۔ سکندر نے ناگواریت سمیت اسے دیکھا۔

''یہ چوڑیاں وغیرہ ابھی اتار کر رکھ دینا مجھے ان کی جھنکار سے ڈسٹرب کرنے کی ضرورت نہیں۔'' ایک اور آرڈر جاری ہوا نخوت بھرا حتمی انداز لاریب کی بے بسی کو اشتعال میں ڈھالنے لگا مگر ہونٹ بھینچے وہ ضبط کے کڑے مراحل طے کرتی چوڑیاں اتار کر رکھنے لگی۔ وہ سکندر کا بدلا ہوا رویہ محسوس کر چکی تھی اور سوچ کر آئی تھی اگر وہ انتقام پر اترا ہے محبت کو بھلا کر تو اب اس کی باری ہے۔ اپنی محبت سے اپنا ضبط آزمانے کی وہ اس انتقام کو لازمی سہہ جائے گی۔ اس محبت کی خاطر جس کا ابھی آغاز ہی ہوا ہے اور جسے ابھی بہت دور تک سفر کرنا تھا۔ اب یہ اس کی قسمت تھی کہ یہ سفر کتنا سہل یا پھر کٹھن ہوتا ہے۔

وارڈ روب سے اپنے لیے نسبتاً سادہ لباس منتخب کرنے کے بعد اس نے ڈریسنگ روم میں جا کر اس دلہناپے کے تمام آثار مٹا دیے تھے جن سے سکندر کو کوئی دلچسپی محسوس نہیں ہوئی تھی اور ایسا کرتے اس کا دل خون کے کتنے آنسو رویا تھا۔ بے توقیری اور بے وقعتی کے احساس سمیت، یہ یکسر الگ قصہ تھا۔ وہ کچن کی سمت آئی تو اس کے چہرے پر اس کے اندر کی بربادی کا کوئی تاثر نہیں تھا۔ رات کے اس پہر بھی خانساماں کچن میں مستعدی سے مصروف عمل تھا تو یہ یقیناً شادی کا موقع ہونے کی بنا پر ہی تھا۔

''جی میم آپ کو کچھ چاہیے تھا تو انٹر کام پر آرڈر کیا ہوتا میں حاضر کر دیتا۔'' خانساماں چند گھنٹوں قبل بیاہی دلہن کو کچن میں خدمت پر مامور پا کر تمام حیرانی بامشکل ہضم کر کے اپنے فرائض کو چابک دستی سے نبھانے میں مصروف ہوا تھا لاریب بوجھل دل سے مسکرائی۔

''نہیں شکریہ آپ کا کافی میں خود بنا لوں گی۔'' وہ آگے بڑھ آئی۔ دس منٹ میں کافی تیار تھی لاریب ٹرے اٹھائے کچن سے نکلی اور دل ہی دل میں دعا گو ہوئی تھی خانساماں کے بعد اس کا یہ راز اور کسی پر آشکار نہ ہو

سکندر کوتو شاید ان نزاکتوں کا خیال تک نہیں تھا۔اسے زیر کرنے کواور بھی ایک سوایک طریقے تھے جن سے بھرم بھی قائم رہ سکتا تھا۔

"میں نے تمہیں صرف جیولری اتارنے کوکہا تھا وہ بھی چوڑیاں تم نے......!" وہ جھک کر ٹرے رکھ رہی تھی جب فریش ہوکرآنے والے سکندر نے گیلے بالوں میں ہاتھ پھیر کرنمی جھٹکتے ہوئے اس پر گہری پر حدت نگاہ ڈالی اور دانستہ بات ادھوری چھوڑ دی۔لاریب نے ہونٹ کچلےاور سیدھی ہوکر خاموشی سے پلٹنے کوتھی جب اچانک سکندر نے ہاتھ بڑھا کراس کی لودیتی سفید کلائی پکڑلی۔

"کسی کوسراہنے کے لیے آرائش وسنگھار کچھ اتنا بھی ضروری نہیں یہ کام ویسے بھی باخوبی نبھایا جاسکتا ہے۔" ہلکے سے جھٹکے سے اسے اپنے پہلو میں گراتا ہواوہ کسی قدر سردآواز میں کہتا گویا اس کی تائید چاہ رہا تھا۔لاریب کا رنگ پھیکا پڑااورآنکھیں جھلملانے لگیں لیکن وہ بولی اب بھی کچھ نہیں تھی۔

"صرف ایک کافی کا مگ کیوں؟" اس نے بھنویں اچکا کرسرد نظریں اس پر جمائیں،پھر ہنکارا ابھرا۔

"محترمہ اگرآپ کومیرے ساتھ جاگنا ہےتو پھراس کا انتظام بھی ہونا چاہیے تھا۔" وہ اسے لحہ لحہ سلگا رہا تھا جیسے باقاعدہ پلاننگ کرکے میدان میں اترا ہو۔دھیمے لہجے سے بھی اشتعال پھوٹ پڑتا تھا۔آنکھوں سے چنگاریاں پھوٹتی تھیں چہرے کی سردمہر کیفیت لاریب کو منجمد کیے جارہی تھی مگر وہ پھر بھی چپ تھی۔یہاں تک کہ سکندر نے ہاتھ بڑھا کر استحقاق آمیز انداز میں اس کی کمر کے گرد حمائل کیا اب وہ اس سے نزدیک تھی نزدیک تر،اس کی کمر کے گرد سکندر کا بازو کوئی آہنی شکنجہ تھا جو بےرحم ہوتا ہے یہ لمس کوئی انگارہ تھا جس کی دہکتی آگ لاریب کا پوراوجود جلا کر خاکستر کررہی تھی۔

"اب تمہیں اعتراض تو نہیں ہوگا آخراپنی مکمل رضا مندی سےآئی ہواب کی بار؟" وہ مسکرایا تو لاریب کے حلق میں آنسوگرنے لگے۔

شاید نہیں یقیناً سکندر اس کی جانب سے کسی مزاحمت یا پھراحتجاج کی توقع کررہا تھا مگرایسی کوئی صورت حال نہ پا کراس کے اندر جلتی آگ میں اضافہ ہوا جبھی اس کے ہر عمل میں جارحیت اورتلخی گھلتی چلی گئی تھی۔

❀......۞......❀

اسے اچھی طرح سے یاد تھا زینب نے کہا تھا کہ پریشان ہونا انسان کے انسان ہونے کی دلیل ہے لیکن پریشان رہنا انسان کے اللہ پر یقین نہ ہونے کی دلیل ہے۔اسے اس اعتراف میں اب عارنہیں تھا کہ وہ اللہ پر اعتمادیقین اور بھروسے کوکامل نہ کرپائی صرف شرمندگی ہی تو نہیں تھی دکھ وملال بھی تھا۔اس نے آخر کس سراب کے پیچھے زندگی تباہ کرڈالی تھی۔اسے زینب سے سنی بات پوری جزئیات سے یادآئی تو ہاتھوں میں چہرا ڈھانپے بلک پڑی۔

"مجھے معاف فرمادے مالک دو جہاں، مجھے معاف فرمادے۔" دیرتلک آنسو بہانے کے بعد بھی دل پر دھرا بوجھ ہلکا نہ ہوا تھا آج یہ کیسا غم آن لگا تھا اسے، یہ تاسف اس پرمزید گہرا ہوا جب اس نے بےحسی اور بےاعتنائی کے سابقہ انداز کو بحال رکھے عباس کو اپنے پاس سے گزرکر وہاں سے جاتے دیکھا وہ دھندآلودنظروں سے اسے جاتے دیکھتی رہی اور اپنے غم کوشدت سے محسوس کرتی اور بھی تڑپ گئی تھی۔

"جھڑکیاں دینے والا، رعب جمانے والا، دھمکیاں دینے والا بھول چکا ہوتا ہے کہ وہ بھی انسان ہےاوراسے اپنے جیسے انسانوں پررعب جمانے اور جھڑکیاں دینے کا کوئی حق نہیں ہے۔ہرنقلی استحقاق صرف غرورنفس کا دھوکہ ہےاورغرورانسان میں اس وقت تک نہیں آسکتا جب تک وہ بدقسمت نہ ہو،نصیب والے ہمیشہ عاجز ومسکین رہتے ہیں۔" عباس حیدر کے ہرلحہ فاصلہ بڑھاتے قدموں کو دھندآلودنظروں سے تکتے اس کے ذہن میں کبھی کی پڑھی ہوئی ایک بات روشن ہوکر جگمگانے لگی تو جیسے ہڑبڑا سی گئی۔

"مجھے اب مزید وقت ضائع نہیں کرنا۔" اس نے

سوچا اور وضو کے ارادے سے واش روم میں چلی گئی نماز ادا کرنے کے بعد اس نے دعا کو ہاتھ پھیلائے تو ایک بار پھر اس کی سماعتوں میں زینب سے سنے التجائیہ الفاظ گونجنے لگے جو وہ ہر نماز کے بعد مناجات کے طور پر پڑھا کرتی تھی۔

"اے اللہ میرے دل میں نور ڈال دے اور میری سماعت وبصارت میں نور ہو۔" اس کی آواز کی دلکشی سوز اور گداز جیسے اس پل اس کا بھی دل رقت سے بھرنے لگا۔ آنکھوں میں مچلتی نمی مچل مچل کر گال بھگونے لگی اس کے ہونٹ باقاعدہ لرزنے لگے۔

"اور میرے دائیں اور بائیں نور ہو اور میرے اوپر اور نیچے نور ہو اور میرے آگے اور پیچھے نور ہو اور میرے لیے نور بنا دے۔" ملازمہ دیا کو لے کر اس کے پاس آئی تو اسے جائے نماز پر بیٹھے دعا کے لیے ہاتھ پھیلائے زاروقطار روتے پا کر حیران ہوئی۔ وہ دنیا ومافیا سے بے خبر لگتی تھی۔ اسے ڈسٹرب کیے بنا ملازمہ بچی سمیت پلٹ گئی جبکہ فاطمہ بدستور گڑگڑا رہی تھی۔

"اور میری زبان اور میرے اعصاب میں نور ہو اور میرے گوشت اور میرے لہو میں نور ہو اور میرے بال اور کھال میں نور ہو اور میرے نفس میں نور ہو اور میری ہڈیوں میں نور ہو اے اللہ مجھے نور عطا فرما۔" اسے یہ بھی یاد آیا زینب کہتی تھی۔

"تیرا بہترین ہم نشیں وہ ہے جو تیرے عیب جان کر بھی تیرے ساتھ ہے اور وہ تیرے پروردگار کے علاوہ کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔" اسے لگا اس مقام پر جب عباس اس کا بن کر نہیں دیتا تھا جب اس نے اپنا ہر رشتہ چھوڑ دیا تھا اس مقام پر بھی وہ اکیلی نہیں کوئی ہے جو اس کے ساتھ ہے اور وہ اللہ کے سوا کون ہو سکتا تھا۔ وہ جو اس کی لغزشوں اس کی کوتاہیوں اس کی برائیوں سے بے خبر نہیں مگر پھر بھی ہر بار جب بھی وہ جو مانگتی وہ اسے عطا فرماتا رہا تھا اس کا صاف مطلب تھا عباس کو اس کی ضرورت نہ ہو مگر اللہ کو اس کی ضرورت تھی وہ کسی کے لیے اہم نہیں ہو سکتی تھی مگر وہ اللہ کے لیے اہم تھی۔

اس کا چہرہ آنسوؤں سے تر ہو گیا۔ روتے ہوئے اس کی ہچکیاں بندھ گئیں۔ مگر بے قرار دل کو کہاں قرار نصیب ہونا تھا۔ جائے نماز پر بیٹھی نو مسلم فاطمہ میں بالآخر اس تبدیلی کا آغاز ہو گیا جس کی بدولت برسوں قبل اس سے طلب اور خواہش کا یہ سفر شروع کرایا گیا تھا...... ایسی تبدیلی جو وحشت کے صحراؤں سے نکال کر آغوش محبت میں سمٹ جانے والے کے اندر اترتی ہے۔ وہی تبدیلی جو اندھیارے منہ بند غاروں میں آبلہ پا بھٹکنے والوں کو روشنی و آزادی نصیب ہونے پر سرخوشی بخشتی ہے۔ وہ وعدوں کو پورا کرنے والا رب ایک بار پھر اپنا وعدہ نبھا رہا تھا اس کے ایک قدم کے جواب میں ستر قدموں کا فاصلہ گھٹائے آج وہ اس سے کتنا قریب تھا کتنا نزدیک تھا کاش وہ دیکھ......

❀......✺......❀

وہ جھک کر بستر کی چادر بچھا رہی تھی اور اسے تکتی سکندر کی آنکھیں غضب کی حدتیں سمیٹ لائیں۔ لاریب کا کتنا نارمل انداز تھا۔ حالانکہ سکندر نے اس پر محض اپنی بڑائی اور نفرت جتلانے کو کسی بھی ستم ظریفی سے گریز نہیں برتا تھا پتا نہیں وہ ایسا منتقم مزاج کیوں ہو رہا تھا کبھی لاریب کی اکڑ اور نخوت سے اس کی جان جلتی تھی اور اب اس کی خاموشی وفرمانبرداری گراں گزر رہی تھی۔

(یہ سمجھوتے کے سوا اور کیا تھا سمجھوتہ جو ہر اس جگہ پر ہوتا ہے جہاں محبت نہیں ہوتی) اس کے دل سے کثیف دھواں اٹھنے لگا۔

"ناشتہ یہیں لے آؤں آپ کے لیے؟" لاریب نے اس کا پھیلاوہ سمیٹتے ہوئے اس سے نگاہ چار کیے بنا پوچھا تھا۔ اس کی سحر طراز آنکھوں کے حساس حصوں پر اتری سرخی اس کی شدت گریہ کی گواہی دیتی تھی۔

سکندر کے دل پر عجیب سی جھنجلاہٹ اترنے لگی۔ ایسا مجرمانہ احساس جس کو قبول کرنے سے ہی خائف تھا۔ وہ اب بھی بنا کوئی جواب دیے اس پر سلگتی نگاہ ڈال کر ایک جھٹکے سے باہر چلا گیا اور لاریب ہونٹ بھینچے ساکن کھڑی

رہ گئی اتنی ساکن کہ اسے ایمان کے وہاں آنے کی بھی خبر نہیں ہوسکی تھی۔

"کیسی ہو سوئٹ ہارٹ؟" ایمان نے بے حد محبت سے کہتے اسے پیچھے سے اپنے بازوؤں کے حصار میں جکڑا تو لاریب نے گھبراتے ہوئے باسرعت پلکیں جھپک کر ساری نمی اندر اتار لی۔

"سکندر کہاں چلا گیا، ناشتے کا بتاؤ یہیں لے آؤں؟"

ایمان کے سوال پر لاریب نے سر جھکالیا۔

"بہو اب باہر آجاؤ سب ناشتے پر تمہارے ہی منتظر ہیں ٹائم دیکھو ذرا، دس بج گئے ہم نے تو سنا تھا شہر کی لڑکیاں صبح دیر تک سونے کی عادی ہوتی ہیں مگر یہاں گاؤں کی تو اس سے بھی آگے نکلیں۔" یہ تائی ماں تھیں اپنے مخصوص کرخت لہجے اور بات دار آواز میں بات کرتی ہوئی اچانک مداخلت کر گئیں۔ ایمان تو خفت زدہ ہوئی ہی لاریب بھی سٹپٹا گئی۔

"آپ چلیے تائی ماں میں لاریب کو لا رہی ہوں۔"

ایمان نے گھبرا کر ان کی تشفی کرانی چاہی تھی۔ وہ لوگ جتنے بھی کرخت اور بے حس سہی مگر ایمان پہلے کی طرح اب بھی ان کے ساتھ نرمی و فرمانبرداری کا رویہ رکھ رہی تھیں۔ حالانکہ اس کی صحتیابی اور اتنی بڑی بیماری کے بعد پھر سے جی اٹھنے کو تائی ماں سمیت کون تھا جس نے خوشی و اطمینان کا اظہار کیا ہو۔

"اونہہ، لے کر آتی ہوں، بچی ہے یہ جسے گود میں اٹھا کر لاؤ گی دیکھو ذرا چونچلے۔" تائی ماں نے ناک بھوں چڑھانی ضروری سمجھی اور دونوں کے پھیکے پڑتے چہروں پر زہر آلود نظر ڈالتی پلٹ گئیں۔ ایمان نے شرمندگی چھلکاتی نظروں سے لاریب کو دیکھا جو خود بھی مضمحل سی کھڑی تھی اور خجل سی مسکرادی۔

"تم مائنڈ نہیں کرنا ان کی عادت ہی کچھ ایسی ہے۔" لاریب کے پاس اس بات کا بھلا کیا جواب تھا ایمان کے کہنے پر اس نے نسبتاً شوخ لباس پہنا تھا اور ہلکا پھلکا میک اپ کرنے کے بعد ٹیبل پر آئی تو ایمان کے علاوہ وسیع

اقتباس

"جب اپنا بہت عزیز بہت پیارا بچھڑ جائے تو انسان اپنے جینے کے جواز اپنے زندہ رہنے کے بے معنی ہی سہی لیکن بہانے ڈھونڈنے لگتا ہے تاکہ اگر ان سے کبھی وہ بچھڑنے والا ملے تو ان سے جینے کا جواز ان کی زندگی کا استفسار نہ مانگے اور مانگے تو وہ جھٹ سے بتائیں، تیری یادیں تھیں، کچھ نشانیاں تھیں، کچھ وعدے تھے، کچھ ذمہ داریاں تھیں جن کو نبھانے کے لیے جینا پڑا، مجبوری تھی سمجھا کرو۔"

اقصیٰ اشمل وفا......

ڈائننگ ٹیبل پر سکندر سمیت سبھی کو موجود پایا تھا۔

"آیئے بھابی، صبح بخیر۔" فراز نے اس کا پرتپاک استقبال کیا جبکہ شرجیل کے ہونٹوں پر حوصلہ افزا پر شفقت مسکان جھلکی تھی۔

"ابھی تک سینک سلائی ہے کوئی امید تو نہیں لگتی سکندر بیٹا تمہاری بیوی کو، ارے یہ اب تو رخصتی شخصتی کا چونچلا ہی تھا ورنہ پتا ہے ہمیں بھی تمہارے ساتھ کئی مہینے کی ازدواجی زندگی گزار چکی ہے۔" لاریب پر ناقدانہ نگاہ ڈالتے ہوئے تائی ماں نے استفسار تو سکندر سے ہی کیا تھا مگر بلاشبہ ان کی اصل مخاطب مما ہی تھیں جہاں سکندر جز بز ہوا وہاں لاریب کا چہرہ ایسے جل اٹھا جیسے وہاں کسی نے یکلخت آگ کا الاؤ روشن کردیا ہو۔

"آپ کو آخر اعتراض کس بات پر ہے تائی ماں، یہ سکندر یا پھر لاریب بھابی کا شوق نہیں تھا۔ ہم سب نے دانستہ اس چھوٹی سی تقریب کا انعقاد کیا تھا ملے گلے کی خواہش میں، جہاں تک سکندر کے باپ بننے کی بات ہے تو اللہ نے چاہا تو ہم یہ خبر بھی جلد ہی سن لیں گے کیوں سکندر؟" لاریب کو سر جھکائے ہونٹ کچلتے آنسو ضبط کرتے پا کر فراز ہی اس کی مدد کو میدان میں کودا تھا اور بہت خوب صورتی سے اس کا دفاع کرتے آخر میں اپنے ساتھ بیٹھے سکندر کے کاندھے سے اپنا کاندھا ٹکراتے ہوئے گویا اس کی تائید چاہ کر مسکرانے لگا۔ جس کے سپاٹ چہرے پر ابھی تک کوئی خاص تاثر نہیں اترا تھا۔

''ارے میں کب کچھ اور کہہ رہی ہوں میں نے بھی یہی پوچھا ہے کہیں دلہن بیگم ہمارے لیے پہلے سے ہی تو کوئی خوشخبری نہیں سنبھال کر بیٹھی ہوئی۔ جس طرح بے زار اور گم صم نظر آتی ہے ایسی حالت تو انہیں دنوں میں ہوتی ہے عورت کی۔'' تائی ماں ہار ماننے والوں میں کبھی شامل نہیں ہوا کرتی تھیں اس بار بھی معنی خیزیت سے کہہ گئیں تو لاریب کا سرخ چہرہ ضبط غم کے باعث کچھ مزید سرخ ہو کر لہو چھلکانے لگا۔ اس کا دل اس حبس زدہ ماحول سے کچھ اس طور گھبرایا کہ وہاں سے بھاگ جانے کی خواہش شدید تر ہونے لگی۔ سکندر کی موجودگی میں اس انداز کی سبکی اسے روہانسا کر گئی تھی۔ اس پر اس کی خاموشی ستم پر ستم ہی تو تھا۔

''تو آج یہ بھی طے ہوا سکندر اعظم کہ تم اتنے ہی سنگدل بے حس اور ظالم ہو جتنا کہ تمہارے نام کا وہ بادشاہ جس نے اپنے شہر کو آگ لگا کر روشنی دیکھنے کی خواہش پوری کی تھی۔'' سکندر کو اسی بے اعتنائی و بے نیازی سے ناشتہ مکمل کر کے اٹھتے دیکھ کر فراز جو بے حد تلخ ہو چکا تھا اس کے پیچھے آ کر اسے جتلائے بغیر نہیں رہ سکا، سکندر نے سگریٹ سلگاتے بے حد سرد نظروں سے اسے دیکھا اور کچھ کہے بغیر گاڑی کا دروازہ کھول کر بیٹھ گیا۔

''اصولاً تو آج تمہارا ولیمہ ہونا چاہیے تھا وہ نہ سہی کم از کم گھر پر تو رک جاؤ یار، بھابی بے چاری کہاں تک اپنا بھرم رکھیں گی۔'' فراز نے اندر کی کھولن دباتے ہوئے بے حد جھنجلا کر کہا تب سکندر کا ضبط بھی جیسے ہارنے لگا اور چہرے پر غصے کے آثار نمودار ہو گئے۔

''تم چپ نہیں رہ سکتے؟'' اس پھنکار زدہ تنبیہ پر فراز نے شاکی نظریں اس کے بیگانہ چہرے پر جما دیں۔

''اور کچھ نہیں تو کم از کم ان فسادی لوگوں کو ہی یہاں سے چلتا کر دو، سکندر تمہیں اندازہ نہیں ہے اس سے قبل ان لوگوں نے ایمان بھابی کی زندگی کو کیسے عذاب سے دوچار کیا ہوا تھا۔ ابھی تم نے دیکھا بھی کہ تائی ماں بھابی کو کیسے کہہ رہی تھی تمہاری خاموشی نے گویا شہہ دی ہے انہیں۔'' فراز عاجز ہو چکا تھا وہ ہمت ہارنے والوں میں سے بھی نہیں تھا اس کی ناراضی کو خاطر میں لائے بغیر اگلا مقدمہ لڑ رہا تھا۔ سکندر کو شاید اس کی یہ حمایت ہی پسند نہیں آئی تھی جبھی بری طرح برہم ہوا۔

''عین ممکن ہے فراز کہ مسز لاریب شاہ یہی ڈیز روکرتی ہوں بہتر ہے تم خاموش رہو۔'' اور فراز سکندر کے منجمد چہرے کے سپاٹ تاثر کو دیکھتا کچھ دیر کو حرکت کرنے کے قابل نہیں رہا اور سکندر اس بے اعتنائی سمیت گاڑی میں بیٹھ کر چلا گیا تھا مگر اس سے اگلی شام جب تائی ماں اور تاؤ جی کے ہاتھوں اماں اور بابا کو اپنی سادگی اور مخصوص دیہاتی انداز و اطوار کے باعث سبکی و حزیمت اٹھانا پڑی تو سکندر بہرحال یہ برداشت نہیں کر سکا اور کھلے صاف لفظوں میں انہیں اپنے گھر سے نکل جانے کا حکم سنا دیا تھا جس کے نتیجے میں جتنا بھی ہنگامہ ہوا تاؤ جی نے اس بات کی جتنی بھی توہین محسوس کی مگر وہ لوگ وہاں سے بکتے جھکتے چلے ضرور گئے تھے۔

''سکندر پتر تجھے ایسا کرنا نہیں چاہیے تھا وہ بھی ہماری خاطر۔ وہ غلط تھوڑی کہہ رہی تھی ہم ساری زندگی پنڈ میں رہے ہیں اتنے اچھے گھر میں رہنے اسے برتنے کا ڈھنگ کہاں ہے ہمیں۔'' اماں جو تاؤ جی کی دھمکیوں اور تائی ماں کی واشگاف بددعاؤں اور کوسنوں سے سراسیمہ ہو چکی تھی صورت حال کو اتنا بگڑا ہوا پا کر روہانسی ہونے لگی۔ خود سکندر کی بھی غیض بھری ناراض اماں کے ساتھ ساتھ لاریب کو بھی وحشت کے سپرد کرنے لگی۔

''آپ لوگ جیسے ہیں اماں مجھے آپ پر فخر ہے اور یہ بات کوئی بھی نہ بھولے کیا آپ ان لوگوں سے ہر لحاظ سے بہتر ہیں۔'' سکندر کا انداز قطعی اور دوٹوک تھا اس کے بعد وہ وہاں رکا نہیں تھا اماں سر تھام کر بیٹھ گئیں۔ جو کچھ ہوا تھا ان کے لیے بے حد تکلیف دہ تھا۔

''تو ہی کچھ سمجھا اسے دھیے وہ تو پاگل ہوا ہے۔'' اماں نے بے چارگی میں مبتلا ہو کر لاریب کی جانب دیکھا جس کے ہونٹوں پر اس مطالبے نے مجروح قسم کی مسکان بکھیر دی تھی تو آنکھوں میں بکھری ٹوٹے کانچ کی کرچیاں اپنی

سفاکیت کے ساتھ اسے مزید لہولہان کرنے لگیں کل رات جب وہ سونے سے قبل اس کے لیے بنا کہے کافی بنا کرلانے کے بعد مگ اس کے سامنے رکھ رہی تھی تب اس نے لیپ ٹاپ کی اسکرین سے نگاہ ہٹا کر کٹیلی نظروں سے اسے سرتاپا دیکھا اور زہر خند لہجے میں بولا۔

''یہ پوچھ کر بنائی ہے؟'' وہ پھنکارا لاریب کس قدر گھبرائی، تب سکندر مزید حقارت سے گویا ہوا تھا۔

''ضروری نہیں ہے لاریب صاحبہ کہ میرا ہر رات آپ کے حسن کو خراج پیش کرنے کا ارادہ ہو۔'' سکندر کی پرکشش آنکھوں میں تحقیر وطنز کے زہریلے تاثرات در آئے تھے۔ دوسری جانب لاریب تھی جو اس درجہ سبکی و ذلت اور توہین کو سہتی شرم، غم و غصے اور بے بسی کے ملے جلے احساسات کے ساتھ جیسے خود کو زمین میں گڑھا ہوا محسوس کرتی سکتہ زدہ ہوگئی۔ عزت نفس اور انا پر لگایا گیا یہ تازیانہ اس کے وجود کے ساتھ ساتھ روح پر بھی ہر سو آبلے ڈال گیا تھا۔ جبھی شدت غم و رنج سے اس کی تمام صلاحیتیں ہی سلب ہو کر رہ گئی تھیں۔

سکندر تو اپنے اندر کی آگ نکال کر پرسکون ہوگیا تھا مگر لاریب لمحہ لمحہ تڑپتی سسکتی رہی اسے یقین ہی نہ آتا تھا یہ وہی سکندر ہوسکتا ہے اتنا شقی القلب، ایسا منتقم مزاج اور اس حد تک سطحی سوچ رکھنے والا اس کی روح پر آبلے پڑ گئے تھے تو رگ رگ میں محشر برپا تھا۔ ایسے میں یہ سکندر کی بے رحمی کی انتہا یا پھر ڈھٹائی کی حد تھی کہ وہ پھر اس کی جانب پیش رفت کر چکا تھا۔ اس سے کیا فرق پڑتا تھا کہ اس لمس میں نرمی تھی یا احساس میں بے پناہ دلکشی کا رنگ، اسے اس احساس سے محروم کرنے والا بھی وہ خود تھا۔ جب تک وہ جاگتا رہا تب بھی جب سو گیا اس کے بعد بھی لاریب نے منہ سے حرف شکایت نکالے بغیر بس خاموشی سے آنسو بہائے تھے۔

اگلی صبح جب سکندر کی آنکھ کھلی تو اسے جائے نماز پر دعا میں اس طرح سے سسکتے پا کر پھر وہی مجرمانہ انداز سکندر کے اندر سر اٹھانے لگا تھا جس سے خائف تھا اور

> **خوب صورت دعا**
>
> اے اللہ!
>
> جو میرے مقدر میں نہیں لکھا اس کی کوشش اور تمنا میں مجھے مبتلا نہ کر
>
> جو تقدیر میں لکھ دیا ہے اسے آسان بنادے۔
>
> یا اللہ! مجھے اس کام کے لیے فرصت فراہم کردینا جس کام کے لیے تُو نے مجھے پیدا کیا اور اس کام میں مشغول نہ ہونے دینا جس کی ذمہ داری تُو نے خود لی ہے۔
>
> مجھے شکر کرنے کی توفیق فرما اور ایمان پر زندگی اور ایمان پر موت عطا فرما آمین۔
>
> ایمان بٹ......لودھراں
>
> **نظم**
>
> وہ جس نے
> اس معصوم سی لڑکی کو
> محبت کے نام پر لوٹا تھا
> وہ انسان تھا
> یا پھر کوئی
> وحشی درندہ تھا
>
> کوثر ناز......حیدرآباد

وہ جس سے پیچھا چھڑانے کو وہ اس سے خوامخواہ الجھ پڑتا تھا۔ اس وقت بھی اس کیفیت کا شکار خوامخواہ اس کے گلے پڑنے لگا۔

''مجھے کیوں نماز کے لیے نہیں جگاتی، تمہاری ذمہ داریوں میں ایک یہ بھی ذمہ داری شامل ہے۔''

لاریب جو جائے نماز کو تہہ لگا رہی تھی اس اعتراض پر تحیر آمیز سرخ آنکھیں لمحہ بھر کو اٹھائیں اور پھر ریشمی پلکوں کو دوبارہ جھکا دیا۔

''صبح سے جگا دیا کروں گی۔''

ایک بار پھر نہ گلہ نہ شکایت اور فرمانبرداری کا مظاہرہ، یہ انوکھا دلربا انداز جیسے لوٹ لے جانے والا تھا۔ سکندر چند ثانیوں کو حرکت کرنے کے قابل نہیں رہا یہ تو اس نے کبھی

نہیں چاہا تھا کہ اس کا تعلق ایسا سپاٹ سرد مہر اور جامد ہو یہ کس ڈگر پر چل پڑا تھا وہ، بدلہ اتنا ضروری تھوڑی تھا انا کو سر بلند رکھتے وہ محبت کو کیسی پستی میں گرا رہا تھا اسے یہ سوچیں جیسے چابک رسید کرنے لگیں مگر یہ محض لمحاتی کیفیت تھی پھر اس کی سوچیں زہر سے بھرنے لگیں۔

(یہ اتنی نیک پروین اور ستی ساوتری نہیں ہے ہرگز بھی، نہ اس کا ضبط و حوصلہ اتنا بلند ہے میں دیکھتا ہوں کب تک خود کو مضبوط رکھتی ہے، دوسروں کی طرح اس نے بھی خود کو میرے سامنے اس لیے سرنگوں کیا ہے کہ آج میرے پاس حسب نسب کے ساتھ بے تحاشا دولت بھی ہے اس نے بھی مجھے یا میری محبت کو نہیں قبولا اس نے بھی جاہ و حشمت کے آگے سر جھکایا ہے اور حسب و نسب میں برابری کا شوہر تو بیوی کے ساتھ ہر طرح کا رویہ رکھ سکتا ہے اور بیوی کو برداشت کرنا پڑتا ہے)

وہ خود کو پھر صحیح سمجھنے لگا اس کی سوچیں پھر آتشیں ہو رہی تھیں۔

"آج پارلر جا کر بالوں کی کٹنگ کرا آنا مجھے پسند نہیں تمہارے اتنے لمبے بال۔" آفس کے لیے تیار ہوتے اس نے جو بات کہی تھی اور جن تیوروں کے ساتھ کہی تھی اس نے لاریب کی اس بے نیاز یا دوسرے لفظوں میں اس کی جانب سے اختیار کیے صبر کو بھی لحہ بھر کو سہی مگر بکھیر دیا تھا۔ اس نے چونک کر نظر اٹھائی۔ سکندر کی سرد نظروں میں کسی تلخ یاد کی چنگاری کی سلگن ابھی باقی تھی۔

لاریب اذیت کا شکار ہوتی نگاہ کا زاویہ بدل گئی۔ اسے یاد تھا بہت اچھی طرح سے کہ وہ اس کے ریشمی سیاہ گھنیرے بالوں کا کیسا دیوانہ تھا اور لاریب نے محض اسے اذیت دینے کی خاطر بال کٹوا دیے تھے اس کے احتجاج پر وہ اپنی تلخی اس پر انڈیلنے سے باز نہیں رہ سکی۔

"بات یہ نہیں تھی سکندر حیات کہ مجھے اپنے بال پسند نہیں تھے مگر اس کا کیا ہو کہ مجھے ہر وہ کام کر کے تسکین ملتی ہے جو تمہیں دکھ دینے کا باعث ہوتا کہ اندازہ تو کر سکو تم کہ تکلیف کیا ہوتی ہے وہ تکلیف جس میں تم نے اپنی خود غرضی کے باعث گرفتار کر ڈالا ہے مجھے۔"

اور سکندر کا صرف چہرہ ہی دھواں دھواں نہیں ہوا تھا آنکھوں میں بھی اذیت کے رنگ بکھر گئے تھے تب وہ اسے بتا نہیں سکا تھا کہ وہ اس کی خود غرضی نہیں محبت کی انتہا تھی اور اب بالکل ایسے ہی لاریب بھی اس کے سامنے وضاحت کرنے سے لاچار رہی تھی۔

"تمہیں کچھ کہا تھا میں نے یا تمہارے نزدیک آج بھی میری بات کی سرے سے اہمیت نہیں ہے۔" شام کو وہ آفس سے لوٹا تو نارمل تھا حالانکہ صبح جاتے ہوئے وہ ہرگز اتنا پرسکون نہیں تھا کہ اماں کو اس کا تائی ماں کی فیملی کے لیے کیا گیا فیصلہ ہرگز پسند نہیں تھا سمجھانے بجھانے کی کوشش کو ناکام دیکھ کر وہ اس پر جذباتی دباؤ ڈالنے لگی تھیں۔ تب اس نے ناچار ہار مان لی تھی۔ جب اماں نے کہہ دیا تھا کہ اب وہ انہیں یا ان کی بات کو بھلا کیوں کچھ گرداننے لگا ظاہر ہے اب اس کے نزدیک ان کی اہمیت ہی کہاں ہے۔" تب کتنا جھنجلا گیا تھا وہ اور بے بس نظر آنے لگا تھا۔

"ٹھیک ہے میں معافی مانگ لوں گا ان سے اب خوش ہیں آپ؟" وہ کتنا چڑچڑا ہو رہا تھا اور اماں اسی قدر مطمئن اور آسودہ لاریب کو اب اس نے کچن میں آن لیا تھا اس وقت وہ یہاں کھڑی سب کے لیے چائے بنا رہی تھی۔ لاریب نے پلٹ کر دیکھا وہ اسے برہم نظروں سے گھور رہا تھا مگر یہاں آ جانے کے بعد یہ پہلا موقع تھا کہ نہ وہ اس سے خائف ہوئی نہ اعتماد متزلزل ہوا۔

"اس لیے کہ مجھے بال نہیں کٹوانے تھے۔" وہ بولی تو اس کے لہجے میں ٹھہراؤ تھا سکون تھا وہ ذرا بھی خوفزدہ نظر نہیں آ رہی تھی سکندر کا چہرہ اس صاف انکار پر بے تحاشا سرخ پڑتا چلا گیا جبکہ فشار خون بڑھتا دماغ میں ٹھوکریں مارنے لگا۔

(جاری ہے)

ہجر کی آگ میں سُلگو تو بُرا لگتا ہے
تم میری دید کو ترسو تو بُرا لگتا ہے
ایک تمنا ہے کہ فقط مجھ پر مہربان رہو
تم کسی اور کو دیکھو تو بُرا لگتا ہے

پچھلے دو گھنٹے سے وہ کچن میں گھسی ہاتھا پائی میں مصروف تھی۔ کھانا پکانے سے تو اس کی یوں بھی جان جاتی تھی اور اس پر مستزاد سر پر کھڑی تائی جان......

"پیاز باریک اور لچھے دار ہونی چاہیے' دہی ٹھیک سے بلویا نہیں گیا۔ پھلکیاں خستہ اور نفیس کسی طور بھی نہیں' آٹے کا پیڑا موٹا کیونکر لیا......؟ دال میں بگھار کیا اگلی صدی میں لگے گا؟ دھیان سے...... بریانی کے چاول ہیں کھچڑا نہیں بن جائیں۔"

"حق ہا...... معصوم جان اور اتنا جبر......"

بی اے کے پیپر ختم ہونا اس کے لیے نہایت مصائب کا باعث بنا' اوپر سے شدید گرمی اور حبس نے دماغی ٹینشن میں اضافہ کیا تو اس کا دماغ ہی ماؤف ہوگیا۔ بار بار دوپٹہ شانوں سے پھسل کر اشیائے خورد و نوش پر گرتا اور بال لٹک کر چہرے کے ساتھ ساتھ کھانا بھی برباد کرنے پر مصر تھے۔ تائی نے تین چار بار اس کے بال پیچھے ہٹا کر ان میں کیچر لگایا مگر بے سود...... شانوں سے اوپر تک کٹے بال گالوں کے سوا کہیں اور ٹکنے کو پسند ہی نہ فرما رہے تھے' ایسے میں تنگ آ کر انہوں نے اسے کچن سے باہر جانے کا حکم دے ڈالا۔

"ہونہہ...... سب جانتی ہوں کہ تائی جان یہ سب کیوں کررہی ہیں؟" وہ سر جھٹکتی کچن سے باہر آئی جب سامنے سے آتے یوشع آفاق مہر سے ٹکرا گئی۔

"آؤچ......" سر اٹھا کر اوپر دیکھا تو گویا حلق تک زہر بھر گیا۔ سیاہ اوور کوٹ میں سوٹڈ بوٹڈ ہاتھ میں لیپ ٹاپ اٹھائے وہ شاید ابھی آفس سے واپس آیا تھا۔ ایشا فرقان مہر بھلا اس شخص کو کیسے بھول سکتی تھی یہی آدمی تو اسے ہمیشہ اتنے جوکھم اٹھوانے کا باعث بنتا تھا۔ تائی جان کی اس کو سگھڑ بنانے کی اکلوتی وجہ یہی شخص تو تھا ان کا اکلوتا لخت جگر یوشع آفاق مہر......

"خیریت...... بیا آج تم کس کی خاطر کچن میں جا گھسی ہو؟" وہ سرتاپا اس کا جائزہ لے کر بولا' الفاظ خوب کاٹ دار تھے' وہ تپ کر رہ گئی۔

"تم کسی خوش فہمی میں مت رہنا' تمہاری خاطر تو بالکل بھی نہیں۔" وہ کہہ کر آگے بڑھ گئی۔

❁......❁......❁

"تو پھر کیا سوچا ہے تم نے یوشع بیٹا!" وہ شام میں ایکسر سائز کے لیے تیاری کرکے نیچے آیا جب عالیہ آفاق مہر نے موقع پاتے ہی اسے پاس بٹھالیا۔

"کس بارے میں امی جان؟" وہ کافی کا سپ لیتے ہوئے بولا۔

"اپنی شادی کے متعلق بیٹا جانی!" وہ ہولے سے مسکرا دیا۔

"یہ ڈیپارٹمنٹ تو آپ کے حوالے ہے نا آپ جب چاہیں' جو فیصلہ کریں مجھے قبول ہوگا۔" عالیہ مہر مسکرا دیں۔

"یہ تو تمہاری اطاعت شعاری ہے بیٹا! ورنہ تو تم جانتے ہو کہ تمہاری شادی سے متعلقہ فیصلہ بچپن ہی سے تمہارے دادا حضور طے کرچکے تھے۔ تمہاری نسبت ایشا سے کم عمری میں طے ہوگئی تھی اور قواعد وضوابط کے تحت ہمیں اب ہر صورت اسے اپنی بہو اور تمہیں اسے شریک حیات کا درجہ دینا پڑے گا۔" وہ بغور اس کا چہرہ جانچ رہی تھیں' جہاں خاموشی و سنجیدگی تھی۔

"بیٹا! ہم سب کا یہ ماننا ہے کہ بچپن میں کیے گئے فیصلے بچوں کی زندگی پر مثبت کم اور منفی اثرات زیادہ مرتب کرتے ہیں۔ موجودہ دور ایسی فرسودہ روایات کو ناکام قرار دے چکا ہے۔ دین وشریعت بھی لڑکا لڑکی کو اس کی مرضی کا ساتھی چننے کی اجازت دیتی ہے ایسے میں اپنے فیصلے اولاد پر تھوپنا سمجھ داری نہیں کہلاتا۔" وہ نجانے کیا کہنا چاہ رہی تھیں یوشع مہر بغور ان کا چہرہ دیکھ رہا تھا جہاں آج سے پہلے کبھی اتنی سنجیدگی اسے نظر نہ آئی تھی۔

"بیٹا! ایشا کا گریجویشن بھی ہوچکا ہے اور تمہارے ابو اور چاچو جان اس سے آگے اسے پڑھنے کی اجازت نہیں دے رہے نہ ہی تمہاری چچی اس کے لیے رضامند ہیں' سب گھر والوں کا مشترکہ فیصلہ اسے بیاہنے کے متعلق ہی ہے۔" وہ ایک بار پھر یوشع کے تاثرات بھانپ رہی تھیں جو ابھی بھی خاموش تھا۔

"تم اس بارے میں کیا کہنا چاہو گے؟" انہوں نے اب باقاعدہ اس سے سوال کیا۔

"میرے خیال میں آپ کو وہی کرنا چاہیے جو آپ کو ایشا کے حق میں بہتر لگے' وہ اس گھر کی بیٹی ہے۔ سب کو مل کر اس کے متعلق درست فیصلہ لینا چاہیے۔"

"اور بیٹا! اگر یہ درست فیصلہ تمہاری ذات سے متعلق ہو تب تمہاری رضا کیا ہوگی۔" وہ اصل مدعے تک آئیں۔

"دراصل بیٹا ہم سب چاہتے ہیں کہ ہم تمہارے جنت مکین دادا حضور کے فیصلے کو اولیت دیتے ہوئے تم دونوں کی شادی......" وہ رک کر اس کا چہرہ دیکھنے لگیں جب وہ سر اٹھا کر بولا۔

"میں آپ سے کہہ چکا ہوں امی حضور! مجھے آپ کے کسی فیصلے پر کوئی اعتراض نہیں' آپ لوگوں کا حکم سر آنکھوں پر...... مگر بہتر ہے کہ آپ ایک بار ایشا سے بھی پوچھ لیں کہ وہ کیا چاہتی ہے؟" عالیہ مہر کا چہرہ کھل اٹھا۔

"ایشا کا مسئلہ نہیں اصل پریشانی تمہاری طرف سے ہی تھی جو حل ہوگئی۔ تم بتاؤ کہ کیا تم اسے پسند کرتے ہو؟" وہ اب نئے سوال پر آمادہ تھیں پھر یوشع کے چہرے پر خفت کے

آثار دیکھ کر بات بدل کر بولیں۔ "مطلب بیٹا اس کی عادتیں' موڈ مزاج' رہن سہن' پہناوا...... کیسا لگتا ہے آپ کو؟" یوشع کی نگاہوں میں بے اختیار اس کے گردن سے اوپر تک کٹے بال لہرا گئے تبھی وہ گہری سانس لے کر رہ گیا' عالیہ مہر شرمندہ سی ہوگئیں پھر تسلی کی خاطر بول پڑیں۔

"آپ پریشان نہ ہوں بیٹا! سب ٹھیک ہوجائے گا' ہم سب مل کر اس کو ٹھیک کرلیں گے۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"کیا کیا ٹھیک کریں گے آپ لوگ...... تہذیب وسلیقہ' سگھڑ پن ومتانت اہلیت ہر چیز کی تو اس میں کمی ہے۔" چائے کے برتن کچن میں لے جاتے ہوئے یوشع مہر کے یہ وہ الفاظ تھے جو عالیہ مہر کے کانوں میں پڑے نتیجتاً انہوں نے ایشا کو بدلنے کا تہیہ کرلیا۔

❁ ❁ ❁

ایشا نے میتھس کی کاپی عمران عرف ٹھرکی کے سر پر دے ماری تھی۔

"غضب خدا کا' اتنا نالائق بچہ...... ٹھیک سے جمع تفریق بھی نہیں کر پاتا۔ کیا کرتے ہو تم اسکول جا کر؟ مستقل گھر کیوں نہیں بیٹھ جاتے' کاہے کو ماں باپ کا پیسہ برباد کرتے ہو؟" وہ شدید غصے میں تھی۔ "اور خبردار جو آج کے بعد یہاں بیٹھ کر ردا کو یوں گھورا تو؟" اس نے اپنی دوسری اسٹوڈنٹ کی طرف اشارہ کیا۔

"اپنی عمر دیکھو اور حرکتیں دیکھو؟ مت بھولو ساتویں جماعت میں یہ تمہارا دوسرا سال ہے اب کے فیل ہوئے تو ہڈی پسلی ایک کردوں گی۔" وہ ٹیوشن میں آنے والے بچوں کی یوں ہی ٹھکائی کرتی۔ بچوں کو پڑھانا اسے کسی عذاب سے کم نہ لگتا' نجانے کیا دیکھ کر محلے کی خواتین بچے اس کے پاس بھیج دیتی تھیں۔ اسے تو اس کام سے رتی بھر رغبت نہ تھی مگر ہر مہینے مل جانے والی رقم سے سوٹ خریدنے کے لالچ میں یہ دردسر مول لے رکھا تھا۔

"باجی! میری ماما کہتی ہیں کہ آپ بھی موبائل کا پیچھا چھوڑ کر مجھے پڑھانا شروع کردیں' پیپر قریب ہیں اب کے فیل ہوا تو ماما آپ سے ضرور پوچھ گچھ کریں گی۔" ٹھرکی بھی اپنے نام کا ایک تھا' جواباً ایشا نے اس کی کمر میں ایک زوردار تھپکی دی۔

"بہت زبان چلنے لگی ہے تمہاری' مزاج ٹھکانے لگانے پڑیں گے تمہارے۔ نکالو سائنس کی بک اور کل جو ٹیسٹ یاد کرنے کو دیا تھا لکھو بیٹھ کے' تمہارے تو کس بل نکالوں میں ٹھیک سے۔" ٹھرکی جانتا تھا اب اس کی خیر نہیں۔ آج تو باجی اس کے ڈھیلے اسکرو ٹائٹ کر کے ہی دم لیں گی اس نے باجی کی دکھتی رگ پر جو ہاتھ رکھ دیا تھا' ایشا مصروف تھی کہ جبھی سائرہ کی کال آگئی پھر حسب معمول اس نے سارا وقت موبائل پر صرف کردیا۔

"یار قسم سے میری تو جان پر بن آئی ہے سب پیچھے پڑے ہیں۔ مجھے تو لگتا ہے امتحان کے نتیجے سے پہلے ہی مجھے اس نک چڑھے کے پلّے باندھ دیں گے جس کے مزاج یوں بھی ہمہ وقت آسمان پر رہتے ہیں۔ میں بہت پریشان ہوں' ٹینشن کے مارے کچھ بھی نہیں ہو پاتا......"

"سوائے کھانا کھانے کے۔" یہ لقمہ سائرہ نے دوسری طرف سے دیا تو ایشا اس کی بات نظر انداز کرگئی۔

"تم سناؤ؟ کیسی گزر رہی ہے تمہاری عادل کے ساتھ؟"

"بس یار کیا بتاؤں بہت خوش ہوں۔ عادل اتنے اچھے ہیں کہ حد نہیں' میری ایسی کوئی خواہش نہیں جو بنا کہے پوری نہ کریں۔ ہمہ وقت اپنی آنکھوں کے سامنے رکھنا پسند کرتے ہیں اور چھوٹی چھوٹی بات پر گویا تعریفوں کے پل باندھ دیتے ہیں' ہزاروں تحفے تحائف مجھ پر نچھاور کرچکے ہیں۔ سچ یار میں تو اپنے آپ کو دنیا کی خوش قسمت ترین لڑکی تصور کرتی ہوں' اللہ سے دعا ہے کہ میری خوشیوں کو کبھی نظر نہ لگے۔"

"آمین۔" ایشا نے بھی تہہ دل سے آمین کہا۔

سائرہ اس کی دوست تھی فرسٹ ائیر کے دوران اس سے ملاقات ہوئی تھی تبھی سائرہ نے خود آگے بڑھ کر اسے دوستی کی آفر کی تھی اس نے بلا سوچے سمجھے قبول بھی کرلی۔ سائرہ ایک خوش اور قدرے بولڈ لڑکی تھی۔ اسکول کے زمانے میں ہی اس کی اپنے ایک کلاس فیلو کے ساتھ دوستی تھی جو بعد

ازاں محبت میں تبدیل ہوگئی۔ دونوں ایک دوسرے کوٹوٹ کر چاہتے تھے جبکہ دونوں ہی اپنے اطراف میں کسی کے ساتھ منسوب تھے مگر اس بات کو نظر انداز کر کے دونوں نے اپنے خاندان سے گویا جنگ کر کے ایک دوسرے کو پالیا تھا اور بی اے فائنل ائیر کے دوران ہی دونوں کے خاندانوں نے ان کی شادی کردی تبھی سائرہ نے بی اے فائنل ائیر کے ایگزامز بھی نہ دیئے تھے۔ آج کل وہ دونوں ہنی مون کے لیے نادرن ایریاز کے وزٹ پر تھے۔ سائرہ بہت خوش تھی اور محبت کی شادی کو اپنی زندگی کا بہترین فیصلہ قرار دے رہی تھی' یہی بات ایشا کے معصوم ذہن کو متاثر کررہی تھی۔

❀......❀......❀
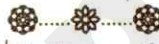
سلطان علی مہر کے دو بیٹے تھے آفاق علی مہر اور فرقان علی مہر۔ سلطان علی مہر خود اپنے والد کی اکلوتی اولاد تھے' آفاق اور فرقان ابھی کم عمر ہی تھے جب ان کی والدہ کا انتقال ہوگیا تبھی سلطان علی مہر اپنے دونوں بیٹوں کو گاؤں سے شہر لے آئے تھے۔ اس ضمن میں انہوں نے اپنی گاؤں کی تمام زمینیں اور جائیداد بیچ ڈالی تھیں پھر خود ہی اپنے بیٹوں کی پرورش بحیثیت ماں اور باپ کی' یہ ان کی تربیت کا ہی اثر تھا کہ ان کے دونوں بیٹے نہایت فرمانبردار تھے پھر جب دونوں بیٹے اچھی تعلیم کے بعد اپنے ذاتی بزنس میں اسٹیبلش ہوگئے تو انہوں نے اپنے دور کے ایک رشتے دار کی دو بیٹیوں کو اپنی بہوئیں بنانے کا قصد کیا۔ آفاق اور فرقان کو بھلا کیا اعتراض تھا نتیجتاً عالیہ آفاق مہر اور رضوانہ فرقان مہر ان کے آنگن میں بصورت رحمت پہنچیں۔ ان کے آنے سے گھر بھر مہک سا گیا۔

اس بڑے سے گھر کے در و دیوار جو عورت کی آواز سے محروم تھے اب چہکنے لگے تھے' دونوں بہنوں نے مل کر اس گھر کو گویا جنت کا روپ دے دیا تھا۔ سلطان مہر اپنی قسمت پر رشک کرتے نہ تھکتے تھے۔ وہ بہت خوش تھے تبھی ان کے ہاں پہلے پوتے یوشع آفاق مہر کی ولادت ہوئی' ان کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔ وہ کافی عرصے سے دل کے عارضے میں مبتلا تھے اب ان کی طبیعت کچھ زیادہ ہی خراب رہنے لگی تھی باوجود اس کے وہ سارا وقت یوشع کے ساتھ گزارتے۔

یوشع جب چار سال کا ہوا تو فرقان مہر کے ہاں ایک بیٹی نے جنم لیا جس کا نام سلطان مہر نے ایشا مہر رکھا' وہ بہت خوش تھے۔ اب ان کا خاندان مکمل تھا تبھی اپنے آخری وقت سے قبل انہوں نے اپنا مدعا اپنے بیٹوں اور بہوؤں کو بلا کر بیان کردیا۔

ان کی شدید خواہش تھی کہ یوشع آفاق مہر کی نسبت ایشا فرقان مہر سے کی جائے ایک بار پھر سب نے ان کے حکم پر رضامندی ظاہر کی اور ایک چھوٹی سی تقریب کا اہتمام کر کے دونوں کی نسبت طے کردی گئی۔ اس واقعے کے تقریباً ڈیڑھ مہینے بعد سلطان علی مہر اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔

❀......❀......❀

''السلام علیکم! آپا کدھر ہے عمران کی باجی؟'' سوال پر رضوانہ فرقان مہر کے ساتھ یوشع نے بھی اخبار سے نگاہ اٹھا کر رفعت آنٹی کو دیکھا' جو ہر دوسری ہم عمر خاتون کو آپا کہہ کر مخاطب کرتی تھیں۔

''وعلیکم السلام! کیسی ہو رفعت؟'' رضوانہ فرقان مہر اٹھ کھڑی ہوئیں۔

''آپا اسے جلدی بلائیں' میرے پاس زیادہ ٹائم نہیں ہے۔'' وہ ان کا سوال نظر انداز کر کے بولیں۔

''تم بیٹھو میں بلاتی ہوں۔'' رضوانہ فرقان مہر بولیں۔

''بیٹھ میرا بیٹا!'' رفعت آنٹی نے عمران کو بھی اپنے ساتھ صوفے پر بٹھایا جس کا چہرہ خوب سوجھا ہوا تھا۔ یوشع کا دھیان ابھی بھی اخبار پر کم اور ان دونوں ماں بیٹا کی آمد پر زیادہ تھا جب رضوانہ مہر ایشا کے ہمراہ دوبارہ لاؤنج میں داخل ہوئیں' رفعت آنٹی اٹھ کھڑی ہوئیں۔

''کیا بات ہے؟'' ایشا نے بنا سلام دعا کے سوال داغا جبکہ یوشع نے تاسف سے سر ہلایا۔

''بات کیا ہونی ہے' دیکھو ذرا میرے منے کا منہ۔'' انہوں نے عمران کو پکڑ کر آگے کیا' ایشا نے غور سے دیکھا۔

''اسے اس کی ٹیچر نے مارا ہے' اس نے انگلش کے ٹیسٹ میں پچاس میں سے ساڑھے تین نمبر لیے ہیں۔''

''تو اس کی ٹیچر نے بہت اچھا کیا بلکہ اسے تو دو تھپڑ میری طرف سے بھی لگانے چاہیے تھے۔'' یوشع کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

''حد ہوتی ہے ڈھیٹ پن کی' محترمہ ایشا فرقان مہر!'' وہ دل ہی دل میں اس سے مخاطب ہوا۔

''اچھا تو یہ بات ہے۔'' رفعت آنٹی نے لڑاکا خواتین کی طرح ایک ہاتھ کمر پر دوسرا فضا میں لہرایا۔ ''ٹیچر نے جو کیا سو کیا تم بتاؤ تم نے کیا کیا؟ اسے ٹیوشن میں تم کیا کام کرواتی ہو' اس کی ٹیچر نے شکایت کی ہے کہ اسے ایک بھی ٹیسٹ ڈھنگ سے یاد نہیں ہوتا' بتاؤ مجھے کیا وجہ ہے؟''

''وجہ مجھ سے پوچھنے کی بجائے اپنے اس ٹھرکی سے پوچھئے سارا وقت یہ ٹیوشن میں پڑھائی کی بجائے معصوم بچیوں کو دیکھنے میں ضائع کرتا ہے' اس میں بھلا میرا کیا قصور؟'' یوشع کی مسکراہٹ گہری ہوتی جارہی تھی۔

''خبردار جو میرے بیٹے کو ٹھرکی بولا تو...... اس نے بتایا ہے مجھے کہ ٹیوشن کی بچیاں اسے ٹھرکی کے نام سے چھیڑتی ہیں بجائے ان سب کو جھڑکنے کے تم بھی ان کا ساتھ دیتی ہو' کیسی باجی ہو تم؟ تم اسے کیا تمیز سکھاؤ گی پہلے خود تو کسی سے بات کرنے کی تمیز سیکھ لو۔''

''میں نے بہت لحاظ کیا ہے آپ کا اور آپ کے لاڈلے سپوت کا' اگر آپ کو منظور نہیں ہے تو شوق سے لے جایئے اپنے سپوت کو جہاں چاہے ٹیوشن میں بٹھائیں میری جان تو بخشی ہو۔'' اس کی انا جاگ اٹھی تھی۔

''ارے چلی جاتی ہوں پہلے میری اس مہینے کی ایڈوانس فیس تو واپس کرو۔'' وہ جم کے کھڑی تھیں۔

''اچھا رکیے۔'' وہ دندناتی ہوئی یوشع کے سر پر آ پہنچی۔ ''یوشع ایک ہزار روپے ہوں گے تمہارے پاس؟'' وہ رک کر اسے دیکھنے لگا۔

''جلدی دو' اگر کچھ دیر اور یہ عورت میرے سر پر کھڑی رہی تو میں کچھ کر ڈالوں گی۔'' مسکسل ہتھیلی اس کے سامنے پھیلا رکھی تھی۔

صورت حال ایسی تھی کہ وہ اسے ناں نہیں کر سکتا تھا اور نہ ہی کھل کے فیس کے پیسے اڑا دینے کا سبب پوچھ سکتا تھا۔

''کیا سوچ رہے ہو' دو بھی۔'' یوشع نے سائیڈ پاکٹ سے والٹ نکالا' ایشا نے اس کے ہاتھ سے اچک لیا۔

''ہوں کافی نقدی چھپا رکھی ہے تم نے' لگتا ہے آج ہی کسی کلائنٹ نے دی ہے۔'' اس نے ایک کی بجائے دو ہزار نکال لیے پھر والٹ اس کی گود میں پھینک کر آگے بڑھ گئی۔ یوشع کا شدت سے دل چاہا اسے کھینچ کے ایک طمانچہ رسید کرنے کا مگر صورت حال کے پیش نظر چپ بیٹھا رہا' جب ایشا سے فیس کا ایک ہزار روپیہ لے کر رفعت آنٹی اس کے پاس آئیں۔

''یوشع بیٹا! مجھے پتا ہے تم ایک مصروف ترین وکیل ہو' تمہیں تو فارغ وقت کم ہی ملتا ہوگا مگر کچھ وقت نکال کر تم میرے عمران کو پیپرز کی تیاری کرادو تو بڑی مہربانی ہوگی' اس ماں کی دعائیں تمہارے بہت کام آئیں گی۔'' یوشع نے ایک نظر ایشا کو دیکھا جو تیکھی نظر اسی پر رکھے ہوئے تھی۔

''ٹھیک ہے آنٹی مگر میں زیادہ ٹائم نہیں دے پاؤں گا مگر آپ سے وعدہ ہے کہ کم وقت میں زیادہ اچھے نتائج ملیں گے آپ کو۔'' ایشا کھا جانے والی نظروں سے اسی کو گھور رہی تھی جب وہ رفعت آنٹی سے بطور ایڈوانس فیس ملنے والا ہزار کا نوٹ اس کے سامنے لہرا کر مع عمران اندر چل گیا۔

❁......❁......❁

''یعنی حد ہوگئی یہ نچلے درجے کا وکیل اپنی تھرڈ کلاس وکالت کی بدولت اب اس کے اسٹوڈنٹس چھین لے گا۔''

عمران بھلے کسی بھی ٹیوشن میں جاتا مگر یوشع کے پاس اس کا پڑھنا اسے کسی طور گوارہ نہ تھا' روز شام چار سے پانچ یوشع لان میں اسے پڑھاتا' خود ایکسر سائز کرتا رہتا یا کافی کی چسکیاں لیتا اور عمران بڑی تابعداری سے اپنا کام کرتا رہتا۔

''یعنی اتنی بڑی ہار......'' تبھی ایک شام وہ آزردہ دل لیے رفعت آنٹی کے پاس جا پہنچی۔ علیک سلیک کے بعد فوراً بڑا سا سران کے سینے پر گویا گھسیڑ ہی ڈالا' زار و قطار آنسو گالوں کو بھگو رہے تھے' رفعت آنٹی حیرانگی سے اسے اپنے سینے سے لگا دیکھ رہی تھی۔

"کیابات ہے بیٹا! کیوں اتنا رو رہی ہو؟"

"آنٹی میں آپ کو کیا بتاؤں میرے ساتھ میرے اپنے گھر میں کیا سلوک ہورہا ہے؟ میرے خونی رشتے ہی میرے ساتھ غیروں جیسا سلوک کررہے ہیں سب سے زیادہ پرخاش تو وہ یوشع مہر کھاتا ہے مجھ سے۔ آپ کو تو پتا ہے ناکہ سب گھر والے مجھے یوشع کے ساتھ بیاہنے پر بضد ہیں پر وہ مجھے قطعاً پسند نہیں کرتا۔ بات بے بات سوتنوں والے طعنے دیتا ہے اس پر مستزاد مجھے اپنی زرخرید غلام سمجھتا ہے کبھی اس کام کا آرڈر کبھی اس کا اور تو اور سب گھر والوں کے سامنے مجھے نیچا دکھانے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتا۔ آپ ہی بتاؤ ایسے حالات میں میں کیسے بچوں پر توجہ دے پائی' میں ان دنوں شدید ذہنی ٹینشن کا شکار ہوں جبھی عمران پر توجہ نہ دے پائی مگر آپ سے وعدہ ہے آگے سے ایسا بھی نہیں ہوگا پلیز مجھے میرا اسٹوڈنٹ واپس کردیجیے اور یوشع سے فیس کا ایک ہزار بھی لے کر لوٹا دیں۔" رفعت آنٹی تین جوان بیٹیوں کی ماں تھیں جبھی ایشا کی ترکیب کام کرگئی وہ جی بھر کر آبدیدہ ہوئیں۔

"تُو پریشان نہ ہو میری بچی عمران آج سے تیرے پاس ہی ٹیوشن کی لیے آئے گا اور کیا تُو واقعی یوشع سے شادی نہیں کرنا چاہتی؟" اگلی بات انہوں نے رازداری سے اس کے کان میں کی۔

"جی آنٹی......" اس نے بھی ان کے کان میں گھس کر جواب دیا۔

"پھر تُو بالکل پریشان نہ ہو میری ایک خالہ زاد ہے' بڑی نیک خاتون ہے۔ اس نے دکھی انسانیت کی بھلائی کی خاطر اپنے علم کا استعمال شروع کررکھا ہے تُو ایک بار اس سے مل لے وہ یقیناً تیرا مسئلہ حل کردے گی۔ اس کے تعویذ بڑے کارگر ہوتے ہیں' ارے میں نے خود اس کے تعویذ سے تیرے انکل' عمران کے ابو کو ان کی ماں اور بہنوں کے چنگل سے آزاد کروایا ہے یقیناً وہ تیرے مسئلے کا بھی حل سوچ لیں گی' بول منظور ہے تجھے۔" ایشا پہلے تو بے یقینی سے ان کا چہرہ دیکھتی رہی پھر بے تحاشا خوشی سے منظور ہے بول دیا۔

❁......❁......❁

کالو اماں محض نام کی کالو اماں نہ تھیں وہ سرتاپا اپنے نام کی جیتی جاگتی مثال تھیں۔ پہلے پہل ان کو دیکھ کر ایشا کا جی خوب گھبرایا پھر جی کڑا کر اس نے اپنی دردبھری داستان سنا ہی ڈالی آج وہ سب گھر والوں سے رفعت آنٹی کی بڑی بیٹی کے ہمراہ شاپنگ کرنے کا کہہ کر نکلی تھی۔ رفعت آنٹی بھی ساتھ تھیں کالو اماں نے اس کی ہتھیلی کو بغور جانچا' پھر پیشانی اور پاؤں کی لکیروں پر نظریں گاڑھیں' اس کے بعد ایک لمبا چوڑا زائچہ بنایا۔ طویل ترین حساب کتاب کے بعد کالو اماں نے سر اوپر اٹھایا۔

"ہوں......" ان کی ہوں بھی طویل تر تھی۔ "تو بتا تُو کیا چاہتی ہے لڑکی؟" ایک بار تو ایشا کا دل چاہا کہ کالو اماں کے حسین چہرے کے نقش و نگار بدل کر رکھ دے اس کا مدعا وہ ابھی تک نہ جان پائی تھیں۔

"میں یوشع سے شادی نہیں کرنا چاہتی۔"

"تو کس سے کرنا چاہتی ہے؟" اگلا سوال۔

"کسی سے بھی نہیں۔"

"مطلب تو کسی اور کو پسند نہیں کرتی؟"

"جی نہیں۔" وہ فٹ سے بولی۔

"تو پھر اس لڑکے میں کیا برائی ہے اچھا خاصا باصلاحیت اور مستقل مزاج لڑکا ہے۔" کالو اماں استفسار کررہی تھیں۔

"آپ کو یہ سب کیسے پتا؟" ایشا کی آنکھیں پھٹ گئیں۔

"ہمارے پاس موکل ہیں لڑکی ایسی اطلاعات وہ ہی ہمیں پہنچاتے ہیں۔" ایشا واقعی متاثر ہوگئی تھی۔

"وہ سب اپنی جگہ مجھے بتاؤ میں کیا کروں؟"

"ہوں...... تیرے ہاتھ کی لکیروں میں درج ہے تیری شادی اک ایسے آدمی سے ہوگی جس کے پیر پر سیاہ تل ہے۔"

"پیر پر سیاہ تل ہے یہ کیا بات ہوئی؟" اس نے بھنویں اچکائیں۔

"اوں ہوں...... لڑکی بیچ میں بات مت اچکو۔" انہوں نے تنبیہ کی۔

"سس...... سوری...... کالواماں!"

"اب تمہیں پہلی فرصت میں یہ پتا کروانا ہے کہ کیا یوشع کے پیر پر سیاہ تل موجود ہے تم نے کبھی دیکھا ہے؟"

"چھی...... مجھے بھلا کیا ضرورت ہے اس کے پیر دیکھنے کی؟" وہ کراہیت سے بولی۔

"مگر اب تمہیں یہ کام کرنا پڑے گا پہلی فرصت میں پتا کر کے بتاؤ باقی بات اس کے بعد بتاؤں گی۔" انہوں نے ہاتھ اٹھا کر گویا محفل برخاست کردی ایشا اٹھ کھڑی ہوئی کالو اماں نے رفعت آنٹی کو ٹہوکا مارا۔

"بیٹا وہ...... ان کا نذرانہ؟"

ایشا نے بیگ کھول کر دیکھا پچھلی پاکٹ میں یوشع کا دیا ہزار کا نوٹ پڑا تھا۔

"فی الوقت تو یہی ہے میرے پاس باقی بعد میں سہی۔"

❁......❁......❁

اب مسئلہ بلی کے گلے میں گھنٹی باندھے کون؟ والا تھا یوشع کے متعلق ایسی معلومات کے لیے اس کے قریب رہنا ضروری تھا جو اسے کسی طور گوارا نہ تھا مگر اب اس کے بناء کوئی چارہ بھی تو نہ تھا اور اوپر سے امی اور تائی جان اسے ہمہ وقت مختلف کاموں میں مصروف رکھتیں۔ کبھی کچن میں کھانا پکانے پر۔

کبھی سلائی کبھی کپڑوں کی دھلائی کبھی یہ کبھی وہ...... مگر وہ بھی ڈھیٹ تھی پہلے پندرہ منٹ کے بعد ایسا کام کرتی کہ وہ از خود اسے وہاں سے اٹھا دیتیں پھر ایک ترکیب اس کے ذہن میں آ گئی۔

یوشع کی واپسی شام پانچ بجے ہوتی تھی۔ آتے ساتھ وہ لاؤنج میں پڑے صوفے پر گر سا گیا۔

"امی جان...... چچی جان......" ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کر کے آواز دی۔ "پلیز ایک گلاس پانی......" پاؤں سامنے پڑے سینٹرل ٹیبل پر رکھ دیئے۔ جب ایشا مہرپانی کا گلاس ہاتھ میں تھام کر اس کے سر پر آ پہنچی۔

"یہ لیجیے پانی!" آواز پر اس نے بند آنکھیں کھول دیں حیرانی صد حیرانی اس نے پھٹی نگاہوں کے ساتھ بغور سرتاپا اسے دیکھا گویا اس کے ہونے کا یقین کررہا ہو۔ ایشا کا دل چاہا پانی کا گلاس اس کے سر پر انڈیل دے مگر دل پر جبر کر کے مسکراتے ہوئے گلاس اس کے ہاتھ میں تھمایا۔ یوشع نے خالی گلاس اس کو واپس لوٹایا تب بھی وہ وہیں اس کے سر پر کھڑی اس کے پاؤں کو دیکھتی رہی۔

"کیا بات ہے کیا دیکھ رہی ہو؟" وہ کسمسایا۔

"آپ نے جوتے پہن رکھے ہیں۔"

"تو......" اس نے بھنویں اچکائیں۔

"میز پر یوں جوتے سمیت پاؤں رکھنا مناسب بات نہیں انہیں اتار دیجیے پلیز۔" یوشع کو چار سو چالیس واٹ کا کرنٹ لگا یہ وہی ایشا ہے کہیں اس کے کان ونظر کا دھوکا تو نہیں۔ کچھ دیر خاموشی کے بعد یوشع نے اپنے ہاتھ جوتوں کی طرف بڑھائے۔

"تم جاؤ چچی جان سے کہو میرے لیے کافی اور کچھ اسنیکس بھجوادیں۔"

"جی اچھا۔" ایشا کہہ کر وہیں کھڑی رہی۔

یوشع نے جوتے اتار کر موزے اس میں رکھے جب ایشا کی نظر اس کے داہنے پیر پر پڑی جہاں سیاہ تل بڑا واضح تھا۔

"ہائے میں مرگئی۔" زبان سے پھسلا فوراً سینے پر ہاتھ دھرا اس کا دل گویا پھٹنے کو تھا۔ یوشع نے نظر اٹھا کر دیکھا وہ پلٹ کر تقریباً بھاگتی ہوئی سیڑھیاں چڑھ گئی وہ اس کے ردعمل پر جی بھر کر حیران ہوا۔

اوپر پہنچ کر اس نے سب سے پہلے کالو اماں کو فون ملایا اور اپنی سانسیں ہموار کرنے لگی۔

"کالو اماں! یوشع کے پیر پر سیاہ تل ہے اب بتایئے میں کیا کروں؟ میرا تو دل پھٹا جارہا ہے۔" وہ چھوٹتے ہی بولنے لگی۔

"دھیرج رکھو لڑکی! اگلی بات ضرور بتاؤں گی مگر پہلے تین ہزار لے کر میرے آستانے پر پہنچو۔" کالو اماں نے فون کاٹ دیا۔

تین ہزار...... تین ہزار کہاں سے لاؤں؟ ٹیوشن کی فیس تو کب کی اڑا چکی ہوں۔ امی اور تائی سے خوب پیسے لے کر کھا چکی ہوں ابو اور تایا ابو نے بھی پچھلے ہفتے میری برتھ ڈے پر ڈھیر سارے گفٹس دیئے تھے۔

"اب کیا کروں' کیا بہانہ کروں؟" وہ سر پکڑ کر بیٹھ گئی پھر امی اور تائی جان سے پیسے ہتھیانے کے لیے نیچے آئی جہاں کچن میں یوشع ان دونوں کے پاس کھڑا تھا۔

"اگلے ہفتے میرے ایک دوست کی شادی ہے' ساری فیملی کو بلایا ہے یہ لیجیے آپ لوگ اپنے لیے شاپنگ کر لیجیے گا۔" اس نے بٹوے سے بڑے بڑے نوٹ نکال کر ان دونوں کے ہاتھ میں رکھے' وہ موقع تاک کر پاس آ کے کھڑی ہوگئی یقیناً وہ اس کو بھی شاپنگ کے لیے پیسے دے گا جب ہی وہ اس کی طرف پلٹا۔

"ہاں بھئی کب لوٹا رہی ہو میرے پیسے؟" ایشا کو جھٹکا لگا۔

"کون سے پیسے؟"

"وہی دو ہزار روپے جو رفعت آنٹی کے سامنے مجھ سے نکلوائے تھے۔" ایشیا نے اس کی سوچ پر افسوس کرتے ہوئے امی اور تائی جان کو دیکھا۔

"ہاں بھئی ایشا کب تک لوٹاؤ گی یوشع کے پیسے؟" امی بھی بالآخر بول پڑیں۔

"کبھی بھی نہیں۔" وہ غصے سے پیر پٹختی چلی گئی' یوشع' رضوانہ' فرقان مہر پر نگاہ ڈال کر مسکرا دیا۔

"تم دیکھو ذرا میں بھی کیسے تم سے پیسے نکلواتی ہوں' تم پچھلے حساب کتاب میں ہی جتے رہنا۔" جیسے ہی یوشع اپنے کمرے میں گیا وہ اس کے پیچھے آ گئی' جانتی تھی اب وہ فریش ہونے جائے گا۔ جیسے ہی شاور کی آواز کانوں میں پڑی وہ دروازہ کھول کر کمرے میں آ گئی۔ سامنے ٹیبل پر ہی اس کا والٹ پڑا تھا' پوری تسلی سے اس نے گن کر چار ہزار روپے نکال لیے تھے۔

❀......❀......❀

کالو اماں کی اگلی بات پہلی بات سے زیادہ خطرناک تھی۔

"تمہیں اپنے ہاتھوں سے زیتون کا یہ دم کیا ہوا تیل تیس دن تک لگاتار یوشع کے پیر کے تلوؤں پر ملنا ہے' اسی صورت تمہاری اور اس کی شادی رک پائے گی۔" ایشا مہر کے تو سر پر لگی اور تلوؤں پر جا بجھی۔

"حد ہوتی ہے بے شرمی کی کالو اماں! اس سے زیادہ گھٹیا کام نہ ملا آپ کو مجھے دینے کے لیے۔"

"حد ادب گستاخ! معلوم نہیں کس سے بات کر رہی ہو؟ تیری قینچی جیسی چلتی زبان جلا کر خاکستر کر دوں گی۔" وہ چپ ہوگئی۔

"پھر بھی کالو اماں! یہ تو بڑا گندا کام ہے کوئی اور حل ہے تو بتائیں ورنہ میں واپس چلی جاتی ہوں۔" وہ اٹھنے لگی۔

"رکو لڑکی! باؤلی ہو گیا؟ اتنی اتاولی مت ہو میں کچھ اور سوچتی ہوں۔" پھر اپنے پاندان میں سے ایک باسی چھالیہ نکالی' کچھ دیر زبان میں منمنا کر پھونک مار کر اسے دی۔

"اسے کھانے میں ملا کر اس کو کھلا دینا' دس دن تک اثر نہ ہوا تو بات کرنا' اب جاؤ۔"

❀......❀......❀
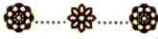
"تائی جان! آج سب کھانا میں پکاؤں گی' آپ کی طبیعت کل سے خراب ہے آپ جا کے آرام کریں' میں کرلوں گی۔" وہ بڑی فرمانبردار لگ رہی تھی۔

"نہیں بیٹا تم اکیلے کیسے کر پاؤ گی؟"

"نہیں تائی جان! میں کرلوں گی' آپ فکر مت کریں جہاں مسئلہ ہوا آپ سے پوچھ لوں گی یوں بھی اب یوشع کی پسند کے کھانے مجھے پکانے آنے چاہئیں نا۔"

"ایک چھالیہ کے لیے اتنا عذاب۔" وہ منہ میں بڑبڑائی۔ وہ تو شکر تھا کہ امی جی اور تائی جان نے اسے کسی حد تک کھانا پکانا سکھا دیا تھا۔

سب کھانا پکانے کے بعد اس نے بطور خاص یوشع کے لیے بنائی گئی فرنی میں وہ سفوف ملایا۔ شاندار کھانا پکا تھا سب نے تعریف کی۔ یوشع ہر نوالے پر نگاہ اٹھا کر اسے دیکھ رہا تھا شاید اسے یقین ہی نہیں آ رہا تھا کہ یہ کھانا ایشا نے پکایا ہے۔

"یوشع فرنی لونا۔" وہ بار بار اسے آفر کررہی تھی بالآخر اس نے ایک پلیٹ میں فرنی ڈال ہی لی' ایشا اچک کر اس کی پلیٹ دیکھ رہی تھی جس نے اطمینان سے فرنی ختم کی اور اٹھ کھڑا ہوا' ایشا برتن اٹھانے کے بہانے اس کے پاس آئی۔ وہ تھوڑا اس کی طرف جھکا' غالباً تعریف کرنے لگا تھا۔

"سنو...... میرے پیسے کب لوٹا رہی ہو؟" وہ ششدر رہ گئی۔

"کک...... کون سے پیسے؟" وہ ڈر گئی تھی۔

"وہی دو ہزار روپے۔"

"کبھی بھی نہیں......" وہ پیر پٹخ کر برتن اٹھانے لگی۔

اگلے دس دن میں یوشع پر منفی اثر ہوا یا نہیں' گھر کا ماحول بڑا خوش گوار ہوگیا۔ اس کے کھانے کی سب نے تعریف کی' ابو جی اور تایا ابو نے انعام بھی دیا اور امی جی اور تائی امی نے اس کی ڈیوٹی مستقل کچن میں لگادی۔

❁......❁......❁

پھر کالو اماں نے ایک تعویذ اس کے سیاہ اوور کوٹ میں ڈالنے کے لیے دیا۔

"جب وہ یہ کوٹ پہن کر وکالت کرے گا اس پر تعویذ اثر کرے گا۔"

تبھی اس شام وہ اس کے کمرے میں گھس آئی' وہ لان میں ایکسر سائز کررہا تھا تبھی موقع جان کر اس نے وارڈ روب سے اس کا کوٹ نکالا اور ایک پاکٹ میں وہ تعویذ ڈال دیا ابھی کوٹ واپس رکھنے ہی لگی تھی کہ وہ آ گیا اور اس کے ہاتھ میں کوٹ دیکھ کر چونکا۔

"کیا کررہی ہو؟"

"کک...... کچھ نہیں......" وہ ہکلائی۔

"کچھ تو کررہی تھی۔" وہ آگے بڑھ آیا۔

"نن...... نہیں...... کچھ نہیں......" وہ اس کے قریب آنے پر تھوڑا پیچھے کھسکی جب وہ سر پر آ کھڑا ہوا۔

"وہ...... وہ امی جی نے آپ کا کوٹ دھونے کو کہا تھا تبھی لینے آئی ہوں۔" اسے بہانہ سوجھ ہی گیا۔

"اس کو تو میں ڈرائی کلین کرواتا ہوں۔" وہ کچھ سوچ کر بولا۔

"چلو چچی جان نے کہا ہوگا تو کچھ سوچ کر ہی کہا ہوگا' تم ایسے نہیں دھو پاؤ گی اسے۔ میں بھی تمہارے ساتھ چلتا ہوں' آؤ......" وہ آگے بڑھ گیا۔

ناچار وہ کوٹ اٹھائے اس کے پیچھے چل دی' اب جھوٹ کو کسی کنارے تو لگانا تھا ناں پھر اس کے مشورے پر کوٹ رگڑ رگڑ کے ایشا کی انگلیاں تک زخمی ہوگئیں مگر وہ مطمئن نہ تھا۔

وہ تعویذ بھی بیچ میں کہیں ضائع ہوگیا تھا' ایشا کا دل دھاڑیں مار مار کر رونے کو چاہ رہا تھا۔ خدا خدا کرکے کوٹ کا کام مکمل ہوا' تو وہ جھاڑ کر اسے تار پر پھیلانے لگی جب اپنے پیچھے کسی کے ہونے کا احساس ہوا' پلٹ کر دیکھا تو یوشع بڑی گہری نظروں سے اس کا جائزہ لے رہا تھا۔

"سیاہ رنگ بہت خوب صورت لگتا ہے تم پر۔" اس نے چونک کر اپنے لباس کو دیکھا اس وقت اس نے سیاہ کامدار فراک اور چوڑی دار پاجامہ زیب تن کررکھا تھا اور یوشع کے یہ الفاظ......

"ہائے اللہ......" اس نے فوراً دل پر ہاتھ رکھا' ساتھ ہی زبان سے پھسلا۔ یوشع کی ہنسی بے ساختہ تھی' وہ پلٹ کر اندر بھاگی۔

"سنو...... میرے پیسے کب لوٹا رہی ہو؟" لاؤنج میں داخل ہوتے یوشع کے یہ الفاظ اس کے سماعت میں ٹپکے۔

❁......❁......❁

"ساری حدیں پار ہوگئیں کالو اماں! وہ تو میری تعریف کررہا ہے بجا مجھ سے نفرت۔ میں نے آپ سے کہا تھا مجھے اس شخص سے شادی نہیں کرنی' مجھے ارینج میرج کرنی ہی نہیں ہے میں لو میرج کرنا چاہتی ہو۔ میرے پورے خاندان میں آج تک کسی نے لو میرج نہیں کی لیکن میری دلی خواہش ہے کہ میں یہ ایڈونچر کروں جیسے میری سہیلی نے کیا۔ وہ کتنی خوش ہے اپنے شوہر کے ساتھ' کتنے ناز نخرے اٹھاتا ہے وہ اس کے اور یہاں ارینج میرج میں میری ساری زندگی اس شخص کے ناز نخرے اٹھاتے گزر جائے گی جیسے میری ماں اور نانی امی نے جی حضوری کی ویسے میں نہیں کرپاؤں گی' پلیز

کالو اماں کچھ کریں۔ میرا ٹینشن سے برا حال ہے۔"
"دیکھو لڑکی! تیری لو میرج کبھی ہو ہی نہیں سکتی۔"
"کیوں ...... کیوں نہیں ہو سکتی ...... کیا کمی ہے مجھ میں؟"
"بے وقوف...... کمی تجھ میں نہیں تیری عقل میں ہے۔ لو میرج کے لیے کسی سے محبت کرنا بھی تو ضروری ہے نا جو تجھے کسی بھی شخص سے ہے نہیں ایسے میں تُو کیا محبت کی شادی رچائے گی؟ اس کے لیے کسی محبوب کا ہونا بھی تو اشد ضروری ہے نا جس کے لیے تُو سارے سماج سے لڑ کر اسے حاصل کرے۔" واقعی کالو اماں کی بات میں دم تو تھا مگر یہ یوشع نامی بلا سے جان چھوٹے تو محبت کی کوئی نئی داستان پروان چڑھے۔
"وہ سب ٹھیک ہے مگر پہلے آپ اس یوشع نامی بلا سے میری جان چھڑائیں' پلیز......" وہ التجا کرنے لگی۔
"ٹھیک ہے' میرے پیسے لائی ہو؟"
"یہ لیجیے دو ہزار......" اس نے بیگ سے پیسے نکال کر کالو اماں کے حوالے کیے آج پھر موقع تاک کر اس نے یوشع کے والٹ پر ہاتھ صاف کیے تھے اب تو وہ یہ کام ضد کے طور پر مسلسل کرنے لگی تھی۔ عجیب وکیل تھا وہ یہ شخص آج تک اسے اپنی گم ہو جانے والی رقم کا اندازہ نہ ہو پایا تھا۔
"اچھا یہ بتا یوشع کے کمرے میں زیادہ تعداد میں کون سی اشیا ہیں؟"
"صرف کتابیں ہی کتابیں ہیں کالو اماں!" وہ جی بھر کے بدمزا ہوئی۔
"اچھی بات ہے تم اس کی کتابوں کی الماری کی کتاب نمبر چوبیس کے صفحہ نمبر چوبیس پر سطر نمبر چوبیس کے لفظ نمبر چوبیس کا چوتھا حرف لکھ کر لاؤ تب اگلا عمل بتاؤں گی۔"
"یہ کیا بات ہوئی اماں! یہ کیسے ممکن ہیں اور پھر آپ حرف نمبر چار کا کریں گی کیا؟"
"زیادہ سوال مت پوچھو جو کہا ہے وہ کرو۔" بلاآخر جی کڑا کر کے اس نے یہ کام بھی کیا' ابھی وہ اس کام میں مصروف تھی کہ یوشع آ پہنچا' وہ ابھی آفس سے آیا تھا۔

"تم یہاں کیا کر رہی ہو؟" زیادہ حیرانگی اسے اپنی کتابوں کے پاس کھڑا دیکھ کر ہوئی' جب اس نے ہاتھ میں پکڑی کتاب اس کے سامنے کر دی۔
"میں یہ کتاب لینے آئی تھی' فارغ تھی تو سوچا پڑھ لوں۔" یوشع نے اس کے ہاتھ سے کتاب لے کر دیکھی "بانو قدسیہ کی راجہ گدھ" وہ بے یقینی کی کیفیت میں اس کے چہرے کو دیکھنے لگا' جیسے یقین نہ آیا ہو پھر ہولے سے مسکرا کر کتاب اس کے ہاتھ میں تھما دی وہ آگے بڑھی۔
"سنو......" آواز پر رک گئی۔ "میرے پیسے کب تک واپس کرنے کا ارادہ ہے؟" لو جی اس نکمّے کی سوئی ابھی تک وہیں اٹکی ہوئی تھی اگر جو اس شخص کو پتا چل جائے کہ اس کے ان دو ہزار کے علاوہ وہ کتنی ساری مزید رقم اس سے اینٹھ چکی ہے تو یقیناً اس وقت اس کی بینڈ بج چکا ہوتا ویسے میں بھی کتنی سیانی ہوں نا' وہ اپنی چابک دستی پر مسکرا دی۔ یوشع بغور اس کے چہرے کو دیکھ رہا تھا' نجانے اس کی مسکراہٹ اس وقت یوشع کو اتنی بھلی کیوں لگی تھی۔

❀......❀......❀

حرف نمبر چار "ت" تھا۔
"ت یعنی تیل...... یعنی تمہارا یہ مسئلہ زیتون کے تیل کی مالش کے بغیر حل نہیں ہونے والا۔" کالو اماں دور کی کوڑی لائی تھیں ایشا سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔
"میں یہ نہیں کر سکتی' یہ بہت مشکل کام ہے اور پھر میں کیا کہہ کر اس کے پیر کے تلوؤں پر زیتون کے تیل کی مالش کروں گی۔ پہلے پہل تو سب میری ذہنی حالت پر شبہ کریں گے اور پھر وہ صاحب بہادر بھی تو نہیں مانے گا اور بالغرض اگر مان بھی جائے تو یہ کتنا گھٹیا کام ہے' سب میرا مذاق اڑائیں گے کہ مجھے بیٹھے بٹھائے یہ کیا سوجھی جو اس فضول انسان کی باندیوں جیسی چاکری شروع کر دی' اتنا تو مت گرائیں مجھے میرے مقام سے۔ اس پر مستزاد تیس دن تک لگاتار یہ عمل...... نہیں ہو سکتا کالو اماں! پلیز کچھ اور سوچیں نا۔"
"دیکھو لڑکی! ہم نے سب سوچ لیا اور کر کے دیکھ بھی لیا'

نتیجہ تمہارے سامنے ہے اب اگر تم یہ کام نہیں کرنا چاہتی تو مت کرو۔ خاموشی سے اس کے نام کی مہندی ہاتھوں میں رچالو اور اگر منظور نہیں تو ہماری بات پر عمل کرو۔ دیکھو لڑکی! اس کے پیر پر تمہارے نام کا سیاہ تل ہے اس تل کے اثر کی کاٹ پیر کے تلوے پر یہ دم شدہ تیل مل کر ہی کی جاسکتی ہے آگے جو تمہاری مرضی......'' ایشا کا دل رونے کو چاہ رہا تھا' سب سے زیادہ دکھ اس بات کا تھا کہ اس کا نام اس ایڈیٹ شخص کے پیر کے تل میں درج ہے وہ اپنی تقدیر پر جتنا بھی روتی کم تھا۔

''مگر پھر میں کیا کروں' کیسے تیس دن اس کے پیروں کی مالش کروں آپ ہی کچھ بتاؤ؟''

''آسان سی بات ہے روز بعد نماز عشاء زیتون کے تیل کی مالش پہلے اپنے سر میں کرو پھر گوندھ کر بالوں کی چٹیا بنادو' اس کے بعد جب وہ لڑکا سوجائے تو دھیرے سے اس کے پیروں پر اس تیل کی مالش کرو' تیس دن لگاتار یہ عمل کرو پھر اثر دیکھنا۔''

''پر کالو اماں! میرے بال تو بہت چھوٹے ہیں' ان کی چٹیا کیسے بنے گی؟'' اس کی پریشانی حد سے سوا تھی۔

❀......❀......❀

گھر پہنچ کر ایشا نے اپنے دل کو اس کڑے امتحان کے لیے تیار کیا' اب کچھ بھی ہوجائے اسے اس اقدام کے لیے جی مضبوط کرنا ہی ہوگا۔ اپنی آئندہ کی خوش گوار زندگی کے لیے' کچھ بھی کرے اسے آج رات سے اس عمل کا آغاز کرنا پڑے گا۔

رات کے کھانے کے بعد سب ٹی وی لاؤنج میں بیٹھ گئے جبکہ وہ اپنے کمرے میں آکر سر کی مالش کرکے چٹیا گوندھنے لگی' رفتہ رفتہ ٹی وی لاؤنج سے سب کی آوازیں آنا بند ہوگئیں یعنی سب سونے کے لیے اپنے کمروں میں جاچکے تھے' کچھ دیر مزید انتظار کے بعد جب اسے یوشع کے سوجانے کا یقین ہوا تو دھیرے سے اس کے کمرے میں آگئی۔ دروازہ پر ہلکا سا دباؤ ڈالا مگر وہ لاکڈ تھا ''اوہ گاڈ'' وہ پریشان ہوگئی یہ تو وہ بھول ہی گئی تھی کہ وہ شخص دروازے لاک کرکے سوتا تھا۔

''اب کیا کیا جائے؟'' وہ سوچتی رہ گئی پھر اسے یاد آیا' یوشع کے کمرے کی ایک کھڑکی لان کے پچھلی طرف کھلتی تھی۔ اسی سے اندر جایا جاسکتا ہے تبھی وہ دھیمے قدموں سے چلتی لان کی پچھلی طرف آگئی۔ یوشع کا کمرا خاصی اونچائی پر تھا آس پاس نگاہ دوڑانے پر اسے ایک بڑا اسٹول دکھائی دیا فوراً سامنے رکھ کر اس کے اوپر پلاسٹک کی کرسی رکھی' کچھ پس وپیش کے بعد وہ اوپر چڑھنے میں کامیاب ہوگئی مگر جونہی دوسرا قدم کھڑکی میں رکھا ایک جھٹکے کے ساتھ پلاسٹک کی کرسی نیچے گرگئی' اسٹول تو یوں بھی بوسیدہ تھا ایک چرچراہٹ کے ساتھ زمین بوس ہوگیا۔

''یاخدا! اب میں کیا کروں گی' یہ کس افتاد میں پھنس گئی میں؟'' واپسی کا راستہ جو بند ہوچکا تھا' اس کی حالت ایسی ہورہی تھی گویا نہ نگلتے بنے نہ اگلتے۔ اس ایک یوشع مہر سے جان چھڑانے کے لیے اسے کیا کچھ نہیں جھیلنا پڑرہا تھا ناچار وہ کھڑکی سے نیچے اتر آئی' کمرے میں نیم تاریکی تھی اے سی آن تھا۔ یوشع مہر کمبل تانے گہری نیند میں تھا وہ دھیرے سے آگے بڑھ آئی جو بھی تھا آج کا کام تو اسے کرکے ہی جانا تھا۔

کچھ دیر رک کر کمرے کا جائزہ لینے کے بعد وہ اس کے پاؤں کی سمت چلی آئی' دھیرے سے کمبل ہٹا کر تیل کی ڈبیا کھولی اور پھر نرم ہاتھ سے داہنے پیر کے تلوے پر تیل کی مالش کرنے لگی۔ ابھی اس عمل کو دو منٹ بھی نہ گزرے ہوں گے جب یوشع مہر بدک کر اٹھ بیٹھا' ساتھ ہی کمرے کی لائٹ آن کی۔ ایشا مہر گھبرا کر پیچھے ہٹی' یوشع کو اپنی طرف متوجہ پاکر اس کی ساری جان گویا حلق میں اٹک گئی' یوشع کی شعلے اگلتی آنکھوں کا سامنا کرتے ہی اس کا وجود کپکپانے لگا۔

یہ اچانک سے کیا ہوگیا تھا......اس کی تو ایشا کو قطعی امید نہ تھی جب کہ دوسری طرف یوشع مہر کے تاثرات سخت پتھریلے ہوگئے تھے۔

''تم کیا کررہی ہو اس وقت یہاں......؟'' آواز اتنی

رعب دار تھی کہ وہ جی جان سے کانپ اٹھی وہ فوراً بستر سے نیچے اتر آیا۔ ایک نظر لاکڈ دروازے کو دیکھا پھر دوسری نظر کھلی کھڑکی پر پڑی اسے شدید تاسف نے گھیر لیا۔

"چچ...... چچ...... یہ لڑکی اپنی بھینس نما عقل کے ہاتھوں اس حد تک جاسکتی ہے۔" وہ دل ہی دل میں تلملا کر رہ گیا۔

"کیوں آئی ہو تم یہاں...... کون سے مقصد کے تحت تمہاری اس وقت یہاں آمد ہوئی اور یہ کیا ہے تمہارے ہاتھ میں؟" یوشع نے اس کی کلائی اتنی زور سے دبا رکھی تھی کہ وہ باقاعدہ رونے لگی۔

"پاگل ہو تم کیا...... شرم نہیں آتی ایسی اوٹ پٹانگ حرکتیں کرتے ہوئے، جانتی ہو اگر اس وقت سب گھر والے تمہیں میرے کمرے میں دیکھ لیں تو کیا سوچیں گے۔ مجھے چھوڑو اپنے بارے میں سوچو کیا اوقات رہ جائے گی تمہاری اپنے والدین کی نظر میں؟ اور پھر مجھے تو تم مفت میں مروانے پر تلی ہو، خود تو بے وقوف ہو ہی مجھے بھی ثابت کر چھوڑو گی، ہم تو ڈوبے صنم تم کو بھی لے ڈوبے۔" وہ بے تحاشہ غصے میں تھا، آواز اتنی کرخت اور اونچی تھی کہ ایشا کی ہچکیاں بندھ گئیں۔

"جی تو چاہتا ہے کہ کھینچ کے ایک تھپڑ تمہارے منہ پر رسید کروں۔" اس نے ہاتھ فضا میں لہرایا، ایشا کے حلق سے فوراً چیخ برآمد ہوئی ساتھ ہی اپنا چہرہ بچاؤ کی خاطر گھما لیا۔ یوشع نے اپنا ہاتھ واپس پہلو میں گرا لیا۔

"بہت کم فہم ہو تم...... بالکل عقل سے پیدل، سمجھ نہیں آتی تمہارا کیا علاج کیا جائے؟" وہ اس کی کلائی چھوڑ کر صوفے پر بیٹھ گیا۔

"پلیز یوشع! مجھے غلط مت سمجھو، میں کسی غلط ارادے سے تمہارے کمرے میں نہیں آئی تھی۔" وہ فوراً اس کے قدموں میں بیٹھ گئی۔

"شٹ اپ...... آگے ایک لفظ بھی مت بولنا، میں اس وقت تمہاری آواز سننے کا بھی روادار نہیں ہوں اور اٹھو میرے قدموں سے، اوپر اٹھو......" اس نے ایک جھٹکے سے اسے اوپر اٹھایا تو پاس پڑے سائیڈ ٹیبل پر موجود لیمپ جھٹکا لگنے سے زمین بوس ہوگیا۔ اس بڑے سے لیمپ کے گرنے کی آواز اتنی اونچی تھی کہ چند منٹ بعد ہی یوشع کے کمرے کا دروازہ بجنے لگا۔

"یوشع بیٹا! دروازہ کھولو۔" آفاق علی مہر کی آواز تھی۔

"کیا ہوا ہے بیٹا! دروازہ کھولو......" امی اور چچی بھی غالباً ان کے ساتھ تھیں۔ ایشا کی حالت ایسی ہوگئی تھی گویا کاٹو تو بدن میں خون نہیں۔ اس نے گھبرا کر یوشع کو دیکھا مبادا وہ دروازہ کھول کر سب گھر والوں کو اس کی اصلیت نہ بتادے۔ یوشع دروازے کی سمت بڑھا تھا کہ وہ آگے بڑھ کر اس کے سینے سے لگ گئی۔

"پلیز یوشع! مجھے معاف کردو، میں جانتی ہوں میں نے تمہیں بہت تنگ کیا ہے۔ بہت ہرٹ کرتی رہی ہوں، ہمیشہ تم سے بدتمیزی سے بات کی ہے، مگر میں ایسی نہیں ہوں جیسا تم سمجھ رہے ہو پلیز مجھے معاف کردو۔" اس کے فراخ سینے میں سر چھپائے وہ زارو قطار رو رہی تھی، اس کے اس قرب نے یوشع کے اپنے دل کی حالت عجیب کردی تھی جبھی آہستگی سے اسے خود سے الگ کیا، باہر سب لوگوں کی آوازیں ابھی بھی آرہی تھیں۔

"ابو جان! میں بالکل خیریت سے ہوں، چاچو جی! پریشانی کی کوئی بات نہیں، بلی گھس گئی تھی کمرے میں اب بھاگ گئی ہے۔ آپ سب لوگ پلیز جا کے آرام کریں۔" تبھی وہ سب مطمئن ہو کے واپس چل دیئے، ایشا نے بے یقینی سے یوشع کو دیکھا، آج سے پہلے یہ یوشع مہر اسے اتنا حسین کبھی بھی نہ لگا تھا۔ بڑی بڑی کشادہ ذہین آنکھیں، فراخ پیشانی، بھرپور لب ولہجہ، مضبوط کسرتی وجود۔ پہلی بار اسے احساس ہوا کہ وہ اس کے کتنے قریب کھڑی ہے، دل کی لے بدلی تو یوشع سے گھبرا کر وہ نظریں چراتی اس سے دور ہٹ گئی۔ یہ کیسا احساس تھا جس نے اس کے دل کو جکڑا تھا، آج سے پہلے تو ایسا کبھی نہ ہوا تھا۔

"آئم سوری......" یونہی ایشا کے منہ سے پھسل گیا۔

"اب کیا تم مجھے ساری بات بتانا پسند کرو گی جو تمہیں اس وقت یہاں لانے کا سبب بنی؟" وہ بیڈ پر پیر لٹکا کر بیٹھ گیا۔ ایشا نے نظریں جھکا کر اسے کالو اماں والا سارا قصہ اول تا آخر

سناڈالا جیسے ہی اس کی بات ختم ہوئی' یوشع بے تحاشا ہنسنے لگا یہاں تک کہ اس کی آنکھوں سے پانی آنے لگا۔ ایشامہر بغور اس کی جاندار مسکراہٹ دیکھ رہی تھی۔ آج سے پہلے اسے یوشع کی یہ خوب صورتی کیوں دکھائی نہ دی تھی یوشع خاموش ہواتو نگاہ اس پر گئی جو ساکت وجامد اسے دیکھ رہی تھی۔

''آئم سوری یار! میرا ارادہ تمہیں ہرٹ کرنے کا نہیں' پر تم سچ میں پاگل ہو اگر بات صرف اتنی سی تھی تو تم مجھے بتادیتیں اب میں زبردستی تو تم سے شادی کرنے سے رہا اور کچھ نہ سہی کم از کم یہ تیل کی مالش والے معاملے میں تو تمہاری مدد کردیتا۔ کیا کہا تم نے' میرے داہنے پیر پر جو تل ہے اس میں تمہارا نام درج ہے' کیا بکواس ہے یہ؟''
وہ پھر ہنس رہا تھا۔

''یہ لو......'' اس نے فوراً اپنے دونوں پیر بیڈ کے اوپر کردیئے۔ ''مالش کرو میرے پاؤں کے تلوؤں کی۔'' وہ مسلسل ہنس رہا تھا۔ ''مگر صرف تلوؤں کی کیوں...... اگر سر کی مالش بھی کردو تو کیا ہی بات ہے' چلو چلو جلدی شروع ہوجاؤ۔'' ایشا کی آنکھوں سے پھر آنسو بہنے لگے وہ ابھی بھی اس کی توہین کررہا تھا مگر اب نجانے کیا ہوا تھا وہ اس دم شدہ تیل کی مالش اس کے پیروں پر نہیں کرنا چاہتی تھی کبھی بھی نہیں جبھی اس کے پُرزور اصرار کے باوجود وہاں سے اٹھ کر سامنے صوفہ کم بیڈ پر جا بیٹھی۔

''اچھا سنو...... میرے پیسے کب لوٹا رہی ہو؟'' ایشا نے ابھی تک اس کے پیسے چوری کرنے والی بات اسے نہیں بتائی تھی جبھی وہ سابقہ دو ہزار کی بابت پوچھ رہا تھا جواب میں وہ خاموش رہی۔ جب تھوڑی دیر بعد وہ اٹھ کر اس تک آیا کچھ دیر خاموشی سے اس کے تاثرات کا جائزہ لیتا رہا پھر اس کے ساتھ صوفے پر بیٹھ گیا۔ وہ دانستہ تھوڑا آگے کھسک گئی حالانکہ وہ اس سے خاصے فاصلے پر براجمان تھا۔

''دیکھو میں جانتا ہوں کہ تم اس وقت بہت افسردہ ہو اور ہونا بھی چاہیے کیونکہ درحقیقت تم ایک کم عقل لڑکی ہو۔ تم اگر از خود سب کو اس رشتے کے لیے ناں نہیں بول سکتی تھیں تو مجھے کہہ دیتیں۔ میں سب کو راضی کرلیتا اور تم پر کوئی الزام بھی نہ آتا پھر تم مزے سے اپنی لو میرج کا شوق پورا کرلیتیں لیکن میری ایک بات یاد رکھو' میرج لو ہو یا ارینج چلتی وہ دونوں فریقین کے باہمی سمجھوتے اور کمٹمنٹ کی بنیاد پر ہے یہ ضروری نہیں کہ ہر لو میرج کامیاب ہو اور یہ بھی ضروری نہیں کہ ہر ارینج میرج ناکام ہو بہرحال جن جوڑوں کی شادی ایک کامیاب تجربہ ہوتی ہے اس میں اسّی فیصد ہاتھ ان کی تقدیر کا ہوتا ہے جو اللہ ربّ العزت ان دونوں کے دلوں میں ایک دوسرے کے لیے گنجائش پیدا کردیتا ہے اور بقیہ حصہ ان کے ایک دوسرے پر اعتماد' انحصار اور احساس کا ہوتا ہے۔'' وہ سانس لینے کو رکا ویسے میرا ذاتی خیال ہے کہ خالص محبت کسی سے مضبوط' شرعی تعلق قائم ہونے کے بعد ہی جنم لے سکتی ہے جبھی میں محبت کی شادی سے زیادہ شادی کے بعد محبت کرنے کو ترجیح دیتا ہوں بہرکیف میں اپنے خیالات تم پر لاگو نہیں کرنا چاہتا مگر تمہارے کیس میں ایک بات تو بہت واضح ہے کہ محبت کی شادی کے لیے کسی سے محبت کرنا بھی ضروری ہے جو تم جیسی سیدھی طبیعت کی مالک لڑکی کبھی قبل از شادی کسی سے نہیں کرسکتی' سمجھ گئیں...... اب بھی کچھ نہیں بگڑا میں سب کو اپنی طرف سے اس رشتے کے لیے ناں بول دوں گا۔ ابھی اس وقت سب لوگ جاگ رہے ہیں' تمہارا اس کمرے سے باہر جانا خطرے سے خالی نہیں تو آج رات اگر یہاں تک آ پہنچی ہو تو جی کڑا کرکے یہیں سوجاؤ۔ میری طرف سے بالکل بے فکر رہنا' میں محض تمہارا منگیتر ہی نہیں تایا زاد بھی ہوں۔ تم ہمارے گھر کی بیٹی اور ہم سب کی عزت ہو لہٰذا بے فکر ہوکر بیڈ پر آرام کرو' میں اس صوفہ پر سوجاؤں گا۔'' وہ وارڈ روب سے کمبل نکال کر صوفے پر آ بیٹھا' جب وہ آہستگی سے اس کے بیڈ پر آلیٹی تھوڑی دیر بعد اسے یوشع کے ہلکے ہلکے خراٹوں کی آواز آنے لگی مگر وہ پوری رات سو نہ پائی تھی۔

❀......❀......❀

صبح وہ سب کے بیدار ہونے سے پہلے خاموشی سے اپنے کمرے میں چلی گئی اس کے دل کی حالت عجیب سی تھی۔ اس نے تنہائی میں بیٹھ کر جب اپنے آپ کو ٹٹولا تو ایک

ہی جواب ملا ''محبت''۔
کیسا عجیب اتفاق تھا گئی تو تھی وہ یوشع مہر سے ہمیشہ کے لیے نجات پانے مگر خود اس کی محبت کی قیدی بن کر لوٹ آئی۔ یہ کیسا ادراک تھا جو لمحوں میں اس پر نازل ہوا تھا' وہ شادی قبل از محبت نہیں کرنا چاہتی تھی مگر محبت کے لیے بھی تو اس کے پاس آج تک گنجائش نہ نکل پائی تھی۔ کل شب جو کیفیت اس پر گزری جس صورت حال میں اس پر محبت کا ادراک ہوا وہ تلخ ضرور تھا مگر باجود اس کے بہت حسین تھا۔
''ٹھیک ہی تو کہتا ہے یوشع مہر! وہ قبل از شادی کسی سے محبت کر نہیں سکتی تھی' کرتی بھی تو کیسے وہ تو بچپن سے ہی اس کے نام سے منسوب تھی۔ لاشعور میں دور کہیں وہ اسی کی ملکیت تھی جسے خود اس کا وجدان قبول کرتا تھا تو کیسے وہ کسی اور انجان نامحرم کو دل میں بسا لیتی۔ جب اس کا محرم اس کے دل کے ہر راز سے آگاہ تھا' وہ اس کے بارے میں وہ سب بھی جانتا تھا جو وہ خود آج تک اپنے متعلق نہ جان پائی تھی تو کیوں نہ وہ اس چاہے جانے کے قابل انسان کو چاہے جو واقعتاً اس کا اپنا تھا۔
یوشع مہر کا رویہ اس کے ساتھ بالکل نارمل تھا' اس نے گھر پر اس کی سچائی کسی کو بھی نہ بتائی تھی البتہ شادی سے انکار کے لیے مناسب وقت کی تلاش میں تھا مگر یہی وقت اب ایشا مہر اسے دینا نہیں چاہتی تھی جبھی چپ چاپ امی جی اور تائی جی کے کان میں اپنی شادی کے لیے ہامی کی بابت بتا آئی تھی پھر دیکھتے ہی دیکھتے گھر میں شادی کی تیاریاں شروع ہوگئیں انہی دنوں اس کا نتیجہ آیا جس میں وہ کامیاب ٹھہری۔ ذرا دلچسپی کے ساتھ ٹیوشن کے بچوں کو پڑھانا شروع کیا تو ان کے ٹیسٹ بھی اچھے ہوئے نتیجتاً عمران عرف ٹھرکی کی امی بھی اس سے خوش ہوگئی تھیں۔
دوسری طرف یوشع مہر اس کی اس کایا پلٹ پر حیران تھا آخر اس نے شادی کے لیے ہامی کیونکر بھری۔ کئی مرتبہ وہ اس سے بات کرنے کے لیے آگے بڑھا مگر وہ اسے دیکھتے ہی وہاں سے بھاگنے کی کرتی۔ اس نے یوشع کی آنکھوں میں بہت سے سوال مچلتے دیکھے مگر وہ ان سوالوں کا کوئی جواب نہ دینا چاہتی تھی اس کے پاس خوش ہونے کے لیے یہی عذر بہت تھا کہ وہ اپنی محبت سے شادی کرنے جارہی ہے۔
مایوں کے روز جب رسم کے بعد وہ اپنے کمرے میں اکیلی بیٹھی تھی تو امی جی اور تائی جی اس کے پاس آئیں' امی جی نے پیار سے اس کا بوسہ لیا۔
''میں بحیثیت ماں آپ کو اس بات کا یقین دلاتی ہوں کہ یوشع سے بہتر رفیق حیات آپ کو کوئی اور نہیں مل سکتا تھا یوں بھی بیٹا جس سے محبت کی جاتی ہے ان کی ہر برائی اور اچھائی تسلیم کی جاتی ہے۔ محبت اپنے ہم سفر کی رضا میں راضی رہنے کا نام ہے مجھے دیکھو...... مجھے آپ کے والد حضور فرقان علی مہر سے بے انتہا محبت ہے جس نے ان سے شادی کے بعد میرے اندر جنم لیا۔ یہ اسی محبت کا نتیجہ ہے کہ آج میں ان کی ہر خواہش کو اولیت دیتی ہوں ان سے وابستہ ہر رشتے کا احترام میں صرف ان کی محبت میں کرتی ہوں۔ ان کی خدمت میں جتے رہنے میں بھی اتنا سرور ہے کہ الفاظ میں بیان مشکل ہے۔ سو باتوں کی ایک بات' محبت کے سوا اس دنیا میں کچھ بھی نہیں جو خوب صورت اور پائیدار ہے اور مجھے یقین ہے کہ شادی کے بعد میری بیٹی کو بھی اپنے شریک حیات سے ایسی محبت ہوجائے گی جو میں نے تمہارے والد محترم سے کی۔'' وہ دونوں اسے اکیلا چھوڑ کر چلی گئیں۔
''لو جی......'' وہ جو یہ سمجھتی تھی کہ اس کی والدہ اور تائی محض اپنے شوہروں کی غلام ہیں اور بے وجہ ان کی جی حضوری کرتی ہیں وہ ان کی محبت کا خمیازہ ہے جو شادی کے بعد پروان چڑھی۔
''ٹھیک ہی کہتا ہے یوشع! شادی محبت کی ہو یا ارینج کامیاب اپنی تقدیر کی بناء پر ہوتی ہے۔''
پھر ایشا فرقان علی مہر کا نکاح یوشع آفاق علی مہر سے کردیا گیا۔ شادی کی تمام ہی تقریبات شاندار تھیں بالآخر ایشا مہر عروسی جوڑے میں سج دھج ساتھ یوشع مہر کے نام کی سجائی گئی سیج میں آبراجمان ہوئی۔ انتظار کی گھڑیاں ابھی اتنی طویل نہ ہو پائی تھیں جب دروازہ ہلکی چرچراہٹ سے کھل گیا' یوشع مہر اندر داخل ہوا۔

وائٹ اور میرون کنٹراسٹ کی شیروانی میں اس کا متناسب سراپا بہت جچ رہا تھا' ایشا مہر نے سر اٹھا کر اس کو دیکھا مگر بے سود...... بڑا سا گھونگھٹ نگاہوں کے سامنے تھا جب یوشع مہر نے بیڈ پر اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے گھونگھٹ اٹھا کر اس کی مشکل آسان کی۔ ڈارک ریڈ شرارے میں ہم رنگ گولڈ جیولری اور نفاست سے کیے گئے میک اپ میں وہ دلکشی کے تمام ریکارڈ توڑ رہی تھی۔ یوشع دم بخود اسے دیکھے گیا' دوسری جانب یوشع پر پہلی نگاہ پڑتے ہی اسے شرم و حجاب نے گھیر لیا' جبھی سرخ چہرہ لیے نگاہیں جھکا گئی تبھی یوشع ہنکارا بھر کر بولا۔

"کیا میں اس اچانک کایا پلٹ کی وجہ جان سکتا ہوں؟" انداز ذومعنی جبکہ ایشا کے لیے سوال اتنا غیر متوقع نہیں تھا۔

"بالکل آپ کو یہ جاننے کا مکمل اختیار ہے۔" اس نے سر ہلایا۔

"تو پھر گوش گزار کیجیے وہ وجہ جس کے کارن آپ نے شادی کے لیے ہامی بھری' باوجود میرے انکار کے؟" وہ خاصا سنجیدہ لگ رہا تھا۔

"وجہ آپ خود ہیں یوشع مہر!" اس نے نگاہ اٹھائی۔ "یہ آپ سے محبت کا اچانک ہونے والا ادراک تھا جس نے میری دنیا تہہ و بالا کر دی اور تبھی آج میں آپ کی بیوی کی حیثیت سے آپ کے سامنے موجود ہوں۔" یوشع بغور اس کا جائزہ لیتا رہا پھر ایک دلفریب مسکراہٹ اس کے ہونٹوں کو چھو گئی ایشا فرقان کے منہ سے برملا اظہار محبت اسے لطف دے گیا تھا جبھی اس نے بھی اپنا دل آشکار کرنے کا فیصلہ کیا۔

"تو ایک بات میری بھی توجہ سے سن لیجیے مسز یوشع آفاق علی مہر! یہ محبت یک طرفہ محبت قطعاً نہیں ہے جیسے آپ کو اس جذبے کا اچانک ادراک ہوا' مجھے بھی اچانک ہی یہ جذبہ مغلوب کر گیا خاص طور پر ان دنوں جب آپ سگھڑپے کی تمام حدیں عبور کر رہی تھیں۔" ایشا کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

"بھلا ہو آپ کی اس کالو اماں کا جن کے تعویذ بروقت کام آئے وہ اور ان کے تعویذ مجھ کو آپ سے بدظن کیا کرتے ان کے عمل تو میرے دل میں آپ کے لیے خصوصی جگہ بنا گئے۔ میں آپ کو کچھ خاص ناپسند بھی نہ کرتا تھا تبھی میں جو آپ پر دھیان تک نہ دیتا تھا بغور آپ پر نگاہ رکھنے لگا پھر معلوم پڑا کہ آپ کسی کالو اماں کے آستانے پر جا پہنچی ہیں جب ایک دن امی حضور اور چچی جان کو وہاں بھیج ڈالا اور نتیجہ آپ کے سامنے ہے۔ آپ مجھ پر تعویذ کروانے گئی تھیں اور ان تعویذوں کا اثر آپ پر ہوتا رہا۔" وہ ہنس رہا تھا جبکہ ایشا تو ششدر رہ گئی۔

"کیا کہا...... آپ کو یہ سب پہلے سے پتا تھا کیا؟"

"ہاں مجھے معلوم تھا کہ کالو اماں نامی کسی فراڈ پیسے ہتھیانے والی خاتون کے آستانے پر جاتی ہیں مگر یہ معلوم نہ تھا کہ ہر دفعہ کیا نیا منصوبہ پکا کر آتی ہیں' یہ سب تو اس رات ہی معلوم ہوا جب آپ نے اپنی زبان سے سب بھید آشکار کیے۔"

"مطلب یہ سب آپ کی سازش تھی' مجھے اپنی طرف مائل کرنے کے لیے۔" وہ چیخ پڑی تھی۔

"دھیرج رکھیے مادام! ذرا تو ہوش کے ناخن لیجیے' میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں تھا میں تو صرف یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ آپ کہیں کسی غلط سرگرمی میں تو ملوث نہیں۔ مطلب کالا' سفید جادو وغیرہ جبھی امی اور چچی جان کو وہاں بھیجا انہوں نے واپس آ کر مجھے سب ٹھیک ہے کہہ کر مطمئن کر دیا۔ اب ان دونوں خواتین اور کالو اماں کے درمیان کیا باتیں ہوئیں کیا عہد و پیماں ہوئے یہ میں نہیں جانتا مگر بخدا مجھے یہ بھی علم نہیں تھا کہ اس آستانے پر آپ تینوں ہستیاں میری ذات ڈسکس کرنے جاتی ہیں۔ باوجود اس کے اگر تمہیں لگتا ہے کہ یہ تمہیں میری طرف مائل کرنے کی ایک سازش تھی تو یہ امی اور چچی جان کی سازش ہو سکتی ہے میری نہیں۔ ویسے مجھے نہیں لگتا کہ کالو اماں کے تعویذوں میں اتنا اثر ہے کہ وہ ہمیں قریب لے آتے یہ سب اوپر والے کی دین ہے جس نے ہم دونوں کے دلوں میں ایک دوسرے کے لیے وسعت پیدا کر دی وگرنہ کالو اماں جیسی دھوکے باز خواتین اگر جو بگڑی

بنانے کی اہلیت رکھتیں تو سب سے پہلے اپنا گھر بساتیں۔ اب تم کہو کیا کہنا چاہتی ہو؟'' وہ شرارتی نگاہوں سے اس کے بھولے چہرے کو دیکھ رہا تھا۔

''میں کتنی پھوہڑ ہوں نا...... مجال ہے جو کچھ بھی سمجھ پاؤں' کبھی بھی کسی بھی وقت کسی کے بھی ہاتھ الو بن جاتی ہوں۔''

''سو تو ہے......'' یوشع نے اثبات میں سر ہلایا' ایشا نظریں جھکا گئی۔

''کیا ہوا...... چپ کیوں ہوگئیں؟'' اس کی شرارتی آواز ایک بار پھر ایشا کی سماعت سے ٹکرائی۔

''کچھ نہیں۔'' اس نے نفی میں سر ہلایا پھر اچانک کچھ یاد آنے پر بولی۔ ''میرا منہ دکھائی کا تحفہ......''

''کون سا تحفہ......؟'' یوشع نے بھنویں اچکائیں۔

''تو کیا آپ مجھے منہ دکھائی کا تحفہ نہیں دیں گے؟''

''دوں گا مگر پہلے تم میرے پیسے تو واپس کرو۔'' وہ دوبدو بولا' وہ ہنس دی۔

''آپ ابھی تک ان دو ہزار روپوں کو یاد رکھے ہوئے ہیں؟''

''دو ہزار...... ہوش میں آیئے میڈم! کالو اماں کے چکر میں میرے بھرے والٹ خالی کر کر کے بھی آپ نے تمام رقم کی جمع دو ہزار ہی بنائی ہے۔ سچ کہتی ہیں رفعت آنٹی! تمہارا میتھس واقعی کمزور ہے۔'' ایشا کی آنکھیں کھل گئیں' یہ شخص آج اس پر کون کون سے راز آشکار کرنے والا تھا یعنی وہ یہ بھی جانتا تھا۔

''آپ کو یہ سب کیسے پتا؟''

''کیسے پتا...... یہ کیسا سوال ہے؟ مجھے پتا ہوتا تھا تبھی اپنا بھرا والٹ یہاں وہاں پھینک جاتا تھا صرف تمہاری خاطر...... ہر بار نیت یہی ہوتی تھی کہ ان پیسوں سے تم اپنے لیے حسب معمول نئے ڈیزائن کے سوٹ خریدو گی مگر تم تو کالو اماں کا صندوق جیسا پیٹ بھرتی رہیں مگر سب سے زیادہ تعجب تو اس بات کا تھا کہ میری کمائی سے تم مجھ پر ہی تعویذ کرواتی رہیں' دیکھو تبھی اوپر والے کو مجھ پر رحم آ گیا اور تمام معاملات میرے ہی حق میں بہتر ہوتے چلے گئے۔'' ایشا کا دل فوراً پسیج گیا' وہ کتنی خوش نصیب تھی جو اتنا اچھا جیون ساتھی اسے نصیب ہوا تھا اور وہ یونہی سائرہ کے شوہر کے قصے سن کر دل جلاتی تھیں' ابھی وہ اسی ادھیڑ پن میں تھی جب یوشع نے اس کی ہتھیلی پر ایک چیک رکھا۔

''یہ تمہارا حق مہر ہے' مسز یوشع آفاق علی مہر!''

''یہ...... یہ آپ مجھے کیوں دے رہے ہیں؟'' اس نے حیرانی سے پوچھا۔

''بھئی وکیل ہوں' سب قانون جانتا ہوں دنیا کے بھی اور دین کے بھی اسی باعث دے رہا ہوں۔'' ایشا کے چہرے پر سکون اتر آیا۔

''شکریہ! آپ واقعی بہت اچھے ہیں۔'' وہ مسکرا دی۔

''زیادہ خوش ہونے کی ضرورت نہیں' ادھار کے دو ہزار پیشگی کٹوتی کر کے دیا ہے' کسی خوش فہمی میں مت رہنا۔'' پھر اپنی سائیڈ پاکٹ سے ایک سنہری ڈبیا باہر نکالی۔

''یہ تمہارا منہ دکھائی کا تحفہ......'' اس نے اس کی نازک حنائی انگلی میں ڈائمنڈ رنگ پہنا دی' ایشا کی آنکھوں سے آنسو چھلک پڑے۔

''آں...... ہاں' بالکل بھی نہیں۔'' یوشع نے اس کے آنسو اپنی پوروں پر چن لیے۔ ''آج جب اپنی سب عنایتوں کے بدلے وصولی کرنے کا وقت آیا ہے تو آپ رو دینے کو ہیں۔ خبردار جو ان بے جا آنسوؤں کے لیے میری شب زفاف کے حسین لمحات کو برباد کیا تو مجھ سے بُرا کوئی نہ ہوگا۔'' ایشا روتی آنکھوں کے ساتھ مسکرا دی اور سر یوشع کے سینے سے ٹکا دیا اگر وہ اتنی تھڑ دلی اور خوف وہراس کی ماری نہ ہوتی تو یقیناً ان حالات سے نہ گزرتی جس کا وہ سامنا کر چکی تھی۔

زندگی حسین تھی اور یوشع کے سنگ مزید حسین ہوجانی تھی' اس بات کا اس کو یقین تھا۔

اپنی پلکوں کے دریچوں میں چھپالے مجھ کو
حسنِ تدبیر سے تقدیر بنالے مجھ کو
مجھ کو محسوس کرے گا نہ کوئی تیرے سوا
عشق کی لاج ہوں سانسوں میں بسالے مجھ کو

اس کے ساتھ تو آسمان سے گرا کھجور میں اٹکا والا معاملہ ہوا تھا سامنے پڑے کاغذ اس کا منہ چڑا رہے تھے۔

"ان پر سائن کردو۔"

"کک...... کیا......؟" مارے دہشت کے اس کی گھگی بند چکی تھی۔ تحکم بھرے لہجے پہ وہ تیورا کر گرنے کو تھی کہ بے اختیار ہی اس نے اسے سنبھال لیا تھا اور اس کے گرد گرفت مضبوط کردی اس درجہ قربت نے اس کی جان نکال کر رکھ دی تھی۔

"چھ...... چھو...... چھوڑو مجھے۔" اس کے حلق سے پھنسی پھنسی آواز نکلی۔ وہ ہلکا سا ہنسا۔

"یہ نازک سراپا کب تک مزاحمت کرے گا آخر......" وہ لب بھینچ کر ہلکے سے مسکرایا' گویا اس کی کیفیت سے حظ اٹھایا۔

یونہی اسے ساتھ لیے وہ بیڈ روم میں چلا آیا دروازہ کھول کر اسے بیڈ پر دھکا دیا تو وہ سیدھی بیڈ پر جا گری' بالکل بے جان گڑیا کی طرح۔

"پلیز مجھ پر رحم کرو میں تو پہلے ہی مصیبت کی ماری ہوں۔"

''ہونہہ! مصیبت کی ماری......!'' اس نے نخوت سے سر جھٹکا۔ ''کس نے کہا تھا آدھی رات کو گھر سے بھاگنے کا اگر بالفرض محال بھاگی بھی تھیں تو میرے گھر میں پناہ لینے کی کیا ضرورت تھی' ویسے بھی میں نے چھوڑ دیا تو کوئی اور لے اڑے گا۔ تو میں کیوں نہ اپنا دل بہلاؤں جب کہ تم خود ہی پناہ لینے میرے گھر آئی ہو۔'' وہ اس پر جھکا بے باکی سے کہہ رہا تھا۔ لمحے کے ہزارویں حصے میں وہ کسمسا کر اس پر حملہ آور ہوگئی۔ وہ بھونچکارہ گیا کیونکہ اس کے خواب میں بھی نہ تھا کہ نازک سی لڑکی بپھری ہوئی شیرنی کی طرح اس پر حملہ کردے گی تبھی تو وہ اس حملے کے لیے تیار نہ تھا۔

وہ دوسری بار حملے کا موقع دیئے بغیر اس پر جھپٹا۔ وہ دوپٹے کو سنبھالتی سیدھا ہونا چاہ رہی تھی۔ درد کی شدت سے دوہری ہوگئی' دوپٹا ہاتھ سے جا گرا کیونکہ اس ظالم نے بڑے زور سے اس کی کلائی مروڑی تھی۔

''یہ تم نے اچھا نہیں کیا' میرے غیظ کو آواز دے کر اب میں تمہیں مزا چکھاؤں گا۔'' مگر اس سے پہلے ہی وہ اس کی کلائی پر کاٹ چکی تھی۔

''اُف!'' اس نے لب بھینچ کر درد کو روکا۔

''چھوڑو مجھے۔'' وہ اس کی آہنی گرفت میں جکڑی بُری طرح مزاحمت کررہی تھی۔ دورانِ مزاحمت اس کا گھنے بالوں کا جوڑا کھل کر بکھر گیا' یوں لگ رہا تھا جیسے کمرے میں اندھیرا سا چھا گیا ہو۔ وہ پاگل ہوجاتا مگر مذہب اور خدا کی بنائی ہوئی حدود وقیود کا خیال تھا۔

وہ تھکنے لگی تھی' مزید اس ظالم کا لمس جو آگ بن کر پورے وجود میں دوڑ رہا تھا۔ سردی کے موسم کے باوجود وہ ٹھنڈے پسینے میں سر تا پا نہا چکی تھی۔

''بس اتنی سی ہمت تھی۔'' اس کی حالت سے لطف اندوز ہوا۔

''دیکھو اب بھی وقت ہے تم ان کاغذات پر سائن کردو۔''

''اچھا لاؤ مگر ایک شرط ہے......؟''

''کیا......؟'' اس نے پوچھا لیکن وہ بولی کچھ نہیں مگر اس کے لیے یہی غنیمت تھا تبھی کاغذات لانے کو لپکا جونہی دروازے تک پہنچا گلدان اڑتا ہوا آیا اگر وہ فوراً نیچے نہ بیٹھ جاتا تو اب تک سر پھٹ چکا ہوتا۔

گلدان دیوار سے ٹکرا کر اک دھماکے سے زمین پر گر کے چکنا چُور ہوگیا۔ وہ فوراً پلٹا۔

''مجھے اندازہ تھا اس لیے میں نے یہ ڈرامہ کیا بہرحال ڈرامہ کامیاب رہا۔ تم انتہائی منتقم مزاج اور کسی حد تک بے خوف اور دوسروں کی جان سے کھیلنے والی لڑکی ہو۔ اس لیے میں نے اب کچھ اور فیصلہ کیا ہے' اب کام پکا ہوگا۔'' اس نے ایک نظر اس کے منتشر سراپا پر ڈالی جو باریک کپڑوں میں ملبوس تھی۔ جس کا رنگ بھی کئی جگہ سے اڑ چکا تھا۔ ایک نظر اس پر ڈالی اور قریب پڑا ہوا فون اٹھا کر جھولی میں رکھا اور نمبر ملایا' دوسری طرف میثم شاید سو رہا تھا' تیسری چوتھی بیل پر دوسری طرف کال ریسیو کرلی گئی۔

''ہیلو کون؟'' اس کا انداز پھاڑ کھانے والا تھا۔

''تفصیل بعد میں بتاؤں گا فی الحال جلدی سے ایک عدد قاضی اور گواہوں کا انتظام کرکے گھر آؤ ورنہ میری شادی میں شرکت سے محرومی کا غم تمہیں عمر بھر بے چین رکھے گا۔''

''تیرا دماغ تو درست ہے اس وقت کہاں سے قاضی اور گواہوں کا انتظام ہوگا۔'' اس کی گفتگو سن کر میثم کی نیند اڑ گئی۔

''یہ تیرا دردِ سر ہے۔'' اس نے کہہ کر کھٹ سے ریسیور کریڈل پر ڈال دیا اور پلٹ کر اس کی طرف دیکھا اور اسے اپنی جگہ سے غائب پایا۔ وہ جو اسے باتوں میں مصروف دیکھ کر فرار کے ارادے سے باہر نکلی تھی' یک دم اپنے شانوں پر اس کا دباؤ محسوس کرکے دم بخود رہ گئی۔

''یہاں سے فرار کے تمام راستے مسدود ہیں اب جب کہ تم آہی چکی ہو تو تب ہی جاؤ گی جب ہم چاہیں ورنہ نہیں۔ باہر کوئی بھی بھیڑیا تمہاری عزت کے درپے ہوسکتا ہے' کوئی بھی تمہاری مدد کرنے کا نہیں بقول تمہارے تم تو پہلے ہی مصیبت کی ماری ہو اور کون راہ جاتی مصیبت کو گلے لگائے گا' چلو کمرے میں۔'' اسے بازو سے پکڑ کر وہ کمرے میں لایا۔

تھوڑی دیر بعد میثم چند دوستوں کے ساتھ قاضی صاحب کو لیے حاضر تھا جو انہیں گھور رہے تھے۔

''کہاں ہے لڑکی!'' قاضی کو لاؤنج میں بٹھا کر میثم نے اسے گھورا لیکن وہ نظر انداز کر گیا۔

''نینا بھابی کہاں ہیں؟'' محضر نے پوچھا۔

''وہ ماموں کے گھر گئی ہے۔'' اس نے آرام سے جھوٹ بولا۔

''رات کے وقت تجھے کیا سوجھی' اچھا خاصا سو رہا تھا میٹھی نیند۔ لڑکی کہاں ہے؟'' اس نے پوچھا وہ جھنجلایا۔

''وہ بیٹھی ہے۔'' اس نے کونے میں بیٹھی لڑکی کی طرف اشارہ کیا۔

''مجھے تم سے ایسی امید نہیں تھی۔''

''اچھا تم جا کر قاضی صاحب کی خاطر تواضع کرو میں ذرا اس محترمہ کو تیار کر لوں۔''

''کیا یہ تیار نہیں؟'' میثم نے اسے مشکوک نظروں سے گھورا۔

''یار اب بھی وقت ہے کچھ سوچ لے' کہیں ایسا نہ ہو کہ لینے کے دینے پڑ جائیں' آخر اک جوان جہان لڑکی کا معاملہ ہے اگر اس کے والدین کو خبر ہو گئی نا تو......''

''چل! مجھے مت ڈرا۔''

''چونکہ میری ماں بہن کوئی نہیں ہے کہ جو تمہیں تیار کریں' لہٰذا اب تم خود تیار ہو جاؤ۔'' اس نے ایک ریڈ کلر کا سوٹ اس کی طرف پھینکا لیکن وہ ہنوز بیٹھی رہی۔

''دیکھو مجھے سختی پر مجبور مت کرو' اٹھو شاباش! پہلے تو میں نے کچھ لحاظ کر لیا مگر اب تمہیں ذرا سی رعایت بھی نہیں ملے گی' اٹھو ورنہ......'' اس کے ماتھے پر شکنیں ابھریں تو وہ آنسو پیتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی۔

''وہ واش روم ہے۔'' اس نے سامنے اشارہ کیا وہ واش روم میں گھس گئی۔

اس کا باہر نکلنے کو دل نہیں چاہ رہا تھا مگر نکلنا پڑا۔ دروازے پر دستک ہوئی۔

''یار! آ بھی جاؤ' قاضی صاحب گھبرا رہے ہیں ایک تو اتنی رات گئے تمہیں یہ شوق ہوا ہے اب اور دیر کر رہے ہو۔''

''ہم ابھی آتے ہیں۔'' اس نے کہا تو وہ باہر نکل آئی۔

''یہ لو۔'' اس نے ہیئر برش اس کی طرف بڑھایا' جسے تھام کر وہ خاموشی سے برش کرنے لگی۔

اس نے پھر آئینے کے سامنے لا کر زبردستی اس کے ہونٹوں پر ہلکی ریڈ لپ اسٹک لگا دی۔

''اب اچھی لگ رہی ہو۔'' اک توصیفی نگاہ اس پر ڈال کر بولا۔

''کوئی دولہا دیکھا ہے جو اپنی شادی کے موقع پر اپنی دلہن کو تیار کر رہا ہو۔''

''اچھا! اب سکون سے بیٹھو' قاضی صاحب آ رہے ہیں۔'' تو وہ تقدیر کے اس مذاق پہ انگشت بدنداں سنبھل کر بیٹھ گئی۔

جونہی قاضی صاحب داخل ہوئے اس نے آگے بڑھ کر دوپٹا اس کے چہرے پر ڈالا جسے اس نے سہولت سے پیچھے کر دیا۔

''بیٹا کیا نام ہے؟'' قاضی کے پوچھنے پر میثم نے اسے سوالیہ نگاہوں سے دیکھا۔ نام تو اسے خود بھی معلوم نہیں تھا' قاضی کو کیا بتاتا۔

''نام کیا ہے اس کا؟'' میثم نے خشمگیں نگاہوں سے اسے گھورا جب کہ قاضی صاحب بھی بڑی عجیب نظروں سے اسے گھور رہے تھے۔

''سنو کیا نام ہے تمہارا؟'' دھیمے لہجے میں دریافت کیا' پہلے تو جی چاہا کہ نہ بتائے پھر خیال آیا اتنی رات گئے کہاں بھاگ سکتی تھی جو نام نہ بتانے کا خطرہ مول لیتی' تماشا بننے سے بہتر تھا کہ نام بتا دیا جائے۔

''درنجف!'' آہستہ سے اس نے نام بتایا۔

''بیٹی کیا تمہیں محضر سے نکاح قبول ہے؟'' قاضی نے پوچھا لیکن وہ لب بستہ دیکھتی رہی' قاضی نے دوبارہ دہرایا لیکن وہ ہنوز چپ تھی۔ انہوں نے بڑی مشکوک نظروں سے انہیں گھورا۔ میثم تو اس لمحے اپنی جگہ چور بن گیا۔

اس لمحے اس نے بے اختیار اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا جس کی سخت گرفت اس کے اندر کے ابال کو ظاہر کر رہی تھی تو وہ ہوش کی دنیا میں لوٹ آئی اور اقرار میں سر ہلایا۔

قاضی اور میثم کے جانے کے بعد وہ پھوٹ پھوٹ کر رودی۔ وہ خود سے بے نیاز بیٹھی تھی حسین بال بکھرے ہوئے رونے کی شدت سے خود سے بے حال ہوتا وجود وہ بمشکل اس کے سراپا سے نگاہ چراتا ہوا بہت آہستگی سے قریب آبیٹھا۔

"دیکھو اب اگر تم چپ نہ ہوئیں تو حالات کی تم خود ذمہ دار ہوگی۔" وہ بے بسی سے بولا اور باہر نکل گیا' تھوڑی دیر بعد آیا تو چائے کے دو کپ اس کے ہاتھ میں تھے۔

"یہ لو چائے پیؤ میں خود بنا کر لایا ہوں اور یہ توس بھی کھا لو۔ یقیناً تم صبح سے بھوکی ہو شاباش پکڑو۔" زبردستی اس نے پکڑانے کی کوشش کی مگر اس نے ہاتھ مار کر چائے کا کپ دور گرادیا۔ اس کی اس حرکت پر اس کے اندر کا بھرپور توانا مرد جاگ اٹھا' دوسرے لمحے ہی اک زوردار تھپڑ اس کے منہ پر مارا۔

"اب تم میری بیوی ہو' تم پر میرا حق ہے۔" وہ اس پر جھکا مدہوش کن لہجے میں بولا۔

اس سے پہلے بھی وہ ایسی صورت حال سے دوچار ہوچکی تھی۔ تب ایسی کیفیت تھی شاید تب دشمنی کا معاملہ تھا' عزت بچانے کی آرزو تھی' اب جب کہ وہ تمام حقوق اپنے نام کرواچکا تھا تو عجیب سی کیفیت سے دوچار ہوگئی تھی۔ لیکن دوسرے ہی پل وہ اپنے آپ کو مضبوط کرچکی تھی' پسپائی اختیار کرنے کا مطلب ہمیشہ کے لیے ہتھیار ڈالنا تھا اور وہ لڑے بغیر ہتھیار ڈالنا نہیں چاہتی تھی۔ اس نے جیسے ہی اسے قریب کرنا چاہا' ایک لمحے کو تو یوں لگا جیسے جان ہی نکل گئی ہو یک دم کمرے میں اس کی سسکیاں گونج اٹھیں۔

وہ جو سمجھ رہی تھی کہ اس سے تعاون کرکے اپنا آپ بچالے گی تو یہ اس کی خام خیالی تھی کچھ دیر بعد وہ ناگواری سے بولا۔

"اب سو جاؤ اور مجھے بھی سونے دو۔"

"کیوں سونے دوں؟ میرا چین قرار لوٹ کر اب تم سونا چاہتے ہو۔" وہ زہر خند ہوئی۔

"اگر تم نہیں چاہتیں تو نہ سہی لو میں اب نہیں سوتا۔" اس نے اس کی طرف رخ کیا تو اس نے سر جھکالیا۔

"اب کیوں چھپالیا ابھی تو معصوم حسن کی رعنائی آنکھوں میں جذب کرنا شروع کی ہے' بڑی ظالم ہو تم قسم سے۔" وہ پھر مدہوش ہو رہا تھا۔

صبح اس کی آنکھ مضر کے جھنجوڑنے پر کھلی۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہ آیا' خاموش لیٹی چھت کو گھورتی رہی۔

"کہاں گم ہو؟" اس نے اس کی آنکھوں کے آگے ہاتھ ہلایا جونہی شعور کچھ بیدار ہوا اس نے پاس پڑا دوپٹا اٹھا کے جھٹ اوڑھ لیا۔ وہ مسکرایا۔

"تم منہ دھولو میں ابھی آتا ہوں۔" کہہ کر وہ باہر نکل گیا' وہ واش روم میں گھس گئی' جب تک منہ دھو کے نکلی وہ ٹرے میں گرم گرم چائے اور سینکے ہوئے توس لیے حاضر تھا۔

"ناشتا کرلو۔" اس نے ٹرے تپائی پہ دھری اور چائے کا کپ اس کی طرف بڑھایا' وہ متوجہ تو تھی لیکن لینے کی زحمت نہ کی شاید بھوکی رہ کر احتجاج کرنا چاہتی تھی۔

"تمہاری مرضی۔" آرام سے کندھے اچکا کر توس اور چائے سے خود ہی انصاف کرنے لگا۔

"تم اٹھو اور جاکر یہ برتن دھو کر کچھ پکاؤ لنچ کے لیے۔ تب تک میں ذرا آرام کرلوں' شاباش!" اسے ٹس سے مس ہوتے نہ دیکھ کر اس نے پچکارا۔ تو وہ حیرت انگیز طور پر خاموشی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ وہ جو اس سے کسی احتجاج کی توقع کررہا تھا' اس کے اس قدر خاموشی سے باہر جانے پہ آرام سے فون ملانے لگا۔

"ہیلو دادی جان!" رابطہ قائم ہوتے ہی اس نے سرگوشیانہ لہجے میں کہا اور چند منٹ بعد خیریت کی اطلاع دے کر اس نے رابطہ ختم کردیا۔

حیرت تھی اس کے اندر کا احتجاج خود بخود ختم ہوگیا ورنہ کل سے وہ جس مشکل صورت حال میں گرفتار تھی کوئی اور لڑکی ہوتی تو اب تک مرچکی ہوتی۔ وہ نا صرف زندہ تھی بلکہ اس لفنگے اور اکھڑ شخص کے لیے کھانا تیار کررہی تھی جس نے اس کی مجبوری سے فائدہ اٹھایا تھا۔

آہٹ پر اس نے سر اٹھایا تو میز پر فریش موڈ میں بیٹھا گنگنا رہا تھا۔ گرم گرم روٹی میز پر دیکھ کر اس کی بھوک چمک

اٹھی اور وہ رغبت سے کھانے لگا۔ اب کی بار وہ اکیلا ہی سارا کھانا کھا گیا۔ کھانا کھا کر وہ کمرے کی طرف بڑھتے بڑھتے رک گیا۔ پھر اسے پکارا۔

"آؤ تم بھی کمرے میں آ جاؤ۔" اس نے نرمی سے کہا۔

"تم جاؤ۔" وہ روٹھے انداز میں بولی۔

"چلو بھی یار!" وہ اس کے انکار کو نظر انداز کرتا بولا۔

"تم کون ہوتے ہو مجھے حکم دینے والے؟" وہ اس کا ہاتھ جھٹکتے ہوئے بولی لیکن اس کی گرفت بدستور قائم تھی۔

"دیکھو پلیز مجھے غصہ مت دلاؤ' کہیں ایسا نہ ہو میں پھر کوئی سختی کروں۔"

"اور کیا سختی کریں گے' میں نے کہہ دیا نہیں جانا مجھے۔" اس نے پھر سے ہاتھ جھٹکے لیکن اس کی گرفت جوں کی توں تھی۔

"دیکھو ضد نہ کرو ورنہ یہ ضد تمہارے لیے اچھی نہ ہوگی۔" اس نے پچکارنے کے ساتھ ہی دھمکی بھی دی لیکن وہ ہنوز وہیں کھڑی رہی۔

"اچھا تمہاری مرضی!" اس نے ہلکا سا جھٹکا دیا اور وہ جو دونوں ہاتھ عین دروازے کے بیچوں بیچ جمائے کھڑی تھی' جھٹکے سے ساتھ آ لگی۔

"بس اتنا سا دم ہے۔ اگر لڑنے کا حوصلہ نہیں تو گیدڑ بھبکیاں نہ دیا کرو اور اگر تمہیں لڑنا ہے تو میدان میں آ جاؤ' دیکھ لیتے ہیں طاقت کس کی زیادہ ہے۔" ہلکا سا مسکرایا اور اسے تھام کر روم میں لے آیا۔ وہ رات والے حلیے میں ملبوس تھی۔ سرخ سوٹ میں بکھری بکھری روئی روئی سوجی آنکھیں اس کی شب بھر کی بے چینی کی گواہی دے رہی تھیں۔

❁ ..... ❁ ..... ❁

پتا نہیں یہ کون شخص تھا جو سائے کی طرح اس سے چمٹ کر رہ گیا تھا' وہ جہاں بھی جاتی اس سے پہلے وہاں موجود ہوتا' ابھی بھی وہ مارکیٹ سے واپس آ رہی تھی جب اس کی سرخ شیراڈ پر نگاہ پڑی تو اس کا سانس رک کر رہ گیا' اِدھر اُدھر دیکھا تو عام راستہ سنسان تھا جب کہ وہ اس سرد موسم میں دھند سے بے نیازیوں گاڑی سے ٹیک لگائے کھڑا تھا جیسے وہ انتہائی گرم موسم میں درختوں کے جھنڈ میں کھڑا ہوا۔

دونوں ہاتھ پینٹ کی جیبوں میں پھنسائے منہ میں سگریٹ دبائے اور گلے میں سرخ رومال ڈالے بڑا اسٹائلش لگ رہا تھا' جیسے کسی ریاست کا شہزادہ' اسے دیکھ کے بڑی دلفریب مسکراہٹ ہونٹوں پر پھیلی تھی تو ہڈیوں کو منجمد کرتی سردیوں کے باوجود اسے اپنا آپ سرتاپا بھیگتا ہوا محسوس ہوا۔ کیا کرے اور کیا نہ کرے والی صورت حال سے دوچار تھی' اگر پیچھے مڑتی تو گھر جانے میں دیر اور دیر کا انجام وہ خوب جانتی تھی' تائی اور چچی کی مار اور اگر آگے بڑھتی تو اس لفنگے کا ڈر جو اس کی جان کا دشمن بنا ہوا تھا۔ وہ آسیب کی طرح اس کے پیچھے تھا اب تو مارے پریشانی کے راتوں کی نیند بھی اڑ چکی تھی' ہر وقت کے خوف و پریشانی نے اسے ادھ موا کر دیا تھا۔ تبھی اس نے ایک نگاہ اس پر ڈالی جو اس کی کیفیت سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔

پھر اس نے سگریٹ پھینک کر بڑے اسٹائل سے مسلا اور گاڑی میں بیٹھ کر زن سے بھگا لے گیا تو وہ شکر کرتی تیز تیز قدم اٹھاتی گھر کو چلی' ابھی پہلا ہی موڑ مڑی تھی کہ جانے کہاں سے وہ پھر گاڑی سمیت سامنے آ گیا اور جلدی سڑک کراس کرنے کے چکر میں گاڑی سے جا ٹکرائی اور نتیجتاً یک دم ضرب لگنے کی وجہ سے وہ دور جا گری' وہ بھی گھبرا گیا گاڑی روک کر جلدی سے باہر آیا تب تک وہ سیدھی ہو چکی تھی۔ جب کہ رگڑ لگنے کی وجہ سے ماتھے پر چوٹ آئی اور خون بہنا شروع ہو گیا۔

"ارے آپ کے ماتھے سے خون بہہ رہا ہے' آیئے میرے ساتھ۔" وہ قریب چلا آیا مگر درنجف اپنی چوٹوں کی پروا کیے بغیر اس کا ہاتھ جھٹک کر گھر کی طرف بڑھ گئی۔ جونہی وہ گھر میں داخل ہوئی تائی اور چچی کو منتظر پایا جو چیل کی تیزی سے اس پر جھپٹیں۔

"حرافہ! یہ وقت ہے گھر آنے کا' اب بھی نہ آتی۔ نجانے کس یار سے مل کر آئی ہے۔" تائی نے اس کے بالوں کو جھٹکا دے کر پرے پھینکا تو چچی نے ازراہ مروت ایک

لات اس کے پہلو میں رسید کی۔ وہ تیورا کر گری۔ سر دیوار سے جاٹکرایا وہ جو پہلے ہی زخمی تھی اس مار کو سہہ نہ سکی۔

چیخ پکار پر بوڑھی دادی ہانپتی کانپتی باہر نکلیں' سامنے ہی درنجف زمین پر پڑی کراہ رہی تھی۔ چچی اور تائی حسب معمول ضرب لگا رہی تھیں۔ دادی کو آتا دیکھ کر دونوں بکتی جھکتی اپنے اپنے کمرے میں چلی گئیں۔

''درنجف! اٹھ میری بچی! دیکھو میری چاند تمہارے سر سے خون نکل رہا ہے۔'' انہوں نے اس کا کندھا ہلایا مگر وہ تو تکلیف کی شدت سے بول نہیں رہی تھی۔

''ارے کوئی آجاؤ تاکہ اسے ڈاکٹر کے پاس لے چلیں۔'' انہوں نے پوتوں کو پکارا لیکن وہ سارے اپنی ماؤں کے ڈر سے خاموش رہے ویسے بھی انہیں اپنی اس یتیم کزن سے کوئی ہمدردی نہیں تھی۔ ایک واحد فہد تھا جسے اس سے ہمدردی اور محبت تھی۔ مگر اس میں بھی اتنا دم نہیں تھا کہ ماں اور خالہ کا مقابلہ کرتا' ایسے میں جب کہ خالہ کی خود دو جوان لڑکیاں تھیں۔

''چلیں دادی! اسے ڈاکٹر کے پاس لے کر چلتے ہیں۔'' وہ اسی وقت چلا آیا۔

''ارے نہیں' بڑی مہربانی تمہاری اور تمہاری ماؤں کی خود ہی کچھ کرلوں گی۔'' وہ ترشی سے گویا ہوئیں۔

''فہد کو کوئی ضرورت نہیں اس حرافہ سے ہمدردی کرنے کی۔'' وہ بھی ماں کی آواز پر کان لپیٹتا ہوا اندر چلا گیا۔ دادی نے آخر خود ہی اسے بمشکل سہارا دیا اور کلینک لے آئیں۔

❁ ...... ❁ ...... ❁

''کیا سوچ رہی ہو؟'' اسے دور کہیں خلاؤں میں تکتے دیکھ کر پوچھا لیکن وہ تو اپنی سوچوں میں گم تھی تبھی اس کی نگاہ کھونٹی پر لٹکتے لال رومال پر گئی اس نے غور سے دیکھا تو بلیک شرٹ بھی نظر آ گئی۔

''ہوں تو یہ وہی کار والا ہے۔'' اس کے ذہن میں یک دم جھما کا ہوا۔

''اس کی وجہ سے مجھے رات کی تاریکی میں گھر سے نکلنا پڑا اور تقدیر نے مجھے اس کے چنگل میں پھنسا دیا' میں نے بھی اسے سبق نہ سکھایا تو میرا نام درنجف نہیں۔'' وہ خود سے مخاطب ہوئی۔

''ہوں تو تم نے مجھے پہچان لیا ہے۔'' اس کی نظروں کے تعاقب میں دیکھ کر اس نے کہا۔

''تو وہ تم ہو جس کی وجہ سے میری زندگی تماشا بن گئی۔'' وہ اس پر جھپٹی۔

''ارے کیا کر رہی ہو' تمیز سے میں تمہارا شوہر ہوں۔''

''پہلے گھر سے نکلوایا اور اپنے آدمی میرے پیچھے لگوائے اور پھر زبردستی شوہر بن بیٹھے۔'' وہ اندھا دھند مکے اس پر برساتے ہوئے چلائی پھر خود ہی تھک کر ہلکان ہوگئی اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ وہ خاموشی سے اسے دیکھتا رہا پھر بولا۔

''چلو اٹھو اور کپڑے بدلو۔'' اس نے الماری سے پنک کلر کا سوٹ نکال کر اسے پکڑایا۔ اس بار اس نے کچھ نہیں کہا' آنسوؤں بھری آنکھوں سمیت واش روم میں گھس گئی' شاور لے کر باہر نکلی وہ پنک سوٹ میں گڑیا لگ رہی تھی۔ وہ خود بھی اچھا خاصا تیار تھا۔ اسی وقت بیوٹیشن آ گئی۔

''اس تیاری کا مقصد؟'' اس نے سوال کیا۔

''کچھ نہیں بس تمہارے ساتھ رت جگا منانے کا اہتمام کر رہا ہوں۔''

''لیکن میں میک اپ نہیں کرواؤں گی۔''

''تمہیں پسند نہیں تو نا سہی یوں بھی سادگی کا اپنا حسن ہے۔'' اس نے مسکرا کے کہا تو وہ نظریں چرا کے خاموشی سے بیٹھ گئی۔ بیوٹیشن نے اپنا ہنر آزمانا شروع کر دیا۔

''واہ! آپ تو بہت پیاری لگ رہی ہیں۔'' آخری ٹچ دے کر وہ بولی۔

''آپ کے شوہر آپ کو بہت چاہتے ہیں۔ آپ کو دیکھتے ہی ان کی آنکھیں چمکنے لگتی ہیں۔'' وہ سر جھکائے صرف سن رہی تھی' اپنا تمام سامان سمیٹ کر اس پر ایک تنقیدی نگاہ ڈال کر وہ باہر نکل گئی۔ بیوٹیشن کو رخصت کر کے وہ واپس آیا تو مبہوت رہ گیا' سانولی سلونی سی لڑکی بیر بہوٹی بنی ہوئی اور حزن نے اس تصویر میں قوس قزح کی طرح

سارے رنگ گھول دیئے تھے وہ حسن مجسم تھی ایسا حسن جو پکار پکار کے کہہ رہا تھا کہ میرے حضور نذرانہ دل پیش کرو۔

❁......❁......❁

"میں اس کے ساتھ نہیں رہ سکتی۔" کچھ حالات سنبھلے تو اس کے سوچنے سمجھنے کی ساری حسیات بیدار ہوگئیں۔

"میں گھر کیا یہ شہر ہی چھوڑ دیتی ہوں۔" اس نے فیصلہ کیا اور باقاعدہ پلاننگ کرکے گھر سے نکل آئی۔ اڈے پر آ کر بس میں سوار ہوگئی۔

اس نے سفینہ سے دو تین دفعہ نمبر ملا کر بات کرنا چاہی تھی لیکن دوسری طرف بیل تو جا رہی تھی لیکن کوئی رسپانس نہیں مل رہا تھا کیا ہی اچھا ہوتا اگر تو فون اٹھا لیتی دل ہی دل میں عزیز از جان دوست کو کوسا اور سیٹ کی پشت سے ٹیک لگالی۔

طویل مسافت طے کرکے وہ ادھر آ گئی تھی، گیٹ کے سامنے پہنچ کر اس نے نیم پلیٹ کو بغور دیکھا گویا تصدیق کی کہ یہی اس کا مطلوبہ گھر ہے تو ایک اطمینان بھری سانس بے ساختہ منہ سے خارج ہوئی بیل بجائی دروازہ کھلتے ہیں سامنے ہی سفینہ اور اس کا شوہر کھڑا تھا، وہ بھاگ کر اس سے جا لپٹی اور دھواں دھار رونا شروع ہوئی تو ان سے چپ کرانا مشکل ہوگیا۔

"حوصلہ رکھو میری بہن!" تنویر بھائی نے گلاس میں پانی ڈال کر اسے پلایا۔ حالت سنبھلی تو اس نے سسکیاں لیتے ہوئے تمام بپتا کہہ سنائی۔

"تُو نے اس شخص سے نکاح کرلیا ہے۔"

"ہاں!" اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

"اس طرح تو تُو نے تائی اور چچی کے خدشات کو درست ثابت کردیا ہے۔" سفینہ تاسف سے گویا ہوئی۔

"کیا کرتی رات کے اس وقت میرے پاس کوئی مضبوط پناہ گاہ نہیں تھی۔"

"پھر تو ایکسیڈنٹ کا بہانہ ہے۔"

"یہ بالکل سچ ہے، نہیں یقین آتا تو یہ دیکھو۔" اس نے ماتھے پر لگے زخم کے نشان دکھائے۔ وہ اس کی آنکھوں میں تیرتے شک کو پڑھ کر بولی۔

"تو پھر!" وہ الجھی۔

"پھر یہ کہ اس شخص نے مجھے گھر کے سامنے اتارا اور تائی چچی شاید اسی بات کی منتظر تھیں۔ پھر وہ چار چوٹ کی مار لگائی کہ حد نہیں، اس پر بس نہیں کیا انہوں نے، گھر سے باہر نکال دیا حالانکہ میں نے بہت منتیں کہ مجھے گھر سے مت نکالیں۔ اگر گھر سے نکالنا ہی ہے تو صبح ہونے دیں میں خود ہی کہیں چلی جاؤں گی لیکن اس سے پہلے کہ تایا اور چچا میں سے کوئی گھر آتا وہ اس گناہ کی پوٹ کو باہر نکال پھینکنا چاہتی تھیں پھر کوئی فریاد اور کوئی واسطہ کارگر نہیں ہوا اور انہوں نے مجھے نکال دیا۔ میں اس افتاد پر حیران باہر نکل آئی اور اک طرف جانے لگی کہ مجھے محسوس ہوا کہ کوئی میرے پیچھے ہے، پیچھے مڑ کر دیکھا تو دو لوفر لڑکے میرے پیچھے لگے ہوئے تھے، میں وہاں سے بھاگ نکلی اور بھاگتے بھاگتے میں اس مکان میں داخل ہوگئی جہاں وہ رہتا تھا۔ ان سے عزت بچائی تو اک نیا لٹیرا منتظر تھا، تبھی مجبوراً مجھے یہ قدم اٹھانا پڑا کیونکہ عافیت اسی میں تھی کہ اس کی بات کو مان لوں ورنہ جس طرح میں اس کے گھر میں خود داخل ہوئی تھی وہ کچھ بھی کرسکتا تھا۔"

"اچھا اب پریشان نہ ہو، اللہ بہتر کرے گا۔ ہم تمہارے ساتھ ہیں۔" سفینہ نے اسے تسلی دی۔

❁......❁......❁

صبح ایمرجنسی میں اسے یاد ہی نہیں رہا تھا کہ درنجف گھر میں اکیلی ہے، اسپتال سے کال آئی تو چلا گیا کیونکہ آج آپریشن تھا۔ اس لیے جلدی میں یاد نہیں رہا، اب ریلیکس ہوکر آیا تھا مگر ٹھٹک گیا، دروازہ لاک نہیں تھا۔ دور کہیں کسی خدشے نے سر اٹھایا مگر وہ اسے سختی سے رد کرتا ہوا اندر چلا آیا۔ آوازیں دیتا بیڈ روم لاؤنج اور کچن یہاں تک باتھ روم بھی چیک کرلیا مگر وہ کہیں نظر نہ آئی۔ اس نے جلدی سے نمبر ملایا لیکن دوسری طرف کال ریسیو نہیں ہو رہی تھی۔

"یاالٰہی خیر!" تیسری بیل کے بعد کال ریسیو کرلی گئی لیکن ائیر پیس میں گونجنے والی چیخوں نے اس کا دل دہلایا، کیا درنجف کو مار پڑ رہی ہے کیونکہ اس کی تائی اور چچی کا رویہ روز روشن کی طرح اس پر عیاں تھا وہ جو کچھ دیر باہر گزارنے پر

اس کا بُرا حشر کردیتی تھیں تو دوراتیں باہر گزارنے پر تو اسے جان سے ماردیتیں۔

''ہیلو! کون بول رہا ہے؟'' اس کی طویل خاموشی سے گھبرا کر ادھر سے کسی بچے نے پوچھا۔

''کیا یہ درنجف کا گھر ہے؟'' بے چینی سے پوچھا۔

''وہ تو جی گھر سے بھاگ گئی ہیں۔''

''اوہ اس کا مطلب ہے وہ واپس گھر نہیں گئی۔'' بے اختیار اس نے گہرا سانس بھرا۔

''بیٹا یہ رونے کی آوازیں کیسی ہیں؟''

''وہ جی ہماری دادو فوت ہوگئی ہیں۔''

''کیا؟'' وہ چلایا۔

''جی ہاں۔'' ساتھ ہی ریسیور پٹخ دیا گیا۔

اسے تاسف نے آ گھیرا۔ جلدی سے میثم کا نمبر ملایا۔

''ہیلو میثم!'' وہ بے تابی سے کال ریسیو ہوتے ہی گویا ہوا۔

''کیا ہوا؟'' ادھر حد درجے کی بے زاریت تھی۔

''وہ......وہ......وہ درنجف گھر میں نہیں ہے۔''

''کیا؟'' وہ اچھل کر رہ گیا۔

''تمہارا دماغ تو درست ہے نا۔''

''سچ کہہ رہا ہوں۔'' وہ بے بسی سے گویا ہوا۔

''ایسی شادی جو زور زبردستی کا نتیجہ ہو اس کا پایہ تکمیل تک پہنچنا ممکن ہے۔ اب بھگتو۔''

''پلیز مدد کرو یار!''

''میں کیا کرسکتا ہوں۔'' دوسرے لمحے ہی کھٹ سے فون بند ہوگیا۔

''اف اب کیا کروں۔'' وہ دھم سے بیڈ پر آ گرا۔ تبھی فائل پر پڑے ہوئے کاغذ پر نظر پڑی اس نے بے دلی سے اسے اٹھا کر دراز میں ڈال دیا۔

''کہاں جاؤں اور کیا کروں؟ وہ اتنی بے وقوف لگتی تو نہیں تھی۔'' وہ سوچ رہا تھا اب کیا کرے۔

❁......❁......❁

اسے سفینہ کے یہاں آئے ہوئے ایک مہینہ ہو چلا تھا ان لوگوں نے اسے بہت حوصلہ دیا تھا جو وہ اپنے دکھ سمیٹنے میں کامیاب ہوگئی۔ سفینہ کے شوہر کے توسط سے اسے بہت اچھی جاب مل گئی تھی۔ صبح کی نکلتی شام کو چار بجے گھر لوٹتی، پہلی تنخواہ ملی تو آنکھوں میں بے اختیار آنسو آ گئے۔ وہ تنخواہ جس کے لیے وہ پورا مہینہ خوار ہوتی جونہی پہلی تاریخ کو تنخواہ ملتی چچی تائی کی نذر ہوجاتی اور وہ اپنا منہ لے کر رہ جاتی۔ دونوں دادی پوتی پھر سے نئے مہینے کا انتظار کرنے لگتیں اور اکثر وہ سوچتی کہ کب وہ وقت آئے گا جب ساری تنخواہ اس کی ہوگی اور آج یہ لمحہ آیا تو دادی کے خیال سے اک ہوک سی اٹھی۔

''آج میں ضرور فون کروں گی، پتا نہیں اب تک کیا حال ہوا ہوگا دادی کا۔'' اسے اچھی طرح یاد تھا نکلتے وقت دادی نے بھی اس کے ساتھ نکلنا چاہا تھا مگر تائی نے دھکا دے کر انہیں دہلیز کے اندر گرادیا تھا اور گر کے بوڑھی دادی پھر نہ اٹھ سکیں۔ برق رفتاری سے اٹھی نمبر ملایا۔ دوسری طرف بیل جانے لگی۔ کوئی کال ریسیو نہیں کررہا تھا۔ سفینہ اسی وقت آ گئی۔

''کیا ہوا؟''

''وہ دراصل کال کوئی ریسیو نہیں کررہا۔'' وہ اٹک اٹک کر بولی۔

''کوئی بات نہیں، لاؤ میں ملاؤں۔'' سفینہ نے نمبر ملایا اور لاؤڈ اسپیکر کا بٹن دبایا۔

ایک تو فون جان کو آ گیا ہے میری، بجے جارہا ہے یہ نہیں کہ اگر کسی نے فون اٹھایا نہیں تو کال کاٹ دے۔'' دوسری طرف سے کال پک کرتے ہی تائی شروع ہوگئی تھیں۔

''کون ہو تم بھئی؟ اور کس سے بات کرنی ہے تمہیں۔''

''جی مجھے بیگم سردار سے بات کرنی ہے۔'' پلیز انہیں بلادیں۔

''اے وہ اب یہاں نہیں ہیں۔''

''کہاں ہیں؟''

''عالم بالا میں کیا وہیں رابطہ کرادوں؟'' تائی کی بے زاری عروج پر تھی۔

"میں کچھ سمجھی نہیں۔" وہ زور دے کر بولی۔

"بڑھیا گزر گئی اس دنیا سے' مہینہ ہو چلا ہے۔" وہ اور بھی کچھ کہتی رہیں لیکن سفینہ گھبرا کر در نجف کی طرف لپکی جو اس خبر کو سن کر بے جان سی ہو کر ایک طرف گر گئی تھی۔

❁ ...... ❁ ...... ❁

ایک ماہ ہو چکا تھا اسے یونہی خوار ہوتے ہوئے' اسے تلاش کر کے جہاں کہیں اس کی موجودگی کے بارے میں شبہ ہوتا وہیں چل پڑتا۔ اس نے شہر کے سارے ہوسٹل' یتیم خانے' پناہ گاہیں اور درسگاہیں تک چھان ماری تھیں لیکن اس کا سراغ کہیں سے نہ ملا۔

"کہاں جاسکتی ہے' کہیں کسی ناگہانی کا شکار تو نہیں ہوگئی؟ کہیں کچھ ایسا ویسا تو نہیں کرلیا؟" ایسی وحشتناک سوچیں اسے دن رات جگائے رکھتی تھیں۔ رات کی نیند اور دن کا چین حرام ہو چکا تھا۔ کوئی بھی سوائے اللہ کے اس کا حامی و مددگار نہیں تھا۔ آخر مشکل کشائے دارین کو پکار کر اٹھ کھڑا ہوا نجانے کیوں اسے وہ کاغذ یاد آیا تھا' جو اس نے بے دھیانی میں دراز میں رکھا تھا۔ جلدی سے دراز کھولی تو وہ سامنے نظر آ گیا' باہر گھسیٹا اور الٹ پلٹ کے جو دیکھا تو اوکاڑہ اور سفینہ کے ناموں کے سوا کچھ نہ تھا۔

ابھی وہ ان کے بارے میں غور کر رہا تھا کہ موبائل کی بیل ہوئی اس نے اسکرین پر چمکتے نمبر کو دیکھا تو میثم تھا۔

"کچھ پتا چلا بھابی کا؟" چھوٹتے ہی اس نے پوچھا۔

"نہیں یار' ہر جگہ تلاش کر چکا ہوں۔ کچھ پتا نہیں چل رہا۔"

"ہوسکتا ہے انہوں نے کہیں کوئی فون وغیرہ کیا ہو؟"

"اوہ......!" یک دم اس کے ذہن میں جھماکا ہوا۔

"اچھا بعد میں بات کرتا ہوں۔" اس نے کہہ کر رابطہ منقطع کیا۔ اس کے پاس موبائل فون نہیں تھا' پی ٹی سی ایل سے ہی کال کی ہوگی اس نے اور سیٹ اٹھا کر گود میں رکھا اور کال ہسٹری چیک کرنی شروع کردی۔ ان کمنگ میں تو کچھ نہیں تھا آؤٹ گوئنگ میں ایک نیا نمبر تھا ڈیٹ بھی چیک کی تو چونک اٹھا یقیناً یہ کال اس دن کی گئی تھی' جس دن وہ گھر سے بھاگی تھی ایک دم دماغ میں گھنٹی سی بجی۔

"ہیلو!" فون ایکسچینج نمبر ملانے پر آپریٹر کی آواز سنائی دی۔

"طاہر! میں محضر بول رہا ہوں۔"

"ارے ڈاکٹر صاحب آپ۔" دوسری طرف سے اس کی چہکتی ہوئی آواز سنائی دی۔

"کہیے! کیسے مزاج ہیں اور آج کیسے یاد فرمایا ہے؟"

"یار ذرا ایک نمبر کے بارے میں معلومات حاصل کرنی تھی۔"

"نمبر بتائیے۔" اس نے نمبر بتایا۔

"یہ تو کسی دوسرے شہر کا ہے۔"

"کوئی آئیڈیا۔"

"میرے خیال میں اوکاڑہ کا نمبر ہے۔"

"اوکاڑہ ایکسچینج میں کوئی جاننے والا ہے تو تفصیلی معلومات فراہم کرو۔"

"جلدی تو نہیں؟"

"بالکل نہیں ریلیکس ہو کر کام کرو۔"

"پھر کل صبح بات ہوگی۔" وہ بے چینی سے کل کا انتظار کرنے لگا۔

پورے ایک ماہ سے خوار ہو رہا تھا اس کا بُرا حال تھا۔ مٹھیاں بھینچتا ہوا اِدھر اُدھر چکر کاٹنے لگا۔ نیند تو مارے پریشانی کے غائب تھی۔

اللہ اللہ کر کے صبح کاذب کے آثار نظر آئے اس نے اٹھ کے نمازِ فجر ادا کی اور ناشتہ کیا اور انتظار کرنے لگا۔ تبھی بیل بجی تو وہ تیزی سے اٹھا اور ریسیور اٹھا کر کان سے لگایا' دوسری طرف طاہر تھا۔

"کیا معلومات ہیں؟"

"یہ نمبر مسٹر تنویر کے گھر کا ہے۔"

"مکمل ایڈریس بتاؤ۔"

"فریدیہ کالونی A بلاک' ہاؤس نمبر 14 اوکاڑہ۔" اس اجنبی شخص سے ملنے کا فیصلہ کرلیا۔

صرف دو گھنٹوں کی مسافت کے بعد وہ مطلوبہ مکان

کے سامنے کھڑا تھا۔ نیم پلیٹ پر تو مسٹر تنویر کا ہی نام تھا تاہم اللہ جانے آگے کیا ہوتا' اس نے ڈور بیل بجائی' چند لمحے کے بعد ایک بچے نے دروازہ کھول کر پوچھا۔

"آپ کون؟" ایک پل کو وہ سوچ میں پڑ گیا کہ کیا کہے۔

"جی کس سے ملنا ہے آپ کو؟"

"بیٹا! کیا یہ تنویر احمد کا گھر ہے۔" حالانکہ وہ نیم پلیٹ دیکھ چکا تھا تاہم پھر بھی تصدیق ضروری تھی۔

"جی!"

"پلیز انہیں باہر بھیج دیں۔"

"کون ہے علی؟"

"پاپا آپ سے کوئی انکل ملنا چاہتے ہیں۔" علی نے دروازے پر کھڑے کھڑے پیغام رسانی کا فریضہ سرانجام دیا۔

"کیا نام ہے انکل کا؟" اُدھر سے پوچھا گیا۔

"انکل کیا نام ہے آپ کا؟ پاپا پوچھ رہے ہیں۔" جو کسی سوچ میں گم ہو چکا تھا۔ تب تک تنویر احمد صاحب خود ہی دروازے پر آ گئے' ایک اجنبی کو دیکھ کر حیران ہوئے۔

"کس سے ملنا ہے آپ کو؟"

"آپ سے۔"

"مجھ سے؟" انہیں حیرت نے آلیا۔

"پریشانی کی کوئی بات نہیں۔" اس نے کہنا شروع کیا۔

"میں ڈاکٹر محضر ہوں اور آپ یقیناً سفینہ نامی خاتون کے شوہر ہیں۔"

"جی! لیکن آپ......؟"

"میں درنجف کا شوہر......"

"اوہ! بڑی خوشی ہوئی آپ سے مل کر۔"

"مجھے بھی۔"

"اندر آئیے۔" لمحوں میں شناسائی کے مراحل طے کر کے اب وہ تنویر احمد کے ہمراہ ڈرائنگ روم میں بیٹھا تھا۔

"کون ہے؟" سفینہ نے شوہر سے پوچھا۔

"یہ درنجف کے شوہر ہیں۔"

"کیا......؟"

"جی خادم کو ڈاکٹر محضر کہتے ہیں اور حال ہی میں آپ کی سہیلی کا شوہر ہونے کا اعزاز حاصل کیا ہے۔"

"ارے آپ تو بڑے دلچسپ آدمی ہیں۔" وہ مسکرائی۔

"یقیناً آپ درنجف کے تمام دکھوں کا انعام ہیں' جواب تک اس بے چاری نے سہے ہیں۔"

"پر وہ سمجھے تب نا......!" آزردگی سے گویا ہوا' بہرحال اسے اطمینان ہو گیا کہ درنجف اچھے لوگوں میں ہے۔

"آپ کی سہیلی کہاں ہیں؟" کافی دیر بعد اس نے پوچھا۔

"وہ تو گھر پر نہیں ہے' وہ جاب کرتی ہے۔"

"اچھا! اب مجھے اجازت دیجیے۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"کیا آپ اسے لینے نہیں آئے۔"

"فی الحال تو نہیں اور ہاں میرے آنے کی بھنک بھی اس کے کانوں میں نہ پڑے ورنہ وہ یہاں سے بھی......"

"جی ہم سمجھ گئے۔" دونوں نے مسکرا کے کہا۔

اسے یہاں آئے ہوئے تقریباً ڈیڑھ ماہ ہو چلا تھا اس دوران محضر بھی دو تین بار یہاں آ کے جا چکا تھا جس سے وہ بے خبر تھی اس پر ان دنوں ایک ہی دھن سوار تھی کہ کسی طرح اسٹیبلش ہو کر اس محضر نامی بلا سے چھٹکارا حاصل کرنا ہے۔

❁......❁......❁

خالہ مختاراں آئی ہوئی تھیں۔

"اے سفینہ! میں نے سنا ہے کہ تیرے گھر میں کوئی لڑکی آئی ہوئی ہے۔" خالہ مختاراں نے چائے کا سپ لے کر دریافت کیا۔

"کون سی لڑکی؟"

"ارے وہی جو کافی عرصے سے تیرے گھر میں ٹکی ہے۔"

"اوہ...... وہ تو میری خالہ کی بیٹی ہے عارف والا سے ملنے کے لیے آئی ہے۔ نجف! ادھر آؤ خالہ سے ملو۔"

"السلام علیکم! خالہ۔"

"وعلیکم السلام! جیتی رہ میری بچی!" انہوں نے سر پر

ہاتھ پھیرا وہ کپڑے اٹھا کر اندر چلی گئی۔

"اے لڑکی تو اچھی خاصی جوان جہان بلکہ خوبرو ہے گھر میں دھیان سے رہو آخر کو تیرا میاں بھی جوان ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ......"

"کیسی باتیں کر رہی ہو خالہ! وہ ایسی نہیں ہے۔" سفینہ بُرا مان گئی۔

وہ جو کپڑے الماری میں رکھ کے واپس آئی تھی سرگوشیاں سن کر دروازے کی اوٹ میں ہوگئی۔

"اری نگوڑ ماری! اپنے ہی تو شب خون مارتے ہیں ویسے میں تمہیں بتا رہی ہوں کہ محلے والے اس کے اور تنویر کے بارے میں باتیں بنا رہے ہیں۔ جتنی جلدی ممکن ہو اس کو چلتا کر دو ورنہ یہ نا ہو کہ سر پکڑ کر روتی رہو۔"

"محلے والوں کا کام ہی کیا ہے دوسروں کے متعلق الٹی سیدھی ہانکنا' یہ شادی شدہ ہے آج کل اس کا شوہر ملک سے باہر ہے تو یہاں رکی ہوئی ہے ورنہ کب کی......" سفینہ نے دانت پیسے۔

"اچھا بچی! اب مجھے اجازت دے ابھی دو تین گھروں میں اور بھی جانا ہے۔"

"ابھی دو تین گھروں میں بھی لگائی بجھائی کرنا ہے۔" اس نے کڑھ کر سوچا۔ اس نکتے پر تو کبھی سوچا ہی نہیں تھا' وہ تو سوچ چکی تھی کہ محضر سے خلع لے کر وہ یہاں ہی ڈیرہ ڈال دے گی اور کچھ عرصہ بعد جب اس کے پاس کچھ روپیہ جمع ہو جائے گا تو الگ گھر لے لے گی' اگر دنیا والے سفینہ کے گھر میں اس کی موجودگی کے سلسلے میں باتیں بنا سکتے ہیں تو الگ گھر میں وہ کیسے رہ سکتی ہے۔ وہ سوچ رہی تھی۔

❁ ❁ ❁

اپنی جھونک میں دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی جونہی ذرا سیدھی ہوئی تو نگاہ صوفے پر اطمینان سے بیٹھے شخص پر جا پڑی۔

"تم یہاں؟" وہ اچھل پڑی' حیرت سے آنکھیں پھٹنے کو بے تاب تھیں۔

"کیوں آئے ہو؟"

"تمہیں لینے۔" ملائمت سے مسکرایا۔

"نکل جاؤ یہاں سے۔ آئندہ ادھر کا رخ کیا تو اچھا نہیں ہوگا' دفعہ ہو جاؤ۔"

"یہ کیا پاگل پن ہے؟" "ان کی بات تو سنو۔" سفینہ نے کہا۔

"مجھے کچھ نہیں سننا۔" وہ چلائی۔

"غصہ تھوکو گھر چلو۔" اس قدر بُرے سلوک پر بھی اس کے ماتھے پر شکن تک نہ تھی۔

"تم مجھے طلاق دو ابھی اور اسی وقت۔" اک دم کمرے میں خاموشی چھا گئی تھی۔

"تم ہوش میں تو ہو۔" وہ چلایا۔

"بے ہوش تو میں پہلے تھی اب ہوش آیا ہے۔"

"نجف تم......" سفینہ نے اک بار پھر کہنے کی کوشش کی۔

"تم پلیز اس معاملے میں نہ پڑو۔" وہ تیزی اور سختی سے بولی۔

"دیکھو! ابھی تم میرے ساتھ گھر چلو پھر جو تم کہو گی میں وہی کرنے کو تیار ہوں۔ ایک دو دن کا ٹائم ہے تمہارے پاس اچھی طرح سوچ لو اور جواب مثبت ہونا چاہیے ورنہ حالات کی تم خود ذمے دار ہو گی۔" اس نے وارننگ دی اور کمرے سے نکل گیا۔

❁ ❁ ❁

"نہیں رہنا مجھے اس وحشی کے ساتھ۔" وہ دونوں میاں بیوی اسے سمجھا سمجھا کے تھک چکے تھے مگر اس کی ایک ہی رٹ تھی طلاق!

"تم نے طلاق کو مذاق سمجھ رکھا ہے' گڈے گڑیا کا کھیل نہیں ہے یہ۔ حلال کاموں میں خدا کے نزدیک سب سے زیادہ ناپسندیدہ ہے یہ۔ کچھ سوچا بھی ہے اس کے بعد کہاں جاؤ گی۔"

"ایک تو تم پہلے ہی......" سفینہ نے ہونٹ بھینچے۔

"ہاں کہہ دو گھر سے بھاگی ہوں۔"

"بے شک تم گھر سے بھاگی نہیں لیکن تمہیں مشہور تو

گھر سے بھاگی ہوئی کیا گیا ہے۔ سوچو اس معاشرے میں جہاں قدم قدم پر نئے رنگ میں بھیڑیئے بستے ہیں' کس کس سے بچو گی؟ کب تک عزت کے آبگینے کو سنبھالو گی؟ عورت کو تو قدم قدم پر کسی نہ کسی محافظ کی ضرورت ہے جو اس کی عزت کی حفاظت کر سکے' بیٹی کے روپ میں ہے تو باپ تحفظ دے۔ بہن کے روپ میں ہے تو بھائی اور اگر بیوی کے روپ میں ہے تو شوہر تحفظ دے۔ یہ اللہ کے بنائے ہوئے قانون ہیں' اس سے انکار ممکن نہیں ہے۔ کیا برائی ہے اس میں لولا لنگڑا ہے' گھر نہیں' مقام نہیں۔ سب کچھ تو ہے اس کے پاس جسے پانے کی لڑکیاں تمنا کرتی ہیں۔"

"سب کچھ ہے اس کے پاس لیکن وہ اک خود غرض انسان ہے' جس نے میری مجبوری سے فائدہ اٹھایا اور زبردستی نکاح کیا۔"

"تو اس وقت تمہارے پاس کوئی راستہ تھا اگر وہ تم سے نکاح کر کے پناہ دینے کی بجائے گھر سے نکال دیتا تو وہ غنڈے تمہارے ساتھ کیا کرتے' جانتی ہو؟ پھر اس کی اچھائی دیکھو تمام حقوق حاصل کر لینے کے باوجود بھی اس نے تم پر اپنا زور نہیں دکھایا ورنہ کون ہے بس میں ہوتے ہوئے گریز اپنائے۔"

"تم جو کچھ کہو مگر میں نے فیصلہ کر لیا ہے کل کورٹ جا کر خلع کے لیے کیس دائر کر دوں گی' تمہاری مرضی ہے میرا ساتھ دو یا نہیں۔"

"اچھا بابا! جیسے تمہاری مرضی۔" سفینہ نے بحث ختم کر دی۔

❁ .... ❁ .... ❁

دو گھنٹے کا سفر ایک گھنٹے میں طے کر کے وہ گھر کے گیٹ کے پاس کھڑا تھا۔ لا کے اسے کمرے میں پٹخ دیا۔

"اب اگر ایک بھی انچ ہلیں تو اپنا حشر دیکھ لینا۔" اس نے غصے سے کہا اور لاؤنج میں پڑے صوفے پر ڈھیر ہو گیا' اتنی ٹینشن دی تھی اس لڑکی نے کہ اسے کچھ کرنے کے قابل ہی نہیں چھوڑا تھا۔

وہ تو گھر سے کورٹ جانے کے لیے نکلی تھی مگر ابھی پہلا موڑ ہی مڑی تھی کہ دو مضبوط بانہوں نے اسے جکڑ لیا تھا اور اب وہ اس کے بیڈ روم میں تھی۔

"کیا کہا تھا تم نے نا قابل تسخیر ہو' آج تمہیں بتاتا ہوں کہ کسی کو چیلنج کس طرح کیا جاتا ہے' بڑا زعم ہے نا خود پہ۔" کہتے ہوئے وہ آہستہ سے اس کے قریب ہوا تو وہ جی جان سے کانپ گئی۔

"بڑا غلط کیا تمہیں ڈھیل دے کے بہرحال آج اس غلطی کا ازالہ بھی کروں گا۔" وہ آج کسی قسم کی نرمی کرنے کو تیار نہ تھا۔

"پلیز مجھے معاف کر دو۔" اس نے منت کی مگر وہ تو آتش فشاں بنا ہوا تھا۔

"یہی کہا تھا کہ تم نا قابل تسخیر ہو۔" اس پر جھکتے ہوئے غرایا۔

"مم...... مجھے معاف کر دو' اب میں کبھی تمہاری حکم عدولی نہیں کروں گی۔"

"کر تو لی' تم نے حکم عدولی اور کیسے کرو گی؟ ایک بار پھر گھر سے بھاگ جاؤ گی اور میں پریشان ہوتا رہوں گا تمہارے لیے۔ مگر اب نہیں' اب میں کوئی موقع ہی نہیں آنے دوں گا کہ تم کچھ کرو۔" اس نے کہہ کر در نجف کو اپنی مضبوط بانہوں میں جکڑ لیا۔

❁ .... ❁ .... ❁

تقدیر نے اسے کس طرح بے بس کیا تھا۔ اک بے بس یتیم لڑکی تھی جو مجبور بھی تھی اور بے بس بھی۔ یہ تقدیر ہی تھی جس کے کاری وار وہ سہتی آئی تھی اگر تقدیر میں اس کا یتیم ہونا نہ لکھا ہوتا تو اس کے عزیز از جان والدین کیوں مرتے...... اگر تقدیر اسے ظالموں سے بچانا چاہتی تو پھر اس کے سگے اس پر ظلم نہ کرتے اور نہ وہ رات کے سیاہ گھنگھور اندھیرے میں گھر سے نکلتی اگر تقدیر اس پر مہربان ہوتی تو کیوں وہ اس جیسے شخص کے چنگل میں پھنستی' یہ تقدیر ہی تھی جس نے اسے اندھیری رات میں اس کے در پر لا پٹخا اور وہ اس حال کو پہنچ گئی۔

تقدیر میں اگر اس کی دوسری بار یتیمی نہ ہوتی تو دادی

کیوں مرتیں؟ کہاں کہاں نہیں تقدیر نے اسے دھوکا دیا تھا' کتنا نقصان کیا تھا تقدیر نے اس کا۔ ایسا نقصان جو کبھی پورا نہیں ہوسکتا تھا بھلا گھر سے بھاگی ہوئی لڑکی آبرو کی آرزومند ہوسکتی تھی اور یہ شخص جس کے بارے میں تصور نہ تھا تقدیر نے اس کا ساتھ اس سے نتھی کردیا۔ کہاں بھاگ سکتی تھی وہ تقدیر سے' بھاگنا بھی چاہا تو کیا اس نے بھاگنے دیا تھا' نہیں ناں۔ وہ اپنی سوچوں پر اپنے حالات پر طنزیہ مسکرادی۔

وہ جو کھڑکی سے لگا اسے استغراق میں گم دیکھ رہا تھا اس کے مسکرانے پر اک پل کو چونکا دوسرے لمحے وہ اس کی مسکراہٹ میں کھوگیا اگر یہ لڑکی یونہی مسکراتی رہے تو خوش رہے' ویسے میں نے زندگی میں پہلی بار ایسی لڑکی دیکھی ہے جس کی مسکراہٹ اتنی خوب صورت ہے' دل میں کہیں یہ احساس ہلکورے لینے لگا وہ اس کی ہے مکمل اس کی۔ خود پر ناز ہونے لگا' اچھا جیون ساتھی بھی نعمت سے کم نہیں۔ اس نے شکر ادا کیا اس نعمت پر۔

وہ کمرے میں آئی تو سامنے بیڈ پر وہ نیم دراز تھا' آنکھیں بند تھیں جائے تو جائے کہاں' تھکن سے جسم چُور چُور تھا اوپر سے مصیبت یہ تھی کہ اس چھوٹے سے گھر میں ایک سنگل کمرہ تھا' جس میں ڈبل بیڈ کی سہولت تھی جس پر فی الحال اس کا قبضہ تھا' کرے تو کیا کرے۔ آج کپڑے دھوئے تھے اس نے اب وہ بہت تھکن محسوس کررہی تھی' اس نے دروازے سے باہر جھانکا تو چھوٹے سے صحن میں ہر طرف دھوپ پھیلی ہوئی تھی' ورنہ وہ فرش پر دراز ہوجاتی' تھکن اسے مزید کھڑا رہنے کی اجازت نہیں دے رہی تھی مجبوراً اس نے اس کے پاؤں کے پاس سے تکیہ اٹھایا اور بیڈ کے کونے میں سکڑ کے لیٹ گئی' وہ جو کن انکھیوں سے اس کی حرکات ملاحظہ کررہا تھا اس کے یوں لیٹنے پر دل کو انجانی سی خوشی نے آگھیر گویا اس نے حقیقت کو قبول کرلیا۔ یہ رشتہ اس کے نزدیک ایک اہمیت رکھتا تھا۔

اسے پتا ہی نہیں چلا کہ وہ کب نیند کی وادیوں میں گم ہوگئی اور ساتھ ہی سوچتا ہوا وہ بھی۔ گھڑی نے شام پانچ بجے کا الارم بجایا تو اس کے شور سے محضر کی آنکھ کھل گئی۔ وہ یک دم اٹھ بیٹھا ایک نظر اسے دیکھا تو وہ یونہی سو رہی تھی' سکڑی سمٹی ایک دو آوازیں بھی دیں مگر نہ جاگی تو بے اختیار اس کے دل کو کچھ ہوا فکرمندی سے اس کا بازو پکڑ کر ہلانا چاہا۔ وہ بخار میں تپ رہی تھی' تیز چلتی سانسیں اس پر مستزاد اس کا نیند کے نشے میں ڈوبا مدہوش حسن بار بار توجہ کھینچ رہا تھا' بخار کی تپش سے سرخ انگارہ رخسار' موٹی موٹی غلافی آنکھیں' گلابی لب' نازک سراپا گھٹاؤں کی طرح بکھرتے الجھتے سیاہ بال۔

اس نے بمشکل خود کو سنبھالا' جب وہ کئی بار آواز دینے پر نہ جاگی تو اس نے اسے خود ہی سیدھا کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ اسے بیڈ پر صحیح طرح لٹا کر اس نے چابی اٹھائی اور باہر نکل گیا' تھوڑی دیر بعد آیا تو ہاتھ میں بسکٹ کا ڈبا تھا' چائے بنائی اور بسکٹ پلیٹ میں ڈالے اور کمرے میں آگیا۔ بمشکل اسے جگا کر دو بسکٹ کھلائے' آدھا کپ چائے کا پلایا اور میڈیسن دی امید تھی کہ صبح تک بخار اتر جائے گا اور اس کے آرام کے خیال سے نیچے ہی گدا بچھا کر لیٹ گیا' رات کے نجانے کس پہر کراہنے کی آواز سن کر وہ اٹھ بیٹھا' لائٹ جلائی تو دیکھا کہ وہ اپنا سر تکیے پر پٹخ رہی تھی' وہ گھبرا گیا۔

"کک...... کیا ہوا درنجف؟"

"پپ...... پانی!" پیاس کی شدت سے حلق میں کانٹے پڑے ہوئے تھے' اس نے جگ سے پانی گلاس میں انڈیلا اور لبوں سے لگادیا۔ وہ ایک ہی گھونٹ میں غٹا غٹ پانی پی گئی۔

"اور......" اس کے پوچھنے پر نفی میں سر ہلایا۔ "اچھا پھر سو جاؤ۔" اس نے آرام سے تکیے پر سر رکھ دیا اور آنکھیں موندلیں وہ چپ چاپ کھڑا اسے دیکھتا رہا۔

دو دن اس نے خوب تیمارداری کی تھی' جس کے نتیجے میں وہ بہتر ہوگئی تھی۔ اس کی اس ہمدری پر درنجف کے خیالات اس کے بارے میں کچھ تبدیل ہونے لگے تھے۔

❁ ...... ❁ ...... ❁

"دروازہ بند کرلو میں جارہا ہوں۔ جی بھر کر آرام کرنا اٹھنے اور کام کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔" اسے نصیحت کرکے وہ باہر نکل گیا۔ بخار تو اتر چکا تھا' تاہم نقاہت باقی تھی وہ پھر بھی اٹھ کھڑی ہوئی' سارا گھر اوندھا پڑا تھا' آہستہ آہستہ کام کرنے لگی' پہلے گھر صاف کیا جو اس کی طبع نازک پر گراں گزر رہا تھا۔ پھر اس کے سارے کپڑے تہہ کرکے الماری میں رکھے...... پھر کچن میں چلی آئی اتنے میں وہ چلا آیا۔

"ارے تم کام کررہی ہو' کچھ دن آرام کرلیتیں؟" اس نے نرمی سے کہا اور اسے تھام کر اندر لے آیا۔

"اندر آؤ آج مجھے تم سے کچھ باتیں کرنی ہیں۔" چونکہ خود بھی نقاہت زدہ تھی اور صبح سے کام میں لگی ہوئی تھی' اس لیے تھکن اور سستی غالب آنے لگی۔

"جی بولیں۔" اس نے پوچھا۔

"مجھے معاف نہیں کرسکتیں۔ میں بھی انسان ہوں مجھ میں بھی جذبات ہیں' کیوں ستاتی ہو مجھے کیوں ایسا درد دیتی ہو جس کی شدت سے میں تڑپ اٹھتا ہوں' میرا بھی دل چاہتا ہے کہ میں پرسکون زندگی گزاروں' میرے اس آنگن میں بہاریں اتریں' کوئی مجھ سے روٹھنے والا ہو' کوئی مجھے منانے والا ہو' کوئی میرے نخرے سہے' کسی کے نخرے میں سہوں۔"

"میں سمجھی نہیں آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟"

"تم شاید جانتی نہیں ہو' میں تمہیں کب سے جانتا ہوں' آج سے کوئی چار سال پہلے تم دادی کو لے کر میرے کلینک آئی تھیں وہ لمحہ جب تم رو رو کر خدا سے دعا کررہی تھیں کہ دادی ٹھیک ہوجائیں۔ دنیا میں سوائے ان کے تمہارا کوئی نہیں ہے۔ تم رو رہی تھیں تب اس لمحے میرے دل نے دعا کی تھی یہ اچھی لڑکی میری ہوجائے اور جتنی یہ اپنی دادی سے محبت کرتی ہے اتنی ہی محبت بلکہ اس سے بھی زیادہ محبت مجھ سے کرے۔ میں تمہیں روزانہ اپنے کلینک کے سامنے سے گزرتے دیکھا کرتا تھا۔ جونہی تم سامنے آتیں فوراً میرے دل سے دعا نکلتی کاش یہ اچھی لڑکی میری ہوجائے' پتا نہیں کیا بات تھی میں جب بھی تمہیں دیکھتا مجھ پر محبت کا اک نیا باب روشن ہوتا پھر میں تمہارا اس قدر عادی ہوگیا کہ تمہیں دیکھے بغیر مجھے چین نہیں پڑتا تھا۔ تمہارے حالات مجھ پر آہستہ آہستہ کھلنے لگے' یہ سب کچھ مجھے دادی بتایا کرتی تھیں' مجھے وہ دکھ سنایا کرتیں اور میں سن لیا کرتا۔ تمہارے لیے ان کے دل میں بہت محبت تھی۔ وہ کہتی تھیں کہ بہت محنتی ہے میری پوتی! ان ظالموں پر بوجھ بھی نہیں' خود محنت کرکے پڑھائی پوری کی اور اب ان کا جہنم بھرنے کے لیے دن رات ایک کرتی ہے' ان ظالموں کو شرم بھی نہیں آتی کہ بن ماں باپ کی بچی پر ترس ہی کھالیں۔ وہ بتاتی تھیں اور میں سنتا رہتا۔ اور اس دن جب تم نے بیچ سڑک پر ایک معصوم کالج گرل کو بچانے کے لیے ان لفنگوں کی پٹائی کی تھی' تمہاری بہادری اور غیوری نے تمہیں کچھ اور خاص بنادیا اور میں دادی کو پرپوزل پیش کرنے کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ یہ حادثہ پیش آگیا۔ تم خود ہی میرے گھر چلی آئیں اور گھر آئی نعمت کو ٹھکرانا تو کفران نعمت ہوتا ہے' اس لیے میں نے اس نعمت کو سنبھالنے کا فیصلہ کرلیا۔" وہ دم بخود تھی ان انکشافات پر۔ کیا تھا یہ شخص' پہلی ملاقات میں صرف اک ڈاکٹر اور بے ضرر انسان جس کا مقصد صرف انسانیت کی خدمت کرنا تھا یا وہ والا روپ جب وہ اس کا پیچھا کرتا ہوا اسے ہراساں کرنے کی کوشش کرتا ہوا یا وہ والا روپ اس کی مجبوری سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کررہا تھا جسے صرف اپنی پروا تھی۔

وہ ہولے ہولے اس کے دامن میں محبت کے سکے ڈال رہا تھا۔

"یہ تم پر منحصر ہے کہ تم میری محبت کو قبول کرو یا نہیں اگر قبول کروگی تو محبت کے دامن میں آسودگی بھر دوگی اور اگر انکار کروگی تو اذیت تو ہوگی لیکن چونکہ محبت کی گستاخی مجھ سے سرزد ہوئی ہے تو تمہاری بے رخی کی سزا ہی میرے لیے کافی ہے۔ وہ بھی اس صورت حال میں جب کہ میں تمہارا اس قدر عادی ہوگیا ہوں کہ اک پل بھی تمہارے بنا کاٹنا محال ہے۔" وہ بے خودی میں اپنی داستان کہتا گیا وہ اور دم بخود سنتی رہی۔

❁......❁......❁

"کیا اسے محبت کہتے ہیں؟ ہاں درنجف! اسے ہی محبت کہتے ہیں، تمہیں بھی اس سے محبت ہو چکی ہے۔" دل نے ہولے سے سرگوشی کی۔

"نہیں! یہ انسیت ہے جو کسی بھی انسان کے ساتھ رہنے سے ہو جاتی ہے۔" دماغ نے دلیل دی۔

"اچھا پھر تمہیں اپنے ددھیالی رشتہ داروں سے کیوں محبت نہیں ہے، حالانکہ تم اک عرصے سے ان کے ساتھ رہتی چلی آ رہی ہو اگر رہنے سے محبت ہوتی تو پھر تمہیں ان سے محبت ہو جاتی۔" دل نے دماغ کی دلیل کے جواب میں دلیل پیش کر دی۔

"کیا واقعی مجھے اس سے محبت ہے؟" اس نے اچنبھے سے اک بار پھر سوال کیا۔

"ہاں ہے محبت اور وہ بھی شدید ترین محبت!" دل نے دہائی دی تو وہ بے بس ہو کر اسے ڈانٹنے لگی جو ایک ہی راگ الاپ رہا تھا محبت...... محبت!

"کتنا ستایا ہے تم نے اسے، بے سوچے سمجھے اس کے گھر چلی آئیں اگر وہ کوئی ایسا ویسا ہوتا تو بہت کچھ کر سکتا تھا لیکن اس نے تمہیں اپنایا معاشرے میں اعلیٰ مقام دیا، یہ محبت ہی تو ہے جو اس نے تم سی بے نام ونشان رات کے اندھیرے میں گھر سے بھاگنے والی لڑکی کو اپنایا بے شک تمہیں گھر والوں نے نکالا تھا لیکن لوگوں کی نظروں میں تو تم گھر سے بھاگی ہوئی لڑکی تھیں نا۔

دوسری بار جب تم سفینہ کے گھر چلی گئیں اس نے نا صرف تمہارا خیال رکھا بلکہ وہاں کی بھی پوری خبر رکھی، کون ایسا شوہر ہے جو اپنی بیوی کو (چاہے وہ کیسے بھی حالات کے تحت مجبوراً اس کی زندگی میں در آئی ہو) معاف کرے جو بتائے بغیر گھر سے چلی جائے، نا صرف تم گھر سے گئیں بلکہ ڈیڑھ ماہ ہٹیلے پن کا مظاہرہ کرتے ہوئے وہیں ٹکی رہیں، یہ محبت ہی تو تھی جس کی بدولت تمہاری اتنی بڑی خطا معاف ہو گئی۔" دل نے اسے بے نقط سنائی تھیں جب دل نے ہی بغاوت کر دی تو باقی کیا بچا تھا صرف اک انا تھی جو آڑے آ کر محبت کے وجود کو ماننے میں تامل کر رہی تھی۔

❁......❁......❁

"آج بڑے دنوں بعد چکر لگایا ہے۔" میثم نے پوچھا۔

"ویسے ہی یار!"

"پریشان ہو؟"

"نہیں یار!"

"کچھ تو ہے؟ جس کی پردہ داری ہے۔ بتاؤ تو سہی، ہو سکتا ہے میں تمہاری پرابلم کو حل کر سکوں؟" اس نے تمام صورت حال اس کے سامنے کھول کے رکھ دی۔

"ہوں تمہارا خیال ہے، تمہیں بھابی سے بقول تمہارے شدید ترین محبت ہے جب کہ بھابی کو تم سے محبت نہیں، یہی نا؟" میثم نے ماہر تجزیہ نگار کی طرح تجزیہ کیا۔

"جی!"

"ابھی معلوم کر لیتے ہیں کہ بھابی کو تم سے محبت ہے یا نہیں؟ میرا خیال ہے بھابی کو تم سے محبت ہے تبھی تو تم جیسے لومڑ کے ساتھ رہ رہی ہیں۔ نمبر بتاؤ بھابی کا۔"

"اس کے پاس موبائل نہیں ہے؟"

"اچھا پی ٹی سی ایل کا نمبر ڈائل کرتا ہوں۔" نمبر ڈائل کر کے میثم نے موبائل کان سے لگایا۔ اس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ نے اسے بے چین کر دیا۔

یک دم فون کی بیل ہو رہی تھی۔ اس نے ریسیور اٹھا کر کان سے لگایا۔

"ہیلو کون؟"

"ہیلو بھابی! میں میثم بات کر رہا ہوں، محضر کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے۔"

"کک...... کیا......؟" وہ گھبرا کر چیخی۔

"بھابی! سن رہی ہیں نا آپ؟"

"ہاں!" بمشکل رندھے ہوئے لہجے میں بولی۔

"کک...... کہاں ہیں وہ اب۔"

لیکن میثم نے کوئی جواب نہیں دیا، تو وہ وہیں زمین پر ڈھیر ہو گئی۔

"یا ہو وہ مارا۔" میثم خوشی سے بولا۔ "دیکھا میں نہ کہتا تھا

کہ بھابی کو تجھ سے محبت ہے بس اظہار نہیں کر پارہی تھیں۔ کیوں ہے نا بھابی کو تجھ سے محبت ورنہ اتنی دل خراش چیخ نہ نکلتی!'' سیل پر ہاتھ رکھ کر بولا۔

''یقین کرواتے ہیں تمہیں بھابی کی محبت کا۔'' اس نے ایک بار پھر نمبر ٹرائی کیا' دوسری طرف سے کال ریسیو کرلی گئی۔

پہلے تو وہ آہستہ آہستہ رو رہی تھی اب اس کی چیخیں بلند ہوگئیں۔ ریسیور اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر جا گرا تھا۔

''یا خدا! ہر دفعہ میرے ساتھ ہی ایسا کیوں ہوتا ہے' جس سے مجھے محبت ہوتی ہے یا جس کو مجھ سے محبت ہوتی ہے مجھ سے چھین کیوں لیا جاتا ہے' والدین کو محبت تھی تو نے انہیں پاس بلالیا پھر دادی جو مجھے زمانے بھر سے زیادہ چاہتی تھیں اور میں انہیں وہ بھی میرے غموں کا بوجھ برداشت نہ کر پائیں اور مجھ سے ہمیشہ کے لیے روٹھ گئیں اور اب یہ شخص جس کے بارے میں جانتی تک نہ تھی کیوں اس کے دل میں میری محبت ڈالی اور تقدیر نے اسے میرا بنادیا اب جب کہ مجھے اس سے محبت ہوچکی ہے تو اس کے ساتھ یہ حادثہ ہوگیا یا الٰہی! میں تیری عاجز بندی تجھ سے اور کچھ نہیں مانگتی' بس یہ ایک شخص میرے نصیب میں اپنی رحمت سے میرا بنادے۔'' غالباً اب وہ سجدے میں گرچکی تھی کیونکہ اب صرف سسکیاں سنائی دے رہی تھیں۔ موبائل سے آتی ہوئی آواز نے محضر کے جسم وجاں میں نئی زندگی دوڑا دی تھی۔

''مجھے جانا چاہیے کہیں اس کی طبیعت خراب نہ ہوجائے۔'' وہ کہہ کر باہر نکلا۔

گھر آیا تو دروازہ کھلا ہوا تھا اندر داخل ہوکر دروازہ اچھی طرح بند کیا' کھٹکے کی آواز سن کر اس نے سر اٹھایا تو پتھر کی ہوگئی۔ سامنے ہی وہ کھڑا تھا صحیح سلامت' تو کیا خدا نے اس کی دعا سن لی۔ اسے زندگی دے دی وہ یک ٹک اسے دیکھے گئی۔ اس کی ویران حالت پر نظر پڑی تو دل کٹ کر رہ گیا۔

''در نجف!'' ہولے سے پکارا وہ ہوش کی دنیا میں پلٹ آئی۔ وہ بے اختیار اس کی طرف لپکی۔ اس نے محبت بھرے بازو کھول دیئے وہ اس کے سینے سے آ لگی' پھر جو رونا شروع ہوئی اس کو چپ کرانا مشکل ہوگیا۔

''آپ ٹھیک تو ہیں ناں؟'' وہ رو بھی رہی تھی ساتھ ساتھ اس کے ہاتھ پاؤں کو بھی چھو کے دیکھ رہی تھی۔

''بس کرو مجھے کچھ نہیں ہوا۔'' آہستگی سے لاکر بیڈ پر بٹھایا۔

''ویسے مجھے ہوا کیا تھا؟'' اس نے ہنسی ضبط کرتے ہوئے پوچھا۔ تو وہ دھیرے دھیرے سب بتاتی چلی گئی' بے اختیار اس کے حلق سے قہقہے برآمد ہونا شروع ہوگئے' وہ اک پل کو حیران رہ گئی پھر جب سمجھ میں آیا تو وہ بگڑ گئی۔

''اس کا مطلب ہے آپ شریک تھے اس شرارت میں۔'' تو وہ ضبط کی کوشش میں اقرار میں سر ہلا گیا۔

''دھوکے باز...... فریبی! آپ دونوں نے مجھے بے وقوف بنایا ہے۔''

''بنے بنائے کو کیا بنانا۔'' وہ شرارت سے مسکایا۔

''ٹھہریں! میں اس میثم کے بچے سے تو دو دو ہاتھ کرلوں پھر آپ سے نپٹتی ہوں۔'' وہ اس کا موبائل اٹھانے کو لپکی جو اس نے دور پھینک دیا تھا۔

اس کا یہ بے ضرر سا جھوٹ تو ہمارے حق میں اچھا رہا' میں تو بڑا مشکور ہوں میثم کا جس کی بدولت تم نے اقرار محبت کیا ورنہ میں تو احساس کمتری کا شکار ہوتا جارہا تھا۔'' وہ دل گرفتگی سے گویا ہوا۔

''میں بھی دل ودماغ کی اس جنگ سے اکتا چکی تھی۔''

''لیکن اس جنگ میں دل کو فتح نصیب ہوئی اور میثم کا شکریہ جس کے اس ہلکے پھلکے جھوٹ نے انا کے دائرے میں مقید محبت کو باہر کیا اور محبت نے محبت کو پہچان لیا ورنہ اگر محبت انجان رہے تو بہت دکھ دیتی ہے۔'' محضر دھیمے دھیمے کہہ رہا تھا وہ پرسکون انداز میں آنکھیں بند کیے اور محبت کے دیس میں محضر کے ہمراہ اڑنے لگی تھی جہاں رنگ تھے خوشبوئیں تھیں اور چاہت تھی۔

حافظ شبیر احمد

کائنات

جواب: فجر کی نماز کے بعد سورۃ فرقان آیت نمبر 74، 70 مرتبہ، اول و آخر 11،11 مرتبہ درود شریف۔ جلد اور اچھے رشتے کے لیے دعا کریں۔

سورۃ الفلق اور سورۃ الناس مغرب اور عشا کی نماز کے بعد 7،7 مرتبہ پڑھ کر اپنے اوپر دم کیا کریں۔ صدقہ بھی دیں۔

فرح

جواب: استخارہ آپ خود کریں۔

ندا مختار

جواب: سورۃ والضحیٰ روزانہ 121 بار پڑھ کر جو راضی نہیں ہیں ان کے راضی ہونے کی اللہ سے دعا مانگیں۔

ماہ نور

جواب: روزانہ 111 بار سورۃ القریش پڑھ کر دونوں مسئلے حل ہونے کی دعا مانگیں۔ عشا کے بعد بہتر ہے۔

اریب

جواب: سورۃ والضحیٰ روزانہ 111 بار پڑھ کر دعا مانگیں کسی بھی وقت۔

زہرہ بٹ

جواب: آپ سورۃ والضحیٰ ہر نماز کے بعد 41 بار پڑھ کر دعا مانگیں۔

زہرہ حیات

جواب: صبح و شام 41،41 مرتبہ آیتہ الکرسی پڑھ کر رشتے میں رکاوٹیں دور بندشیں ختم ہونے کی دعا مانگیں۔

سورۃ الفرقان کی آیت نمبر 74 فجر کی نماز کے بعد 70 مرتبہ پڑھ کر رشتہ ہونے کی دعا مانگیں۔ 4 ماہ۔

فاطمہ شیخ

جواب: روزانہ 41 بار ہر نماز کے بعد سورۃ اخلاص پڑھ کر دعا کریں۔

دانش

جواب: **سورۃ الفرقان** کی آیت نمبر 74 روزانہ 70 بار پڑھیں۔ فجر کی نماز کے بعد 4 ماہ تک۔

فائی خان

جواب: سورۃ الفرقان کی آیت نمبر 74 فجر کی نماز کے بعد 70 بار پڑھ کر رشتے کی دعا مانگیں۔ رات سوتے وقت 41 بار آیتہ الکرسی پڑھ کر رکاوٹوں اور بندشوں کے ختم ہونے کی دعا مانگیں۔ 4 ماہ پڑھیں۔

عائشہ حسن

جواب: فجر کی نماز کے بعد سورۃ الفرقان کی آیت نمبر 74 روزانہ 70 بار پڑھ کر دعا مانگیں 4 ماہ۔

نغمانہ ناز

جواب: آپ کی ٹانگ میں درد یہ عرق النساء کی بیماری کہلاتی ہے اس کو جھڑوائیں یا ہومیو علاج کرائیں۔
سورۃ المزمل روزانہ 11 بار پڑھ کر دعا مانگیں۔

نور سحر

جواب: رات سونے سے پہلے 41 بار آیتہ الکرسی پڑھ کر بندشیں اور رکاوٹیں ختم ہونے کی دعا مانگیں۔ فجر کی نماز کے بعد روزانہ 41 بار سورۃ المزمل پڑھ کر روزگار میں کامیابی کی دعا مانگیں۔

مرزا حامد بیگ مغل

جواب: سورۃ المزمل فجر کے بعد 11 بار پڑھ کر نوکری کی دعا مانگیں اور رات میں آیتہ الکرسی 41 بار پڑھ کر بیماری کے ختم ہونے کی دعا مانگیں۔

پری ماریہ

جواب: فجر کی نماز کے بعد 11 بار سورۃ المزمل پڑھ کر دونوں کاموں کی دعا مانگیں۔

مہر سمیع

جواب: سورۃ المزمل روزانہ 11 بار پڑھیں۔

کنول اقبال

جواب: شوہر کی محبت کے لیے "یا شھید" 319 بار صبح وشام پڑھ کر دعا مانگیں۔

عاصم خان

جواب: صدقہ ضرور دیا کریں اور سورۃ المزمل دکان کھول کر 3 بار ضرور پڑھا کریں (برکت ہوگی)

وجیھہ صدیقی

جواب: بعد نماز فجر سورۃ الفرقان کی آیت نمبر 74، 70 مرتبہ پڑھ کر رشتہ کی دعا مانگیں اور آیتہ الکرسی رات سوتے وقت 41 بار پڑھ کر رکاوٹیں دور ہونے کی دعا مانگیں۔

اقرا علی

جواب: سورۃ عبس مغرب کے بعد 3 بار اور سورۃ الفرقان کی آیت نمبر 74، 70 بار فجر کی نماز کے بعد (صبح کا عمل رشتے کے لیے اور مغرب کے بعد والا عمل ہر رکاوٹ دور کرنے کے لیے)

وانیہ

جواب: سورۃ النبا روزانہ 21 بار پڑھ کر دعا مانگیں۔

ام فروا

جواب: سورۃ والضحیٰ بغیر تعداد کے دونوں پڑھیں۔ دعا مانگیں کہ مان جائیں۔

ایم نبیل

جواب: تعویذ مت اتاریں۔ جو بھی معاملات ہیں ابھی ختم نہیں ہوئے جن سے علاج کروایا ہے انہوں نے روک تو کردی ہے مکمل طور پر نہیں ہوا۔ اس سے علاج جاری رکھیں۔ "یا ستار" کا ورد مستقل کریں۔
ایجوکیشن کے بارے میں اپنے علاقے میں کوئی اچھا کالج دیکھیں۔ اگر نہیں تو سفر کر سکتے ہیں۔

فریحہ خان

جواب: فجر کی نماز کے بعد سورۃ الفرقان کی آیت نمبر 74، روزانہ 70 بار پڑھیں پھر دعا مانگیں۔

http://facebook.com/elajbilquran
www.elajbilquran.com

نوٹ

جن مسائل کے جوابات دیئے گئے ہیں وہ صرف انہی لوگوں کے لیے ہیں جنہوں نے سوالات کیے ہیں۔ عام انسان بغیر اجازت ان پر عمل نہ کریں۔ عمل کرنے کی صورت میں ادارہ کسی صورت ذمہ دار نہیں ہوگا۔
موبائل فون پر کال کرنے کی زحمت نہ کریں۔ نمبر بند کردیا گیا ہے۔
اس ماہ جن لوگوں کے جواب شائع نہیں ہوئے وہ اگلے ماہ شائع ہوں گے۔
ای میل صرف بیرون ملک مقیم افراد کے لیے ہے۔
rohanimasail@gmail.com

روحانی مسائل کا حل کوپن برائے دسمبر ۲۰۱۴ء

نام .... والدہ کا نام .... گھر کا مکمل پتا ....

....

گھر کے کون سے حصے میں رہائش پزیر ہیں ....

میمونہ رومان

بشریٰ خان...... بہاولپور
اس شخص نے آنکھوں سے تبلیغ ہی یوں کی
کہ میں بن سوچے محبت پر ایمان لے آیا

سعدیہ رمضان سعدی' حمنہ وسیم...... 186 پی
تجھے بھلا دینا ہوتا تو کب کا بھلا دیتے
تم حسرت زندگی ہو مطلب زندگی نہیں

منزہ حیدر...... کوٹ قیصرانی
بڑا میٹھا نشہ تھا اس کی یاد میں
وقت گزرتا گیا اور ہم عادی ہوتے گئے

ماہا بھٹی...... جڑانوالہ
اس چاند کو دیکھو کتنا ملتا ہے ہم دونوں سے
تمہاری طرح حسین اور میری طرح تنہا

علمہ اشمشاد حسین...... کورنگی' کراچی
وہ چمک نہ چاند میں ہے نہ تاروں میں ہے
جو چمک مدینے کے دلکش نظاروں میں ہے
بے زبان پتھروں کو بھی بخش دی زبان
اتنی طاقت میرے نبیؐ کے اشاروں میں ہے

جازبہ ضیافت عباسی...... دیول' مری
فرشتہ مجھ کو کہنے سے میری تحقیر ہوتی ہے
میں مسجودِ ملائک ہوں مجھے انساں ہی رہنے دے

سباس گل...... رحیم یار خان
کسے خبر تھی کشتی میں چھید ہونے کی
جب پانی سر سے گزرا تو ہوش آیا گل

فریحہ شبیر...... شاہ نکڈر
عطا دیکھی تو صرف ربّ کائنات کی دیکھی
ورنہ کون دیتا ہے کسی کو محبوب اپنا

حمیرا نوشین...... منڈی بہاؤالدین
وہ مستقبل میں کیا تہذیب عالم کی امیں ہوں گی
جو نسلیں سانس لیتی ہیں ان زہریلی فضاؤں میں

عائشہ پرویز...... کراچی
تم نے تو پھر بھی سیکھ لیے دنیا کے چال چلن
ہم تو کچھ بھی نہ کر سکے تجھ سے محبت کے سوا

ایس بتول شاہ...... ایم گجرات
حضور ﷺ دہر میں آسودگی نہیں ملتی
تلاش جس کی ہے وہ زندگی نہیں ملتی
ہزاروں لالہ و گل ہیں آدم ہستی میں
وفا کی جس میں ہو بو وہ کلی نہیں ملتی

پروین افضل شاہین...... بہاولنگر
ادا کرتا ہے جو سجدے ریاکاری کے دامن پر
نہ ان سجدوں سے روشن ہوگی ہرگز تیری پیشانی
فراہم کر کہیں سے دولت احساس سینے میں
بس اخلاص کی خدمت سے دل ہوتے ہیں نورانی

ابیہا رضوان...... کراچی
یہ فیضان مکتب تھا یا مدرسے کی کرامت تھی
سکھائے کس نے اسماعیلؑ کو آداب فرزندی؟

ندا فاطمہ...... کراچی
غریب و سادہ و رنگیں ہے داستانِ حرم
نہایت اس کی حسینؓ ابتدا ہے اسماعیلؑ

رابعہ اسلم رابی...... رحیم یار خان
میرے خلاف ہوا ہے تو اس کا ڈر بھی نہیں
یہ جانتے ہیں کہ وہ اتنا معتبر بھی نہیں
تجھے بھی دیکھ لیا ہے شام وعدہ آخر
اب اعتبار ہمیں تیرے نام پر بھی نہیں

اقصیٰ زرگر' سنیاں زرگر...... جوڑہ
اندیشہ بھی بہت تھا اور احتیاط بھی بہت کی
ہوتے ہوتے وہ شخص آخر جدا ہو ہی گیا

منزہ بھٹی...... پتوکی
چلو بتاؤں تمہیں نشانی اداس لوگوں کی
کبھی غور کرنا یہ ہنستے بہت ہیں

کاجل شاہ...... خانیوال

نازک تھا دل پھول کی پتی سے بھی ندیم
دنیا کے حادثات نے اسے پتھر بنادیا
ثمن گیلانی‘ این صدیقی...... ہٹیاں بالا آزاد کشمیر

مٹادے اپنی ہستی کو اگر کچھ مرتبہ چاہیے
کہ دانہ خاک میں مل کر گل و گلزار ہوتا ہے
تمیلہ بٹ...... گجرات

کسی کے ظرف سے بڑھ کر نہ کر مہر و فا ہرگز
کہ اس بے جا شرافت کا بڑا نقصان ہوتا ہے
فائزہ بھٹی...... پتوکی

مت یاد آیا کرا اتنا کہ رات بھر سو نہ سکیں محسن
صبح کو سرخ آنکھوں کا سبب پوچھتے ہیں لوگ
نفیسہ حبیب...... لودھراں

تجھے بھول کے بھی نہ بھلا سکوں تجھے چاہ کے بھی نہ پا سکوں
میری حسرتوں کو شمار کر‘ میری چاہتوں کا صلہ نہ دے
سیدہ جیا عباس...... مرالی تلہ گنگ

ہونٹوں پر اک چپ سی جمی رہ جاتی ہے
دل کی اکثر دل میں دبی رہ جاتی ہے
لوگ بچھڑ جاتے ہیں اور تصویر ان کی
آنکھوں میں تاعمر سجی رہ جاتی ہے
اقراء افرین فائزہ بلال...... جام پور‘ پنجاب

یاد رہے گا ہمیشہ یہ دورِ حیات ہم کو بھی
کہ خوب تر سے تھے زندگی میں اک شخص کی خاطر
راؤ تہذیب حسین تہذیب...... رحیم یار خان

تمام عمر کی محنت رہی ہے لاحاصل
سکونِ قلب ہی حاصل نہیں تو کیا حاصل؟
وہ جن کے واسطے سب کچھ لٹادیا میں نے
ہوا ہے ان سے فقط دردِ دوا حاصل
حافظہ سمیرا...... 159 این بی

نجانے کیوں بدل گیا تھوڑی ہی مدت میں مزاج اس کا وصی
وہ تو کہتا تھا کہ بدلتے لوگ مجھے اچھے نہیں لگتے
عائشہ حسین...... قلعہ دیدار سنگھ

بڑی بے اماں ہے زندگی اسے بن کے کوئی پناہ ملے
کوئی چاند رکھ میری شام پر میری شب کو مہکا گلاب کر
کوئی بدگماں سا وقت ہے کوئی بدگماں سی دھوپ ہے
کسی سایہ دار سے لفظ کو میرے جلتے دل کا حجاب کر
کنزیٰ رحمان...... فتح جنگ

مثال موسم کی دوں یا تمہاری؟
کسی نے پوچھا ہے بدلنا کس کو کہتے ہیں
دعا ہاشمی...... فیصل آباد

یہ واجباتِ عشق کیا ہم ہی پر فرض تھے
وہ بھی اتارتا کہ محبت اسے بھی تھی
زارا ربی...... اسلام آباد

ملے الجھنوں سے فرصت تو ذرا اتنا پوچھنا دل سے محسن
کیا دوستی یہی ہے صرف فرصتوں میں یاد کرنا
جگنو بوزدار...... گڈو کالونی

آئینہ خانے میں رہنے کا یہ انعام ملا
ایک مدت سے نہیں دیکھا ہے چہرہ اپنا
تیز آندھی میں بدل جاتے ہیں سارے منظر
بھول جاتے ہیں پرندے بھی ٹھکانہ اپنا
اسرا تنویر...... فیصل آباد

میرا ہر لفظ تیری ہر بات سے اچھا ہوگا
میرا ہر دن تیری ہر بات سے اچھا ہوگا
دیکھ لینا ان چمکتی آنکھوں سے
میرا جنازہ تیری بارات سے اچھا ہوگا
فائقہ سکندر حیات...... لنگڑیال

یاد آؤں تو بس اتنی سی عنایت کرنا
اپنے بدلے ہوئے لہجے کی وضاحت کرنا
تم تو چاہت کا سمندر ہوا کرتے تھے
کس سے سیکھا ہے محبت میں ملاوٹ کرنا

biazdill@aanchal.com.pk

ڈش مقابلہ

طلعت آغاز

گوشت کے پنیری کباب

اجزاء

گائے کا قیمہ	دوبار پسا ہوا ڈیڑھ کلو
چربی	۵۰ گرام
دہی (پانی نکلا ہوا)	۲ کھانے کے چمچے
پسا ہوا گرم مصالحہ	ایک چائے کا چمچہ
پسا ہوا سفید زیرہ	ایک کھانے کا چمچہ
کٹی ہوئی لال مرچ	ایک کھانے کا چمچہ
پیاز چوپ کی ہوئی	ایک عدد
ہری مرچیں چوپ کی ہوئی	۴ عدد
ہرا دھنیا چوپ کیا ہوا	آدھی گڈی
پسا ہوا لہسن ادرک	ایک کھانے کا چمچہ
انڈے	۲ عدد
ڈبل روٹی کا چورہ	۴ کھانے کے چمچے
موزریلا پنیر کدوکش	۲۰۰ گرام
شملہ مرچ باریک کٹی ہوئی	ایک عدد
ٹماٹر باریک کٹا ہوا	ایک عدد
نمک	حسب ذائقہ
تیل	تلنے کے لیے
شملہ مرچ، ٹماٹر، گاجر، لیموں	سجانے کے لئے

ترکیب:۔

چوپر میں قیمہ اور چربی یکجان کر لیں۔اس میں پنیر، ٹماٹر اور شملہ مرچ کے علاوہ باقی تمام اجزاء شامل کر کے آدھے گھنٹے کے لیے رکھ دیں۔اس آمیزے کے کباب بنالیں۔فرائی پین میں تیل گرم کر کے کبابوں کو سنہری تل لیں۔کبابوں کو بیکنگ ٹرے میں رکھیں۔ان پر پنیر، شملہ مرچ اور ٹماٹر رکھ کر پہلے سے گرم اوون میں ۱۸۰ ڈگری سینٹی گریڈ پر ۱۰ منٹ پکا کر نکال لیں۔سرونگ ڈش کو شملہ مرچ، ٹماٹر، گاجر اور لیموں سے سجائیں اور کباب رکھ کر پیش کریں۔

علینہ چوہدری......رحیم یار خان

تھائی بیف پوٹیٹو

اجزاء

انڈر کٹ گوشت	ایک کلو
آلو	تین عدد درمیانے
نمک	حسب ذائقہ
لہسن	پسا ہوا ایک کھانے کا چمچ
کٹی ہوئی لال مرچ	ایک کھانے کا چمچ
تھائی کری پیسٹ	چار کھانے کے چمچ
ہلدی پسی ہوئی	آدھا چائے کا چمچ
ہری پیاز	تین سے چار عدد
ہرا دھنیا	آدھی گڈی
ہری مرچیں	تین سے چار عدد
کوکنگ آئل	آدھی پیالی

ترکیب:۔

ہری پیاز، ہرا دھنیا اور ہری مرچوں کو باریک کاٹ کر رکھ لیں۔آلوؤں کو چھیل کر چکور ٹکڑے کر لیں۔گوشت کی بوٹیوں کو دھو کر چھلنی میں رکھ کر خشک کر لیں اور اس میں نمک اور لہسن لگا کر پندرہ سے بیس منٹ کے لیے فریج میں رکھ دیں۔پھر کڑاہی میں تیل کو درمیانی آنچ پر تین سے چار منٹ گرم کریں اور گوشت کی بوٹیوں کو ہلکا سنہرا تل کر نکال لیں۔اسی پین میں آلوؤں کو بھی فرائی کر کے نکال لیں۔اسی تیل کو پین میں ڈال کر اس میں باریک کٹی ہوئی ہری پیاز (صرف اوپر کے سفید ڈنھل) کو ہلکا سا نرم ہونے تک فرائی کریں۔اس میں لال مرچیں اور ہلدی ڈال کر ذرا سا پانی کا چھینٹا دے کر بھونیں اور اس میں فرائی کی ہوئی گوشت کی بوٹیاں شامل کر لیں۔اچھی طرح ملا کر اس میں تھائی کری پیسٹ اور ایک پیالی پانی ڈال کر درمیانی آنچ پر اتنی دیر رکھیں کہ گوشت ادھ گلا ہو جائے۔آلو ڈال کر گوشت گلنے تک دم پر رکھ دیں۔ڈش میں نکال کر ہری پیاز کی پتیاں، ہرا دھنیا اور ہری مرچیں چھڑک کر اُبلے ہوئے چاولوں کے ساتھ گرم گرم پیش کریں۔

تھائی کری پیسٹ گھر پر بنانے کے لئے تین سے چار کھانے کے چمچ ٹماٹر پیسٹ، ایک چائے کا چمچ مسٹرڈ پیسٹ، آدھا چائے کا چمچ پسی ہوئی لال مرچ اور آدھا چائے کا چمچ پسا ہوا دھنیا اچھی طرح مکس کر لیں۔تھائی کری پیسٹ تیار ہے۔

ہالہ سلیم......کراچی

بنارسی ران

اجزاء

بکرے کی ران	ایک عدد
ادرک لہسن پیسٹ	۳ کھانے کے چمچے
کچا پپیتا	۲ کھانے کے چمچے
انڈے	۲ عدد
دہی	۴ کھانے کے چمچے
کٹی لال مرچ	۳ کھانے کے چمچے
پسی لال مرچ	ایک کھانے کا چمچہ
ہلدی	آدھا چائے کا چمچہ
پسا زیرہ	۲ کھانے کے چمچے
املی کا گودا	۲ کھانے کے چمچے
پسا گرم مصالحہ	۲ کھانے کے چمچے
زردے کا رنگ	چوتھائی چائے کا چمچ
کھانے کا لال رنگ	چوتھائی چائے کا چمچ
بیسن	۲ کھانے کے چمچے
تیل	تلنے کے لئے
نمک	حسب ذوق

ترکیب:۔

ایک برتن میں ادرک لہسن کا پیسٹ، انڈے، دہی، کٹی لال مرچ، پسی لال مرچ، ہلدی، پسا زیرہ، املی کا گودا، پسا گرم مصالحہ، زردے کا رنگ، کھانے کا لال رنگ، بیسن اور کچے پپیتے کے پیسٹ کو اچھی طرح مکس کر لیں۔ اب اس آمیزے کو بکرے کی ران پر لگائیں اور رات بھر چھوڑ دیں۔ ران کو اوون میں رکھیں اور ۳۵ سے ۴۰ منٹ تک بیک کر کے سرو کریں۔

جویریہ ضیاء..... کراچی

شیش کباب

اجزاء

انڈر کٹ (چوکور بوٹیاں)	آدھا کلو
لہسن (چوپ کیا ہوا)	ایک چائے کا چمچہ
سفید سرکہ	ایک کھانے کا چمچہ
پیاز چوپ کی ہوئی	آدھی پیالی
پسی ہوئی کالی مرچ	ایک چائے کا چمچہ
نمک	حسب ذائقہ
تیل	۲ کھانے کے چمچے
کھیرے، ٹماٹر، سلاد پتے	سجانے کے لیے

ترکیب:۔

پیالے میں انڈر کٹ، لہسن، کالی مرچ، سرکہ، پیاز، تیل اور نمک ڈال کر ایک گھنٹے کے لیے رکھ دیں۔ انڈر کٹ کو لکڑی کی سیخوں پر لگا دیں۔ گرل پین گرم کر کے تیل سے چکنا کریں، سیخوں کو اس پر دونوں جانب سے پکا کر اُتار لیں۔ مزیدار شیش کباب کھیرے، ٹماٹر اور سلاد پتوں سے سجا کر پیش کریں۔

فائزہ خان..... منڈی بہاؤالدین

کبابی قیمہ

اجزاء

مٹن کا قیمہ	آدھا کلو
پپیتا	ایک کھانے کا چمچہ
لہسن ادرک	ایک کھانے کا چمچہ
نمک	حسب ذوق
لال مرچ	آدھا چائے کا چمچہ
گرم مصالحہ	آدھا چائے کا چمچہ
دہی	ایک کپ
تیل	آدھا کپ
پیاز	ایک عدد

ترکیب:۔

قیمے میں پپیتا، لہسن ادرک، نمک، لال مرچ، گرم مصالحہ اور دہی مکس کر کے رکھیں۔ تیل گرم کر کے پیاز فرائی کر لیں۔ پھر اس میں قیمہ ڈال کر پکائیں۔ جب پانی خشک ہو جائے تو اچھی طرح بھون لیں۔ اب بیسن اور سفید زیرہ شامل کر کے مکس کریں۔ آخر میں ہری مرچ اور ہرا دھنیا ڈال کر اچھی طرح ملائیں۔ گرم گرم پراٹھوں کے ساتھ پیش کریں۔

مسز پروین غفار..... ملتان

جے پوری بریانی

اجزاء

بکرے کا گوشت	۷۵۰ گرام
تلی پیاز	ایک کپ
ادرک لہسن کا پیسٹ	۲ کھانے کے چمچ
پسی لال مرچ	ایک کھانے کا چمچ
نمک	حسب ذائقہ
تیل	۳ سے ۴ کپ
سفید الائچی	۴ عدد
ثابت مکس گرم مصالحہ	ایک کھانے کا چمچ

دہی	ایک کپ
کیوڑا	ایک کھانے کا چمچ
زردے کا رنگ	ایک چٹکی
زعفران	چوتھائی چائے کا چمچ
اُبلے چاول	۶۰۰ گرام
پسی جاوتری	چوتھائی چائے کا چمچ
پسی جائفل	چوتھائی چائے کا چمچ
پسی سفید الائچی	چوتھائی چائے کا چمچ
پسے بادام	۱۲ عدد

ترکیب:۔

سب سے پہلے چاولوں کو نمک کے ساتھ اُبالیں۔اب تیل گرم کرکے اس میں ادرک لہسن کا پیسٹ، نمک، پسی لال مرچ، ثابت مکس گرم مصالحہ، بکرے کا گوشت اور تلی پیاز ڈال کر پکائیں یہاں تک کہ گوشت گل جائے۔ پھر اس میں دہی، پسے بادام، پسی سفید الائچی ڈال کر اتنا پکائیں کہ وہ تیار ہوجائے۔اس کے بعد اُبلے چاولوں کو گوشت کے مکسچر کے اوپر ڈال دیں۔اب اس میں ایک کھانے کا چمچہ کیوڑا،ایک چٹکی زردے کا رنگ اور زعفران ڈال کر ڈھک دیں اور ۱۵ سے ۲۰ منٹ کے لیے دم پر چھوڑ دیں۔

طلعت نظامی......کراچی

استو بریانی

اجزاء

پیاز	آدھا کلو
دہی	آدھا کپ
مٹن	۷۵۰ گرام
کالا زیرہ	ایک چائے کا چمچ
کیوڑہ	ایک چائے کا چمچ
ثابت گرم مصالحہ	ایک کھانے کا چمچ
تلی پیاز	دو کھانے کے چمچ
ادرک	دو انچ کا ٹکڑا
پیلا رنگ	ایک چٹکی
لہسن	ایک پوتھی
سیلا چاول	تین پاؤ
تیز پتہ	دو عدد
ہری مرچ	چھ سے آٹھ عدد
ثابت لال مرچ	دس سے بارہ عدد
نمک	حسب ذوق

ترکیب:۔

سیلا چاول دو گھنٹے کے لئے بھگوئیں۔اب اس میں نمک، ثابت گرم مصالحہ اور لال مرچ ڈال کر تین کنی تک ابال لیں۔ پیاز کو کاٹیں پھر اس میں گوشت، کٹا ادرک، لہسن، دہی، نمک اور ثابت گرم مصالحہ شامل کر کے پکائیں۔ایک دیگچی میں تھوڑا سا تیل ڈالیں۔ اس کے بعد ابلے چاول ڈالیں اوپر سے اسٹو شامل کریں اور ہری مرچیں ڈال دیں دوبارہ اوپر سے ابلے چاول ڈالیں اور تھوڑا تیل چھڑک دیں۔آخر میں تلی ہوئی پیاز، کیوڑہ اور پیلا رنگ پانی میں ڈال کر ہلکی آنچ پر دم پر چھوڑ دیں۔

عائشہ سلیم......کراچی

مصالحے دار چاول

اجزاء

آئل	۲ کھانے کے چمچ
الائچی	چھ عدد (تین کو کھول لیں)
ثابت دھنیا	آدھا چائے کا چمچ (ہلکا سا کوٹ لیں)
لہسن	ایک جو (کتر لیں)
چاول	بچے ہوئے (ایک کپ)
چکن یا مٹن کی یخنی	ساڑھے چھ کپ
دہی	چار کھانے کے چمچ
دالیں	بچی ہوئی (آدھا کپ)
مونگ پھلی	فرائی کی ہوئی (ایک کھانے کا چمچ)
سیاہ مرچ پسی ہوئی	ایک چوتھائی چائے کا چمچ
نمک	حسب ضرورت
ہرا دھنیا	گارنش کے لیے

ترکیب:۔

ایک ساس پین میں تیل گرم کریں۔اس میں گرم مصالحے اور لہسن ڈال کر ایک منٹ کے لیے فرائی کریں۔اس تیل میں یخنی کے ساتھ دالیں ڈالیں۔ذرا سا چمچ چلاتے ہوئے پکائیں اور پھر چاول شامل کریں۔پانچ سے دس منٹ پکائیں پھر دہی شامل کر کے احتیاط سے چمچ سے مکس کردیں۔مونگ پھلی بھی ڈال دیں اور دو منٹ کے لیے دم پر رکھ دیں۔ہرا دھنیا گارنش کریں۔

شائلہ شفیق......اورنگی ٹاؤن، کراچی

بیوٹی گائیڈ

روبین احمد

شادی کی تقریب اور دلہن کا میک اپ

عید چاہے گرمیوں کے موسم میں آئے یا سردیوں کے موسم میں، عید کے بعد شادیوں کا سیزن شروع ہوجاتا ہے لڑکیاں اور خواتین عید کی تیاری کے ساتھ ساتھ شادیوں میں شرکت کی تیاریاں بھی شروع کردیتی ہیں۔ "میں تو چلی پیا کے دیس" اسی مناسبت سے دلہن کا میک اپ اور دیگر تیاریوں کی معلومات آپ کو فراہم کی جارہی ہیں تاکہ آپ کی فرمائش کو پورا کیا جاسکے، صرف یہی کافی نہیں ہے کہ دلہن اپنی شادی کے دن ہی خوب صورت اور اچھی لگے بلکہ یہ بھی اتنا ہی ضروری ہے کہ وہ اپنی نئی زندگی میں قدم رکھے تو خوب صورت اور پیاری لگے۔

آپ ایک اچھے فیشل اور اسکن کیئر پروگرام سے ابتدا کریں موثر اسکن کیئر پروگرام میں کلینزنگ، ٹوننگ، موئسچرائزنگ اور کنڈیشنگ روٹین میں شامل ہے۔ یہ بات بالکل درست ہے کہ مختلف قسم کی جلد کی اسکن کیئر روٹین بھی مختلف ہوتی ہے اور ان کے لیے استعمال ہونے والی مصنوعات بھی مختلف ہوتی ہیں۔

جلد کے لیے کلینزنگ سب سے زیادہ اہم ہے اس میں سب سے پہلے کیا ہوا میک اپ صاف کیا جاتا ہے مساموں کو صاف کیا جاتا ہے اور جلد پر سے مردہ خلیات کو دور کیا جاتا ہے جو اگر صاف نہ کیے جائیں تو جلد کو آکسیجن نہیں ملتی اور دوران خون بھی متاثر ہوتا ہے۔

موئسچرائزنگ اور کنڈیشننگ بہت زیادہ اہم ہیں۔ موئسچرائزنگ سے جلد میں نمی برقرار رکھنے میں مدد ملتی ہے کنڈیشننگ روٹین سے ایسڈ بیلنس بحال ہوتا ہے اور ایسے ہی دیگر عدم توازن درست ہوتے ہیں بتائے گئے طریقوں کو ہر روز صبح اور رات باقاعدگی سے اپنائیں اس صورت میں بھی جب کہ آپ گھر سے باہر نہیں جاتیں۔

سورج کی تپش کے باعث جلد کے سانولے پن کے لیے

☆ دودھ روایتی طور پر ایک بہترین معاون بلیچنگ ایجنٹ سمجھا جاتا ہے ترجیحاً خالص ملک پاؤڈر استعمال کریں اور اس روٹین کو اپنائیں۔ دو کھانے کے چمچے ملک پاؤڈر لیں اور اس میں اتنا ہائیڈروجن پرآکسائیڈ ملائیں کہ ایک ملائم پیسٹ بن جائے اس میں چند قطرے گلیسرین ملائیں اور اسے ڈارک اسپاٹس پر لگائیں۔

☆ ہفتے میں ایک مرتبہ ایک ایپلیکشن ماسک استعمال کریں ایک پیسٹ بنانے کے لیے ایک چٹکی ہلدی لیں ایک کھانے کا چمچہ ملک پاؤڈر دو کھانے کے چمچے شہد اور ایک لیموں کا جوس لیں۔ اس پیسٹ کو اپنے چہرے پر لگائیں اور خشک ہونے تک لگا رہنے دیں پھر دھوئیں اور اس کا فرق محسوس کریں۔

☆ اپنی شادی سے بیس دن پہلے ایک پروفیشنل سے اپنے چہرے کی کلینزنگ کرائیں اور ایک ہفتے پہلے فیشل کے لیے جائیں۔ جب بھی آپ باہر جائیں سن اسکرین ضرور استعمال کریں۔

دلہن کی نیچرل لک

شادی کے دنوں میں سمجھ داری سے کیا ہوا میک اپ اچھا تاثر پیش کرتا اگر آپ اچھا لگنا چاہتی ہیں اور آپ چاہتی ہیں کہ آپ کا میک اپ دیر تک برقرار رہے کچھ تدابیر جیسے واٹر پروف میک اپ اور فریش لک دینا آپ کو لطیف، قدرتی اور نکھرا نکھرا روپ عنایت کرتی ہیں ان کی مدد سے آپ غلطی نہیں کرسکتیں۔

دن کے فنکشن کے لیے

پہلے اپنی جلد کی قسم کے حساب سے اپنی جلد کو کلینزر سے صاف کریں اور اسے میک اپ کے لیے تیار کریں۔

☆ اگر جلد خشک ہے تو موئسچرائزر لگائیں اگر چکنی ہے تو ٹونر اور نارمل ہے تو عرق گلاب لگائیں۔

☆ ایسا فاؤنڈیشن منتخب کریں جو آپ کی جلد کی قسم اور ٹیکسچر کے مطابق ہو خشک جلد کے لیے کریمی بیس، چکنی جلد کے لیے واٹر بیس اور نارمل اسکن کے لیے Translucent فاؤنڈیشن استعمال کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔

☆ اگلے مرحلے میں کنسیلر استعمال کیا جاتا ہے جو خاص طور سے آنکھوں کے نیچے کے حصے، ناک کے کارنرز، ہونٹوں کے کناروں پر اور داغ دھبے چھپانے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

☆ پھر رخسار کی ہڈیوں اور بھنوؤں کے نیچے ایک لیکوئیڈ شائنر لگایا جاتا ہے اس سے چہرے پر ایک نیچرل اور چمک دار لک آجاتا ہے۔

☆ اب ایک Translucent پاؤڈر پورے چہرے پر استعمال کریں۔

☆ اب آنکھوں پر کام کرنا ہے اس میں ہلکے کلر کے آئی شیڈ گلابی، لیونڈر یا پرل رنگ کی آئی شیڈ پورے پپوٹے پر لگائی جاتی ہے پھر اپنے آؤٹ فٹ کے حساب سے ڈارک کلر لگا کر اسے آنکھوں کے بیرونی کناروں کی طرف بلینڈ کریں بھنوؤں کے نیچے ہائی لائٹ کریں صفائی سے لیکوئیڈ آئی لائنر لگائیں اور لائنر کے دھبوں کو چھپانے کے لیے گلیو گرے آئی شیڈ استعمال کریں نچلے پپوٹے میں کاجل لگائیں اور ریڈ براؤن پاؤڈر لگائیں تاکہ آنکھیں بڑی نظر آئیں واٹر پروف مسکارا استعمال کریں یہ ضروری ہے پلکوں کو گھنا لک دینے کے لیے مسکارا لگانے سے پہلے تھوڑا سا پاؤڈر ڈسٹ

کردیں اب بھنوؤں کو کنگھا کرلیں۔
اب بلش آن استعمال کرنا ہے جو بہت زیادہ ڈارک نہ ہو بلکہ نیچرل لک کا حامل ہو۔
☆ ہونٹوں کو ڈارک رنگ کے لپ لائنر سے نمایاں کریں ہونٹوں کو لائنر سے فل کرنے کی کوشش کریں پھر تھوڑا سا Transluent پاؤڈر لگائیں آخر میں لپ کلر کے دو کوٹس لگائیں۔

شام کے لیے

شام کے لیے آپ ڈارک برائیڈل میک اپ کا استعمال کریں۔ موئسچرائزر فاؤنڈیشن اور کنسیلر کی بیس تو وہی دن کے میک اپ جیسی ہی ہے فرق خاص طور پر آنکھوں کے میک اپ میں ہوتا ہے اسے ذرا گہرا ہونا چاہیے اور اسے گولڈ، کوپر یا سلور کلر کے استعمال سے زیادہ نمایاں کرنا چاہیے آپ بلش آن کے ساتھ رخسار کی ہڈیوں کو زیادہ نمایاں کرنے کے لیے ہائی لائٹ استعمال کرسکتی ہیں ہونٹوں پر بھی ایک دلہن کے میک اپ کے تاثر کو ابھارنے کے لیے گولڈ یا سلور ٹچ ٹرائی کریں۔

دلہن بنتے وقت کی جانے والی دس عام غلطیاں

جب شادی کی تیاری کی جاتی ہے تو اکثر لڑکیاں سمجھتی ہیں کہ چونکہ یہ ان کی زندگی کا بہت بڑا اور اہم واقعہ ہے تو میک اپ بھی دھماکہ خیز ہونا چاہیے مگر سچ یہ ہے کہ ایسا کچھ نہیں ہونا چاہیے۔ ذیل میں ایسی غلطیاں بتائی جارہی ہیں جو ہر لڑکی سے شادی والے دن ضرور سرزد ہوتی ہیں۔

1:۔ بہت زیادہ میک اپ...... اس میں کوئی شک نہیں کہ شادی ایک بڑا اور اہم پروگرام ہوتا ہے مگر اس کی مناسبت اور اہمیت کے پیش نظر اپنے چہرے پر زیادہ لیپا پوتی نہ کریں جس قدر کم میک اپ ہوگا اسی قدر اچھا لگے گا۔

2:۔ جو موجودہ رجحان ہے اس کو پیش نظر رکھیں یہ ٹھیک ہے کہ پانچ سال پہلے چمک دمک والے میک اپ کا زور تھا مگر اب چہرے پر چمک دمک کم سے کم رکھیں اور جس قدر ممکن ہو چہرے کو نیوٹرل رکھیں۔

3:۔ میک اپ یہ نہیں ہے کہ چہرے کو ہر رنگ سے سجا لیا جائے بلکہ میک اپ یہ ہے کہ آپ میک اپ کرنے میں اعتدال پسندی کا مظاہرہ کریں اور میک اپ کرنے کے بعد آپ کے چہرے سے تازگی کا احساس ملے۔

4:۔ وہ وقت گیا جب دلہن کسی بڑے سے سجے سجائے کیک کی مانند نظر آتی تھی آپ انفرادیت کو اپنائیے اور وہی کچھ پہنیے جو آپ پر سوٹ کرتا ہے۔ اگر لباس پر بل ہے تو ضروری نہیں کہ آنکھوں کا میک اپ بھی پر بل ہو۔ اس کے علاوہ بھی شیڈز ہیں تجربات کرکے دیکھیں جو سوٹ کرے اسے لگالیں۔

5:۔ کوشش کریں آپ اپنا میک اپ خود کرنے کی کوشش کریں اور اگر ایسا ممکن نہ ہو تو بیوٹیشن سے کہیں کہ وہ آپ کی ہدایات کے مطابق عمل کریں میک اپ کو نیوٹرل رکھے اور بہت سارے رنگوں کے استعمال سے گریز کریں۔

6:۔ اکثر دلہنیں فیشل کرانے سے بھاگتی ہیں ساتھ میں گوری رنگت کو تھوڑا سانولا پن بھی دیتی ہیں اور دانتوں کو بھی چمکاتی ہیں اور یہ سب وہ ایک ہفتہ قبل کرتی ہیں وہ یہ بھول جاتی ہیں کہ عین شادی والے دن جلد اکھڑ سکتی ہے مسوڑھے سرخ ہوجاتے ہیں اور سانولا پن کسی وال پیپر کی طرح الگ ہوسکتا ہے۔ آپ اپنے روٹین کو محض اس وجہ سے نہ چھوڑیں کہ آپ کی شادی ہورہی ہے اپنے روٹین پر چلتی رہیں باقاعدہ اسکن کیئر پر توجہ دیں کھانا معمول کے مطابق کھائیں ورزش کریں ڈھیر سارا پانی پئیں گہری نیند لیں اور کافی اور چائے سے دور رہیں۔

7:۔ ماہرین حسن اگر یہ کہتے ہیں کہ وہ ایسا میک اپ کردیں گے کہ پھر آپ کو پارٹی کے دوران ٹچنگ کی ضرورت ہی نہیں رہے گی تو آپ سمجھ لیں کہ وہ خواب فروخت کرنے کی کوشش کررہے ہیں۔ آپ کو بلوٹنگ پیپر اور ٹشوز پیپر کی ضرورت رہے گی تاکہ آپ چہرے کی چمک پر قابو پاسکیں اور ایسا فوٹو بنوانے سے قبل ضرور کریں۔ لپ اسٹک کو بھی ٹچنگ کی ضرورت رہتی ہے رونے دھونے کے دوران آئی لائنر اور آئی شیڈ و یا پھر مسکارا بھی ٹچ کرنے کی ضرورت لازمی پیش آتی ہے۔

8:۔ اکثر لڑکیاں میگزین سے تصاویر الگ کرکے ایسے لک کی درخواست کرتی ہیں جو ان پر قطعی سوٹ نہیں کرتا۔ آپ کو چاہیے کہ آپ اپنے لک کو موقع کی مناسبت سے ہم آہنگ کریں اور وہی کچھ کریں جو آپ کے چہرے پر سوٹ کرتا ہے۔

9:۔ ہر دلہن کو ایسے گال چاہیں جن میں چمک ہو مگر ان کو یہ نہیں بھولنا چاہیے اس حالت میں جب فوٹوز بنتے ہیں تو چہرہ ایسا لگتا ہے جیسے اس پر گریس مل دیا گیا ہو، آنکھوں اور گالوں پر ہلکا میک اپ کریں بے شک دوسرے حصے پر چمک لگالیں۔

10:۔ ہونٹوں پر گلوسنگ نہ کریں کیونکہ شادی کے موقع پر بھاری لباس اور برقی قمقموں میں گرمی بہت لگتی ہے اور حرارت کی وجہ سے لپ اسٹک اور گلوسنگ پگھلنے لگتی ہے۔ اس لیے مٹیالے رنگ کے گلوس ٹھیک رہیں گے۔

لیہا رضوان...... کراچی ۵

نیرنگ خیال

ایمن وقار

حروف بے زباں

کبھی لمحوں کی قبروں سے
پرانے لفظ اٹھ کر
بے زبانی کی فصیلوں تک پہنچتے ہیں
بدن پر چند ادھورے خواب اور الفاظ بے چہرہ
حروف بے زباں پژمردہ اور بے چین بینائیاں
شام کی یاد کی دہلیز کے اس پار اکثر
وقت کو دوڑتا پاتے ہیں تو رو پڑتے ہیں
لڑکھڑائے جو کبھی ان کہی باتوں کا خیال
ایک ویران ہنسی ہنستے ہی رو پڑتے ہیں
جیسے پردیس میں پہنچے کوئی غمناک خبر
اور گھٹ گھٹ کے روئے جاتے ہیں تنہا اکثر
جیسے آواز کی پرچھائیں سر کوچہ دل
جانے والوں کو پکارے ہی چلی جاتی ہو
باز گشت بن کے کسی گونج میں ڈھل جاتی ہو
نیم بے دار تمنا تیرے آ جانے کی
نیم سوئی ہوئی حسرت بھی اگر بس میں ہو
ان کہی باتوں کے ویران جزیرے سے کہیں
بھولنا اس سے تو بہتر ہے اگر بس میں ہو

فاخرہ گل

غزل

میرے احساس پر پابندی لگانے والو
میری سوچوں کو پابند بنا کر دیکھو
بند مٹھی میں فقط رنگ ہی رہ جائیں گے
وقت کی قید سے تتلی کو اڑا کر دیکھو
میں گیا وقت ہوں، مجھ کو تو چلے جانا ہے
تم کو کرنا ہے سحرؔ یہ سوچ بنا کر دیکھو
میرے افکار پر پہرے نہ لگانا ہرگز
اپنی سوچوں پر لگے پہرے ہٹا کر دیکھو
ہر شخص نہیں ہوتا اعتبار کے قابل
تم کسی ایک کو ہمراز بنا کر دیکھو
شورشِ غم کا مداوا تو نہیں ہو سکتا
وہم وقت مرہم ہے بڑا مرہم یہ لگا کر دیکھو
زندگی حاصل و لاحاصل کے رہی چکر میں
اپنی سوچوں کو ذرا ارفع بنا کر دیکھو
برف کے کھلونوں سے دکانوں کو سجانے والوں
ایک کھونے کو ذرا دھوپ میں لا کر دیکھو

نزہت جبین ضیاء......کراچی

غزل

چھوڑ دیا خوابوں میں رہنا
کچھ بھی نہیں اب تم سے کہنا
ہجر و فراق مقدر میرا
سہہ نہیں سکتی پھر بھی ہے سہنا
پہن کے اس کو لٹ جاؤں گی
واپس لے لو پیار کا گہنا
دکھ جو آنکھ میں ٹھہر گیا ہے
قطرہ قطرہ ہے اسے بہنا
طوق جدائی والا میں نے
کیوں میں نے آخر یہ پہنا
خانمؔ غیر سے کیوں میں کہوں گی
ربّ سے مجھے ہر غم ہے کہنا

فریدہ خانم......لاہور

غزل

دریا کے کمزور کنارے ٹوٹیں گے
آنکھوں سے بھی اشک ہمارے ٹوٹیں گے
بچے بہہ جائیں گے تیز تلاطم میں
جب بھی سیلاب کے دھارے ٹوٹیں گے
دریا لاشیں پی جائے گا چپکے سے
تب جا کر گرداب تمہارے ٹوٹیں گے
جس دن صحرا خاک بھی اپنی اگلے گا

دور افق سے چاند ستارے ٹوٹیں گے
اپنے بچے خون میں لت پت دیکھے گی
ماں کی آنکھ سے اشک بھی سارے ٹوٹیں گے
واجد اب تو ہجر کی لمبی راتوں میں
خواب نگر کے سارے تارے ٹوٹیں گے
واجد چوہان...... مظفر گڑھ

غزل

بے حس کارواں میں ہوں اور زندہ ہوں
شہر بے اماں میں ہوں اور زندہ ہوں
برسوں بیتے دل کی بات کہے بغیر
یعنی اک زنداں میں ہوں اور زندہ ہوں
کیسے کیسے تیر چلائے دشمن نے
لہو سے ترکماں میں ہوں اور زندہ ہوں
پیٹھ کے پیچھے حملوں سے محفوظ رہا
حصار دوستاں میں ہوں اور زندہ ہوں
نفرت سے بھرپور ہیں میرے اپنے لوگ
ظالمِ خانداں میں ہوں اور زندہ ہوں
میرے ربّ کا خاص کرم ہے مجھ پر ندیم
دشتِ بے کراں میں ہوں اور زندہ ہوں
شفیق احمد ندیم...... گلشن اقبال' کراچی

عزم مصمم

اندھیروں کے گھر سے چلے جب سفر پر
اجالوں کی چاہت تھی اس ستم نگر سے
تھا رستہ کٹھن اور کتنا بڑا سا
لگے اجنبی سب نہ کوئی شناسا
وہ تھے چند سودائی' شیدائی تھے وہ
سر میں تھا جن کے یہ سودا سمایا
جو نہ علم بانٹا تو پھر کیا کمایا
شمع جو جلی تو جلتی گئی پھر
اور ہٹتا گیا پھر جہل کا وہ سایا
دیئے سے دیا پھر جلتا گیا اور
اندھیروں کے گھر میں
بننے لگیں درزیں پھر سے
چمکنے لگے اور دمکنے لگے پھر سے
علم کے یہ گوہر' جواہر جو سارے
کردیں گے روشن یہ جہاں کو ستارے
جہل کے اندھیروں کو ہم مات دیں گے
کہ مکتب ہزاروں اب سات دیں گے
امی رہے گا نہ کوئی طفل اب
اب جو لاکھوں میں ہے وہ کروڑوں پڑھیں گے
اپنی چمک سے جہاں کو یہ خیرہ کریں گے
سفر میں اجالے کے آگے بڑھیں گے
آگے بڑھیں گے اور بڑھتے رہیں گے
زینب عبدالصمد...... میر پور' ساکرو

اجنبی

آدھی رات میں کبھی
جو آنکھ کھل جائے
تو اک اجنبی گمنام
سا چہرہ
کیوں خاموش رستوں سے
دل کی دہلیز کو پار کر جائے
آرایہ کنول...... بھریہ روڈ

تیری آنکھیں

یہ مست مست بے مثال آنکھیں
نشے سے ہر دم نڈھال آنکھیں
اٹھیں تو ہوش و حواس......
گریں تو کردیں کمال آنکھیں
کوئی ہے ان کے کرم کا طالب
کسی کا ذوق وصال آنکھیں
نہ یوں جلائیں نہ یوں ستائیں
کریں تو کچھ یہ خیال آنکھیں
ہے جینے کا اک بہانہ یارو......!
یہ روح پرور جمال آنکھیں
دراز پلکیں وصال آنکھیں

مصوری کا کمال آنکھیں

شراب ربؓ نے حرام کردی
مگر کیوں رکھی حلال آنکھیں
ہزاروں ان سے قتل ہوں گے
خدا کے بندے سنبھال آنکھیں!

جازبہ ضیافت عباسی...... دیول، مری

حسین یادیں

اے ہمدم میرے تُو سن
اپنی نیندوں میں کھو کر تُو
زندگی کی رنگینیوں سے خوش ہو کر تُو
مجھ کو بھول چکا ہے اب
جبکہ میری جان
یہی کہا تھا تُو نے
یہی الفاظ تھے تیرے
کہ......
میری بندگی تم سے ہے
اور یہی کہا تھا ناں
کہ......
تیری زندگی سے جڑی ہے یہ زندگی میری
مگر تم نے کیا کیا؟
بھلا دیا ناں سب
سنو مجھے یاد ہے اب بھی
تیری سب کی سب باتیں
پچھلی تمام حسیں یادیں
ہر اک ملاقاتیں
سنو......
میں آج بھی تم کو نہیں بھولی
لیکن......
تم نے مجھے بھلا دیا ہے

علمہ اشمشاد حسین...... کورنگی، کراچی

نظم

مجھے ایسی بستی کی دے خبر
جہاں شرم ہو اور لحاظ ہو
جہاں نفرتوں کی نہ ہو خبر
جہاں چاہتوں کا محاذ ہو
جہاں عزتوں کی بھی لاج ہو
اور عدل کا بھی سماج ہو
مجھے ایسی بستی کی دے خبر
جہاں بھائی بھائی پر جان دے
اور بہن بھائی کو مان دے
نہ زر رہے نہ زمین ہو
نہ مکاں رہے نہ مکین ہو
یہ سارے فتنے ہوں لاپتا
سجدوں میں سب کی جبین ہو
مجھے ایسی بستی کی دے خبر
مجھے ایسی بستی کی دے خبر

نورین مسکان...... ڈسکہ

ماں کی نذر

آباد تیرے دم سے میری کائنات تھی
روشن وجود سے ترے ہر رات تھی
تری شفقت کا سایہ رہتا سر پر
پھر کوئی فکر کی نہ بات تھی
جیون میرا وابستہ تھا ماں تجھ سے
تری خوشی میری خوشی کے ساتھ تھی
مسرتوں کی پینگیں جھولتا سایہ آغوش میں
بانکی بجیلی کیسی نشیلی وہ حیات تھی
تنگئ داماں سے بھی کبھی نہ گھبرائی
تجھ سے حوصلوں نے کھائی مات تھی
ضبط گریہ کی ٹوٹ گئی انفر دیوار
مجھ پر سایہ فگن تیری ذات تھی

نعیم انفر آہاشمی...... جھنگ صدر

غزل

حسرتیں نوحہ کناں ہیں بے بسی کی لاش پر
مسکراتے اشک ہیں اپنی خوشی کی لاش پر

اک عجب سی کشمکش تھی زندگی اور موت میں
موت ہے محو تحیر زندگی کی لاش پر
کل تلک جس کی خودی کا خودسری میں نام تھا
ہے گدائے عشق خود اپنی خودی کی لاش پر
خود ہی اپنی موت پر اشکوں سے افسانے بنا
کون روئے گا بھلا اک اجنبی کی لاش پر
اب تو مدفن بن گیا ہے اپنے خوابوں کا چمن
شبنمی سے اشک بکھرے ہر کلی کی لاش پر

خرم شہزاد بادل...... سرگودھا

غزل

جوان فکر ہیں، پیری میں ڈھل کے سوچتے ہیں
ہم اپنی عمر سے آگے نکل کے سوچتے ہیں
خیالِ دوست سے ہٹ کر جو سوچنا بھی پڑے
تو شاعری سے کہیں دور چل کے سوچتے ہیں
ہم ان کا عکس تصور میں قید کرنے کو
خیالی زاویے ردو بدل کے سوچتے ہیں
وہ لوگ رمزِ محبت نہیں سمجھ سکتے
جو نفرتوں کے الاؤ میں جل کے سوچتے ہیں
چلو کہ پھر سے کوئی بچپنا کریں حارث
پھر آگہی و خرد سے نکل کے سوچتے ہیں

حارث بلال، شعبہ کیمیا...... جامعہ سرگودھا

محبت

تاعمر
تیرے اور میرے بیچ
محبت مسکرائے یوں
جیسے شبنم کا پہلا قطرہ پڑنے پر
کلی کھل کر کھلکھلاتی ہے
جیسے سورج کا پہلا نور
پنچھی کی آس جگاتا ہے
جیسے بارش کی پہلی بوند سے
دھرتی کی پیاس بجھتی ہے
جیسے گرمی کے موسم میں
چھاجوں مینہ برستا ہے
جیسے جاڑے کے موسم میں
کبھی سورج نکلتا ہے
جیسے چاند کے پہلو میں صدیوں سے
اک تارہ چمکتا ہے
جیسے تیری دھڑکن مل کر گنگناتی ہے
ہمیں اب اس جہاں تک ساتھ رہنا ہے
جہاں پر روح کا تعلق
جسم سے ٹوٹ بھی جائے
مگر پھر بھی
محبت مسکراتی ہے

نائلہ اکرم...... مقام نامعلوم

نظم

گر ممکن ہو تو اس عید پر
لوٹ آنا پیا
کہ......
کسی کی تشنہ نگاہ آج بھی
تیری راہ تکتی ہے
کسی کی صبح و شام آج بھی
تیرے تصور سے مہکتی ہے
کسی کی نرم خو کلائی میں آج بھی
تیرے نام کی چوڑی کھنکتی ہے
کسی کے کانوں کی بالی آج بھی
تیرے نام کی مالا جپتی ہے
کسی کی بے نور ہتھیلی پر آج بھی
تیرے نام کی حنا مہکتی ہے
کسی کے ماتھے کی بندیا آج بھی
تیرے بنا جیسے نوحہ پڑھتی ہے
کسی کے ویران دل میں آج بھی
تیرے حصول کی حسرت رہتی ہے
کسی کے آنسوؤں کے پت جھڑ آج بھی
تیرے ہجر کی گواہی دیتی ہے

کسی کے ہونٹوں کی کپکپاہٹ آج بھی
تیرے وصل کو صدائیں دیتی ہے
کسی کے ہاتھوں کی لرزش آج بھی
تیری سلامتی کی دعائیں مانگتی ہے
گر ممکن ہو تو اس عید پر
لوٹ آنا پیا......
نگہت اسلم چوہدری...... سوناویلی

دنیا

مجھے اس بھری دنیا
میں
کوئی بھی انسان
بدصورت نہیں لگتا
کیونکہ......
میں خود کو خوب صورت نہیں سمجھتی
طیبہ نذیر...... شادیوال گجرات

غزل

تیرا اشک اتنا نڈھال ہے
تجھے پھر بھی کتنا ملال ہے
میرے خیالوں میں جو وصال ہے
تیری یادوں کی بھونچال ہے
ہر چاہت ہے انمول تیری
تُو وفا میں اک مثال ہے
میرے لفظوں میں چاہت جاناں
سارا تیری عطا کا کمال ہے
کچھ یاد کر وہ دوریاں
کیسے گزرا وہ سال ہے
احمد فراز...... ہری پور

غزل

ہم نیم جانوں سے وجہ ناچاقیاں نہ پوچھ
اس عشق میں اٹھائیں کیا کیا پریشانیاں نہ پوچھ
ہر رخِ عاشقِ نامراد پژمردہ دکھائی دے
خزاں کی زرد دوپہر کی اداسیاں نہ پوچھ
وصل کا دورِ نشاط حد درجہ سبک گزرا
ہجر میں دردِ پنہاں کی حشر سامانیاں نہ پوچھ
کیسے قدم قدم پر دل لہو رنگ ہوا
اس ساکنانِ جہاں کی مہربانیاں نہ پوچھ
محبتوں پر سے کہیں تیرا ایمان نہ اٹھ جائے
چہرے پر رقم ہوئی میری ناکامیاں نہ پوچھ
حمیرا نوشین...... منڈی بہاؤالدین

اعلان

میں پگلی جو سرِ شام
سمندر کی لہروں سے اوپر دور افق میں
سورج کے ڈوبتے لمحے
یہ سوچتی ہوں
چند ساعتوں بعد
مکمل اندھیرا چھا جائے گا
پھر نئی سحر تک
کتنے پنچھی گھر کا رستہ بھولیں گے
کتنے مسافر اپنی منزل سے بھٹکیں گے
نئی صبح تک تو نہ جانے کیا کچھ ہو جائے گا
سب کچھ اک دم رُک جائے گا
میں بھی بالکل پگلی ہوں
جو یہ سوچتی ہوں
حالانکہ ہر شب چاند کی آمد
یہ اعلان کرتی ہے
سب کچھ ویسے چلتا رہے گا
میں بھی بالکل پگلی ہوں
کیا کیا سوچتی رہتی ہوں
سیدہ عطیہ زاہرہ...... لاہور

ہما احمد

تمام آنچل دوستوں کے نام

میں ان تمام دوستوں کی بے حد شکر گزار ہوں، جنہوں نے آنچل میں شمولیت کے ساتھ ساتھ مجھے بذریعہ ایس ایم ایس اور فون کے ذریعے یاد رکھا۔ فصیحہ آصف، تسنیم سکینہ صدف، فریدہ جاوید فری، فریدہ خانم۔ سدرہ شاہین، اقبال بانو آپ تمام بہنوں کا شکریہ۔ آپ کے میسجز بہت خوب صورت ہوتے ہیں اور ماہ رخ سیال، روبی علی اور پارس شاہ آپ لوگوں نے میری کبھی کبھار کی شرکت کو بہت یاد رکھا آپ کی محبتوں کا شکریہ، امید کرتی ہوں مجھے اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں گی۔ پیاری بہنوں ماہ اکتوبر میں میری پیاری بیٹی پاکیزہ کی سالگرہ ہے۔ اپنی دعاؤں میں میری بیٹی کی خوشیوں اور کامیابیوں کے لیے دعا کیجیے گا۔

کاجل شاہ...... خانیوال

پیاری پیاری کزنز کے نام

السلام علیکم! کیا حال ہے آپ سب کا؟ آپ لوگوں نے تو مجھے بھلا ہی دیا کہ آپ کی ایک عدد کزن آپ کو مس کررہی ہے عائشہ تمہیں تو چھوڑوں گی نہیں پچھلی دفعہ بھی تم عید پر دوسرے دن آئی تھی اس بار پہلے دن آنا سمجھیں۔ اور یہ سنیہ جویریہ شبانہ ان کا تو اتا پتا ہی کچھ نہیں ہے، خالہ جان کا کیا حال ہے؟ خدا کرے وہ جلد صحت یاب ہوجائیں، آمین۔ آنٹی شگفتہ ہم آپ کو نہیں بھولے جبہ اور ساتھ میں پیاری سی کزن لاریب اور آنٹی آپ کو بھی عید مبارک۔

نینا خان...... ہری پور

گھر والوں اور پیاری دوست نرگس کے نام

السلام علیکم پیاری دوست نرگس شاہین میری طرف سے تمہیں ہزاروں خوشیاں دیکھنا نصیب کرے آمین۔ پیارے بھائی امجد مزمل بھائی، ساجد بھائی، عابد بھائی، پیاری آپی نازیہ بھابی، نور جہاں بھابی، شمشاد پیارے امی ابو آپ سب کو ہزاروں خوشیاں دیکھنا نصیب کرے اور کبھی غم کا سایہ بھی آپ لوگوں پر نہ پڑے، آمین۔ آپ سب بھی کہتے تھے نا کہ ہمارا نام بھی آنچل میں لکھو، کیسا رہا سرپرائز (ہاہاہا) آپ لوگوں کو یقین نہیں آرہا اب کہیں خوشی سے بے ہوش نہ ہوجانا ورنہ مجھے ٹھنڈے پانی کے چھینٹے مار کر ہوش میں لانا پڑے گا (اوہو) میں نے اپنے بلوؤں کے نام تو لکھے ہی نہیں ورنہ مجھے ان کی مائیں کچا چبا جائیں گی۔ (سوری بھرجائیوں) محمد عکراش، محمد معاویہ، ثمنیٰ امجد جن کی وجہ سے ہمارے گھر میں رونق ہے اللہ تمہیں اپنے والدین کی آنکھوں کی ٹھنڈک بنائے۔ آخر میں آپ سے درخواست ہے کہ میری امی کے لیے دعا کریں جو بیمار ہیں اب اپنی اس چنی منی کو اجازت دیں اللہ حافظ۔

شازیہ اختر...... ثمن ہنور پور

بہت اپنوں کے نام

السلام علیکم! آپی عائشہ ارشد (شاہجہانی) کیا حال ہے آپ کا۔ آپ سے ملاقات ہوئے بہت دن گئے میں آپ کو بہت یاد کرتی ہوں۔ 9 نومبر کو آپ کی سالگرہ ہے اقرا روشنی اور انشا کی طرف سے آپ کو سالگرہ کا دن بہت زیادہ مبارک ہو آپی افشاں جی آپ کیسی ہیں آپ سے ملاقات ہوئی تو کافی عرصہ گزر گیا لیکن آپ کو ابھی تک نہیں بھولی اصل میں لائف اتنی بزی جارہی ہے کہ چاہ کر بھی اپنوں کے لیے ٹائم نکالنا مشکل ہے لیکن پھر بھی خاص موقع پر تو اپنے نہیں بھولتے 27 نومبر کو آپ کی سالگرہ ہے آپ کو انشا اور میری طرف سے دل کی گہرائیوں سے جنم دن مبارک ہو۔ سدا خوش رہیں مسکراتی رہیں، ہائے پیاری سی پھپھو جان رضیہ سلطانہ اور میری (ساسو ماں) کیسی ہیں آپ؟ جب سے آپ گئی ہیں دل ہی نہیں لگتا جو حذیفہ کے لیے چارٹس بنا کر بھیجے تھے وہ کیسے لگے آپ کو؟ آپ کو یاد ہے ایک 17 نومبر کو آپ نے چھت پر اینٹیں چڑھائی تھیں۔ دوسری 17 نومبر کو آپ کی منگنی ہوئی اور تیسری 17 نومبر کو آپ کی شادی اور چوتھی 17 نومبر کو حذیفہ کی آمد آپ کو ہماری طرف سے شادی کی سالگرہ مبارک ہو اور ماموں کو بھی بہت زیادہ مبارک ہو اور حذیفہ کی سالگرہ بھی آپ کو مبارک ہو، اوئے میرے پیارے مون (حنظلہ) ہم سب تمہیں بہت یاد کرتی ہیں تم دوبارہ کب آؤ گے تمہاری پیاری پیاری باتیں بہت یاد آتی ہیں خصوصاً یہ والی بات (مما آپی جی جی نئی دینڈی) ہمارے شیر بہادر شیر تمہاری بہادری کے تو کیا ہی کہنے تم حذیفہ کے چارٹس دیکھ کر جیلس ہوگئے تھے۔ ہم تمہیں بہت یاد کرتے ہیں اف وہ تمہارا غصہ خدا کی پناہ ہمیشہ مسکراتے رہو۔ آپ لوگ دسمبر کی چھٹیوں میں ضرور آنا ہو والسلام

اقرا روشنی...... قلعہ دیدار سنگھ

عامر بھائی کے نام مبارک نامہ

السلام علیکم! عامر بھائی HappyBirthdaytoyou & Best Wishes ارے اتنا حیران ہونے کی ضرورت نہیں میں ہوں آپ کی چھوٹی سسٹر، بھتیجی ہونے والی سالی اور بقول آپ کے آپ کی بہترین دوست آمنہ، آپ کے ساتھ اتنے خاص رشتے ہیں تو پھر آپ کو وش کرنے کا انداز بھی خاص ہونا چاہیے تھا اس لیے ہم نے سوچا کیوں نہ آنچل کے ذریعے آپ کو وش کیا جائے۔ آپ کو جنم دن 25 اکتوبر (ستائیسویں سالگرہ) بہت بہت مبارک ہو آپ چار ہزار سال جئیں (ہاہاہا) خدا آپ کو کامیابیوں، وکامرانیوں سے ہمکنار فرمائے آپ کی اور مریم کی آنے والی ازدواجی زندگی خوشگوار گزرے خدا آپ دونوں کو حاسدوں کی نظر بد سے بچائے (آپ دونوں ہو ہی بہت حسین ماشاء اللہ) اب جلدی آجائیں ماہ دسمبر میں ہم سب آپ لوگوں کی راہ تک رہے ہیں۔ آپ نے تو آدھی دنیا کا سفر کیا ہوا ہے بحری جہاز پر لیکن ہری پور کی سیر ہم کرائیں گے آپ کو (ان شاء اللہ) سباس گل، نازیہ کنول، پروین افضل، طیبہ نذیر، شمع مسکان اور دوسری آنچل کی قارئین کے ساتھ دوستی کرنا چاہتی ہوں مجھے امید ہے آپ سب میری دوستی قبول کریں گی او کے اجازت دیجیے، خدا حافظ۔

آمنہ غلام نبی...... ہری پور

فیملی کے نام

السلام علیکم! امید واثق ہے کہ آپ سب بفضل تعالیٰ خیریت سے ہوں گے مائی ڈیئر برادر شانی بٹ کی 25 اکتوبر کو سالگرہ ہے سو ہیپی برتھ ڈے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ کامیابی ہمیشہ تمہارے قدم چومے اور تم اپنی فیملی کے لیے ایک چمکتا ہوا ستارہ ثابت ہو آمین۔ ڈیئر برادر محمد رضوان بٹ آپ کے مزاج کیسے ہیں جی؟ آپ کی کمی بہت فیل ہوتی ہے لیکن بقول امی اینڈ ابو جان کے کہ آپ ہم سب کے لیے ہی پردیس گئے ہیں۔ ڈیئر سٹ بھائی جان آپ کیسی ہیں جی؟ ہماری یاد آتی ہے کہ نہیں ویسے مجھے لگتا تو نہیں کہ آتی ہو گی (ہاہاہا) ہے نا سچ کہہ رہی ہوں نا۔ ہائے سویٹو گڑیا کیسی ہے تو آنٹیوں کی جان ہمیشہ پھولوں کی طرح مسکراتی رہو اور اپنی اوٹ پٹانگ باتوں سے ہمیں ہنساتی رہو امی اینڈ ابو جان کی خدمت میں ڈھیروں پیار، آپ کا سایہ ہمیشہ ہمارے سروں پر قائم ودائم رہے آمین۔ ہیلو رضا بٹ تم کیسے ہو، کبھی پڑھائی بھی کر لیا کرو ہر وقت کھیلتے ہی رہتے ہو آپی شکیلہ اور آپی راحیلہ کو عقیدت مندانہ سلام۔ شہناز اقبال اینڈ شازیہ اقبال ہم نے آپ کی دوستی کو شرف قبولیت بخشا آج سے ہم فرینڈز، اس کے علاوہ کوئی اور آنچل فرینڈ ہم سے دوستی کرنا چاہتی ہے تو جی آیا نوں جی۔

مریم بٹ، تمیلہ بٹ...... گجرات

پیاری سی دوست حافظہ راشدہ کے نام

السلام علیکم ڈیئر راشی (میری شہوار) کیا حال چال ہیں بھئی، اینڈ تھینک یو سو مچ مجھے آنچل میں مخاطب کرنے کے لیے اور بھائی کی شادی کو وش کرنے کے لیے مجھے تمہارا سرپرائز بہت اچھا لگا تمہارے لیے میں پہلی دفعہ آنچل میں شرکت کر رہی ہوں۔ تمہاری انٹری نے واقعی مجھے بہت حوصلہ دیا ہے تم ٹھیک کہتی تھیں کچھ لکھتے رہنے سے فائدہ جب قسمت نہیں آزمانی چھٹیوں میں، میں نے تمہیں شگفتہ، ثناء، رباب، ارم سب کو بہت مس کیا اور سناؤ دن رات شامیں کیسی گزر رہی ہیں یقیناً اسی دھڑکے میں کہ کس دن ہم کالج میں قدم رنجہ فرمائیں گے اور ہمارے شناسا چہروں سے جدائی ٹوٹے گی، (ہے نا) اللہ تعالیٰ تمہیں اور ہر ایک کو دلی خوشی سے نوازے آمین، آخر میں سب آنچل پڑھنے والوں کے لیے میرا سلام۔ اپنی دعاؤں میں یاد رکھیے گا۔

طیبہ منیر مغل...... وہاڑی، ماچھیوال

آنچل فرینڈز کے نام

السلام علیکم! کیسے مزاج ہیں آپ سب کے، سباس گل، نوشین اقبال، طیبہ نذیر، ساریہ چوہدری انا احب، ظل ہما، پیاری ثوبیہ کوثر، شاہ زندگی، ام کلثوم، نازی آپی، جیا عباسی کو بہت سلام اور نیک تمنائیں پیاری دوست مدیحہ کنول سرور آپ کا پیغام میری نظر سے نہیں گزرا ورنہ جواب ضرور دیتی اور آپ تو ہیں ہی دوست سدا خوش رہو۔ ڈیئر فرینڈز رابعہ لگتا ہے تمہیں نظر لگ گئی ہے واپسی آجاؤ ادھر اور ردا، عروہ، زارا، عبیرہ کیسی ہو خوش ہو اور ہمیشہ خوش رہو۔ اقرا تمہیں منگنی کی بہت مبارک ہو سمی اور اسد آپ لوگوں کو بہت مس کر رہے ہیں سب باقی تمام پڑھنے والوں کو سلام اور دعا اور مجھے بھی

دعاؤں میں یاد رکھیے گا' اللہ حافظ۔

مدیحہ نورین مہک...... برنالی

سمیرا شریف طور کے نام

السلام علیکم! سمیرا آپی کیسی ہیں آپ؟ میں پہلی بار آنچل میں لکھ رہی ہوں اور سب سے پہلے آپ کے نام ہی لکھا۔ میں جانتی ہوں آپ کے لیے یہ بات نئی نہیں ہے اور آنچل کی بدولت آپ کی ایسی بہت سی دوستیں بھی ہیں مگر آپی میں نے ایسی دوستی نہیں کرنی کیونکہ آپ کی دوسری آنچل فرینڈز کی طرح میں ہر ماہ آپ کو خط نہیں لکھ سکتی اور یہ میری مجبوری ہے۔ آپ کی اتنی فرینڈز ہیں جو باقاعدگی سے آپ کو یاد کریں گی اور آپ کو میں یاد بھی نہیں آؤں گی اس لیے میں الگ رہ کر یہی سوچ لوں گی کہ شاید آپ کی دوستی میری قسمت میں نہیں لیکن آپی بس آپ اتنا ضرور یاد رکھیے گا کہ ایک خاموش چاہنے والے کے دل میں آپ ہمیشہ رہیں گی۔ سدا خوش رہیں۔

حفصہ کنول...... ٹوبہ ٹیک سنگھ

دوستوں کے نام

السلام علیکم! کیسی ہیں سب فرینڈز، ثنا ملک تمہیں بہت مبارک ہو پھوپو بننے کی اللہ شاہ ویز کو لمبی زندگی دے آمین اور تمہیں تھوڑی تمیز دے آمین (ہاہاہا) اچھی لگتی ہو کچھ کھٹی کچھ میٹھی سی۔ اریبہ شاہ اللہ تمہیں لمبی زندگی اور بہت سی خوشیاں دے آمین، میرے پیارے بھائی وقاص تمہیں سالگرہ بہت بہت مبارک ہو۔ اللہ تمہیں اتنی خوشیاں دے کہ تمہارا دامن تنگ پڑ جائے تمہیں تمہارے مقصد میں کامیاب کرے، آمین۔ میری جان میری آنکھوں کی روشنی ہمارے گھر کی رونق حفصہ کائنات اللہ تمہارے ہونٹوں کی ہنسی کو ہمیشہ قائم رکھے، آمین۔ تسنیم چوہدری پلیز واپس انٹری دیں۔ صدف خان کہاں گم رہتی ہو، ملتان کیا گئی ہم بھی بھول گئے باقی فرینڈز کو سلام، اللہ حافظ۔

ایمان بٹ...... لودھراں

میری دنیا کی شوخ پریوں کے نام

السلام علیکم! میں آ گئی کیسی ہو تم سب میں بالکل فٹ ہوں اور سب سے پہلے تو جن جن کی ستمبر میں سالگرہ تھی انہیں بہت بہت مبارک ہو۔ اقصیٰ، فاریہ اور فائزہ سالگرہ مبارک ہو۔ تھوڑی لیٹ ہوگئی مگر پھر بھی قبول کرلو، ارے ہاں، 21 ستمبر کو تو میری بھی تھی چلو جلدی سے وش کرو اور میری پیاری سی کوچی کوچی سسٹر "مانی" تمہیں اتنی زیادہ سالگرہ مبارک ہو یار گفٹ نہ لینا پلیز۔ نہیں نہیں میرے لیے تو ضرور لینا میرا مطلب مجھ سے نہ لینا۔ اس کے بعد سب کو عید مبارک پورے آنچل کے اسٹاف کو "قارئین کو" میری فیملی فرینڈز کو اور میرے بدتمیز بھائیوں کو پیشگی سالگرہ مبارک ہو۔ (سعد، فہد) بسمہ، مایا اور حبیبہ آپی کے لیے بہت سا پیار امی ابو لو یو اور حبہ، شانزہ، روبینہ بدتمیزوں تم لوگ مجھے بھول گئیں نا۔ حبہ مجھے تم سے تو یہ امید نہیں تھی خیر میرا وشنگ کارڈ بنا کر رکھو جب ملوں گی لے لوں گی اور شانے کی بچی پتا چل رہا ہے مجھے سب آج کل تمہیں سمیرا کے علاوہ کوئی دکھائی ہی نہیں دے رہا نا۔ ہاتھ تو لگو کبھی میرے اور ریتا یار کہاں گم ہوگئی ہو کبھی بات ہی کرلیا کرو میں تم سب سے نہیں بول رہی اور عینی پتا نہیں تم پڑھ رہی ہوگی کہ نہیں مگر پھر بھی کہوں گی کہ تم سے زیادہ بے وفا کوئی نہیں مگر پھر بھی تمہیں بہت مس کرتی ہوں بلکہ تم سب کو چلو اب تم سب بیٹھ کر مجھے مس کرو میں تو چلی اللہ حافظ، ٹاٹا۔

زیبا حسن مخدوم...... سرگودھا

تمام آنچل فرینڈز کے نام

السلام علیکم! آپ سب کیسی ہیں۔ دو ماہ سے لکھ نہیں سکی پر آنچل باقاعدگی سے پڑھ رہی تھی اور تمام بہنوں کے پیغام بھی۔ سب سے پہلے امبر گل کے والد کو حج کی مبارک باد پھر شگفتہ کو عمرے کی مبارک ہو۔ ایس بتول شاہ سالگرہ بہت بہت مبارک ہو۔ اتنا مجھے پکا یقین ہے کہ میں تم سے عمر میں بڑی ہوں آمنہ امداد ثوبیہ کوثر کیسی ہو شکریہ مجھے یاد کرنے کا۔ (نائس) فریحہ شبیر، شمع مسکان (پیاری لڑکی)، پروین افضل (تمہارے بغیر آنچل سونا سونا لگتا ہے خاص طور پر نس کے سوالات کے بغیر، ہاہاہا) صائمہ سکندر سومرو، آنسہ شبیر، شازیہ فاروق، ثانیہ مغل، طیبہ نذیر، سنیہ اقصیٰ، مہر گل دعا گل، سیدہ جیا عباس کیسی ہو۔ حافظہ سمیرا، فریدہ فری، فوزیہ سلطانہ، عائشہ نور، مدیحہ نورین برنالی، مدیحہ کنول چشتیاں، شاہ زندگی، یاسمین کنول، ساریہ چوہدری، نگہت چوہدری، ایس انمول سب کیسی ہو۔ امبر گل انکل اور ثمامہ کو فیس بک پر دیکھ لیا ماشاء اللہ بہت پیارا ہے اور تمام رائٹر بہنیں ام ثمامہ، نازیہ کنول نازی، سویرا فلک، سباس گل، نزہت جبیں ضیاء، سندس جبیں، ام مریم، سمیرا غزل، صدف آصف، نادیہ فاطمہ، نازیہ اینڈ

شازیہ جمال تمام کو بہت بہت سلام پیار و دعائیں۔

عائشہ خان...... ٹنڈو محمد خان

اپنے پیارے پاپا، آپی اور اپنے نام

السلام علیکم! ڈیئر پاپا کیسے ہیں آپ کو ضرور حیرت ہوئی ہوگی کہ میں آپ کو آنچل کے ذریعے وش کر رہی ہوں اتنا حیران ہونے کی ضرورت نہیں سرپرائز کیسا لگا ضرور بتایئے گا ڈیئر پاپا آپ کو ہم سے گلہ تھا کہ ہم صرف مما کو وش کرتے ہیں تو سوچا کہ آپ کا یہ گلہ ختم کردیں۔ ہیپی برتھ ڈے ٹو یو مینی مینی ہیپی برتھ ڈے وِد آل مائی بیسٹ وشز پاپا میں اللہ سے دعا کرتی ہوں کہ میرے والدین کا سایہ یونہی تا قیامت ہمارے سروں پر قائم رکھے آمین۔ اوہو پاپا آپی سنیاں کو تو ہم بھول ہی گئے۔ ان کی بھی برتھ ڈے ہے 5 نومبر کو اگر وش نہ کیا تو وہ میری جان نکال دے گی (ہاہاہا) ہیپی برتھ ڈے ٹو یو آپی سنیاں کیسا لگا میرا سرپرائز بتایئے گا ضرور۔ اللہ آپ کی ہر مراد پوری کرے آمین اور اب آتی ہوں میں کیوں بھئی میں کیوں پیچھے رہو 21 کو میری بھی تو ہے ہیپی برتھ ڈے ٹو یو صبا زرگر اللہ مجھے ہر مقصد میں کامیاب کرے آمین۔ 22 کو میری چچی آمنہ اور ان کی بیٹی نور سحر کی بھی برتھ ڈے ہے ہیپی برتھ ڈے ٹو دونوں ماں اور بیٹی اللہ آپ کو سلامت رکھے ہمیشہ اور میرے دونوں بھائی تو رہ گئے ریحان ولی جو 9 نومبر کو ہوا تھا علامہ اقبال میں اس کو کہتی ہوں علی مرتضیٰ رحمان علی پلیز شرارتیں کم کیا کرو۔ اگلی دفعہ تم کو بھی آنچل کے ذریعے وش کروں گی۔ خدا حافظ۔

صبا زرگر...... جوڑہ

کھلتی کلیوں اور پیاری دوستوں کے نام

السلام علیکم! پیاری پیاری کلیوں کیا حال ہیں آپ سب کے؟ امید ہے آپ سب ٹھیک ہی ہوں گی اور دعا ہے کہ ہمیشہ ٹھیک ہی رہو، آمین۔ سب سے پہلے میری تمام پیاری سی دوستوں کو جن میں اقصیٰ نورین، اقرا رزاق، زہرہ نصر اللہ، بنش نواز، معصومہ سعید، مریم سعید، آصفہ مجید، شائستہ سعید، بشریٰ نذیر اور ھدیٰ کو بہت بہت عید مبارک قبول ہو اور ہاں، ہاں اب خوشی میں مجھے بھول ہی نہ جانا عید کے دن مجھے بھی اپنی دعاؤں میں یاد رکھنا' جب تک یہ پیغام آپ کو ملے گا تب تک ہمارا فرسٹ ایئر کا رزلٹ آچکا ہوگا تو اللہ سے یہی دعا ہے سب کا بہت بہت اچھا رزلٹ آئے اور میرا بھی اور مجھے جتنی امید ہے اتنے نمبرز بھی آجائیں آمین۔ بس بس یار اتنا بھی خوش نہ ہو کہ خوشی میں منہ بند کرنا ہی بھول گئے ہو (ہاہاہا) بس جی بارش ہو رہی ہے اور آپ سب کو بہت مس کر رہی ہوں اس لیے سوچا آنچل کے ذریعے عید وش کر کے سب کو عید کا گفٹ دیتے ہیں سرپرائز کی صورت میں۔ (ہیں نا سرپرائز؟) بتانا ضرور۔ اچھا جی سب کو اللہ حافظ۔

ماریہ چوہدری...... 95/12.L

جان سے بھی پیارے والدین کے نام

السلام علیکم! اللہ تعالیٰ سدا آپ کو ہنستا مسکراتا رکھے آمین۔ پیارے امی ابو جان آپ کو شادی کی سالگرہ مبارک ہو (حیران ہوگئے نا اس سرپرائز کو دیکھ کر) 20,19 اکتوبر کو آپ کی سالگرہ پر ہماری دعا ہے کہ آپ دونوں کا سایہ ہمارے سروں پر تا قیامت رہے آپ کی زندگی خوشیوں سے بھرپور گزرے۔ ناصر بھائی آپ کی بھی سالگرہ 20 اکتوبر کو ہے آپ کو سالگرہ مبارک ہو۔ شازیہ آپی آپ کو بھی سالگرہ مبارک ہو جو 30 اکتوبر کو ہے۔ صائمہ آپی، رمشاء دونوں بھابیوں (حمیرا، مہوش) تمام بھائیوں (عامر، یاسر، بلال) کو میرا دعائیں بھر سلام قبول ہو۔ شادی کی سالگرہ مبارک ہو، خدا آپ کو وہ سب کچھ عطا کرے جس کی تمنا آپ کے دل نے کی۔ ہمیشہ آپ کا ٹھنڈا سایہ ہمارے سروں کے اوپر سدا رہے آمین۔ یہ دعا ہے ہماری آپ دونوں کے لیے۔ شازیہ آپی اور بھائی آپ جلدی سے ہمیں ملنے کے لیے آجائیں ماشاء اللہ تین عدد بچوں کے ساتھ نوری، ایمان، عبدالرحمان جلدی سے اپنی خالہ جانی سے ملنے کے لیے آؤ۔ آپ سب کی دعاؤں کی طالب۔

سلمیٰ حبیب...... اسلام آباد

پیارے بھائی نعیم کے نام

السلام علیکم! پیارے بھائی نعیم 10 اکتوبر کو آپ کا برتھ ڈے تھا سو ہم سب گھر والوں امی ابو انیس نوید طیبہ اور مروا کی طرف سے ہیپی برتھ ڈے ٹو یو اینڈ مینی مینی ہیپی ریٹرن آف دا ڈے۔ اللہ پاک سے دعا ہے کہ وہ آپ کو ہمیشہ خوشیاں اور کامیابیاں عطا کرتا رہے اور دن دگنی رات چوگنی ترقی عطا کرے آمین اور ہاں بھائی بتایئے گا ضرور آپ کو آنچل میں وش کرنا کیسا لگا۔ آخر میں آنچل کے لیے دعا ہے اللہ اس کو دن دگنی رات چوگنی ترقی دے۔ آمین

طیبہ حنیف بٹ...... سمندری

نئی اور پیاری دوستوں کے نام

السلام علیکم! کیسے ہیں آپ سب فرحت اشرف گھمن آپ نے مجھے دوستی کا کہا اف یار اتنی خوشی ہوئی چلو ہماری دوستی پکی آخر کو ہم جٹ سسٹرز ہیں (ہاہاہا) دو پیاری سی بہنوں شہناز اقبال، شازیہ اقبال آپ کی دوستی بھی دل و جان سے قبول ہے۔ باقی سب خوش رہو اور سوئٹ صدف مختار، رمشا عظمت آپ کو میرا تعارف پسند نہیں آیا سوری جی ہمیشہ خوش رہو اور میری سوہنیوں زہرہ، رفعت، بشریٰ، ندا، عائشہ، انیلا، زونیرہ ڈٹ کر محنت کرو ریکارڈ توڑنا ہے ہم نے تم سب اچھے ہو یار، ہم نے ہمیشہ ہی ایسے رہنا ہے سیریس نہیں ہونا لاسٹ ایئر ہے یادگار بنالیں ان کو۔ اے میری چڑیل حمنا آئی مس یو سوچ اپنا بہت خیال رکھنا اور دعاؤں میں یاد رکھنا۔

سعدیہ رمضان سعدی......186 پی

کچھ پرخلوص لوگوں کے نام

السلام علیکم! فرینڈز کیا حال ہے مجھے مس کرتی ہو یا نہیں ڈیئر پارس شاہ آپ نے دوستی کے لیے کہا تھا تو ہمیں آپ کی دوستی قبول ہے۔ سویٹ شمع مسکان اینڈ امبر سکندر علی سومرو یاد کرنے اور یاد رکھنے کا تہہ دل سے شکریہ مجھے آپ کی دوستی پر ناز ہے جان من شاہ زندگی اینڈ جانا کوئی ایسے بھی کرتا ہے آپ تو بالکل ہی بھول گئی ہو۔ مائی پریٹی ڈول حور عین فاطمہ، نبیلہ نازش، ایمل وفا، نورین شفیع، فوزیہ، اقصیٰ، کنزیٰ اینڈ ثانیہ مغل میری نٹ کھٹ سی فرینڈز میں آپ کو بہت زیادہ مس کرتی ہوں۔ ڈیئر کرن شاہ اینڈ ریا شاہ کیسی ہیں آپ در نجف سیال آپ کا ایم فل مکمل ہوگیا ہے یا نہیں مائی کوئن یائی جان بلیو مون (نازیہ کنول) آپ کی اکتوبر میں برتھ ڈے تھی تو ڈھیروں مبارک باد دعائیں سویٹ ہارٹ عظمیٰ شاہین آپ کے حب الوطنی کے جذبے کو سیلوٹ آج کل کیا کر رہی ہو رینا طاہر ناول بھیجنے کا شکریہ ثوبیہ کوثر آپ بہت سویٹ ہو کومل رباب انیس انجم، صبا نواز، نورین شاہد اینڈ سدرہ شاہین کیا چل رہا ہے آج کل ڈیئر ابرش اینڈ زیست مکرم آفریدی زوباش خان اینڈ سمیرا لتعبیر ماہ سے دوستی کرو گی؟ اب اجازت دیں دعاؤں اور محبتوں کی طلبگار۔

ماہ رخ سیال......سرگودھا

تنزیل عظمیٰ اور آنچل فرینڈز کے نام

سویٹ اینڈ کیوٹ فرینڈز السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ۔ ایس بتول شاہ 20 نومبر کو آپ کی سالگرہ ہے بہت مبارک ہو۔ عائشہ خان (ٹنڈو محمد خان) 25 نومبر کو آپ کا برتھ ڈے ہے ہیپی برتھ ڈے ٹو یو، مریم امداد 27 نومبر کو تمہاری سالگرہ ہے میری طرف سے مبارک باد قبول کرو۔ نازیہ کنول نازی سالگرہ بہت بہت مبارک باد سوری میں تھوڑا لیٹ ہوگئی۔ 26 اکتوبر میرے والد محترم ڈاکٹر محمد امداد کا برتھ ڈے ہے آپ کو بھی بہت مبارک ہو۔ تنزیل عظمیٰ (فاران ماڈل کالج جھنگ) میری سسٹر اسما امداد کے ذریعے مجھے پتا چلا تھا کہ آپ کو میرا انتخاب اچھا لگتا ہے بہت شکریہ۔ 11 جنوری کو آمنہ امداد اس دنیا میں جلوہ افروز ہوئی تھیں اس لیے آپ سب نے بھی مجھے وش کرنا ہے۔ حلیمہ بی بی (منڈے) اور سمیرا احمد (ایس انمول) کہاں ہیں آپ؟ آئی مس یو۔ ثوبیہ کوثر (ملتان) میرا شکوہ دور کرنے کا شکریہ۔ تمام سرگودھا والیوں کو سلام اور صوفیہ ملک، نازیہ کنول نازی، فرحانہ ناز ملک، نبیلہ عزیز، صائمہ قریشی (آکسفورڈ یو کے)، ام مریم، نادیہ فاطمہ رضوی، سباس گل، سمیرا شریف طور، امبر گل (جھڈو سندھ) آپ سب کو میری طرف سے بہت بہت عید مبارک اپنا بہت سارا خیال رکھیے گا فی امان اللہ۔

آمنہ امداد......سرگودھا

شمع مسکان شاہ زندگی اور فائقہ سکندر کے نام

السلام علیکم کیسی ہو آپ سب لوگ میری طرف سے عید الضحیٰ بہت بہت مبارک ہو۔ ارے فائقہ سکندر آپ کا تعارف پڑھ کر بہت مزہ آیا یار اصل میں آپ اور میں شاید بہت ملتی جلتی ہیں میرا تعارف بھی عنقریب شائع ہونے والا ہے سو میں آپ سے دوستی کرنا چاہتی ہوں اگر آپ چاہیں تو ارے شمع مسکان اور شاہ زندگی میں آپ دونوں کو کافی عرصہ سے پڑھ رہی ہوں سو میں آپ دونوں سے دوستی کرنا چاہتی ہوں کیا دوستی کرنا پسند کریں گی؟ آپ دونوں جواب ضرور دیجیے گا۔ اجازت چاہتی ہوں کہ خوش رہو دوسروں کو بھی خوش رکھو، پاکستان زندہ باد۔

نجمہ فردوس رانا......صفدر آباد

dkp@aanchal.com.pk

یادگار لمحے

جویریہ سالک

نعتیہ قطعہ

دور آخر ظلمتِ شب کا اندھیرا ہوگیا
آپ ﷺ کیا آئے میرے گھر میں سویرا ہوگیا
یوں مہک اٹھے میرے گھر کے درودیوار سب
رحمتوں کا ہر طرف گویا بسیرا ہوگیا

راؤ تہذیب حسین تہذیب......رحیم یار خان

سات ہلاک کرنے والے گناہ

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''سات ہلاک کرنے والے گناہوں سے بچو'' صحابہ اکرام نے عرض کیا۔
یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ سات گناہ کون سے ہیں؟
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔
اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک کرنا
جادو کرنا......
ناحق کسی کو قتل کرنا......
سود کھانا......
یتیم کا مال کھانا......
اپنی جان بچانے کے لیے جہاد میں اسلامی لشکر کا ساتھ چھوڑ جانا......
پاک دامن ایمان والی اور بری باتوں سے بے خبر عورتوں پر زنا کی تہمت لگانا (صحیح بخاری)۔

ارم کمال......فیصل آباد

بھابی کا حال

پہلے پہلے جو ملی ان سے نظر
ڈگمگائے قدم کچھ ہوا دل پر اثر
ناٹ ٹھیک کر کے بولے ڈارلنگ
آج لگ رہی ہو بہت چارمنگ
تم تو ہو گویا کوئن آف ہارٹس
یہ تو بتاؤ سائنس لے رکھی ہے یا آرٹس
سن کے وہ بولی ہوش میں رہیے آپ
کہ وہ آرہا ہے میرے بچوں کا باپ
سن کے میاں نے ان کے چڑھائی آستین
تیری یہ مجال
ارے نہیں...... نہیں
میں تو پوچھ رہا تھا
بھابی کا حال

حمیرا نوشین......منڈی بہاؤالدین

آخر کیوں؟

جو انسان دنیا میں شہرت اور عزت حاصل کرنے کے لیے دنیا کی بلند ترین چوٹی ماؤنٹ ایوریسٹ کو سر کر سکتا ہے' چاند کو تسخیر کر سکتا ہے' مریخ پر پہنچ سکتا ہے تو آخرت میں سرخروئی اور بلند مرتبہ حاصل کرنے کے لیے اسے چند سجدے کیسے بھاری ہو سکتے ہیں؟

رابعہ اسلم رابی......رحیم یار خان

آزادی

منصف ہی میرے وطن میں مجرم سے ملا ہے
ایسے میں کہاں جائے گا مفلس و فریادی؟
برسوں گزر گئے ہیں آزادیٔ وطن کو
لیکن نظر آتی نہیں کل ہم کو آزادی

سباس گل......رحیم یار خان

عورت

عورت کی حیا اس کے خلوص میں' وفا اس کی نگاہوں میں' ادا اس کے بھول پن میں' حسن اس کی سادگی میں' عظمت اس کے کردار میں' غصہ اس کی زبان میں' قابلیت اس کی سیرت میں' چاہت اس کے انداز میں' صبر اس کی خاموشی میں اور معراج اس کی ممتا ہے۔ ان سب خصوصیات کی بنا پر ہی شاید قدرت نے عورت کو بلند مقام عطا کیا کہ ماں کے روپ میں اس کے قدموں تلے جنت رکھ دی' سبحان اللہ۔

ثناء عرب ستی......ٹوپی ضلع صوابی

یادِ ماضی

لوگ کہتے ہیں ماضی کو ساتھ میں لے کر چلنے والے پاگل ہیں لیکن انہیں نہیں پتا کہ ماضی ہی تو ہماری روایت ہے' اسی سے تو ہماری ثقافت وابستہ ہے۔ اگر ماضی کو ہم چھوڑ دیں گے تو ہم بے نام ونشان رہ جائیں گے۔ ماضی ہمارا سرمایہ حیات ہے جب بھی دل چاہا کھٹی میٹھی یادوں سے پُر ماضی کی ٹوکری کو کھنگال لیا۔ ماضی کبھی ہمارے لبوں پر مسکراہٹ بکھیرتا ہے تو

کبھی آنکھوں کو آنسوؤں سے لبالب بھر دیتا ہے گم شدہ لوگ بھی ہمیں ماضی کی یادوں میں مل ہی جاتے ہیں۔

اقرا آغا فرین فائزہ بلال...... جام پور پنجاب

سرکاری اور غیر سرکاری عیدیں

ریڈیو نے دس بجے شب کے خبر دی عید کی
عاملوں نے رات پھر اس نیوز کی تردید کی
ریڈیو کہتا تھا سن لو کل ہماری عید ہے
اور عالم کہتے تھے یہ غیر شرعی عید ہے
دو گروہ میں بٹ گئے تھے سارے عوام
اک طرف تھا مقتدی اک طرف سارے امام
بیٹا کہتا تھا کہ کل شیطان روزہ رکھے گا
باپ بولا تیرا "ابا جان" روزہ رکھے گا
بیٹا کہتا تھا کہ میں سرکاری افسر ہوں جناب
روزہ رکھوں گا تو مجھ سے مانگا جائے گا جواب
اختلاف اس بات پر بھی قوم میں پایا گیا
چاند خود نکلا تھا یا جبراً نکلوایا گیا

طیبہ شیریں...... کوری خدا بخش

میرا بکرا

وہ ہمارا بکر تھا مگر اس سے ہم نوائی نہ تھی
کہ دھوپ چھاؤں کا عالم رہا شناسائی نہ تھی
نیلی آنکھیں، حسین کان، لمبی ٹانگیں تھیں مگر......
نخرے والا تھا بہت، کوئی بکری اسے بھائی نہ تھی
قربانی کے وقت تھی عجب آنکھوں میں التجا
التجا بھی وہ جو کبھی ہم کو سنائی نہ تھی
کبھی یہ حال کہ میرے بستر پر آ کر سو جاتا
اب یہ مرحلہ مجھے اس کے بنا، نیند آئی نہ تھی
وقتِ قرباں میرا حال بے حال ہوا
پھر بھی خوش تھی کہ دائمی جدائی نہ تھی

فوزیہ خورشیدہ سلیم...... چیچہ وطنی

انمول موتی

❖ اچھی بات تو سب کو اچھی لگتی ہے جب تمہیں کسی کی بُری بات بھی بُری نہ لگے تو سمجھ لینا تمہیں اس سے محبت ہے۔
❖ عزت دل میں ہونی چاہیے لفظوں میں نہیں۔
❖ ناراضگی لفظوں میں ہونی چاہیے دل میں نہیں۔
❖ خوش نصیب وہ نہیں جس کا نصیب اچھا ہے بلکہ خوش نصیب وہ ہے جو اپنے نصیب پر خوش ہے۔

حفصہ کنول...... ٹوبہ ٹیک سنگھ

کل اور آج

○ کل عورت نقاب خود کو ڈھانپنے کے لیے کرتی تھی آج نقاب فیشن کے لیے کرتی ہے۔
○ کل کے بچے پڑھائی کے پیچھے بھاگتے تھے آج اسکول سے بھاگتے ہیں۔
○ کل کی عورت سادگی پر انحصار کرتی تھی آج میک اپ پر انحصار کرتی ہے۔
○ کل لوگ بس پر چڑھتے تھے آج بس لوگوں پر چڑھتی ہے۔

شازیہ اختر...... ٹمن، نور پور

کچھ لوگ

○ کچھ لوگ گھروں کی طرح ہوتے ہیں وہ چاہے ہم سے کتنی ہی دور کیوں نہ ہوں دل ان کی روح میں سمٹ جانے کے لیے بے چین رہتا ہے۔
○ کچھ لوگ گلابوں کی طرح ہوتے ہیں ان کا نام لیتے ہی ہمارے ارد گرد خوشبو پھیل جاتی ہے۔
○ کچھ لوگ نگاہ کی طرح ہوتے ہیں وہ ساتھ ہوں تو اندھیروں میں بھی راستے مل جاتے ہیں۔

فائزہ بھٹی...... پتوکی

جانے کیوں......؟
کبھی ایسی بے رخی دیکھی ہے تم نے
لوگ آپ سے تم...... تم سے جان اور جان سے انجان بن جاتے ہیں
جانے کیوں......؟

کنزیٰ رحمٰن...... فتح جنگ

عمل کا فرق

کسی گناہ گار نے اللہ تعالیٰ سے جنت اور دوزخ دیکھنے کی درخواست کی، اللہ تعالیٰ نے اسے فرشتوں کے حوالے کر دیا، فرشتے اسے دوزخ میں لے گئے دوزخ میں ایک بہت بڑا ڈائننگ ہال تھا جس میں شاندار کرسیاں لگی تھیں اور ان کرسیوں پر انتہائی لاغر کمزور اور مدقوق لوگ بیٹھے تھے ان لوگوں کے سامنے سوپ کے بڑے بڑے پیالے رکھے تھے اور ان کے ہاتھوں میں لمبے لمبے چمچ تھے۔ گناہ گار نے دیکھا ان لوگوں کی کہنیاں

نہیں ہیں اور یہ لوگ اپنے بازو تہہ نہیں کرسکتے چنانچہ یہ لوگ پیالے سے چمچ بھرتے ہیں، چمچ کو منہ تک لانے کی کوشش کرتے ہیں لیکن سوپ ہونٹوں تک جانے سے پہلے ان کے گریبان پر گر جاتا ہے وہ صدیوں سے سوپ پینے کی کوشش کررہے تھے لیکن چمچ ان کے ہونٹوں تک نہیں پہنچ رہے تھے۔ فرشتے اسے وہاں سے جنت میں لے گئے یہ بھی ایک بہت بڑا ڈائننگ ہال تھا اس ہال میں بھی لوگ بیٹھے تھے اور ان کے سامنے بھی سوپ کے پیالے تھے لیکن یہ لوگ انتہائی صحت مند، خوب صورت اور مطمئن تھے اور ایک دوسرے کے ساتھ ہنس کھیل رہے تھے۔ گناہ گار نے فرشتوں سے جنت اور دوزخ کا فرق پوچھا تو فرشتے بولے ان لوگوں کے بازوؤں میں بھی کہنیاں نہیں ہیں لیکن انہوں نے اس کا بڑا دلچسپ حل نکال لیا ہے یہ پیالے سے چمچ بھرتے ہیں اور یہ چمچ اپنے ہمسائے کے منہ میں ڈال دیتے ہیں اور ہمسایہ اپنا چمچ ان کے منہ میں ڈال دیتا ہے چنانچہ دونوں کی بھوک مٹ جاتی ہے۔

وہ گناہ گار واپس آیا اور اس نے اہلِ دنیا کو بتایا جنت اور دوزخ میں صرف عمل کا فرق ہوتا ہے، دوزخ کے لوگ اپنا چمچ اپنے منہ میں ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں جبکہ جنتی اپنے پیالے سے چمچ بھرتے ہیں اور دوسرے کے منہ میں ڈال دیتے ہیں۔ میں نے گناہ گار کی بات سنی تو مجھے اس وقت معلوم ہوا وہ جنت جسے ہم آسمانوں میں تلاش کرتے رہتے ہیں وہ جنت زندگی بھر ہماری ڈائننگ ٹیبل پر پڑی رہتی ہے ہم نے بس ایک چمچ بھرنا ہے، یہ چمچ اپنی بغل میں بیٹھے شخص کے منہ میں ڈالنا ہے اور اللہ کا قرب پا جانا ہے بس اتنی سی بات...... لیکن ہم اتنی سی بات کے لیے عمر بھر مارے مارے پھرتے ہیں، ہم کتنے بے وقوف ہیں۔

(اقتباس زیرو پوائنٹ 4)

شبانہ امین راجپوت...... کوٹ رادھا کشن

ہری مرچیں

✦ ناجائز اخراجات ناجائز آمدنی سے ہی پورے ہوسکتے ہیں۔

✦ آپ سینما دیکھ کر اتنا خوش نہیں ہوتے جتنا ایک عورت پڑوس کے گھر میں جھانک کر خوش ہوتی ہے۔

✦ خواتین فارغ وقت میں بچوں کی جوئیں نکالتی ہیں، چاہے جوئیں ہوں یا نہ ہوں۔

✦ عورت کے نزدیک سب سے حسین عورت وہ ہے جو اسے آئینے کے سامنے دکھائی دے۔

صائمہ...... 157 این بی

سنہری باتیں

✦ مرد اگر دین دار ہوجائے تو دین گھر کی دہلیز تک پہنچ جاتا ہے اور اگر عورت دین دار ہوجائے تو دین نسلوں تک پہنچ جاتا ہے۔

✦ ہر میٹھی چیز میں زہر ہے سوائے شہد کے اور ہر کڑوی چیز میں شفا ہے سوائے زہر کے۔

ثمن گیلانی، این صدیقی...... ہٹیاں بالا آزاد کشمیر

زاویہ نظر

ہر چیز میں اچھائی ڈھونڈو
برائی نظر آئے تو خود کو اندھا کرلو اپنی آنکھیں بند کرلو
چیزیں نہیں بدلتیں تو کیوں نہ ہم دیکھنے کا زاویہ بدل لیں۔

فریحہ شبیر...... شاہ نکڈر

عمل سے زندگی بنتی ہے

✦ پیغمبر کے بعد سب سے بڑا مرتبہ ماں باپ کا ہے۔

✦ نگاہ کا عادل وہ ہے جسے دوسرے کی بیٹی میں اپنی بیٹی نظر آئے۔

✦ اگر کوئی آپ کو راستہ نہ دے تو آپ اس کو راستہ دے دو۔

✦ ڈوبنے والے سے پہلے اس کا عقیدہ پوچھنا ظلم ہے۔

رابعہ...... پتوکی

عقل اور خواہش

امام غزالیؒ نے فرمایا جانوروں میں خواہش ہوتی ہے اور عقل نہیں ہوتی۔

فرشتوں میں عقل ہوتی ہے اور خواہش نہیں۔

انسان میں عقل اور خواہش دونوں ہوتی ہیں اگر عقل خواہش پر غالب آجائے تو انسان فرشتہ اور اگر خواہش عقل پر غالب آجائے تو انسان جانور۔

منزہ بھٹی...... پتوکی

کچھ باتیں اپنی اپنی سی

☯ ماں سے بہترین دوست نہیں، ماں ماں بھی ہوتی ہے اور اولاد کی بہترین دوست بھی۔

☯ کسی کو بھی رلانا مت کیونکہ اگر تم نے کسی کو رلایا تو کل تم کو بھی کوئی رلائے گا۔

◉ جسم پر لگے ہوئے زخموں کا علاج تو ہوسکتا ہے لیکن دل پر لگے زخموں کا علاج ناممکن ہے۔

◉ دنیا کے اس بازار میں سب چیزیں تو خریدی جاسکتی ہیں لیکن ماں باپ، بہن بھائی اور دوستی محبت ایسے رشتہ ہیں جو بازار سے نہیں خریدے جاسکتے۔

ایمان زہرا عریشہ رزی...... چکوال

آسان اور مشکل

دنیا میں سات کام آسان اور مشکل ہیں
دوستی کرنا آسان، نبھانا مشکل
پیار کرنا آسان، پانا مشکل
بھروسہ توڑنا آسان، کرنا مشکل
یاد کرنا آسان، بھولنا مشکل
جھوٹ بولنا آسان، سچ سننا مشکل
کسی کو رلانا آسان، ہنسانا مشکل
کسی کے بغیر جینا آسان، مرنا مشکل

عائشہ پرویز...... کراچی

بچھڑنا

اک تمہارے جانے سے بظاہر کچھ نہیں بدلہ جاناں
مگر میری زندگی کے سبھی باب بے نام ہوگئے

روبی علی...... سیدوالہ

مصروفیت

◉ مصروفیت غلامی ہے اور فرصت آزادی۔

◉ مصروف رہنے والے کو یاد رکھنا چاہیے کہ اس سے پہلے کہ ہم سے سب کچھ چھن جائے، ہم خود ہی کیوں نہیں چھوڑ دیتے۔

◉ بانصیب لوگوں کی اپنی مصروفیات ہوتی ہیں یعنی دل کی مصروفیات، نگاہ کی مصروفیات اور روح کی مصروفیات۔

◉ کیا انسان، انسان کو صرف انسانیت کے حوالے سے کبھی نہیں پہچانے گا؟

◉ ہم سب اتنے مصروف ہیں کہ ہم خاموش اور تنہا ہوں تو بھی کچھ نہ کچھ کرتے رہتے ہیں۔ کبھی یادیں دہراتے ہیں اور کبھی مستقبل کے خواب دیکھتے ہیں۔

انتخاب: واصف علی واصف

مسکان جاوید اینڈ ایمان نور...... کوٹ سمابہ

چائنا کی چیزیں

چینی عورت (پاکستانی سہیلی سے) میرے شوہر کا چلتے چلتے انتقال ہوگیا۔

پاکستانی عورت (اداس ہوکر) "بس بہن چائنا کی چیزوں کا یہی رونا ہے۔"

فضہ یونس...... گنگا پور

خوب صورت الفاظ

انسانیت بہت بڑا خزانہ ہے، اسے لباس میں نہیں انسان میں تلاش کرو۔

ثوبیہ کوثر...... ملتان

ہیرا اور کنکر

ایک قافلہ اندھیری سرنگ سے گزر رہا تھا کہ ان کے پیروں میں کنکریاں چبھیں، کچھ لوگوں نے اس خیال سے کہ یہ پیچھے آنے والوں کو نہ چبھ جائیں نیکی کی خاطر وہ کنکریاں اٹھا کر اپنے سامان میں رکھ لیں، کچھ نے زیادہ اٹھائیں کچھ نے کم۔ جب وہ اندھیری سرنگ سے باہر آئے تو ان کے پاس کنکریاں نہیں بلکہ ہیرے تھے جنہوں نے کم اٹھائیں وہ پچھتائے کہ کم کیوں اٹھائیں جنہوں نے بالکل نہیں اٹھائیں وہ بہت زیادہ پچھتائے۔ دنیا کی اس زندگی کی مثال بھی اسی اندھیری سرنگ کی طرح ہے اور نیکیاں یہاں کے ہیرے، موتی ہیں اس زندگی میں جو نیکی کی وہ آخرت میں ہیرے جیسی قیمتی ہوگی اور انسان ترسے گا کہ اور زیادہ کیوں نہیں کی سو ہر نیکی چاہے کسی پیاسے کی پیاس بجھا دینا ہی سہی، ہیرے جیسی قیمت رکھتی ہے۔

ناہید بشیر رانا...... رحمان گڑھ

مجھے محبت ہے

✿ اس دل سے جس میں مخلوق خدا کے لیے تڑپ ہو۔
✿ ان آنکھوں سے جو کسی دکھی کو دیکھ کر چھلک اٹھتی ہیں۔
✿ اس دوست سے جو آپ کے عیب آپ کو بتائے اور دوسروں سے چھپائے۔
✿ اس پھول سے جو قلیل عمر ہونے کے باوجود بھی دوسروں کو تسکین بخشتا ہے۔
✿ اس مسکراہٹ سے جو سخت مایوسیوں کے بعد ہونٹوں پر دکھائی دے۔
✿ اس طوفان سے جو ناخداؤں کو نئے ولولے اور عزائم عطا کرتا ہے۔

نصرت عارف...... وار برٹن

آج کا مسلمان

گونگی ہوگئی آج کچھ زبان کہتے کہتے
ہچکچا گیا میں خود کو مسلمان کہتے کہتے
یہ بات نہیں کہ مجھ کو ربّ پر یقین نہیں
بس ڈر گیا خود کو صاحب ایمان کہتے کہتے
توفیق نہ ہوئی مجھ کو ایک وقت کی نماز کی
اور چپ ہوا مؤذن اذان کہتے کہتے
کسی کافر نے جو پوچھا یہ کیا ہے مہینہ شرم سے
پانی ہاتھ سے گر گیا "رمضان" کہتے کہتے
میری الماری میں گرد سے اٹی کتاب کا جو پوچھا
میں گر گیا زمین میں قرآن کہتے کہتے
یہ سن کے چپ سادھ لی آخر اس نے
یوں لگا جیسے رک گیا وہ مجھے حیوان کہتے کہتے

مصباح خان پارس...... جھنگ صدر

میرے ہاتھوں سے کتابیں گر جاتی ہیں

✽ جب میں کشمیر سے آنے والے دریاؤں میں خون کی آمیزش محسوس کرتی ہوں۔

✽ جب مجھے بوسنیا سے عورتوں کی چیخ و پکار سنائی دیتی ہے۔

✽ جب میں الجزائر کی گلیوں کو مسلمانوں کے لہو سے رنگین ہوتا دیکھتی ہوں۔

✽ جب فلسطین سے آہوں اور سسکیوں کی آوازیں میرے کانوں تک پہنچتی ہیں۔

✽ جب اریٹیریا اور صومالیہ سے بچے بھوک سے بلکتے ہیں۔

✽ جب فلپائن میں مسلمانوں پر بمباری ہوتی ہے۔

✽ تو نہ جانے کیوں میرے ہاتھوں سے کتابیں گر جاتی ہیں۔ میرے ہاتھ بے اختیار کلاشنکوف کی طرف بڑھ جاتے ہیں شاید امت مسلمہ مجھے اپنی مدد کے لیے بلا رہی ہے۔

میں آ رہی ہوں...... میں آ رہی ہوں

خالد بن ولیدؓ بن کر......
طارق بن زیادؒ بن کر......
محمد بن قاسمؒ بن کر......
صلاح الدین ایوبیؒ بن کر......
ابو عبدالعزیزؒ بن کر......

ثناء ریاض...... بوسال سکھا

ایک بکرا

دوست کو بھی چاہیے اپنے جیسا ایک بکرا
منڈی لینے پہنچے ہم قربانی کا ایک بکرا
ایک بالکل وہی جو کل اپنے لیے خریدا تھا
وہاں پر دیکھا کچھ دیکھا بھالا سا ایک بکرا
گھر پر تو اسے صبح ہی باندھ کر آیا تھا
کیسے وہ فلمی ڈبل رول ہوگیا ایک بکرا
دانت دیکھے کھال دیکھی بال بھی دیکھے
رنگ بھی دیکھا بالکل اپنے جیسا ایک بکرا
حیران تو تھا دام تو اس نے بہت سستا لگایا
اپنے گھر جیسا مگر سستا لے آیا ایک بکرا
گھر پر دوست کے جو چھوڑ آئے اس بکرے کو
اپنے گھر جو دیکھا وہاں نہ پایا اپنا ایک بکرا

سمیرا غزل صدیقی...... کراچی

رت

چاندی کے ورق میں لپٹی خوشیاں دل کے نہاں خانے سے پھلجھڑی کی مانند پھوٹتی ہیں اور جب یہ فضاؤں میں جلترنگ کی طرح بکھر جائیں تو پھر رُت چاہے کوئی بھی ہو صرف دل کا منظر گلابوں سا کھلا کھلا رات کی رانی سا مہکا مہکا ہوجاتا ہے سچ مچ.....خوشی کی کوئی خاص وجہ ہوتی ہے اور نہ ہی اسے کسی ناپ تول کی اکائی سے ناپا جاسکتا ہے۔ کبھی پانی کی روانی دیکھ کر دل کی ویرانی میں خوشی کے غنچے کھل اٹھتے ہیں تو کبھی آسمان پر لہراتے پرندے مسحور و شادماں کرتے ہیں۔ خوشی کسی خاص شے احساس سے قطعاً مشروط نہیں، کبھی تو پتوں کی سرسراہٹ، چڑیوں کی چہکار، آبشاروں کا شور۔ چاند، چاندنی، ستارے، شبنم، جگنو تتلیاں، رنگ برنگے پھول، بارش کی ننھی ننھی بوندیں، چوڑیوں کی کھنک، رنگ کی دھنک، مہندی کے رنگ، مٹی کی خوشبو اور گجرے کی مہک تک دل کے پور پور میں مہک خوشی کی بھر جاتی ہے اور پھر من خود بہ خود ہی گنگنانے سجنے سنورنے کو مچلنے لگتا ہے۔

پروین افضل شاہین...... بہاولنگر

yaadgar@aanchal.com.pk

شہلا عامر

السلام علیکم ورحمتہ وبرکاتہ! ابتدا ہے پروردگار کے پاک نام سے جو خالق ارض وسماں ہے۔ نومبر کا شمارہ حاضر خدمت ہے' عیدالاضحیٰ نمبر پسند کرنے اور اپنے خطوط کے ذریعے سراہنے کا بے حد شکریہ آئیے چلتے ہیں آپ بہنوں کے دلچسپ تبصروں کی جانب۔

زیبا حسین مخدوم' بشریٰ عابد مخدوم...... سرگودھا۔ السلام علیکم! جادوئی آئینے میں اپنا روئے سخن دیکھنے کے لیے ایک بار پھر حاضر ہیں امید ہے اس دفعہ منتر کامیاب ہوجائے گا۔ سرورق بہت پیارا تھا' درمیان والی لڑکی زیادہ اچھی لگی پھر بھاگے اپنی موسٹ فیورٹ ''ٹوٹا ہوا تارا'' کی جانب' واہ مزا آگیا' جیسے ہم بھی شادی میں ہی شامل ہیں۔ مصطفیٰ کو کچھ نہ ہو۔ ''برف کے آنسو'' کا اینڈ بھی اچھا ہوگیا۔ ''موم کی محبت'' میں عارض کے ساتھ یہ کیا ہوگیا؟ اور راحت جی! کہیں شادی سے پہلے زیبا' عارض کو پسند تو نہیں کرتی تھی؟ باقی رسالہ ابھی پڑھا نہیں اس لیے کچھ نہیں کہہ سکتی۔ غزلیں اس دفعہ سب ہی اچھی تھیں' اسپیشلی راشد ترین اور ام ایمان قاضی کی۔ باقی سب بھی ہمیشہ کی طرح بہت اچھا تھا' اب اجازت دیجیے اللہ آپ سب کو ہمیشہ خوش رکھے آمین' اللہ نگہبان۔

سمیرا تعبیر...... سرگودھا۔ پیاری شہلا آپی قارئین اینڈ رائٹرز! السلام علیکم! آنچل اس دفعہ 28 کو مل گیا تھا سرورق اچھا لگا۔ ہمیشہ کی طرح سرگوشیاں سننے کے بعد سلسلہ وار ناولز کی طرف دوڑ لگائی۔ ''ٹوٹا ہوا تارا'' ویل ڈن آپی! اس دفعہ کی قسط بہت شاندار تھی' لڑکے لڑکیوں کی نوک جھونک مزہ دے گئی۔ بس کاشفہ کو تو میرا دل کرتا ہے کسی کنوئیں میں دھکا دے دوں' مجھے تو لگتا ہے شہوار ولید کی سسٹر ہے۔ ''برف کے آنسو'' زبردست آپی بہت خوب' ساری قسط اچھی تھی۔ خیر جی مریم آپی کے پاس پہنچے شکر ہے کہ ایمان کو ہوش آگیا' شرجیل کی سزا ختم ہوئی باقی سب بیسٹ ہے۔ ''ساحر'' کیا محترم خود کو سمجھتے ہیں پتا نہیں کس چیز کا غرور ہے میں نے کسی دن اس کی گردن مروڑ دینی ہے اور سکندر کا ذکر زیادہ کیا کریں ناں آپی' پورے ناول کی جان ہے۔ عتیقہ ملک جی آپ کی اسٹوری بہت اچھی تھی' ہیرو کا کردار بہت پسند آیا' محبت صرف محبت ہے فنٹاسٹک۔ رشک حبیبہ جی کیا بات ہے آپ کی' پسند آئی آپ کی تحریر۔ ''زمین پر اترا ہے چاند'' صدف آصف جی آپ نے بھی بہت اچھا لکھا۔ نازیہ جمال صبا جاوید اینڈ ماریہ کنول جی آپ کی تحریریں بھی اچھی تھیں' فاطمہ ماریہ آپ کا انداز تحریر تو سب سے الگ لگا۔ غرض اس دفعہ تو ساری اسٹوریز ہی ایک دوسرے سے بڑھ کر تھیں' ہمارا آنچل میں سب کے تعارف پسند آئے۔ آئینہ میں سب کے تبصرے شاندار بے مثال باکمال تھے لیکن مسکان جاوید' شمع مسکان' عائشہ پرویز' آمنہ امداد کی تو بات ہی کیا تھی۔ بیاض دل میں حافظہ سمیرا' حیا خان' شگفتہ کے اشعار پسند آئے۔ دوست کے نام پیغام آئے میں سب پیغامات بہت بیسٹ تھے۔ ہم سے پوچھیے میں شمائلہ آپی اور قارئین کے سوالات جوابات بہت مزے کے تھے' یادگار لمحے اور شاعری ہمیشہ کی طرح سپر ڈوپر تھی۔ جناب کس کس کی تعریف کروں سارے کا سارا آنچل بہت اچھا تھا' اللہ آنچل کو ہمارے سروں پر قائم دائم رکھے آمین اور آپ کو تمام آنچل اسٹاف کو حج بیت اللہ کی سعادت نصیب ہو آمین اللہ حافظ۔

☆ آمین...... دعا کے لیے جزاک اللہ اور اللہ سبحان وتعالیٰ آپ کو یہی سعادت نصیب کرے' آمین۔

پروین افضل شاہین...... بہاولنگر۔ پیاری باجی شہلا عامر صاحبہ السلام علیکم! اس بار اکتوبر کا آنچل تین شہزادیوں سجا میرے ہاتھوں میں ہے بکرا عید نمبر میں اکثر تحریریں بکروں پر ہی تھیں۔ ناولز میں ''موم کی محبت' ٹوٹا ہوا تارا'' برف کے آنسو' زمین پر چاند اترا' وہ ایک لمحہ آ کہیں بہار آتے آتے' محبت صرف محبت ہے'' پسند آئے۔ بہنوں کی عدالت میں نازیہ کنول نازی کے چاہنے والے بہت ہیں جبھی تو اتنی اقساط ہوگئی ہیں۔ ہماری دعا ہے اللہ تعالیٰ محترم عبدالمجید' عائشہ حسین کی امی جان' پلوشہ گل کے ابو جان کو جنت میں جگہ دے آمین۔ سمیرا غزل صدیقی' ارم کمال' فصیحہ آصف خان کے اشعار' قدیر رانا' فریدہ فری' راشد ترین کا کلام' مریم عبدالرحمان' نورین شاہد' ثوبیہ کوثر کے پیغام' شمع مسکان' خدیجہ رانا مقامی' مدیحہ نورین کے سوالات پسند آئے۔ دعا ہے آنچل ہمیشہ ترقی کرے آمین۔

مونا شاہ قریشی...... کبیر والہ۔ من موہنی شہلا بجو! آپ کو پورے اسٹاف کو اور تمام قارئین کو گڑ سے بھی میٹھا اور شہد سے گاڑھا سلام قبول ہو۔ اس بار آنچل سابقہ ریکارڈ برقرار رکھتے ہوئے 26 تاریخ کو ملا' ٹائٹل تقریباً اچھا ہی تھا۔ سرگوشیوں اور دانش کدہ سے مستفید ہونے کے بعد جھٹ سے ''برف کے آنسو'' پر چھلانگ لگائی اور ایک ہی جست میں ساری کہانی پڑھ ڈالی (پھر کھل کے سانس لیا)۔ اتنا میٹھا کیسے لکھ لیتی ہیں آپ نازی بجو! ناول کے اختتام پر ایک اور خراج تحسین ڈیئر بجو! ام مریم اگر آپ کی شان میں میں تعریفی کلمات نہ بولوں تو یقین مانئے یہ میری زندگی کی سب سے بڑی گستاخی ہوگی' ویری ویل! بس ذرا عباس صاحب پر ہاتھ ہولا رکھا کریں' عورت کی اتنی تذلیل برداشت نہیں ہوتی۔ ''شکست آرزو'' پڑھ کے جانے کیوں خلش سی محسوس ہوئی ''زمین پر چاند اترا'' بھی اچھی کاوش تھی۔ ''تیرے میرے درمیان'' میں اچھی لگنے والی بات سیمل کا بیر توڑنا تھا (درختوں پر چڑھنے کا اپنا ہی مزا ہے)۔ نادیہ آپی کی کہانی اس بار

مکمل ضرور تھی مگر انداز ذرا مختلف تھا ان کے پچھلے انداز سے۔ فاطمہ ماریہ کا اپسرا بھی ٹھیک تھا (کیا یہ نئی رائٹر ہیں)؟ ابھی تک تو فی الحال اتنا ہی آنچل پڑھا ہے اوکے اللہ حافظ۔

☆ مونا ڈیئر! شگفتہ انداز میں لکھا آپ کا تبصرہ بہت پسند آیا۔

گل مینا آرزو، حسینہ دھنک آرزو...... مانسہرہ۔ سویٹ شہلا آپی اینڈ کیوٹ قارئین ورائٹرز کو گل مینا آرزو اور حسینہ دھنک آرزو کا خوش گوار سلام قبول ہو۔ لکھنے والے آتے رہتے ہیں شاہکار لکھتے رہتے ہیں ہم پڑھتی رہی ہیں اور دل سے سراہتی رہی ہیں۔ زندگی میں سکھ کے لمحے بھی آئے اور دکھ کے سائے بھی آئے کبھی ہونٹوں پر ہنسی آئی اور کبھی آنکھوں میں نمی بھی آئی، کبھی دوستوں سے بچھڑ بھی گئے اور نئے لوگوں سے گھل مل بھی گئے۔ ایک ساتھ نہیں چھوٹا تو وہ ہے آنچل کا۔ ہم آنچل کی خاموش قاری ہیں آنچل میں پہلی بار شرکت کر رہی ہیں۔ اچھا جی اب آتے ہیں تبصرے کی طرف فہرست تو اس بار کافی جگمگا رہی تھی سب سے پہلے ام مریم کے ناولٹ کی طرف دوڑ لگائی واہ مزہ آ گیا پڑھتے وقت۔ ''ٹوٹا ہوا تارا'' بھی ہمارا فیورٹ ناول ہے آنچل کے تمام سلسلوں میں بیاض دل بہت پسند ہے کیونکہ اس میں ہمیں اچھے اچھے اشعار پڑھنے کو ملتے ہیں۔ ہمیں آنچل پڑھنے کا اتنا جنون ہے کہ گرمیوں کی راتوں میں بستروں میں گھس کر ٹارچ جلا کر آنچل پڑھتی ہیں (گھر والے پڑھنے جو نہیں دیتے اس لیے چھپ کر پڑھتی ہیں نا) آخر میں اپنی دوستوں کو بہت بہت عید مبارک، نصرت خالہ اور سجاد خالو کو شادی مبارک اور پہلی عید مبارک ہو۔ اللہ حافظ۔

نادیہ عباس دیا قریشی...... موسیٰ خیل۔ السلام علیکم! امید کامل ہے کہ تمام آنچل اسٹاف اور قارئین کرام خیریت سے ہوں گی عیدالاضحی مبارک۔ امید ہے کہ رج رج کے گوشت کے مزے کے پکوان اڑائے ہوں گے ابھی آنچل پڑھا تو نہیں لیکن ہمیشہ کی طرح سپرہٹ ہوگا صرف ایک ناول پڑھا ''برف کے آنسو'' ویل ڈن نازیہ آپی اینڈ اچھا تھا۔ میں نے سوچا کب کی انٹری نہیں دی تو اب دے دوں اور ہاں عائشہ جی آپ کا جواب پڑھ کر اچھا لگا۔ آپ کی کہانیاں اخلاقی ہوتی ہیں پلیز اتنا انتظار نہ کرایا کریں اور جلدی انٹری دیا کریں اور تمام ریڈرز اینڈ رائٹرز کے لیے دعائیں اور پیارے پاکستان کے لیے ڈھیروں ڈھیر دعائیں والسلام۔

صبا قمر، صبا ریاض...... خانیوال۔ السلام علیکم! سویٹ شہلا آپی اور تمام آنچل رائٹرز اور فرینڈز کو عیدالاضحی مبارک ہو ہمیشہ کی طرح 26 کو آنچل ملا تو دل خوشی سے باغ باغ ہوگیا۔ ماڈل گرلز کے ڈریسز بہت ہی خوب صورت تھے۔ دو سال سے آنچل کی خاموش قاری ہوں لیکن جس بات نے قلم اٹھانے پر مجبور کیا وہ کہانی نازیہ کنول نازی کا ناول ''برف کے آنسو'' اور ''مجھے ہے حکم اذاں'' ہیں۔ ام مریم پلیز اب فاطمہ اور عباس کو بھی خوش کر دیں یہ کہانی ویسے بھی اختتام کے مراحل پر ہے، سمیرا شریف طور کا ناول ''ٹوٹا ہوا تارا'' ہمیشہ کی طرح زبردست تھا۔ سمیرا جی اب شہوار کو بھی عقل آ جانی چاہیے باقی تمام ناولز اور افسانے بڑے زبردست تھے اللہ حافظ۔

☆ ڈیئر سسٹرز! خوش آمدید۔

ماریہ کنول ماہی...... چکوال۔ السلام علیکم! آنچل حسب توقع 24 کو ہی مل گیا فرینہ، افرا اور نیناں بتول سے ملاقات کی اور آگے بڑھے سرگوشیاں کے بعد حمد و نعت سے دل کو منور کرتے ہوئے در جواب آں میں پہنچے جہاں مدیرہ آپا بڑے اچھے انداز میں سب کے گلے شکوے دور کر رہی تھیں پھر پہنچے مالک یوم الدین پڑھ کر رونگٹے کھڑے ہوگئے اور دل سے دعا نکلی کہ اللہ پاک تمام مسلمانوں، مجھے اور میرے اہل و عیال کو قیامت کی سختیوں سے محفوظ رکھے آمین۔ فرحانہ ناہید اور روبین حیدر کا تعارف اچھا لگا اس کے بعد چھلانگ ماری ''برف کے آنسو'' پر جس کی آخری قسط مزا دے گئی۔ آپی کبھی کبھی میں سوچتی ہوں کہ آپ لوگ لفظوں کو موتیوں کی طرح کیسے پرو لیتی ہیں اور میری طرف سے آپ کو بہت بہت مبارک باد اس بات پر آپ منہ میٹھا کروا دیں ہاہاہا۔ ''موم کی محبت'' بڑی انٹرسٹنگ اسٹوری ہے مجھے بڑی پسند آ رہی ہے ہر قسط میں کوئی نہ کوئی پہلو ضرور بدلتا ہے۔ اب بات ہو جائے ''ٹوٹا ہوا تارا'' کی تو کیا بات ہے شہوار اور مصطفیٰ بھائی کی شادی پر بہت مزا آیا پر آپی آپ سے ایک گلہ ہے اگر ان کی شادی پر مجھے بھی بلا لیتیں تو کیا تھا؟ مصطفیٰ بھائی کو گھر بھی نہیں پہنچنے دیا رنگ میں بھنگ ڈال دیا کم از کم ان کو خوشی خوشی گھر تو پہنچنے دیتیں۔ اب آتے ہیں ام مریم کے ناول کی طرف جہاں اب ہر ایک کا چہرہ خوشی سے دمک رہا ہے سوائے فاطمہ کے۔ آپی ایک بات بتائیں آپ کو کس نے کہا تھا کہ اسے ہیرو بنا میں اگر میں ہوتی تو میں نے تو اسے ولن بھی نہیں بنانا تھا اور آپ نے اسے ہیرو کا رول دے دیا۔ ایمان بھی کوے سے باہر نکل آئی زارون اور نور کی ابھی سے منگنی اچھی لگی اور میرے خیال سے ایک یا دو قسط میں اس کا اینڈ ہونے والا ہے۔ افسانے بھی ٹھیک تھے مگر ''زیست کے صفحات'' بہت اچھا لگا اور ''زمین پر چاند اترا'' شکست آرزو، تیرے میرے درمیان'' سبھی ایک سے بڑھ کر ایک تھے۔ بیاض دل میں سباس گل، امبر گل، زاہدہ پروین اور ناہید شبیر رانا کے شعر اچھے لگے۔ نیرنگ خیال میں قدیر رانا کو صدارت کی کرسی پر بیٹھے دیکھا نیر رضا ولی کو وزیراعظم اور فریدہ فری کو وزیر اعلیٰ کی باقی تمام بھی اپنے مناسبت کے عہدوں پر فائز تھے ان سے مل کر آگے بڑھے دوستوں سے ملاقات ہوگی جس میں بھی پیغام اچھے تھے۔ یادگار لمحے میں سبھی یادگار تھے آئینہ میں ارم کمال اور آمنہ امداد پسند آئیں پتا ہے کیوں کیونکہ میری احادیث کو پسند جو کیا۔ ارم کمال اور آمنہ امداد آپ دونوں کا بے حد شکریہ اس کے علاوہ شمع مسکان اور عائشہ حسینہ کو پڑھ کر خوشی ہوئی مگر عائشہ کی امی کی وفات کا سن کر دل بھر آیا، اللہ پاک ان کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے اور بھی جتنے مسلمان وفات پا گئے ہیں ان سب کو اپنی رحمت کے بل پر جنت الفردوس میں

جگہ دے آمین۔ ہم سے پوچھیے میں پروین افضل مدیحہ نورین صائمہ سکندر کے سوالات مزے کے تھے۔ کام کی باتیں بھی اچھی تھیں اور سب کے آخر میں مہندی کے ڈیزائن پسند آئے یعنی کے پورا آنچل ہی زبردست تھا۔ اللہ پاک آنچل کو ایسا عروج دے کہ ہر دل کی دھڑکن بنا رہے آمین اور ہاں نئے رسالہ کا نام ماہنامہ خوشبو رکھ دیں اللہ حافظ۔

☆ ماریہ ڈیئر خوش آمدید۔

مبین اعظم...... مظفر گڑھ۔ السلام علیکم! میں 7th کلاس سے آپ کا رسالہ پڑھ رہی ہوں اور اب میں 4th ائیر کی طالبہ ہوں۔ آپ کا رسالہ ایک زبردست رسالہ ہے اور میں نے بہت کچھ سیکھا ہے اس رسالے کی تمام رائٹرز بہت زبردست لکھتی ہیں تمام سلسلے بہت خوب صورت ہیں خاص طور پر نازیہ کنول نازی بہت گریٹ ہیں وہ اور ویل ڈن سمیرا بہت اچھا لکھ رہی ہیں اور پلیز آپی جلدی سے ''ٹوٹا ہوا تارا'' کا راز کھول دیں اور میری پسندیدہ کہانی ''مجھے ہے حکم اذاں'' ہے اور سب سے پہلے میں وہی کہانی پڑھتی ہوں ''برف کے آنسو'' بہت اچھی کہانی تھی اور اینڈ بھی بہترین تھا اور ''تیرے میرے درمیان'' بھی زبردست کہانی تھی۔ تبصرہ کافی لمبا ہوگیا اب اجازت چاہوں گی ان شاء اللہ آئندہ بھی حاضر ہوتی رہوں گی۔

فرحت اشرف گھمن...... سید والا۔ السلام علیکم! عیدالاضحیٰ نمبر کے ٹائٹل کو دیکھ کر تو دل خوش ہوگیا ہے ڈریس اور جیولری بھی زبردست غرض کہ ٹائٹل اس دفعہ شاندار ہے سب سے پہلے حمد و نعت رسول مقبول ﷺ سے دل و ذہن کو منور کیا۔ سلسلہ وار ناول ''موم کی محبت'' آہستہ آہستہ انٹرسٹنگ ہوتا جارہا ہے ''ٹوٹا ہوا تارا'' میں آپی سمیرا پلیز مصطفیٰ کو کچھ نہ کرنا ورنہ کہانی بور ہوجائے گی۔ دریہ کو اب اس کے ٹھکانے لگائیں عباس نے عادلہ کو اتنی جلدی چھوڑنا نہیں تھا۔ مکمل ناول ''برف کے آنسو'' نازیہ نے اتنا اچھا ہیپی اینڈ کیا کہ واقعی آپ نے کمال کردیا۔ میرے پاس اتنے اچھے الفاظ نہیں اس ناول کی تعریف کرسکوں۔ ''زمین پر چاند اترا'' صدف آصف کی تحریر بھی اچھی تھی علی زر کا کردار اچھا لگا وہ رشتوں کی قدر کرنا جانتا تھا شاہین کو صبر کا صلہ مل گیا نیک اولاد بھی خدا کی طرف سے ایک انعام ہوتا ہے۔ رتبہ کا علی زر کا ساتھ دینا اچھا لگا۔ ''مجھے ہے حکم اذاں'' ایمان کو ہوش آگیا بہت خوشی ہوئی فراز کا کردار بہت پسند آیا۔ باقی دونوں ناولٹ بھی اچھے لگے یعنی اس دفعہ ناولٹ بازی لے گئے افسانے بھی زبردست لگے۔ ''محبت ہم سفر میری'' نادیہ فاطمہ رضوی کی تحریر کا موضوع اور مرکزی خیال پرانا پرانا سا لگا لیکن پیش کرنے کا انداز زبردست تھا۔ نیرنگ خیال میں محمد زبیر اعظم کی دعا نے تو مسحور کردیا لفظوں کا چناؤ خوب تھا۔ بیاض دل ارم کمال شاہ زندگی شہزادی شاہانہ زاہدہ پروین امبر گل کے شعر اچھے لگے یادگار لمحے سب ہی اچھے تھے دعاؤں میں یاد رکھنا اللہ حافظ۔

نائلہ ملک، شمائلہ ملک...... گوجرہ۔ السلام علیکم! اکتوبر کا شمارہ 29 کو مل گیا عیدالاضحیٰ کی مناسبت سے فرینہ افرا اور نیناں بتول ٹائٹل پر براجمان تھیں پھر جلدی سے سرگوشیاں پر پہنچے مگر یہ کیا نئے پرچے کا نام تو ابھی منتخب ہی نہیں ہوا (افسوس)۔ اس کے بعد ہم حمد و نعت سے ہوتے ہوئے پہنچے مالک یوم الدین پر یہ سلسلہ مجھے بہت پسند ہے پھر روکین احمد تارا شاہ ہما فرخ فرحانہ ناہید اور طاہرہ سید سے ملاقات کے بعد بہنوں کی عدالت میں پہنچے تو وہاں نازیہ جی کے جوابات پڑھ کر بہت مزا آیا۔ اب آتے ہیں کہانیوں کی طرف تو ''برف کے آنسو'' کا اینڈ ہوگیا بہت ہیپی ہیپی اینڈ ہوا ویل ڈن نازیہ جی! اب ہم جلدی سے ''موم کی محبت'' کی طرف بڑھے لیکن یہاں تو سب الٹ نکلا صفدر جیسے سچے انسان کے ساتھ تو یہ سراسر بے ایمانی ہوئی ہے اور عارض کو پلیز کچھ مت ہونے دیجیے گا راحت بجو! ''محبت صرف محبت ہے'' رشک حبیبہ کی بہت اچھی کاوش تھی اس کی بعد ہم جلدی سے پہنچے ''ٹوٹا ہوا تارا'' پر بہت اچھی اسٹوری ہے مصطفیٰ کی شادی بہت اعلیٰ انداز میں ہوئی اور اس ایاز کا کچھ کریں ورنہ پھر میں نے کردینا ہے (ہاہاہا)۔ ایک بار پھر مصطفیٰ کو نقصان پہنچا گیا ہے اس کے بعد ''مجھے ہے حکم اذاں'' کی طرف آتے ہیں آئی تھنک ایک یا دو قسطوں میں اس اسٹوری کا اینڈ ہونے والا ہے کیونکہ عباس اور فاطمہ سکندر اور لاریب اور ابراہیم احمد کا اپنی بہن کو ڈھونڈنے کا مقصد ہی رہ گیا ہے باقی دو جوڑیاں بھی سیٹ ہوجائیں گی اور باقی رسالہ معذرت کے ساتھ ابھی زیر مطالعہ ہے باقی ادھار رہا پھر حاضر ہوں گی ان شاء اللہ اللہ حافظ۔

تسنیم سحر رائو...... بھکر۔ السلام علیکم کے بعد عرض ہے کہ ایک مدت کے بعد آئینہ میں لکھ رہی ہوں آنچل پڑھتی ہوں 18 سال سے آنچل میں بھی سب کچھ بہت اچھا ہے حمد باری تعالیٰ بہت خوب صورتی کے ساتھ لفظ چنے ہیں۔ نعت رسول مقبول ﷺ بھی بہت پیاری تھی سب سے پہلے ''برف کے آنسو'' نازیہ کنول نازی نے بہت خوب صورت اختتام کیا کیا حسین ملاپ کیا شروع سے ہی معید کا کردار اچھا تھا اور عینا بہت سمجھدار ان کا ملاپ بہت اچھا۔ ازہان نے بہت اچھا اور بروقت فیصلہ کیا لیکن چار روز تک فیجہ کا سامنا نہ کیا تو میرا تو اپنا دل پریشان ہوگیا کہیں فیجہ بے چاری نئی آزمائش میں نہ پڑ جائے لیکن سبھی کچھ اچھا رہا۔ ''موم کی محبت'' بھی زبردست تھی۔ مرزا صاحب سے تو جان چھوٹی ہی تھی بوبی سے بھی چھوٹی۔ صبیح احمد کی زندگی کا بہت افسوس لگا لیکن اس سے بھی زیادہ برا صفدر کے ساتھ ہوا اور خدا کے لیے آپ سے درخواست کرتی ہے عارض کو وہیل چیئر پر نہ لائیں مہربانی ہوگی۔ ''ٹوٹا ہوا تارا'' بھی بہت اچھی ہے دل ایک دم مٹھی میں آگیا جب مصطفیٰ زمین پر گرا دریہ کے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا مصطفیٰ نے۔ باقی کردار اپنی اپنی جگہ فٹ رہے غزلیں اشعار بھی کچھ بہت اچھا تھا آخر میں سب کو دعا سلام۔

زاهده زمان...... چوک سرور شهید۔ السلام علیکم! سب سے پہلے آپی سے آنچل جھپٹا اور سیدھی چھلانگ لگائی نازی آپی کے پہلو میں وہاں سے بے قرار ہو کر اٹھی تو سیدھی ام مریم کے پاس آئی جس میں فراز نے تھوڑا سا ہنسا کر موڈ ٹھیک کیا۔ سمیرا آپی ام مریم اور میری جانو نازی آپی قسم سے غضب کا لکھتی ہیں۔ مزا آجاتا ہے آپ کے ناول پڑھ کر اللہ آپ کو اور ترقی دے اور آپ آنچل کو آٹھ آٹھ چاند لگائیں' چار چاند لگانے کے لیے ہم جو ہیں۔ سمیرا آپی پلیز شہوار کی احساس کمتری ختم کردیں' مریم آپی فاطمہ کے ساتھ اور بُرا مت کریں ورنہ وہ مرجائے گی۔ نازی آپی مجھے معید بہت اچھا لگتا ہے اور آپ نے بالکل ٹھیک کیا معید کے ساتھ دل خوش کردیا' باقی کہانیاں بھی بہت اچھی تھیں' دعاؤں میں یاد رکھیں آپ کی مخلص۔

عقیلہ شمائل...... جڑانوالہ' فیصل آباد۔ آپی شہلا ہم اپنا عکس آنچل میں دیکھ کر پہلے تو حیران ہوئے پھر بہت خوشی ہوئی۔ سب سے پہلے سرگوشیاں پڑھیں' وطن کے بارے میں جان کر بہت دکھ ہوا' اللہ ہمارے وطن کو سلامت رکھے' آمین پھر سیدھی چھلانگ لگائی تو "برف کے آنسو" پر پاؤں جم گیا آپی باقی کہانیوں کے بعد یہ کہانی بھی بہت اچھی جارہی تھی لیکن لاسٹ پر آکر تو آپ نے کھچڑی بنادی' اقصیٰ کو آپ نے خفا ہی رہنے دیا اور فیحہ اور اذہان کے ولیمے میں کسی کو تو لے آنا تھا۔ فیحہ کے سسرال میں سے کوئی بھی نظر نہیں آیا۔ راحت آپی "موم کی محبت" بہت اچھی جارہی ہے اور پھر ہم نے آسمان کی طرف دیکھا تو "ٹوٹا ہوا تارا" نظر آیا اور دل دھک سے رہ گیا' شادی تو بہت پیاری تھی لیکن مصطفیٰ کو گولیاں ماردیں' بہت دکھ ہوا۔ آپی مریم آپ سے ہماری درخواست ہے کہ اب عباس کو سیدھا کردیں اور سکندر کو بھی۔ نادیہ فاطمہ آپ کو یاد فرمایا تو آپ پہنچ گئیں بہت زبردست تھی "محبت ہم سفر میری" اب اجازت چاہتی ہوں' اللہ حافظ۔

M رحمان...... هری پور' ہزارہ۔ سلام شہلا آپی! اب آتے ہیں ناول کی طرف "ٹوٹا ہوا تارا" میری موسٹ فیورٹ کہانی ہے اس میں مصطفیٰ اور شہوار کا کریکٹر بہت اچھا ہے ولید اور انا کا بھی۔ دوسری کہانی "مجھے ہے حکم اذاں" بہت بہت اچھی کہانی ہے اگلی قسط کا انتظار بہت بے صبری سے کرتی ہوں۔ آپی مصطفیٰ اور شہوار کی شادی کا ہر پل' انداز بہت زیادہ انجوائے کیا ایسا لگا کہ ہم بھی ان کی شادی کی ہر رسم میں شامل ہیں۔ سمیرا جی کا بہت شکریہ' باقی ناول بھی بہت اچھے ہیں اور افسانے بھی پڑھ کر بہت کچھ پتا چلتا ہے کہ آج کی دنیا میں یہ سب بھی ہورہا ہے۔ مہندی کے ڈیزائن تو بہت ہی اچھے تھے' پہلی بار آپ کے آئینہ میں شامل ہونے کی ہمت کی ہے' اجازت دیں' اللہ حافظ۔

☆ ڈیئر سسٹر! آپ اپنا نام بھی لکھتیں تو مزید اچھا لگتا۔

مهوش فدا مغل...... کوٹلہ۔ السلام علیکم! سب سے پہلے تو آنچل اسٹاف اور ڈیئر قارئین کو عید مبارک۔ آنچل کے ہاتھ میں آتے ہی ہم نے سلسلہ وار ناول کی طرف دوڑ لگائی' سب سے پہلے "برف کے آنسو" کی آخری قسط پڑھی سب کچھ ٹھیک ہی تھا بڑا پرفیکٹ لگا سب کو ملتے دیکھ کر سب سے زیادہ خوشی عینا اور معید کی ہوئی پھر اس کے بعد "ٹوٹا ہوا تارا" پلیز سمیرا آپی مصطفیٰ کے ساتھ کچھ غلط مت کرنا اور انا اور ولید کے درمیان کاشفہ کو نہ آنے دینا' عباس اور رابعہ کی شادی کروادیں کیونکہ ابوبکر تو ہادیہ کا ہے پھر اس کے بعد "مجھے ہے حکم اذاں" کھولا دل تھام کہ کیونکہ سکندر اور لاریب میری جان ہیں جلدی سے ملادیں نا مریم آپی انہیں اور عباس نخرے کیوں کرتا ہے اور اس کے بعد "موم کی محبت" کی طرف آئے۔ راحت آپی آپ تو کمال کا لکھتی ہیں' مجھے لگتا ہے زیبا جس شخص سے پیار کرتی تھی وہ عارض ہی ہوگا کیا پتا میری قیاس آرائی غلط ہو باقی اگر عارض معذور ہوگیا تو شرمین اسے چھوڑنا نہیں' ٹھیک ہے باقی آنچل ابھی پڑھنا ہے اسی کے ساتھ اجازت دیں' میری دعا ہے آنچل دن دگنی رات چوگنی ترقی کرے آمین۔

حلیمہ چوهدری...... بچیانہ۔ پیاری شہلا آپی اور آنچل کی تمام قارئین کو پیار بھرا سلام۔ میں آنچل کی خاموش قاری ہوں اور پچھلے پانچ سال سے آنچل سے وابستہ ہوں لیکن جس کہانی نے مجھے لکھنے پر مجبور کیا وہ عتیقہ ملک کی کہانی "شکست آرزو" ہے عتیقہ ملک جی آپ نے کہانی تو بہت زبردست لکھی لیکن مجھے اینڈ کی کوئی سمجھ نہیں آئی۔ اب چلتے ہیں سلسلہ وار ناولز کی طرف' نازیہ کنول نازی جی کا ناول "برف کے آنسو" بہت اچھا تھا اور اس کا اینڈ بھی بہت اچھا ہوا۔ "مجھے ہے حکم اذاں" ام مریم پلیز ایک دو قسط میں اس کا اینڈ کردیں اور سمیرا شریف طور کا ناول "ٹوٹا ہوا تارا" بہت اچھا جارہا ہے' پلیز آپی شہوار کو صحیح کردیں' اتنی انا بھی اچھی نہیں۔ باقی افسانے بہت اچھے تھے سیدہ جیا عباس پاک فوج کے نام آپ نے بہت اچھا لکھا' او کے اب اجازت چاہوں گی' دعاؤں میں یاد رکھیں۔

☆ ڈیئر حلیمہ! خوش آمدید۔

ارم اسماعیل میواتی...... قصور۔ السلام علیکم! تمام قارئین کو ارم اسماعیل کی طرف سے ڈھیروں ڈھیر سلام قبول ہو' امید ہے کہ آپ سب خیریت سے ہوں گے۔ "ٹوٹا ہوا تارا" میں مجھے شہوار کا کردار بہت پسند ہے اور انا اس کی تو کچھ سمجھ ہی نہیں آتی پل میں تولہ اور پل میں ماشہ والی بات ہے۔ "مجھے ہے حکم اذاں" میں سکندر اور لاریب کو مزے سے پڑھتی ہوں' ارے بھئی ام مریم آپ ان کا اتنا جھگڑا کیسے کروالیتی ہیں' بچی ہم تھک گئے انتظار کرتے کرتے کہ کب ان کی صلح ہو مگر یہ دونوں نہیں تھکتے' جھگڑا کرتے ہوئے۔ باقی کردار بھی زبردست ہیں' نازیہ کنول کی "برف کے آنسو" زبردست اسٹوری ہے اس کے علاوہ بھی باقی سب رائٹرز نے اچھا لکھا۔ نئی رائٹرز

بھی اچھا لکھ رہی ہیں۔ میں آنچل کی دیوانی ہوں، مجھے ناولز پڑھنے کا جنون ہے۔ میں ڈائجسٹ اپنی دوست انعم بھٹی سے لے کر پڑھتی ہوں ڈائجسٹ وہ ہی منگوائی ہیں کوٹ رادھا کشن سے کیونکہ ہمارے گاؤں میں نہیں ملتے۔ میں کوٹ رادھا کشن کے قریبی گاؤں رتی پنڈی میں رہتی ہوں، ہوسکتا ہے یہ نام شبانہ امین راجپوت نے سن رکھا ہو کیونکہ میرے سب سے قریب شبانہ امین راجپوت ہیں۔ اس کے علاوہ ہوسکتا ہے ہماری طرح اور بھی خاموش قاری ہوں میری تمام سسٹرز سے ایک درخواست ہے کہ کیا آپ میں سے کوئی سسٹر میرے ساتھ اپنا آنچل شیئر کرسکتی ہے پلیز میں آپ لوگوں کے جواب کی منتظر رہوں گی۔ اللہ حافظ۔

☆ ارم آپ آنچل کی سالانہ خریدار بن جائیں تو آپ کو گھر بیٹھے ہر ماہ آنچل ملتا رہے گا آپ اپنے مکمل نام پتے کا ساتھ سات سو روپے کا منی آرڈر آنچل کے پتے پرارسال کردیں۔

کے ایم مقامی...... کھڈیاں قصور۔ ہمارا خط سیلابی ریلوں سے بچتا بچاتا کراچی پہنچا تو تاخیر سے موصول ہونے والوں میں نام پڑھ کر دل خون کے آنسو رویا۔ سب سے پہلے "برف کے آنسو" پڑھا ویل ڈن آپی نے سارے کرداروں سے خوب انصاف کیا ہلدی لگی نہ پھٹکری رنگ چوکھا آئے کے مصداق زرنگار اور عائزہ سیدھی ہوگئیں (ہاہاہا)۔ نمبر دو پر "ٹوٹا ہوا تارا" پڑھا مصطفیٰ کو گولی لگ گئی پلیز سمیرا آپی مصطفیٰ کو مت ماریئے گا۔ "موم کی محبت" اچھی نہیں لگی اچھا جی رب راکھا۔

☆ کے ایم مقامی! آپ کا خط سیلاب سے بچ گیا لیکن محکمہ ڈاک کی سستی سے نہ بچ پایا۔

عنزہ یونس عنزہ...... حافظ آباد۔ السلام علیکم! جی جناب اس دفعہ آنچل 27 کو ملا موٹی موٹی آنکھیں کھولیں اور پڑھنا شروع کردیا اور یہ کیا کہ پورے 2 گھنٹے دس منٹ 13 سیکنڈ میں آنچل پورا میرے اندر (ہاہاہا) سب سے پہلے اپنی پسندیدہ اسٹوری "مجھے ہے حکم اذاں" پڑھی واہ جی کمال ہوگیا یہاں اریبہ اور فراز سیٹ ہوئے تو ثمر جی اور امی بھابی نے بھی ایک دوسرے کے ساتھ رہنے کا عہد کرلیا۔ امامہ اور وقاص بھی سمجھ دار ہوگئے ہیں (کیوں بھئی) بس جی یہاں تک تو سب ٹھیک ہے مگر میری پسندیدہ جوڑیاں نہایت ہی رنجیدہ ہیں تو میں کیسے خوش ہوسکتی ہوں اس لیے جلد از جلد انہیں آپس میں ملائیں اور خوب صورت اور رومینٹک اینڈ کریں اور ہاں سکندر اور لاریب کا خوب اچھا اینڈ کیجیے گا۔ "ٹوٹا ہوا تارا" بھی بہت اچھی جارہی ہے بس شہوار کا موڈ اچھا نہیں لگتا وہ پتا نہیں کیوں اکتائی ہوئی رہتی ہے ویسے لالہ رخ زندہ ہے ایک دفعہ رابعہ اور ہادیہ جس سے ملنے گئی تھیں شاید وہ ہی لالہ رخ ہے۔ عباس رابعہ کے ساتھ اچھا لگتا ہے جبکہ انا اور ولید میں تو میری جان ہے۔ کاشفہ بی بی کا بھی کچھ کریں ورنہ میں اس کا سر پھاڑ دوں گی (سوری آپی)۔ نازیہ کنول نازی کی "برف کے آنسو" پڑھی بہت اچھا اینڈ کیا ہے آپی اتنی خوب صورت اسٹوری کے اختتام پر میں آپ کو مبارک باد دیتی ہوں قبول کریں۔ "موم کی محبت" بھی اچھی اسٹوری ہے مگر محبت کچھ زیادہ ہی ہے اس لیے بدہضمی کی شکایت ہوسکتی ہے پلیز خیال کیجیے گا باقی سارا رسالہ اچھا تھا پڑھ کے مزا آیا دعاؤں میں یاد رکھیے گا اللہ حافظ۔

سارا ملک...... ٹوبہ ٹیک سنگھ۔ ڈیئر آپی آداب! لیجیے حاضر ہیں آنچل کی دیوانی اور گم شدہ ہستی سارا ملک۔ ڈائجسٹ ملتے ہی چھلانگ لگائی اور ہم پہنچے "برف کے آنسو" پر ارے بھئی کیا اچھا اینڈ کیا ہے نازی آپی نے میں تو فدا ہی ہوگئی ہوں اس کے بعد ہم نے "موم کی محبت" کی طرف پیش رفت شروع کی صفدر جیسے اچھے لڑکے کے ساتھ ایسا نہیں ہونا چاہیے تھا مجھے تو پہلے ہی لگتا تھا کہ دال میں کچھ کالا ہے مگر زیبا میڈیم نے تو پوری دال کالی کرڈالی اور اللہ تعالیٰ عارض کو صحت وتندرستی عطا فرمائی پھر ہم پہنچے "ٹوٹا ہوا تارا" پر مصطفیٰ کی شادی کو بہت انجوائے کیا لیکن اس ایاز کو سیدھا کردیں اب خدا مصطفیٰ کی حفاظت کرے۔ کاشفہ کی اوقات بھی ولید پرآشکار کردیں اور "مجھے ہے حکم اذاں" میں اب سکندر اور لاریب کی جدائی بھی برداشت نہیں ہوتی اور ایمان کے بارے میں پڑھ کر بہت خوشی ہوئی اور عباس کی بھی عقل یہ مجھے لگتا ہے ٹھکانے آنے والی ہے۔ باقی رسالہ بھی امید واثق ہے کہ اچھا ہوگا اور پروین افضل کیا آپ وہی ہیں جو بہت پہلے پاکیزہ میں بھی لکھتی تھیں باقی ڈائجسٹ باعث مصروفیت پڑھ نہیں پائی۔ اللہ حافظ۔

نایاب مسرور...... خوشاب۔ السلام علیکم! پہلی دفعہ لکھنے کی جسارت کررہی ہوں آنچل بہت شوق سے پڑھتی ہوں اس کے تمام سلسلے ہی لاجواب ہیں مگر "ٹوٹا ہوا تارا" میرا موسٹ فیورٹ ناول ہے۔ مصطفیٰ اور شہوار کے ساتھ انا اور ولید کا کردار بھی بہت اٹریکٹو ہے ام مریم بھی بہت اچھا لکھ رہی ہیں مگر اب ان کا ناول تھوڑا بور کررہا ہے (پلیز) اس کا جلد اختتام کریں اور میری سب سے بیسٹ رائٹر نازیہ کنول نازی (خوش آمدید) آپ کا یہ ناول بھی "جھیل کنارہ کنکر" اور "پتھروں کی پلکوں پر" کی طرح شاہکار ہوگا اور ادارہ سے میری درخواست ہے کہ عشنا کوثر سردار کو بھی آنچل کے صفحات پر روشنی بکھیرنے کی جگہ دیں اللہ آنچل کو مزید ترقی وکامرانی عطا کرے آمین۔

☆ ڈیئر نایاب! خوش آمدید

ارم کمال...... فیصل آباد۔ پیاری پیاری باجی ہمیشہ ہنستی مسکراتی اور کھلکھلاتی رہیں آمین۔ امید ہے کہ خیریت سے ہوں گی اس دفعہ کا سرورق سپر سے بھی اوپر تھا تینوں ماڈل بہت ہی دلکش لُک دے رہی تھیں خصوصاً بیچ والی تو غضب ڈھا رہی تھی۔ نئے شمارے کے اجرا کا شدت سے انتظار ہے "برف کے آنسو" کی آخری قسط پڑھی بہت شاندار رہی لفظ لفظ آنکھوں کے رستے دماغ کے کینوس پر سیو ہوگیا اینڈ پڑھ کر دل کو جتنی ٹھنڈ پڑی اتنی ٹھنڈ اور مسرت تو شاید زعیم اور عائزہ کو بھی نہ پڑی ہوگی۔ ویل ڈن نازیہ جی آپ کو

کسی کی نظر نہ لگے آمین۔ سلسلے وار ناول ''موم کی محبت'' میں شرمین کو محبت کے آغاز میں ہی امتحانوں سے واسطہ پڑ گیا صفدر بے چارے کے ساتھ ٹھیک نہیں ہوا' پتا نہیں پُرخلوص لوگ اتنے آزمائے کیوں جاتے ہیں۔ ''ٹوٹا ہوا تارا'' میں مصطفیٰ کی شادی کا بہت مزا آرہا تھا کہ یکا یک یہ کیا ہو گیا اب اتنی بے چینی ہے کہ کیا ہوا ہوگا؟ ''مجھے ہے حکم اذاں'' میں اب سب کو ملا دیں بہت ہوگئی۔ شکر ہے ایمان کو ہوش آیا اور شرجیل کی دعائیں رنگ لائیں' دیگر کہانیوں میں ''کچا گھڑا'' ''تیرے میرے درمیان'' ''زمین پر چاند اترا'' اور ''زیست کے صفحات'' بہت ہی جاندار اور پُراثر تحریریں رہیں۔ بیاض دل میں حافظہ سمیرا اور امبر گل کے اشعار دل پر نقش ہوگئے' ڈش مقابلہ میں بارہ مصالحوں والی بریانی پر سب گھر والوں کا اتفاق ہوا' نیرنگ خیال میں صدیقہ خان' بلال ایان' مدیحہ نورین سرور اور برکت راہی کی غزلیات نے متاثر کیا۔ دوست کا پیغام آئے میں ایس بتول شاہ آپ نے مجھے یاد کیا جزاک اللہ۔ یادگار لمحے میں عروسہ شہوار رفیع' ملالہ اسلم' ماریہ کنول ماہی اور عظمیٰ کنڈی کے مراسلات حاصل مطالعہ ٹھہرے۔ ثمینہ مغل کی دعا نے دل کو ریزہ ریزہ کر دیا۔ ہم سے پوچھیے میں پروین افضل شاہین' آسیہ اشرف' مدیحہ نورین مہک اور سیدہ جیا عباس کے سوالات نے بہت مزا دیا' اچھا باجی اب اجازت دیں' زندگی رہی تو پھر ملیں گی فی امان اللہ۔

مدیحہ نورین مہک...... برنالی۔ آداب عرض! شمارہ پہلے ورق سے آخر تک لاجواب ہے' ہر تحریر ہر لفظ بہت ہی اچھا ہے' تمام پڑھنے والوں سے گزارش ہے کہ دعا کریں کہ ہمارے ملک پاکستان کے حالات جلد از جلد ٹھیک ہوں اور ہمارا ملک اس نفرت و انتشار کی آگ سے باہر نکلے اور کامیابی و ترقی کی راہوں پر گامزن ہو۔ طیبہ نذیر' ساریہ چوہدری' شاہ زندگی' جیا عباس' سب کو سلام۔ دعاؤں میں یاد رکھیے گا' اللہ حافظ۔

عائشہ پرویز...... کراچی۔ شہلا آپی آنچل قارئین اور تمام اسٹاف کو میرا پُرخلوص سلام۔ امید ہے سب ٹھیک اور مزے میں ہوں گے' اب بات ہو جائے آنچل کی تو آنچل کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے واقعی آنچل اک منفرد اور قابل تعریف رسالہ ہے۔ اس بار آنچل میں کہانی' ناول' بیاض دل' آئینہ' دوست کا پیغام آئے' یادگار لمحے کی کیا تعریف کروں ہر چیز لاجواب تھی' آنچل زندہ باد۔ بس اتنا ہی باقی تبصرہ پھر کبھی اگر زندگی نے ساتھ دیا تو...... تب تک کے لیے اللہ حافظ۔

دلکش مریم' معظم شاہ...... چنیوٹ۔ شہلا آپی آنچل اسٹاف اور قارئین السلام علیکم! اکتوبر کے آنچل ٹائٹل پر تینوں ماڈلز پیاری لگ رہی تھیں' سرگوشیاں سنیں اللہ تعالیٰ ملک پاکستان کو اپنی حفاظت میں رکھے آمین۔ حمد و نعت پڑھ کر دل کو سکون ملا' دانش کدہ سے اپنی معلومات میں اضافہ کیا اور جانیے ہمارا آنچل میں جس میں روکین حیدر سے مل کر اچھا لگا۔ نازیہ کنول ہمیشہ کی طرح پیار و خلوص سے جوابات دیتی نظر آئیں۔ نازیہ کنول ایک اور کہانی کے خوب صورت اختتام پر مبارک باد وصول کیجیے۔ ''موم کی محبت'' زیبا کو چاہیے وہ ماضی کو بھول کر نئی زندگی کی شروعات کرے اور عارض خدانخواستہ...... پلیز اسے معذور مت کیجیے گا۔ ''ٹوٹا ہوا تارا'' میں سمیرا بہت خوب صورتی سے کردار نبھا رہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ مصطفیٰ کو اپنی امان میں رکھے' شادی کی رسموں سے سجی قسط مزا دے گئی۔ ''مجھے ہے حکم اذاں'' شکر ہے کہانی کا اینڈ ہو رہا ہے اب سکندر اور لاریب کو بھی ملا دیں اور عباس پر بہت غصہ آتا ہے جلد ہی اس کا دماغ ٹھیک کریں' مکمل ناول صدف آصف نے عمدہ لکھا ''تیرے میرے درمیان'' نازیہ جمال بہت اچھا لکھا آپ نے۔ ''شکست آرزو'' افگن شاہ کا کردار ذرا پسند نہیں آیا' یہ ناول مجھے کچھ خاص پسند نہیں آیا افسانے سب ایک سے بڑھ کر ایک تھے خوب صورت' بہترین اور عمدہ۔ بیاض دل میں سیدہ جیا عباس' مونا شاہ اور ناہید شبیر کے اشعار پسند آئے۔ بیوٹی گائیڈ ہمیشہ کی طرح بیوٹی ہی تھا' دوست کا پیغام آئے بھی بہنوں کے پیغام اچھے تھے جنہوں نے یاد کیا ان کا شکریہ۔ یادگار لمحے' فاطمہ عاشی' طیبہ نذیر اور ثمینہ مغل کی دعا پسند آئی۔ آئینہ میں سب کے تبصرے خوب تھے' ہم سے پوچھیے میں سوالات و جوابات پڑھ کر بے اختیار ہنس دیتے ہیں۔ بے شک اکتوبر کا شمارہ بہترین تھا' خوش رہیں اور دعاؤں میں یاد رکھیں والسلام۔

روبی خان...... چکمنبر۔ السلام علیکم! میں آنچل کی خاموش قاری ہوں مسلسل آٹھ' نو سال سے آنچل پڑھ رہی ہوں۔ اپنی اس خاموشی کو توڑ کر جس چیز نے مجھے خط لکھنے پر مجبور کیا وہ ''ٹوٹا ہوا تارا' برف کے آنسو'' اور ''مجھے ہے حکم اذاں'' ہیں ویل ڈن جی نازیہ آپی ''برف کے آنسو'' اگر تھوڑا سا لمبا کر دیتیں تو کیا خوب مزا آتا۔ ابھی عائزہ کو تھوڑا اور مزا چکھاتیں' زعیم اسے اور بے قرار کرتا لیکن یہ بھی ٹھیک ہی کیا اس کے علاوہ ''ٹوٹا ہوا تارا'' مصطفیٰ اور شہوار کی شادی کو خوب انجوائے کیا۔ لگتا تھا کہ میں بھی اس شادی میں شریک تھی آپ نے بہت اچھے طریقے سے ان دونوں کی شادی کروائی۔ مجھے تو لگتا ہے کہ شہوار عادلہ کی کزن ہے یا پھر اس کا ان کے ساتھ کوئی تعلق ہے۔ اب آتے ہیں نئے سلسلہ وار ناولز کی طرف ''موم کی محبت'' اس میں زیبا اور صفدر والا سلسلہ بہت مزا کا ہے' اس کی وجہ سے یہ ناول پڑھنے کو دل کرتا ہے۔ آپی اس ناول کو بور مت لکھنا شرمین والا حصہ تو بہت بور ہے۔ اس دفعہ ڈش مقابلہ میں سارے پکوان عیدالاضحیٰ کے حوالے سے تھے' اچھے لگے۔ کوشش کروں گی ٹرائی کرنے کی' یادگار لمحے میں رائٹ کون بہت اچھا لگا واہ ماریہ کنول خوب لکھا تم نے دل خوش کر دیا۔ اجازت چاہتی ہوں' اللہ حافظ۔

غزالہ شریف...... وہاڑی۔ السلام علیکم! شہلا آپی امید ہے کہ خیریت سے ہوں گی' ہم پہلی دفعہ شریک محفل ہیں اور ہاں سمیرا آپی آپ کو سمعان احمد بہت بہت مبارک ہو اور اللہ کرے کے آپ جلدی سے پیا دیس سدھار جائیں۔ مصطفیٰ اپنے دوست کے

ساتھ مل کر لالہ رخ کے کیس پر کام کر رہا ہے' وکیل شانزہ مطلب روشی کو بنا پڑے گا پتا تو چلے روشی کتنی اچھی وکالت کر سکتی ہے۔ تابندہ بی شہوار کی ماما نہیں ہے' تابندہ صرف سکندر سے محبت کرتی تھی۔ ہادیہ کی آپی لالہ رخ ہے' اماں بی کا باہر سے کنڈی لگا کر جانا بہت سسپنس ہے۔ شہوار کے پاس جس مریض کی ہسٹری ہے وہ سکندر تو نہیں ہے' ضیاء احمد تابندہ بی سے محبت تو نہیں کرتے تھے ضیاء احمد کے بیوی بچے ہیں تو کہاں ہیں۔ امجد خان اینڈ منصور خان آپس میں بھائی ہیں' ابوبکر امجد خان کا بیٹا ہے' انسپکٹر شہناز ایاز کے ساتھ نظر ہی نہیں آ رہی۔ ہاشم اینڈ آنسہ کو بھی لے آئیں درمیان میں' شکر ہے ولید کو کچھ تو عقل آئی۔ ولید عبدالقیوم کو پہچان چکا ہے اسی لیے ولید نے کاشفہ سے دوستی کی ورنہ گھاس بھی نہ ڈالتا کاشفہ کو ویسے ولید کے دماغ میں کیا چل رہا ہے اور انا بی بی صاحبہ تم کیوں جلتی رہتی ہو؟ کبھی ولید کے اندر کو بھی پڑھ کر دیکھو خوشی کے مارے جان نکل جائے گی کیونکہ وہاں صرف ایک ہی نام لکھا نظر آئے گا صرف انا۔ آپی مریم کی کہانی بہت اچھی جا رہی ہے' فاطمہ کو ابراہیم سے ملائیں آپ جلدی سے۔ دل تو کرتا ہے عباس کو اتنی زور سے تھپڑ لگاؤں کہ ہوش ٹھکانے آ جائیں۔ لاریب کو عقل آ گئی اللہ کرے سکندر کی عقل سلامت رہے' نازی آپی سمجھ میں نہیں آ رہا آپ کے بارے میں لکھوں یا آپ کی کہانیوں کے بارے میں' مزید سوچنے کے بعد لبوں سے صرف آپ کے لیے دعا ہی نکلی اور قلم نے لکھنے میں ساتھ دیا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو دنیا آخرت کی کامیابیاں نصیب کرے' بلندیوں کی طرف آپ کا سفر ہمیشہ جاری رہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ایک ایسا ہمسفر دے جو آپ کے قابل ہو آپ کی اندر کی اداسیوں کو اپنی محبت سے باہر نکال سکے۔ آنچل کے ساتھ آپ کا رشتہ یونہی برقرار رہے اور اللہ تعالیٰ آپ کو زیادہ لکھنے کی توفیق دے اور ہمیں پڑھنے کی آمین۔ آپ سب کے لیے ہمیشہ دعا گو اور دعاؤں کی طلب گار۔

افشاں علی...... کراچی۔ چاہتوں اور محبتوں کے خمیر سے گوندھا' الفت وخلوص کے شیرے میں لبالب ڈوبا' عقیدت کی بارش میں پور پور ڈوبا سلام الفت شہلا آپی وآنچل ٹیم کو قبول ہو۔ بہت ساری دعاؤں کا نذرانہ لیے میں پہلی بار آپ کی بزم میں حاضر خدمت ہوں' میں آنچل کی ایک خاموش قاری ہوں' اس کا ہر ناول چاہے وہ نازیہ کنول نازی کا ''پتھروں کی پلکوں پر'' ہو عشنا کوثر سردار کا ''اور کچھ خواب'' اقراء صغیر احمد کا ''بھیگی پلکوں پر'' ہو یا عائشہ خان کا ''دھم گہر ہونے تک'' سب میرے زیر مطالعہ رہے ہیں' یہ کہنا بجا ہوگا کہ میں نے آنچل کو پڑھا سراہا اوڑھا اور بہت کچھ سیکھا ہے اور ساتھ ہی میں آپ کی بہت مشکور وممنون رہوں گی اگر آپ مجھے ہمارے پیارے آنچل میں شامل رکھیں گی' اجازت دیجیے' اللہ حافظ۔

عائشہ خان...... ٹنڈو محمد خان' سندھ۔ السلام علیکم! میں خیریت سے ہوں آپ سب کی خیریت نیک مطلوب چاہتی ہوں۔ آنچل کا عیدالاضحیٰ اسپیشل نمبر 22 تاریخ کو مل گیا' سرورق بہت خوب صورت ہے سب سے پہلے ''برف کے آنسو'' پڑھا نازیہ نے بڑی خوب صورت سے ناول کو سنبھالے رکھا اور ایک پیارا رومانٹک سا اختتام کیا۔ ہلکا پھلکا رومانس ہونا ہی چاہیے خاص طور پر عائزہ زعیم عینا معید کا کردار اور سین اچھے لگے۔ زرنگار جیسوں کو بھی اللہ نیک ہدایت دے ہی دیتا ہے' زرنگار کی واپسی اچھی لگی پھر پڑھا ''وہ ایک لمحہ آگہی'' ہر سال بقرہ عید پر اسی طرح کی تحریریں بوند بوند پانی کی مانند ہوتی ہیں' ویل ڈن سمیرا غزل صدیقی۔ در جواب آں میں تمام ہی جواب بہت اچھے لگے پر ثانیہ مغل کے خط کے جواب میں قیصر آرا آپی کا جواب پڑھ کر تو مجھے آپی پر بہت پیار آیا کہ کتنی مہربان ہیں ناں...... کہ اگر کسی نے کوئی گزارش کی ہے تو اسے کیسے کھلے دل سے قبول کیا (جواب اچھا لگا)۔ دوست کے پیغام آئے میں تمام بہنوں کے پیغام اچھے لگے پر ایس انمول کا سالگرہ وش کرنا (ایڈوانس) اچھا لگا' یقیناً میں تم سے بڑی ہوں گی اور صائمہ سکندر سندھو میں بھی آپ سب کی دوست ہوں۔ نیرنگ خیال میں صدیقہ کا نیلا امبر' فری کی محبت یاد رکھوں گی۔ سیدہ جیا عباس کی یوم دفاع' برکت راہی کی بقرہ عید' شمع مسکان کی غزل اور محمد زبیر اعظم کی دعاءِ مسلم بہت پسند آئیں۔ ام مریم ''مجھے ہے حکم اذاں'' کا تو شدت سے انتظار رہتا ہے' اب سکندر کو بھی لاریب سے جلدی ملاقات کروادیں اور عباس ویسے تو فاطمہ کی قدر نہیں کرتا پر ابراہیم کا نام سن کر کیسا طیش میں آیا۔ مجھے پہلے ہی اندازہ ہو گیا تھا کہ ابراہیم اور فاطمہ بہن بھائی ہوں گے' کردار اپنے اپنے ٹھکانے آ رہے ہیں ویل ڈن ام مریم۔ سلمیٰ غزل کا افسانہ ''زیست کے صفحات'' بہت بہت پیارا لگا اور بالکل ٹھیک کہا کہ جینز تو مجھے بھی بندوق کی نالیوں جیسی لگتی ہے' کافی سبق آموز کہانی تھی' ہٹ دھرم لڑکیوں کے لیے اچھا سبق ہے۔ آئینہ میں تمام بہنوں نے بہت خوب لکھا پر لکھائی بہت باریک تھی' اللہ حافظ۔

بینش...... بھاولنگر۔ السلام علیکم! پلیز آنچل میں نمرہ احمد کے ناول بھی شامل کریں' اس کے علاوہ آنچل کے تمام سلسلے بہت اچھے جا رہے ہیں' شکریہ۔

☆ اب اگلے ماہ تک کے لیے رخصت' اس دعا کے ساتھ کہ ربّ تعالیٰ ہم سب پر اپنی رحمتوں کا نزول فرمائے اور ہم سے ہمیشہ کے لیے راضی ہو جائے آمین۔

aayna@aanchal.com.pk

ہم سے پوچھیے

شمائلہ کاشف

انوشہ طارق......کراچی

س: آپی وہ ہر معاملے میں بال کی کھال کیوں نکالتے ہیں؟

ج: قصائی جو ٹھہرے وہ بال کی کھال ہی تو نکالیں گے۔

س: امی کہتی ہیں سدھر جاؤ اگلے گھر بھی جانا ہے اب کیا بتاؤں کہ......؟

ج: انہیں کیا پتا کہ تمہیں اگلے گھر نہیں بلکہ اگلے کو اپنے گھر لانا ہے۔

عائشہ عمر......فیصل آباد

س: آپی آپ ہمارے سوالوں کے جواب نہیں دیتیں اب ہم بھی آپ کے آفس کے باہر دھرنا دیں گے۔

ج: آپ دھرنا دیں گی اور ہم چپکے سے آپ کے کان کے نیچے ایک دھر دیں گے دھرنا دھرنا برابر۔

س: آج کل ہر چیز کی قیمت آسمان سے باتیں کررہی ہے تو ہم بھی آسمان پر پہنچ گئے پتا ہے پھر کیا ہوا؟

ج: ہونا کیا تھا آسمان سے گرا کھجور میں اٹکا والا ماجرا ہوا اب نیچے اتر بھی آؤ۔

س: بجلی کے بل اُف اللہ خون اور دل بہت جلتے ہیں کیا کریں؟

ج: آپ بھی کہو گو......گو اور بل میں گھس جاؤ کہیں کوئی گلو بٹ دیکھ نہ لے۔

مونا شاہ قریشی......کبیر والہ

س: اگر بارش میں نہاتے ہوئے پاؤں پھسل جائے تو زمین پر گرنا چاہیے یا نہیں (ہاہاہا)۔

ج: گر جاؤ لیکن پھر تم جیسی بارہ من کی دھوبن کو اٹھائے گا کون؟

س: مجھے امی کی ملتانی چپل کا مزا چکھنا پڑا کیوں یہ تو غلط بات ہے نا۔

ج: ارے بھئی ملتانی حلوہ نہ سہی ملتانی چپل ہی سہی عید کا تحفہ سمجھ کر قبول کرلو۔

س: اجازت ملکہ عالیہ درکار ہے اب جاؤں کیا؟

ج: ہاں بالکل جاؤ اور بغل میں اپنا جوتا بھی داب کر لے جاؤ۔

جاذبہ ضیافت عباسی......دیول مری

س: السلام علیکم! جناب پہلی بار آپ کی محفل میں ہم تشریف لائے ہیں کیسا لگا؟

ج: بہت اچھا بس اک آپ ہی کی کمی تھی۔

س: ہمارے ابا جان ہمیں پروفیسر بلاتے ہیں اور ڈاکٹر بھی آپ کے خیال میں ہم کیا ہیں؟

ج: غائب دماغ پروفیسر اور نیم حکیم ڈاکٹر۔

س: پتا ہے ہم اکثر حیرت میں ڈوب کر یہ سوچتے ہیں کہ "ڈبویا مجھ کو ہونے نے نہ میں ہوتا تو کیا ہوتا؟

ج: ہوئی مدت کہ غالب مرگیا پر یاد آتا ہے
وہ ہر اک بات پر کہنا یوں ہوتا تو کیا ہوتا

س: امید ہے ہم سے ملنے کے بعد آپ نے ہمارے بارے میں کچھ نہ کچھ ضرور سوچا ہوگا جلدی سے بتائیے کیا سوچا؟ اور اچھے سے مشورے اور دعا کے ساتھ رخصت کریں؟

ج: سوچا تو بہت کچھ مگر اب جا رہی ہو تو معاف کیا خوش رہو۔

پلوشہ گل......کوٹ ادو

س: درد دلوں کے کم ہوجاتے......؟

ج: گر ہم باتھ روم میں گاتے ہوئے نہ گر جاتے۔

س: اگر آپ کو خواب میں دیکھنا ہو تو ہمیں کیا کرنا پڑے گا پیا جانی؟

ج: صبح شام کسی بہت ہی اچھے اور مہنگے فیس واش سے اپنا منہ دھونا پڑے گا۔

طیبہ نذیر......شادیوال گجرات

س: کوئی ناراضگی ہے کیا ہم سے؟

ج: رولاؤ گی کیا۔

س: آج سچی بات بتا ہی دیں کیا ارادہ ہے آپ کا؟

ج: ہمارا ارادہ تو قربانی کا ہے بولو تم تیار ہو۔

س: کراچی کے حالات کیسے ہیں؟
ج: دھرنے والوں کی سیاست جاری ہے آج تمہاری کل ہماری باری ہے۔
س: اگر اسی طرح میرے ساتھ کرتی رہیں نہ تو آئندہ نہیں آؤں گی (سن لیا نا آپ نے)؟
ج: ہم نے سن لیا ہے اور سمجھا آپ کی ساس کو دیا ہے اب آپ ان کی سنیں۔

ارم کمال..... فیصل آباد

س: دل ٹوٹ کر چکنا چور ہو جائے تو کیا کرنا چاہیے؟
ج: ایلفی سے جوڑ لیں۔
س: ان کے آنے سے موسم کے تیور کیوں بدل جاتے ہیں؟
ج: وہ بے موسم جو آتے ہیں۔
س: باجی مجھے آپ سے محبت نہیں عقیدت ہے دیارِ دل میں بڑا احترام ہے تیرا؟
ج: اتنا مکھن کیوں لگا رہی ہو خیر تو ہے۔
س: محبت میں اختر شماری کب کی جاتی ہے؟
ج: یہ تو اختر ہی بتائے گا۔ اختر شماری + مردم شماری۔
س: ہر ساس اپنی بہو کو چولہے کے آگے کھڑا کر کے خوش کیوں ہوتی ہے؟
ج: اچھے کھانے کی امید پر۔

رانی اسلام..... گوجرانوالہ

س: شمائلہ جی آج کل گرمی بہت ہے اور لوڈ شیڈنگ نے حال سے بے حال کر چھوڑا ہے؟
ج: پوچھ رہی ہو یا بتا رہی ہو۔
س: شمائلہ جی آپ نے محسوس کیا کہ بہت دیر بعد ہم نے انٹری دی وجہ نہیں پوچھیں گی؟
ج: معلوم تھا دھرنے میں بیٹھی ہو۔
س: شمائلہ جی ہمارے خطوط ہی شائع نہ ہوتے تھے اس لیے تنگ آ کر ہم نے لکھنا چھوڑ دیا۔
ج: واہ..... کیا کالا پیلا جھوٹ بولا ہے۔
س: شمائلہ جی ہمیں آپ پر فخر ہے کہ آپ نے ہمیں کبھی بھی نظر انداز نہیں کیا جب بھی حاضر ہوئے آپ نے جگہ ضرور دی؟
ج: اسے کہتے ہیں بات سے مکرنا۔

عائشہ رانا..... فیصل آباد

س: آپی! پہلی بار آپ کی محفل میں حاضر خدمت ہیں' خندہ پیشانی اور فراخدلی سے خوش آمدید کہیے۔
ج: زبردستی ہے کیا۔
س: ہم علم حاصل کرتے ہیں بھلا کس کے لیے؟
ج: آج کل تو پیسا بنانے کی مشین بننے کے لیے۔
س: اگر مووی دیکھتے ہوئے کمپیوٹر ہینگ ہو جائے تو.....
ج: خس کم جہاں پاک۔

نادیہ یٰسین..... ساہیوال

س: اپیا کچھ عورتیں چاہتی ہیں کہ بیٹا بیوی کا غلام نہ بن جائے پر دوسری طرف داماد ضرور ہماری بیٹی کی مٹھی میں ہو یہ کھلا تضاد کیوں؟
ج: تم کیا چاہتی ہو وہ بتاؤ۔
س: اگر کان نہ ہوتے تو لوگ عینک کیسے لگاتے؟
ج: تم تو بہت پرانی بات کر رہی ہو اب تو لینس آ گئے ہیں۔
س: کہتے ہیں کہ کسی انسان کو پہچاننا ہو تو اسے غصے کی حالت میں دیکھو اس کی اصلیت سامنے آ جائے گی' کیا واقعی؟
ج: پتا نہیں آج کل تو بہت کچھ نقلی ہوتا ہے' انسان ہوشیار ہو گیا ہے۔
س: اپیا آپ کی ذہانت کا راز؟
ج: سب کچھ ابھی بتا دوں۔

سونیا اماوس..... اوکاڑہ

س: شمائل آپی کیسی ہیں؟
ج: بالکل پھولوں جیسی۔
س: ہم پھر آ گئے دماغ چاٹنے' ارے یہ کیا کہہ دیا میں نے ہم کوئی یاجوج ماجوج تھوڑی ہیں۔
ج: پھر کیا ہو..... وہ بھی بتا دو۔
س: شمو جی چند دن ہیں آپ کو تنگ کر لیں پھر ہمارا دانہ پانی ختم اور آپ کا سر درد؟

ج: کیوں کسی اور کا سر درد بننے چلی ہو۔

س: اتنا خوش ہونے کی ضرورت نہیں ابھی پورا ایک سال پڑا ہے اتنی جلدی جان چھوڑنے والے نہیں ہم؟

ج: اُف......خوامخواہ ہی اتنا خوش کیا۔

حافظہ سمیرا......157 این بی

س: آپی بعض لوگوں کو بلاوجہ غصہ کیوں آتا ہے؟

ج: اس کے علاوہ ان کو آتا ہی کیا ہے۔

س: کچھ لوگوں سے انسان چاہ کر بھی روٹھ کیوں نہیں سکتا؟

ج: کیونکہ خود کو کھلانے کے لیے چارہ نہیں ہوتا۔

س: آپی زندگی جینے اور زندگی گزارنے میں کیا فرق ہے؟

ج: یہ ہی کہ آپ رنگ گورا کرنے والی کوئی کریم خریدیں اور اس کو استعمال نہ کریں۔

حافظہ راشدہ......وہاڑی، ماچھیوال

س: آپی لوگ کہتے ہیں کہ فلاں کی زبان قینچی کی طرح چلتی ہے کیا بھلا قینچی کی بھی زبان ہوتی ہے؟

ج: یہ سوال کا جواب آپ خود سے پوچھ لیں۔

س: محبت مسکراہٹ سے شروع ہو کر آنسو پر ختم کیوں ہو جاتی ہے؟

ج: کیونکہ خرچہ بہت ہو چکا ہوتا ہے آنسو تو آنے ہی تھے۔

س: آپی اگر زندگی کو حسین راہوں پر گزارنے کا سوچیں تو وہ راہیں اپنا رخ کیوں موڑ لیتی ہیں؟

ج: آپ کی نیت کی وجہ سے۔

پروین افضل شاہین......بہاولنگر

س: کوئی بھی تقریب ہو یا پھر چاہے بکرے کے لیے چارہ ہی کیوں نہ لانا ہو میرے میاں جانی پرنس افضل شاہین اپنی جیب ہمیشہ خالی ہی کیوں دکھاتے ہیں؟

ج: اس لے کہ کہیں آپ شاپنگ پر جانے کی ضد بندھ کر دھرنے پر نہ بیٹھ جائیں۔

س: جب بھی میرا گھر مہمانوں سے بھرا ہوتا ہے اور اگر کوا منڈیر پر بولنا شروع کر دیتا ہے تو میرے میاں جانی فوراً گھر سے بھاگ جاتے ہیں، کہاں جاتے ہیں یہ آپ ہی بتا دیں؟

ج: سسرالی رشتوں داروں سے بچنے کے لیے جائے پناہ کی تلاش میں۔

س: برستی بارش میں لان میں جھولا جھول رہی تھی کہ اچانک......؟

ج: جھولا ٹوٹ گیا۔ اوئی اللہ!

سنیاں زرگر، اقصیٰ زرگر......جوڑہ

س: کیسی ہیں آپ آپی جی؟

ج: بہت ہی حسین و خوب صورت۔

س: آپی آپ کتنی قربانیاں دیتی ہیں؟

ج: کوئی حساب نہیں۔

سارا ملک......ٹوبہ ٹیک سنگھ

س: آپی جی پہلی بار حاضری پر خوش آمدید کہیے؟

ج: دھرنے میں آئی ہو کیا جو زبردستی خوش آمدید کہیں۔

س: سرکاری ملازم رشوت لینے پر، کتا بھونکنے پر، فقیر مانگنے پر اور خواتین......؟

ج: دوسری خواتین کی برائی کرنے میں اپنا ثانی نہیں رکھتیں۔

س: ساری رات مچھر مارتے ہوئے گزرتی ہے، کیا کروں ہمارے گھر مچھر جو بہت ہیں؟

ج: سنبھال کر رکھ لو میاں جی کو تحفہ میں دینا۔

کنزیٰ رحمان......فتح جنگ

س: آپی جی اس دفعہ ہمیں بہت چھینکیں آئیں، ایسا لگا جیسے آپ نے بہت یاد کیا، کیا واقعی؟

ج: ہم نے تو نہیں ڈاکٹر نے تمہیں یاد کیا ہے، فوراً جاؤ علاج کرواؤ۔

س: ذرا بتائیں آپی جی بے وفا اور باوفا میں کیا فرق ہے؟

ج: "بے اور با" کا......اتنا بھی نہیں پتا، تم کیا کرو گی اگلے گھر جا کر۔

ہومیوڈاکٹرہاشم مرزا

مہرین فاطمہ جھنگ صدر سے لکھتی ہیں کہ میری رنگت کالی ہے کوئی دوا بتا دیں میری والدہ کمزور ہیں وہ اپنا وزن بڑھانا چاہتی ہیں میرا بھائی بھی بہت کمزور ہے ہڈیوں کا ڈھانچہ ہے برائے مہربانی کوئی دوا تجویز کردیں۔

محترمہ آپ JODUM-1000 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر ہر 15 دن بعد ایک مرتبہ پی لیا کریں 6 ماہ کی مدت پوری کریں والدہ اور بھائی کو ALFALFA-Q کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تینوں وقت کھانے سے پہلے پلائیں بواسیر کا آپریشن کرالیں۔

شازیہ بتول خوشاب سے لکھتی ہیں کہ میرا مسئلہ شائع کیے بغیر علاج بتائیں۔

محترمہ دوائیں VP پارسل سے نہیں بھیجی جاتیں آپ مبلغ 1200 روپے کا منی آرڈر میرے کلینک کے نام پتے پر ارسال فرمائیں اپنا نام پتہ مکمل لکھیں آپ کو 2 بوتل ہیئر گروور گھر پہنچ جائے گا۔ اس کے استعمال سے بال لمبے گھنے اور خوب صورت پیدا ہوں گے۔

زرتاشیہ اٹک سے لکھتی ہیں کہ میرا مسئلہ شائع کیے بغیر علاج بتائیں میں بہت پریشان ہوں۔

محترمہ آپ SEPIA 30 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں THUJA کا استعمال روک دیں۔

رابعہ ضیا پاکپتن سے لکھتی ہیں کہ میرا گلہ پھول رہا ہے اور میں ہیئر گروور منگوانا چاہتی ہوں منی آرڈر کرنے کا طریقہ بتادیں اور میری بہن کی ناک اور گالوں پر جھائیاں ہیں اس کی کوئی دوا بتادیں آپ کی بڑی مہربانی ہوگی۔

محترمہ آپ JODUM-30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں اور بہن کو BERBARIS AQI4(Q) کے 10 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ دیں اور منی آرڈر کرنے کے لیے ڈاکخانہ سے منی آرڈر فارم حاصل کریں میرے کلینک کا نام پتہ جو آنچل میں لکھا ہے وہ لکھیں اور اپنا پتہ جس پر آپ کو ڈاک ملتی ہو وہ لکھیں اور ہیئر گروور کے لیے 600 روپے لکھیں رقم منی آرڈر فارم کے ساتھ ڈاکخانہ میں جمع کرائیں یہ رقم ہمیں مل جائے گی تو ہیئر گروور آپ کے گھر پہنچ جائے گا۔

ز۔ن ننکانہ صاحب سے لکھتی ہیں کہ میرا مسئلہ شائع کیے بغیر علاج بتائیں۔

محترمہ آپ SENECIO (30) کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں اور GRAPHITES 200 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر ہر آٹھویں دن ایک بار پیا کریں اور 600 روپے کا منی آرڈر میرے کلینک کے نام پتے پر ارسال کردیں ہیئر گروور آپ کے گھر پہنچ جائے گا اس کے استعمال سے آپ کے بال لمبے گھنے اور صحت مند ہوجائیں گے۔

مدیحہ ناز فیصل آباد سے لکھتی ہیں کہ میرا ماہانہ نظام خراب ہے کئی ماہ کا وقفہ ہوجاتا ہے اس کی وجہ سے پیٹ پھول رہا ہے پلیز مجھے بھی کوئی علاج بتائیں۔

محترمہ آپ SENECIO 30 کے پانچ قطرے تین وقت روزانہ پیا کریں۔

عمران ارشاد کراچی سے لکھتے ہیں کہ اپنی اور بیگم کی ٹیسٹ رپورٹ ارسال کر رہا ہوں مسئلہ شائع کیے بغیر مناسب علاج بتائیں۔

محترم آپ کراچی کے رہائشی ہیں میرے کلینک پر تشریف لائیں اور باقاعدہ علاج کرائیں ان شاءاللہ امید بر آئے گی۔

نادیہ اشرف اوکاڑہ سے لکھتی ہیں کہ میرے سر کے بال کمزور ہیں اور گرتے ہیں اس کا کوئی علاج بتادیں اور ہاتھ پیروں پر پھنسیوں کے نشانات ہیں پلیز کوئی دوا بتادیں۔

محترمہ آپ GRAPHITES -200 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر ہر آٹھویں دن ایک مرتبہ پیا کریں اور 600 روپے کا منی آرڈر میرے کلینک کے نام پتے پر ارسال کردیں ہیئر گروور آپ کے گھر پہنچ جائے گا اس کے استعمال سے آپ کے بالوں کا مسئلہ حل ہوجائے گا۔

مبارک علی حاصل پور سے لکھتے ہیں کہ میرا مسئلہ شائع

کیے بغیر دوا تجویز کردیں۔

محترم آپ AGNUS-CAST30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں۔

س رخ شاب سے لکھتی ہیں کہ میرے مسوڑوں سے خون آتا ہے پلیز دوا بتادیں اور مجھے ہیئر گروور منگوانا ہے اس کا طریقہ بتادیں ڈاکخانہ والے منی آرڈر نہیں کررہے وہ کہتے ہیں کہ VP منگواؤ۔

محترمہ آپ MERSOL-6 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں ہیئر گروور منگوانے کے لیے ڈاکخانے والوں سے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے ان سے منی آرڈر فارم طلب کریں میرے کلینک کا مکمل نام پتا لکھیں اور اپنا مکمل پتا لکھیں جس پر آپ کو ڈاک ملتی ہو فارم کے ساتھ 600 روپے ڈاکخانہ میں جمع کرائیں وہ رقم ہم کو مل جائے گی ایک ہفتے کے اندر آپ کو ہیئر گروور گھر پہنچ جائے گا ہمارا شروع سے یہی طریقہ ہے جس پر سب عمل کرتے ہیں۔

حنا خالق فیصل آباد سے لکھتی ہیں کہ میرا بھائی بہت کمزور ہے پلیز کوئی علاج بتادیں میری بہن کو نسوانی حسن کی کمی ہے اس کا بھی علاج بتادیں۔

محترمہ آپ بھائی کو ALFALFA-Q کے 10 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ کھانے سے پہلے پلا دیا کریں اور بہن کو SABAL SERULATTA-Q کے 10 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ کھانے سے پہلے پلایا کریں۔

شیخ فواد علی جہلم سے لکھتے ہیں کہ میرا خط شائع کیے بغیر علاج بتادیں۔

محترم آپ CALCPHOS 6X کی 4 گولی تین وقت روزانہ کھائیں اور BHARIUMCARB-200 کے 5 قطرے ہر آٹھویں دن پیا کریں۔ AGNAS CAST-30 کے 5 قطرے بھی آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں اور ہیئر گروور کا استعمال مزید جاری رکھیں ان شاءاللہ بال گھنے اور خوب صورت ہوجائیں گے۔

آسیہ کوئٹہ سے لکھتی ہیں کہ میرے چہرے پر چھائیاں ہیں اور داغ دھبے اس کا کوئی علاج بتائیں۔

محترمہ آپ GRAPHITES-30 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں۔

مائرہ خان کوئٹہ سے لکھتی ہیں کہ میری ازدواجی زندگی کے کچھ مسائل ہیں تفصیل سے لکھ رہی ہوں کوئی علاج بتائیں۔

محترمہ آپ ONOSMODIUM-CM کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر ہر 15 دن میں ایک بار پی لیا کریں۔

طاہرہ خان کوئٹہ سے لکھتی ہیں کہ مجھے سیلان کی شکایت ہے بہت علاج کیے مگر فائدہ نہیں ہوتا۔

محترمہ آپ CALC CARB -30 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پی لیا کریں۔

ثانیہ احمد راولپنڈی سے لکھتی ہیں کہ میرا مسئلہ شائع کیے بغیر علاج تجویز کریں۔

محترمہ آپ کو جو دوا مل گئی ہے وہی مرک سول ہے اس کو استعمال کرلیں مسئلہ حل ہوجائے گا بہن کے لیے PITUITRIM- 30 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں۔

عائشہ راولپنڈی سے لکھتی ہیں کہ میری تھوڑی پر سخت بال ہیں جواب چہرے کے اوپر بھی آرہے ہیں ڈاکٹرز کہتے ہیں کہ ہارمونز پرابلم ہے ماہانہ نظام بھی بہت کم ہے جس کی وجہ سے جسم پھیل رہا ہے۔

محترمہ PITUITRIUM -30 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں۔ 900 روپے کا منی آرڈر میرے کلینک کے نام پتے پر ارسال کردیں ایفروڈائٹ آپ کے گھر پہنچ جائے گا اس کے استعمال سے چہرے کے فالتو بال ہمیشہ کے لیے ختم ہوجائیں گے۔

لائبہ خان راولپنڈی سے لکھتی ہیں کہ میرا مسئلہ شائع کیے بغیر علاج بتائیں۔

محترمہ آپ 550 روپے کا منی آرڈر میرے کلینک کے نام پتے پر ارسال کردیں ہوا آپ کو گھر پہنچ جائے گی۔

عاصمہ قیصر میلسی سے لکھتی ہیں کہ میرا مسئلہ شائع کیے بغیر علاج بتادیں۔

محترمہ آپ کو ان کو DAMYANA-Q کے 10

قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پلائیں ان شاء اللہ مسئلہ جلد حل ہوجائے گا تقریباً دوا کا استعمال 6 ماہ تک جاری رکھیں۔

ثانیہ احمد فتح جھنگ سے لکھتی ہیں کہ میری آنکھوں کے گرد حلقے ہیں پلیز مجھے کوئی دوا تجویز کردیں میں بہت پریشان ہوں۔

محترمہ آپ حلقوں کے لیے CHINA-3X کے پانچ قطرے تین وقت روزانہ پیا کریں رنگ کے لیے 5 جوڈم کے علاوہ اور کوئی دوا نہیں ہے جوڈم 6 ماہ استعمال کریں۔

شاہدہ فاروق فیصل آباد سے لکھتی ہیں کہ میرا وزن 53 کلو ہے مہربانی فرما کر کوئی اچھی سی دوا تجویز کردیں۔

محترمہ آپ PHYTOLACCA BARRY-Q کے 10 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں۔

عائشہ سیالکوٹ سے لکھتی ہیں کہ میرے چہرے پر چھائیاں اور براؤن رنگ کے تل ہیں۔

محترمہ آپ BERBARIS AQIUF-Q کے 10 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں۔ THUJA-Q تلوں پر لگایا کریں یہ ادویات کسی بھی ہومیو پیتھک اسٹور سے مل جائے گی ہومیو پیتھک ادویات کے کوئی مضر اثرات نہیں ہوتے۔

ثمرین راولپنڈی سے لکھتی ہیں کہ میرے چہرے پر مردوں کی طرح داڑھی مونچھ کے بال نکلتے ہیں کہیں بھی آنے جانے سے گریز کرتی ہوں۔

محترمہ آپ 900 روپے کا منی آرڈر میرے کلینک کے نام پتے پر ارسال کردیں الیفرو ڈائٹ آپ کے گھر پہنچ جائے گا۔ اس کے استعمال سے فالتو بال ہمیشہ کے لیے ختم ہوجائیں گے۔

اے۔ یو لاہور سے لکھتی ہیں کہ میرے ہونٹوں کا مسئلہ ہے میرے ہونٹوں پر پپڑی آجاتی ہے اور ہونٹ پھٹنے لگتے ہیں دوسرا مسئلہ میرے گال اندر کو ہیں تیسرا مسئلہ میرے دانتوں کا ہے دانت جڑوں سے کالے ہورہے ہیں اور ٹکڑوں میں گررہے ہیں۔ برائے مہربانی مجھے اس کا کوئی علاج بتادیں۔

محترمہ آپ ARSANIC-30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر صبح شام پیا کریں اس کے علاوہ CALC PHOS-6X کی 4،4 گولی دوپہر اور رات کو کھایا کریں ان شاء اللہ مسئلہ حل ہوجائے گا۔

مونا گل ہری پور سے لکھتی ہیں چہرے پر دانے نکلتے ہیں اس کا علاج ہوگیا ہے دانے تو ختم ہوگئے مگر جلد بہت خراب ہوگئی ہے مسامات کھل گئے ہیں۔

محترمہ آپ GRAPHITES 200 کے 5 قطرے ہر آٹھویں دن ایک بار پیا کریں اور ACID FLOUR-30 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں اس کے ساتھ ہیئر گروور کا استعمال بھی جاری رکھیں ان شاء اللہ مسئلہ حل ہوجائے گا۔

شاہین حاصل پور بہاولپور سے لکھتی ہیں کہ میرے تمام جوڑوں میں درد رہتا ہے اس کا کوئی علاج بتائیں میری کزن کا بریسٹ کا مسئلہ ہے اور میری بھابی کو پیشاب بار بار آتا ہے کوئی اچھی سی دوا تجویز کردیں۔

محترمہ آپ COLCHICUM-30 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ استعمال کریں کزن کو SABALSERR-Q کے 10 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پلائیں اور بھابی کو CAUSTICUM-30 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پلائیں۔

نوشین مشتاق لودھراں سے لکھتی ہیں کہ میری والدہ کے جوڑوں میں درد رہتا ہے اور بلڈ پریشر ہائی رہتا ہے اور میری چھوٹی بہن کا قد چھوٹا ہے عمر 13 سال ہے۔

محترمہ آپ والدہ کو RHUSTOX-30 کے 5 قطرے تین وقت روزانہ آدھا کپ پانی میں ڈال کر پلائیں بلڈ پریشر کے لیے جو دوا لیتی ہیں جاری رکھیں اور بہن کا قد بڑھانے کے لیے CALC PHOS-6X کی 4 گولی تین وقت روزانہ دیں اور BHARIUMCARB-200 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر ہر آٹھویں دن پلائیں اور سیبل سیرولیٹا کا استعمال جاری رکھیں۔

جنید کراچی سے لکھتے ہیں کہ میرا گلہ ہر وقت خراب رہتا ہے اس کے لیے کوئی دوا بتادیں۔

محترم آپ NATRUM CARB-30 کے 5

قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ استعمال کریں۔

صفیہ عتیق فیصل آباد سے لکھتی ہیں کہ میرا مسئلہ شائع کیے بغیر علاج بتائیں۔

محترمہ آپ SEPIA-30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں ایفروڈائٹ کا استعمال بھی جاری رکھیں گالوں کی طرح تھوڑی کے بال بھی ختم ہوجائیں گے۔

محمد اشرف اوکاڑہ سے لکھتے ہیں کہ آپ نے میرے لیے جو دوا تجویز کی تھی اس سے افاقہ ہوا مگر تکلیف ابھی باقی ہے آپ کوئی اور مناسب دوا تجویز فرمائیں اور میری بھانجی کے چہرے پر براؤن داغ ہیں چھائیوں کا خدشہ ہے۔

محترم آپ CALC PHOS 6X کی 4 گولی تین وقت روزانہ کھایا کریں اور بھانجی کو BERBARIS AQUIFOLIM-Q کے 10 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین ٹائم روزانہ دیں۔

صباء حسن سیالکوٹ سے لکھتی ہیں کہ مجھے گردے میں درد ہے اور مثانے کا انفکشن ہوا تھا اس انفکشن کی وجہ سے گردہ سوج کر پھول گیا ہے اور میرا دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ میں تلی ہوئی چیزیں کھالوں تو دل والی سائیڈ پر بوجھ بڑھ جاتا ہے سانس رکتا ہے کھنچاؤ آجاتا ہے۔

محترمہ آپ کسی مقامی ہومیوپیتھک ڈاکٹر سے رجوع فرمائیں معائنے کے بغیر آپ کا علاج ناممکن ہے۔

آئی ایس راجپوت کھاریاں سے لکھتی ہیں کہ میری والدہ کی عمر 35 سال ہے ان کا ماہانہ نظام ختم ہوچکا ہے جس کی وجہ سے بہت کمزوریاں ہوگئی ہیں اور میرے بھائی کا قد چھوٹا ہے اس کے لیے بھی کوئی دوا بتادیں۔

محترمہ آپ والدہ کو KALI PHOS-6X کی 4,4 گولی تین وقت روزانہ دیں اور بھائی کو CALC PHOS-6X کی 4,4 گولی تین وقت روزانہ دیں اور BHARIUM CARB-200 کے 5 قطرے ہر آٹھویں دن پلائیں۔

اسد علی چکوال سے لکھتے ہیں کہ میرا مسئلہ شائع کیے بغیر علاج تجویز کردیں۔

محترم آپ STAPHISAGRIA-30 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں۔

صبا اشرف کراچی سے لکھتی ہیں کہ میرے دانت پیلے ہیں روز برش کرتی ہوں پھر بھی دانت سفید نہیں ہوتے میرا دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ مجھے پسینہ بہت آتا ہے اس کا علاج بتائیں۔

محترمہ آپ KREOSOT-30 کے 5 قطرے تین وقت روزانہ پئیں آدھا کپ پانی میں ڈال کر اور اس کے علاوہ JABORANDI-30 کے 5 قطرے بھی تین وقت روزانہ پیا کریں۔

فاطمہ بتول ساہیوال سے لکھتی ہیں کہ میرے معدے کا مسئلہ ہے تیزابیت بڑھی ہوئی ہے اور مجھے حسن نسواں کی کمی بھی ہے اور میرے بھائی کا مسئلہ ہے اس کی بھی کوئی دوا بتادیں۔

محترمہ آپ NATRUM PHOS-6X کی 4,4 گولی تین وقت روزانہ کھائیں اور 550 روپے کا منی آرڈر میرے کلینک کے نام پتے پر ارسال کردیں بریسٹ بیوٹی آپ کے گھر پہنچ جائے گی۔ بھائی کو FIVEPHOS-6X کی 4,4 گولی تین وقت روزانہ کھلائیں۔

عمر ناصر حافظ آباد سے لکھتے ہیں کہ مجھے پیشاب کے بعد قطرے آتے ہیں پیشاب زردی مائل آتا ہے اور میرے سر کے بال کمزور ہیں آگے سے گنجا ہوگیا ہوں اس کی کوئی دوا بتادیں۔

محترم آپ ACIDPHOS-3X کے 5 قطرے تین وقت روزانہ پئیں اور ہیئر گروور کے لیے 600 روپے کا منی آرڈر میرے کلینک کے نام پتے پر ارسال کردیں آپ کو ہیئر گروور گھر پہنچ جائے گا۔

ملاقات اور منی آرڈر کرنے کا پتا۔

صبح 10 تا 1 بجے شام 6 تا 9 بجے فون نمبر 021-36997059 ہومیو ڈاکٹر محمد ہاشم مرزا کلینک دکان نمبر C-5 کے ڈی اے فلیٹس فیز 4 شادمان ٹاؤن نمبر 2 نارتھ کراچی 75850

خط لکھنے کا پتا: آپ کی صحت ماہنامہ آنچل پوسٹ بکس 75 کراچی۔

کام کی باتیں

حنا احمد

عید الاضحیٰ اور امور خانہ داری

موقع کوئی بھی ہو خواتین کی ذمہ داریاں ہر ہر مقام پر محسوس کی جاتی ہیں مختلف تہوار کے موقع پر جس طرح خواتین اپنے لباس، زیورات اور دیگر باتوں پر توجہ دیتی ہیں وہیں اس اہم موقع پر گھر اور گھر سے وابستہ امور پر بھی ان کی بھرپور توجہ ہوتی ہے۔ اس بات کو یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ عید جہاں بے شمار خوشیاں لاتی ہے وہیں خواتین کے لیے بے شمار کام بھی لے کر آتی ہے جنہیں ہر صورت میں نبھانا عورت کی اولین ذمہ داری سمجھا جاتا ہے کیونکہ گھر کی مناسب ترتیب اور آرائش سے ہی عورت کی سلیقہ مندی ظاہر ہوتی ہے۔

چونکہ عید الفطر کے مقابلے میں عید قرباں میں زیادہ ذمہ داری کا کام ہوتا ہے لہٰذا ضروری ہے کہ عید سے ایک دو روز پہلے ہی ضروری کام نبٹا لیے جائیں گھروں کی صفائی ستھرائی، پردوں، بیڈ شیٹ اور کشن کور دھونے کا کام ایک دو روز پہلے ہی کرلیا جائے۔

باورچی خانہ کی صفائی اور ترتیب عید جیسے اہم موقع پر بے حد ضروری بلکہ لازمی ہے کیونکہ ہر اہم موقع پر باورچی خانہ سب سے زیادہ استعمال ہونے والی جگہ ہوتی ہے جہاں طرح طرح کی ڈشوں کا میلہ سا لگا ہوتا ہے ہر کوئی اس کوشش میں لگا رہتا ہے کہ وہ کچھ منفرد پکوان تیار کرے اور اپنے گھر آنے والے مہمانوں کی بڑھ چڑھ کر تواضع کرے۔ ہمارے یہاں تہواروں پر مشرقی اور مذہبی روایات کا جو عملی مظاہرہ ہوتا ہے وہ شاید ہی کہیں اور ہوتا ہو، ہر شخص مجسم اخلاق بنا ہوتا ہے۔ بعض گھرانوں میں تو اتنے تواتر سے مہمان آتے ہیں کہ خاتون خانہ باورچی خانے سے باہر ہی نہیں نکل پاتیں انہیں اتنی بھی فرصت نہیں ملتی کہ کپڑے ہی بدل لیں، لہٰذا خواتین ایسی تجاویز اختیار کریں کہ عید کے دن نا صرف تیار ہوں بلکہ ساتھ ساتھ گھر والوں اور مہمانوں کی خاطر تواضع جاری رکھ سکیں اور کسی قسم کی الجھن و پریشانی کا شکار بھی نہ ہوں۔

اس کے لیے ضروری ہے کہ کچن کی صفائی عید سے چند روز پہلے ہو جائے تو بہت بہتر ہے صفائی سے مراد یہ نہیں کہ فالتو سامان سامنے سے ہٹا دیا جائے اور الماریوں میں بھر دیا جائے بلکہ صفائی سے مراد صفائی ہے یعنی فالتو سامان کچن سے ہٹا کر ہر چیز ترتیب سے رکھ دی جائے عید کے حوالے سے تیار کیے جانے والے پکوان کے مصالحہ جات پہلے سے منگوا کر رکھ لیے جائیں۔

پیاز بھون کر رکھ لیں۔ لہسن ادرک پیس لیں برتن وغیرہ نکال کر ترتیب سے رکھ لیں صابن، تولیہ اور صافی وغیرہ بھی رکھ لیں اس کے علاوہ قربانی کا گوشت تقسیم کرنے کے لیے پلاسٹک کی تھیلیوں کا انتظام بھی پہلے سے کرلیں۔ اسی قسم کے اور دوسرے چھوٹے موٹے کام عید کے دن سے پہلے ہی کرلیے جائیں تو عید کے دن سہولت مل جاتی ہے دراصل کام چاہے کتنا بھی ہو ترتیب اور منصوبہ بندی سے کیا جائے تو اچھے طریقے سے ہو جاتا ہے اور اگر ترتیب اور منصوبہ بندی کا فقدان ہو تو کم سے کم کام بھی آپ کے پھوہڑپن کو ظاہر کرتا ہے۔

عید الاضحیٰ! اور ہمارا فریضہ

عید الاضحیٰ، عید قرباں، بقرہ عید اور بڑی عید یہ سب عنوانات اس ایک تہوار سے منسوب ہیں جو دس ذی الحج کو آتا ہے یہ دن حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بے مثال اور لازوال قربانی کے واقعے کی یاد میں منایا جاتا ہے۔ مساجد میں امام اور خطیب اپنے خطبوں میں اس واقعے کی عظمت و اہمیت پر روشنی ڈالتے ہیں اور نماز کے بعد جانوروں کی قربانی کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔

عید قرباں پر جانوروں کی قربانی کا بھی یہی مطلب ہے کہ مسلمان اللہ تعالیٰ سے اپنی محبت کا اظہار کرتے ہیں علاوہ ازیں اس قربانی میں ایک اور راز یہ بھی پنہاں ہے کہ مسلمان معاشرے کو اس واقعے سے بڑی تقویت پہنچانا مقصود ہے۔ قربانی کے جانور کا جو فلسفہ ہے اس میں آپس میں میل محبت کا اظہار بھی ہوتا ہے۔

گوشت کے تین حصے کیے جاتے ہیں جن میں سے ایک قریبی رشتے داروں کا، دوسرا غریبوں اور ضرورت مندوں کا اور تیسرا حصہ قربانی کرنے والوں کا ہے۔ اس ترتیب اور حکم سے صاف ظاہر ہے کہ قربانی کا مقصد مسلمانوں کو یہ تعلیم دینا بھی تھا کہ پہلے تو وہ اللہ کی محبت کا اظہار کریں اس کا ذکر کریں اور پھر جانور قربان کرنے کے بعد اپنے قریبی رشتے داروں اور غریب غربا کی ضرورتوں کو بھی اتنا ہی مقدم جانیں جتنا وہ

اپنی ضرورتوں کو سمجھتے ہیں۔
لیکن ہوتا کیا ہے......؟

آج سب ہی مسلمان معاشرے کسی بھی مذہبی حکم یا فلسفے کو قطعی طور پر فراموش کر چکے ہیں آج کے مسلمان ہر مذہبی حکم اور رکن کا ایک ایسا مقصد اور استعمال وضع کر چکے ہیں جس سے سب سے زیادہ فائدہ ان کا اپنا ہو یا پھر ان کی اپنی نمود و نمائش کو مختلف طریقوں سے تسکین ملتی ہو۔ لہٰذا سب سے پہلے یہ ہوتا ہے کہ صاحب استطاعت لوگ قربانی کا جانور خریدنے سے پہلے اپنے گھر میں قربانی کا گوشت اسٹور کرنے کا جائزہ لیتے ہیں فریج ٹھیک ہے تو اس میں گنجائش کتنی ہے اگر ٹھیک نہیں ہے تو اس کی نئے سرے سے مرمت کرائی جاتی ہے اس طرح عید قرباں دراصل گوشت اسٹور کرنے کی مہم بن کر رہ جاتی ہے۔

قربانی صاحب استطاعت کرتے ہیں مگر اس کے سارے دکھ وہ لوگ اٹھاتے ہیں جو قربانی نہیں کرتے گلیاں کئی روز تک سریع الاثر (بو) سے متعفن رہتی ہیں نت نئے فیشن بھی اس ایونٹ کا حصہ ہر سال بنتے ہیں۔ پہلے صرف وہ افراد ہی انفرادی سطح پر جانوروں کی چہل قدمی پر متعین تھے جو اس جانور کے مالک ہوتے تھے مگر آج کل جانور کے ساتھ چہل قدمی کے فاصلے میں جتنے بھی ایسے جان پہچان کے گھر آتے ہیں جن کے ہاں یا تو قربانی ہوتی نہیں یا پھر جن کا جانور صاحب مذکور کے جانور سے کم تر ہو وہاں رکنا فرض سمجھا جاتا ہے کہ اپنے جانور کی خوبیوں سے ایسے افراد کو آگاہ کر سکیں جو یا تو جانور کی خوبیوں سے واقف نہیں ہوتے یا پھر ان کے جانور کی خوبیاں کم ہوتی ہیں۔

سماجی رعب و دبدبہ ہمیشہ اپنے سے کم حیثیت والے لوگوں پر ہی قائم ہوسکتا ہے یوں کتنے ہی گھروں میں احساس کمتری کی تلواریں چلاتے ہوئے یہ لوگ ان گھروں سے صاف بچ کر نکل جاتے ہیں جہاں اس قسم کی تلوار انہیں چھلنی چھلنی کر سکتی ہے۔

اب فیشن میں کچھ نئی تبدیلیاں بھی آچکی ہیں اب باقاعدہ ایک پوری جماعت قربانی کے جانوروں کی چہل قدمی کے لیے نکلتی ہے اور ایسی تنگ گلیوں میں باقاعدہ "جانور دوڑ" کا اہتمام کیا جاتا ہے جہاں کسی بندے بشر کا داخلہ با آسانی بند کیا جاسکتا ہو۔ دوڑ کے اہتمام میں باقاعدہ ریفری بھی مقرر ہوتے ہیں اور جانوروں کے پیروں اور گلوں میں گھنگھروں سے بھی زیادہ تیز بجنے والے ایسے ساز و سامان باندھے جاتے ہیں جو ان کے قدموں کی آواز کے ساتھ کچھ اس طرح بجتے ہیں کہ کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی۔

پہلے وقتوں میں بکرا منڈیوں میں خواتین عموماً نہیں جایا کرتی تھیں اور یہ کام سراسر گھر کے مردوں کے حصے میں آتا تھا مگر آج کے جدید عہد میں کوئی بھی ایسی جگہ اور مقام نہیں جہاں مردوں کی طرح خواتین نہ جاسکتی ہوں۔ لہٰذا اب آپ کو بکرا منڈیوں میں خواتین بھی بڑی تعداد میں خریداری کرتی ہوئی اور جانوروں کی خوبیوں اور خامیوں پر بحث کرتی مل جائیں گی۔

قربانی کے دن جب سب اہتمام ہوجاتے ہیں تو سب سے بڑا مسئلہ قصائی کا حصول ہوتا ہے قصائی کا انتظام جانور خریدنے سے بھی زیادہ مشکل ہے لہٰذا قصائی کی بکنگ جانور خریدنے سے بھی پہلے کرانا پڑتی ہے۔ پھر قربانی کے دن قصائی حضرات جس انداز سے جانور کے گلے پر چھری پھیر کر غائب ہوتے ہیں اس سے سب ہی گھروں کے لوگ واقف ہیں جو اس اذیت سے گزرتے ہیں۔ پورا دن جانور سے جتے رہنے کے بعد گوشت کی بہترین تقسیم و ترتیب عمل میں آتی ہے ایک لسٹ جن گھروں میں گوشت بھیجا جائے گا پہلے سے تیار ہوتی ہے اور اس ساری بے پناہ مصروفیت میں نہ کسی کو غریب رشتے دار یاد رہتے ہیں نہ غربا اور مساکین کا خیال کہیں آس پاس سے گزرتا ہے اور نہ ہی ایسے محلے دار اولین فہرست میں شامل ہوتے ہیں جن کے گھر قربانی نہیں ہوتی اور کسی کو یہ یاد نہیں رہتا کہ قربانی کا مقصد کیا ہے؟

اس کا مذہبی فلسفہ اور فریضہ کن چیزوں پر مشتمل ہے، یاد رہتا ہے تو بس یہ کہ کس کے گھر سے کتنا اور کیسا گوشت آیا ہے اس کے گھر کیسا بھیجا جائے؟ پوری مذہبی روایات ان تصنع و اسٹیٹس اور زعم کی آندھیوں میں جانے کہاں سے کہاں جا اڑتی ہیں۔ جانور ذبح ہوجاتا ہے کس کے لیے؟ اس مسئلے میں پڑنے کی ضرورت بھی کیا ہے؟

عنبر فاطمہ.....کراچی